مَنْ یُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْراً یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ

اسلامی فقہ

تقریباً دو ہزار سے زائد مسائل کے شرعی جوابات

مولانا مجیب اللہ ندوی

عقائد و عبادات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

اسلامی فقہ حصّہ اوّل

عنوانات	صفحہ
دیباچہ طبع اول	۱۱
دیباچہ طبع پنجم	۱۶
ایمان وعقیدہ	۲۲
عقائد	۲۵
اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان	۲۶
مشرک قوموں کا شرک	۳۱
شرک کے خلاف عقلی دلیل	۳۷
توحید پر قرآن پاک کا طریقۂ استدلال	۳۸
توحید کی ایک نفسیاتی دلیل	۴۲
تفکر کے ذریعہ توحید پر استدلال	۴۵
عقیدۂ توحید کی اہمیت	۴۹
شرک کی مذمت	۵۲
شرک خدا سے بغاوت ہے	۵۴
شرک کی کچھ اور قسمیں	۵۵
عبادت واطاعت کا فرق	۵۹
علم غیب	۵۹
قبر پرستی اور یادگار پرستی	۶۱
تصویر پرستی	۶۲
اجرامِ سماوی کی تاثیر	۶۲
نفس پرستی	۶۳
موجودہ دور کے نئے بت	۶۵
روٹی، قومیت اور وطنیت	۷۰
اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں دو سوال	۷۳
یومِ آخرت	۸۱
عقیدۂ آخرت کی اہمیت	۸۱
عقیدۂ آخرت برائی سے روکتا ہے	۸۲

عنوان	صفحہ
آخرت کے عقلی و نقلی دلائل	۸۲
بھلائی اور برائی کا پورا نتیجہ	۸۵
بھلے بُرے برابر نہیں ہو سکتے	۸۶
انسانی اعمال اور آخرت	۸۷
انسانی تمنائیں اور آخرت	۸۷
عقیدۂ آخرت کا اثر زندگی پر	۸۸
دوبارہ اٹھایا جانا	۸۹
آخرت کے مراحل	۹۰
پہلا مرحلہ برزخ	۹۰
یومِ آخرت کا دوسرا مرحلہ	۹۴
جنت و جہنم	۹۸
رسالت و نبوت	۱۰۰
رسالت و نبوت کی ضرورت	۱۰۱
رسولوں اور نبیوں کے نام اور تعداد	۱۰۵
نبوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے	۱۰۶
معجزات	۱۰۶
ایک ضروری بات	۱۰۸
سنت، حدیث اور بدعت	۱۰۹
اللہ کی کتابیں	۱۱۰
قرآن پاک کی خصوصیات	۱۱۲
ملائکہ	۱۱۴
بعث بعد الموت	۱۱۸
تقدیر	۱۱۹
عبادات	۱۲۲
عبادت کا مفہوم	۱۲۴
یہ جذبہ کیسے پیدا ہو	۱۲۵
طہارت کا بیان	۱۲۵
نماز سے پہلے طہارت	۱۲۵
طہارت کے معنی اور اس کی اہمیت	۱۲۶
نجاست کا بیان	۱۲۶
نجاست کی قسمیں	۱۲۶
نجاست حکمی	۱۲۶
حدث اصغر	۱۲۶
حدث اکبر	۱۲۷
ریکارڈ میں محفوظ قرآن کا حکم	۱۲۷
نجاست حقیقی	۱۲۸
نجاست غلیظہ اور اس کا حکم	۱۲۸
نجاست خفیفہ اور اس کا حکم	۱۳۰
حیض و نفاس کا بیان	۱۳۵
حیض کی مدّت	۱۳۵
نفاس اور اس کی مدّت	۱۳۷
حیض و نفاس کا حکم	۱۳۷
استحاضہ کا حکم	۱۳۷
پاکی کی مدّت	۱۳۸
حیض و نفاس اور استحاضہ کے چند ضروری مسائل	۱۳۸

کن چیزوں سے طہارت حاصل کی جائے	۱۳۹	بچوں اور غیر مسلموں کا حکم	۱۵۱
پانی کا بیان	۱۳۹	**استنجاء کا بیان**	۱۵۱
حرام	۱۴۰	کاغذ سے استنجاء	۱۵۲
مکروہ تحریمی و مکروہ تنزیہی	۱۴۰	کھڑے ہوکر استنجاء کرنا	۱۵۵
پانی کی قسمیں	۱۴۰	پاکی و ناپاکی کے کچھ نئے مسائل	۱۵۵
مطلق پانی کی قسمیں	۱۴۱	ٹنکی کی صفائی	۱۵۶
بہتا ہوا پانی	۱۴۱	**فقہ کی چند اصطلاحیں**	۱۵۶
ماءِ کثیر یعنی زیادہ پانی	۱۴۱	فرض	۱۵۷
ماءِ قلیل یعنی تھوڑا پانی	۱۴۲	سنّت	۱۵۷
جانوروں کے جھوٹے کا بیان	۱۴۴	مستحب اور واجب	۱۵۸
جن جانوروں کا جھوٹا پانی ناپاک ہے	۱۴۴	**وضو کا بیان**	۱۵۸
وہ جانور جن کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے	۱۴۴	قرآن و حدیث میں وضو کی فضیلت	۱۵۸
وہ جاندار جن کا جھوٹا پاک ہے	۱۴۵	وضو کا طریقہ	۱۶۰
جن جانوروں کے پانی میں گرنے سے		وضو کے فرائض	۱۶۱
پانی ناپاک نہیں ہوتا	۱۴۵	وضو کی سنتیں	۱۶۲
پانی کے ناپاک ہونے کی صورتیں	۱۴۶	مسواک	۱۶۲
کم اور زیادہ پانی کی مقدار	۱۴۶	وضو کے آداب	۱۶۳
کنویں کا پانی	۱۴۷	نواقضِ وضو	۱۶۴
پورا کنواں کب ناپاک ہوتا ہے	۱۴۷	منی و مذی میں فرق	۱۶۴
کنواں پاک کرنے کا طریقہ	۱۴۸	مکروہاتِ وضو	۱۶۵
کن صورتوں میں پورا کنواں ناپاک		جن باتوں سے وضو نہیں ٹوٹتا	۱۶۵
نہیں ہوتا	۱۴۹	زخم پر مسح کا بیان	۱۶۶
کن صورتوں میں کنواں ناپاک نہیں ہوتا	۱۵۰	موزوں پر مسح کرنے کی شرطیں	۱۶۷

نائیلان اور فوم کے موزے ۱٦۸
معذور کے احکام ۱٦۸
حالت جنابت میں قرآن کی کتابت یا ٹائپ ۱٦۸
غسل کا بیان ۱٦۹
غسل کب فرض ہوتا ہے ۱٦۹
دوسرے کے مادۂ منویہ سے غسل ۱۷۰
غسل کرنے کا طریقہ ۱۷۰
غسل کے فرائض ۱۷۱
عورت کے بالوں کا حکم ۱۷۱
غسل کی سنتیں ۱۷۱
غسل کے آداب ۱۷۲
تیمّم کا بیان ۱۷۳
تیمّم کے فرائض اور اس کا مسنون طریقہ ۱۷۴
تیمم کب کرنا چاہیئے. ۱۷۵
نماز کا بیان ۱۷۷
اسلام میں نماز کی اہمیت ۱۷۸
نماز کس طرح پڑھنی چاہیئے ۱۷۹
نماز کے فائدے ۱۸۰
نماز کن لوگوں پر فرض ہے ۱۸۱
نماز کب فرض ہوئی ۱۸۱
فرض نمازوں کی تعداد ۱۸۱
نماز کے اوقات کا بیان ۱۸۲
جہاں دن رات چھ٦ ماہ کا ہوتا ہو ۱۸۲
گھڑی اور تقویم کے ذریعہ وقت کی تعیین ۱۸۴
ریل اور جہاز میں قبلہ کی تعیین ۱۸۵
پانچوں وقتوں میں فرض وسنت کی تعداد ۱۸۵
اذان کے معنیٰ ۱۸٦
اذان کب شروع ہوئی ۱۸٦
اذان کی فضیلت اور اس کا حکم ۱۸۷
اذان کے الفاظ اور اس کا طریقہ ۱۸۵
اقامت ۱۸۸
اذان واقامت کی زبان ۱۸۹
اذان واقامت کی سنتیں اور آداب ۱۸۹
اذان میں کون چیزیں مکروہ یا منع ہیں ۱۹۰
مؤذن کیسا ہونا چاہیئے ۱۹۰
اذان کا جواب دینا ۱۹۱
اذان ہو جانے کے بعد ۱۹۲
نماز کے فرائض وواجبات ۱۹۲
شرائط نماز ۱۹۳
ارکان نماز وواجبات نماز ۱۹۴
نماز کی سنتیں ۱۹۷
آداب یا مستحبات نماز ۱۹۸
مفسدات نماز ۱۹۹
ریڈیو ٹیلی ویژن یا ٹیپ ریکارڈر سے اذان ونماز ۲۰۱

مکروہات نماز	۲۰۱	مسجد کے آداب	۲۳۵
ان صورتوں میں خود سے نماز توڑ دینا چاہئے	۲۰۳	مسجدوں میں پینٹ کا استعمال	۲۳۸
نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ	۲۰۵	دوسری جماعت کا بیان	۲۳۹
نماز کے بعد کی دعائیں	۲۱۳	نیت توڑ کر جماعت میں شرکت	۲۴۰
عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق	۲۱۳	قرارت کا بیان	۲۴۲
خشوع اور اس کے معنیٰ	۲۱۵	امام کے لئے قرارت	۲۴۳
قرآن وحدیث میں خشوع کی اہمیت	۲۱۶	مسنون قرارت	۲۴۴
خشوع پیدا کرنے کا طریقہ	۲۱۷	واجب اور سنت نمازوں کا بیان	۲۴۵
نماز باجماعت کا بیان	۲۱۸	قنوت نازلہ	۲۴۷
جماعت کے فائدے	۲۱۹	نماز تہجد	۲۵۱
جماعت کن لوگوں پر ضروری ہے	۲۲۰	تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد	۲۵۲
کن حالات میں شرکت جماعت ضروری نہیں	۲۲۱	نماز اشراق اور صلوٰۃ الضحیٰ	۲۵۳
		صلوٰۃ التسبیح	۲۵۳
امام اور مقتدی	۲۲۲	صلوٰۃ الحاجۃ	۲۵۴
امام کن لوگوں کو بنایا جائے	۲۲۳	نماز کے مکروہ اوقات	۲۵۵
کن لوگوں کی امامت مکروہ ہے	۲۲۴	جن وقتوں میں ہر نماز مکروہ ہے	۲۵۵
جماعت میں کھڑے ہونے کی ترتیب	۲۲۶	قضا نماز پڑھنے کا طریقہ	۲۵۶
مقتدیوں کے احکام	۲۲۸	کن نمازوں کی قضا ضروری ہے	۲۵۷
مقتدی کی قسمیں	۲۲۹	سجدۂ سہو کا بیان	۲۵۸
مسبوق نماز کیسے پوری کرے	۲۳۰	سجدۂ سہو کا طریقہ	۲۵۹
لاحق نماز کیسے پوری کرے	۲۳۲	مقتدی اور مسبوق کے سجدہ کا حکم	۲۵۹
عورتوں کی جماعت	۲۳۳	سجدۂ سہو واجب ہونے کی صورتیں	۲۶۰
مسجد کا بیان	۲۳۴	سجدۂ سہو کے ضروری مسائل	۲۶۱

عنوان	صفحہ
سجدۂ تلاوت اور اس کا حکم	۲۶۵
سجدوں کی تعداد	۲۶۵
سجدۂ تلاوت اور اس کا طریقہ	۲۶۵
سجدۂ تلاوت کی شرط	۲۶۶
قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت	۲۶۶
قرآن پاک کی تلاوت اور حفظ	۲۷۳
قرآن پاک سے غفلت	۲۷۷
قرآن کی تلاوت کے وقت حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی کی کیفیت	۲۷۹
تلاوت قرآن کے آداب	۲۸۳
قرآن پاک کی کچھ اور خصوصیات	۲۸۶
مسافر کی نماز	۲۸۷
تیز سواریوں سے سفر کا حکم	۲۸۷
مسافر کی نماز کا حکم	۲۸۸
چند ضروری ہدایتیں	۲۸۸
مسافر کب مقیم ہوتا ہے	۲۸۹
سواری پر نماز پڑھنے کا طریقہ	۲۸۹
بیمار کی نماز کا بیان	۲۹۰
جمعہ کی نماز	۲۹۱
جمعہ کی اہمیت	۲۹۱
نماز جمعہ کا حکم	۲۹۲
جمعہ کن لوگوں پر فرض ہے	۲۹۲
نماز جمعہ کے متعلق ضروری باتیں	۲۹۲
جمعہ کے آداب	۲۹۵
لاؤڈ اسپیکر سے نماز	۲۹۶
عیدین کی نماز	۲۹۶
دونوں عیدوں کی اہمیت	۲۹۷
نماز عیدین کا حکم	۲۹۷
جمعہ اور عیدین میں فرق	۲۹۷
نماز عیدین کا وقت	۲۹۸
طریقۂ نماز عیدین	۲۹۸
شافعی امام	۲۹۹
دونوں عیدوں کے دن کی سنت و مستحبات	۲۹۹
عید الفطر کے خاص کام	۳۰۰
عید اضحیٰ کے خاص کام	۳۰۰
ایام تشریق	۳۰۰
تکبیرات تشریق	۳۰۱
نماز کسوف	۳۰۳
یہ اللہ کی نشانی ہے	۳۰۳
قیامت کی یاد	۳۰۳
نماز کسوف کا طریقہ	۳۰۴
نماز خسوف	۳۰۵
نماز استسقاء اور اس کا طریقہ	۳۰۵
دعاء کیسے کرنی چاہئے	۳۰۵
چادر پلٹنا	۳۰۶
بیماری اور موت کا بیان	۳۰۶

عیادت

عیادت	۳۰۷
آداب عیادت	۳۰۸
جان کنی	۳۰۸
جان نکلنے کے بعد	۳۰۹
غسل وکفن	۳۰۹
غسل کا پانی	۳۰۹
غسل کا طریقہ	۳۱۰
مَردوں کا کفن	۳۱۱
عورتوں کا کفن	۳۱۱
کفن دینے کا طریقہ	۳۱۱
نمازِ جنازہ کا بیان	۳۱۲
نمازِ جنازہ کا حکم اور اس کی شرطیں	۳۱۲
نمازِ جنازہ کا طریقہ	۳۱۳
نمازِ جنازہ اور قبر کے بارے میں چند ضروری باتیں	۳۱۶
خودکشی	۳۱۷
نمازِ جنازہ نمازِ عصر اور فجر کے بعد	۳۱۹
تعزیت	۳۱۹
ذکر ودعاء	۳۲۰
دعاء انسان کی فطرت کی پکار ہے	۳۲۲
دعاء تقدیر اور توکل کے منافی نہیں ہے	۳۲۴
تقدیر کی دو قسمیں ہیں	۳۳۴
قبولیت دعاء کے شرائط	۳۳۵
آداب دعاء	۳۳۷
فرض نماز کے بعد دعاء	۳۳۹
کن لوگوں کی دعاء مقبول ہوتی ہے	۳۴۰
دوسرے سے دعاء کی درخواست کرنا	۳۴۲
جائز دعاء فائدہ سے خالی نہیں	۳۴۲
بد دعاء نہ کرنی چاہئے	۳۴۳
ذکر ودعاء میں کس کو زیادہ فضیلت ہے	۳۴۴
ذکر، حلقۂ ذکر اور مجلس ذکر	۳۴۵
ذکر شعور کے ساتھ کرنا چاہئے	۳۴۹
ذکر کب چھوڑ دینا چاہئے	۳۴۹
صبح وشام کے اذکار	۳۵۰
سونے کے وقت کی دعاء	۳۵۳
سوکر اٹھنے کی دعاء	۳۵۴
کھانا شروع کرنے اور ختم کرنے کی دعائیں	۳۵۴
دعوت کی دعاء	۳۵۵
رفع حاجت کی دعاء	۳۵۵
مجلس کی دعاء	۳۵۵
بازار جانے کی دعاء	۳۵۶
مبتلائے مصیبت کو دیکھنے کی دعاء	۳۵۶
لڑکوں کی حفاظت اور نظر بد کی دعاء	۳۵۷
ادائے قرض کی دعاء	۳۵۷
کپڑا پہننے کی دعاء	۳۵۸

چھینک کی دعاء	۳۵۸
سفر کی دعاء	۳۵۸
استغفار و توبہ	۳۶۰
توبہ کا مفہوم اور اس کے شرائط	۳۶۱
درود شریف	۳۶۱
روزہ	۳۶۴
روزہ کی اہمیت	۳۶۴
روزہ کب فرض ہوا	۳۶۹
رمضان کا چاند دیکھنے کا حکم	۳۷۰
چاند کی گواہی	۳۷۱
شہادۃ علی الشہادہ	۳۷۲
شہادۃ علی قضاء القاضی	۳۷۲
قاضی کا خط قاضی کے پاس	۳۷۲
خبر مستفیض	۳۷۳
اختلاف مطلع کی بحث	۳۷۴
نئے آلات کے ذریعہ	۳۷۶
چاند کی رویت میں یکسانیت	۳۷۶
چاند دیکھنے کی دعاء	۳۷۸
روزہ کا وقت	۳۷۹
روزہ کی نیت	۳۷۹
سحری	۳۷۹
افطار	۳۸۰
روزہ میں کرنے کا کام	۳۸۱
روزہ کے مکروہات	۳۸۲
جن باتوں سے روزہ مکروہ و فاسد نہیں ہوتا	۳۸۳
کن باتوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے	۳۸۳
قضا کی صورتیں	۳۸۴
روزہ قضا کرنے کا وقت	۳۸۵
قضا اور کفارہ دونوں کا لازم ہونا	۳۸۵
روزہ توڑ دینے کا کفارہ	۳۸۶
روزہ نہ رکھنے کی اجازت	۳۸۷
سفر اور مرض	۳۸۷
حاملہ اور مرضعہ	۳۸۸
حیض و نفاس	۳۸۸
روزہ رکھ کر توڑ دینے کی اجازت	۳۸۸
بڑھاپے اور طویل بیماری کا حکم	۳۸۹
فدیہ	۳۹۰
مرنے والوں کا حکم	۳۹۱
جن دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے	۳۹۲
انجکشن اور روزہ	۳۹۳
جہاں دن رات غیر معمولی طویل ہوں	۳۹۶
نماز تراویح	۳۹۷
تراویح میں قرآن پڑھنے کا حکم	۳۹۸
تراویح میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں	۳۹۹
تراویح پر اجرت	۴۰۰

نماز وتر	۴۰۲
آخری عشرہ	۴۰۲
اعتکاف	۴۰۳
عورتوں کا معتکف	۴۰۴
اعتکاف کے لئے ضروری شرطیں	۴۰۵
جو باتیں اعتکاف میں حرام ہیں	۴۰۵
اعتکاف کی قضا	۴۰۸
لیلۃ القدر	۴۰۸
لیلۃ القدر کی پہچان	۴۱۰
نفل روزے	۴۱۰
رمضان میں صدقہ	۴۱۲
صدقۂ فطر کی اہمیت اور فائدے	۴۱۳
صدقۂ فطر کا حکم	۴۱۴
صدقۂ فطر کن لوگوں کی طرف سے دینا واجب ہے	۴۱۵
صدقۂ فطر کی مقدار	۴۱۶
غیر مسلم	۴۱۷
زکوٰۃ	۴۱۸
اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت	۴۱۹
زکوٰۃ خدا کا حق ہے اور بندوں کا بھی	۴۲۱
زکوٰۃ کا مقصد	۴۲۲
زکوٰۃ کے معنی اور اس کی تعریف	۴۲۲
صاحبِ نصاب ہونے کا مطلب	۴۲۳
کن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے	۴۲۴
چاندی اور سونے کی زکوٰۃ	۴۲۴
نصاب کا معیار	۴۲۵
مقدار نصاب سے زائد میں زکوٰۃ	۴۲۵
سکّوں کی قیمتیں اور ان کی زکوٰۃ	۴۲۷
مختلف دھاتوں یا کاغذی سکوں کا نصاب	۴۲۸
ضرورت سے زیادہ ہونے کا مطلب	۴۲۸
سال گذرنے کا مطلب	۴۳۰
کارخانہ کے سرمایہ اور شیرز کی زکوٰۃ	۴۳۱
تجارتی و صنعتی سامان کی زکوٰۃ	۴۳۲
مشینوں اور اوزار کے احکام	۴۳۳
گوٹے پچکے اور سونے چاندی کی زنجیر وغیرہ	۴۳۴
کرایہ کے مکان اور سامان اور کارخانوں کی عمارت وغیرہ	۴۳۵
سامان تجارت کا نصاب	۴۳۷
زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ	۴۳۷
عشر کن لوگوں پر فرض ہے	۴۳۸
زمین کی پیداوار میں کیا چیزیں شامل ہیں	۴۳۹
عشر کے نصاب اور دوسری زکوٰتوں میں فرق	۴۳۹
بٹائی کا حکم	۴۴۰
عشر کی مقدار	۴۴۱

عشر اور نصف عشر ۴۴۱
جانوروں کی زکوٰۃ ۴۴۳
بکری کا نصاب ۴۴۴
دنبوں اور بھیڑوں کا حکم ۴۴۵
گائے بھینس کا نصاب ۴۴۵
اونٹ کا نصاب ۴۴۶
گھوڑے، گدھے اور خچر کی زکوٰۃ ۴۴۷
زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ ۴۴۷
قرض اور ادھار روپیہ کی زکوٰۃ ۴۵۰
بینک میں جمع شدہ رقم یا فکسڈ ڈپازٹ ۴۵۲
بیوی کا مہر ۴۵۳
معدن اور رکاز اور کنز ۴۵۳
شہد کی زکوٰۃ ۴۵۵
زمین سے نکلنے والی سیال چیزیں ۴۵۶
سمندر سے نکلے موتی، مونگے اور عنبر ۴۵۶
مصرف یعنی زکوٰۃ کے مستحقین ۴۵۷
مسئلۂ تملیک ۴۶۲
ناواقفیت میں زکوٰۃ دینے کا حکم ۴۶۵
کن لوگوں کو زکوٰۃ نہ دینی چاہیئے ۴۶۵
زکوٰۃ پانے کے اصل حقدار کون ہیں ۴۶۵
دوسرے مقام پر زکوٰۃ بھیجنے کا حکم ۴۶۶
حکومت کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۴۶۶
دوسرے وکیل بنانا ۴۶۷
غریبوں کے لئے مکانات یا کپڑے وغیرہ زکوٰۃ کی مد سے ۴۶۷
ریل، بس یا ہوائی جہاز کا کرایہ ۴۶۷
مدرسوں میں زکوٰۃ دینا ۴۶۸
حیلہ ۴۶۹
زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے مال ضائع ہو جائے ۴۶۹
زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلہ ۴۷۰
ایک آخری اور بہت ضروری بات ۴۷۰
حج ۴۷۴
حج کی اہمیت اور فضیلت ۴۷۴
حج کے فائدے ۴۷۸
حج کب فرض ہوا ۴۷۸
حج کے معنی ۴۷۹
خانۂ کعبہ ۴۷۹
اصطلاحات ۴۸۱
احرام و حج کی قسمیں ۴۸۲
وہ مقامات جن کا ذکر حج کے سلسلہ میں آتا ہے ۴۸۳
حج کا حکم اور اس کے فرض ہونے کی شرطیں ۴۸۶
عورتوں کا حکم ۴۸۷
حرام روپیہ سے حج ۴۸۷

فرائض حج ۴۸۷
شرائط حج ۴۸۸
واجبات حج ۴۸۸
احرام ۴۸۹
احرام باندھنے کا مسنون طریقہ ۴۸۹
حج وعمرہ کی نیت ۴۸۹
تلبیہ ۴۹۰
عورتوں کا احرام ۴۹۰
احرام میں جو چیزیں منع ہیں ۴۹۰
شکار ۴۹۱
بال منڈانا اور ناخن کتروانا ۴۹۲
سلے ہوئے کپڑے پہننا ۴۹۲
خوشبو لگانا ۴۹۳
عورت سے قریب ہونا ۴۹۴
جو باتیں احرام میں مباح ہیں ۴۹۴
طواف ۴۹۵
طوافِ قدوم اور طوافِ زیارت ۴۹۵
طوافِ وداع یا طوافِ صدر ۴۹۶
طواف کا مسنون طریقہ ۴۹۶
میزابِ رحمت کی دعاء ۴۹۸
مقام ابراہیم میں نماز اور دعاء ۴۹۸
عورتوں کا طواف ۴۹۹
جو چیزیں طواف میں واجب ہیں ۴۹۹
جو چیزیں طواف میں حرام ہیں ۵۰۰
کفارہ ۵۰۰
طواف کے مکروہات ۵۰۰
سعی ۵۰۰
سعی کی دعاء ۵۰۱
سعی میں جو چیزیں واجب ہیں ۵۰۱
سعی میں کیا باتیں مکروہ ہیں ۵۰۱
عورتوں کی سعی ۵۰۲
منیٰ میں ۵۰۲
وقوف عرفات ۵۰۲
وقوف کی سنتیں اور آداب ۵۰۲
بطن عُرنہ ۵۰۳
مزدلفہ میں ۵۰۴
وادیٔ محسّر ۵۰۴
جمرۂ عقبہ کی رمی ۵۰۵
قربانی ۵۰۵
طواف زیارت ۵۰۵
تینوں جمروں کی رمی ۵۰۶
رمی کے مکروہات اور غلطیاں ۵۰۶
حلق کی غلطیاں ۵۰۷
حج کا پورا خاکہ ۵۰۷
حج کا مقصد اور اس کے فائدے ۵۰۸
زیارت مدینہ منورہ ۵۰۹

زیارت نبویؐ کی فضیلت	۵۱۰	جانور ذبح کرنے کا طریقہ	۵۱۹
زیارت مدینہ منورہ کا طریقہ	۵۱۱	عقیقہ	۵۲۰
قربانی	۵۱۴	عقیقہ کا طریقہ	۵۲۰
قربانی کن لوگوں پر واجب ہے	۵۱۵	عقیقہ کا گوشت	۵۲۱
کن جانوروں کی قربانی جائز ہے	۵۱۵	عقیقہ کی دعاء	۵۲۱
جانوروں کی عمر	۵۱۶	شکار	۵۲۲
قربانی کا جانور کیسا ہونا چاہئے	۵۱۶	حرام، حلال اور مکروہ جانور	۵۲۳
قربانی کا طریقہ	۵۱۷	پانی کے جانور	۵۲۳
مردہ کے نام قربانی	۵۱۹	بغیر ذبح کئے ہوئے جانور	۵۲۳
قربانی کی کھال	۵۱۹		

مسائل کے سلسلہ میں خط وکتابت اس پتہ پر کیجئے

مولانا مجیب اللہ ندوی
جامعۃ الرشاد۔ رشاد نگر اعظم گڈھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ طبع اول

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اسلامی فقہ کی تالیف کا کام ختم ہوا اور وہ طباعت کے لیے دی جارہی ہے، یہ بس فضلِ خداوندی ہی تھا جس کی دستگیری نے یہ نیک و مفید کام مجھ جیسے کم سواد و بے مایہ کے ذریعہ انجام تک پہنچایا ورنہ کتاب کی تالیف کے درمیان جو موانع اور عوائق پیش آتے رہے ان کی موجودگی میں اس کام کے مکمل ہو جانے کی کوئی امید نہیں تھی، خاص طور پر دو موانع تو قریب قریب پوری مدتِ تالیف میں دامنگیر رہے، ایک خرابیٔ صحت، دوسرے قلتِ وقت۔ یعنی دس ماہ کی مدت میں کئی بار دردِ گردہ کا دورہ ہوا اور وقت کی تنگی تو اس وجہ سے تھی کہ میرا تعلق دار المصنفین سے تھا اور یہ کام ذاتی طور پر کر رہا تھا اس لئے دار المصنفین کے اوقات کے علاوہ اس کی تالیف کا کام گھر پر انجام دینا پڑا۔ ان موانع کی وجہ سے دورانِ تالیف میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب میرے دل میں یہ قوی وسوسہ پیدا ہوا کہ میرا یہ کام بارگاہِ مقدس میں مقبول نہیں ہوا۔ اس لیے مسلسل تعویق کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے یہ کام بند کر دیا، مگر ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ دل میں پھر داعیہ پیدا ہوا، اور میں نے خدا سے دُعا کی کہ اے ربِ العزت! اگر یہ کوئی نیک اور مفید کام ہے اور تجھے پسند بھی ہے تو پھر اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرما۔ چنانچہ جلد ہی یہ وسوسۂ شیطانی دل سے دور ہو گیا اور قلب و دماغ میں ایسا انشراح پیدا ہوا کہ موانع اور عوائق باقی تو رہے لیکن پھر میرے ارادہ و عمل پر غالب نہ آسکے۔

اسلامی فقہ پر اُردو زبان میں متعدد مختصر و مطول کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کے ہوتے ہوئے بھی راقم نے اپنی کم سوادی اور علمی بے مائیگی کے باوجود ایک اور کتاب لکھنے کی جرأت کی ہے، اس کی ضرورت تھی یا نہیں میں اس کا فیصلہ اہلِ علم اور ناظرینِ کتاب پر چھوڑتا ہوں۔ مگر اس پر

رائے اسی وقت قائم کی جائے تو بہتر ہے جب کتاب کے تمام حصے مطالعے کر لئے جائیں، کیونکہ آخری حصے معاملات و معاشرت سے متعلق ہوں گے اور ان دونوں موضوعوں پر اردو کی متداول فقہی کتابوں میں اس تفصیل سے بحث اور مسائل کا استقصا نہیں کیا گیا ہے، جس تفصیل سے اس میں کیا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعے اور اس کی اچھائی یا بُرائی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ان باتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

کتاب کے سلسلے میں چند خاص باتیں

(۱) ہندوستان پاکستان کے مسلمان زیادہ تر حنفی المسلک ہیں۔ اس لئے یہ کتاب اصلاً اسی مسلک کے مطابق لکھی گئی ہے مگر اس کے باوجود دو باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

(الف) ایک یہ کہ اہم اور اصولی مسائل کے بیان میں حنفی مسلک کے ساتھ خاص طور پر معاملات میں دوسرے متداول فقہی مسلک مثلاً مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ کا ذکر بھی متن یا حاشیے میں کر دیا گیا ہے۔

(ب) دوسرے یہ کہ بعض مسائل میں اور خاص طور پر معاملات میں راقم نے حنفی مسلک کے بجائے دوسرے کسی فقہی مسلک کو یا حنفی فقہ کے مشہور اماموں میں سے کسی ایک کی رائے کو ترجیح[1] دی ہے، مگر یہ ترجیح کسی جدت کی خاطر نہیں دی گئی ہے، بلکہ ایسا یا تو کسی ضرورت کی بنا پر کیا گیا ہے یا پھر کتاب و سنت کے واضح وجوہ و دلائل سے مجبور ہو کر عموماً انہی دونوں باتوں کے پیش نظر ان ہمیشہ فقہائے اسلام کسی کی رائے کو راجح اور کسی کی رائے کو مرجوح قرار دیتے رہے ہیں، خود ہندوستان کے ممتاز علماء نے مفقود الخبر متعنت (لاپرواہ ظالم)، عنین (نامرد) اور مجنون شوہر کے بارے میں

---

[1] یہاں ترجیح کا لفظ اس اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے جس کو فقہائے کرام اصحاب الترجیح فقہاء کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ حاشا و کلا راقم الحروف اپنے کو اصحاب الترجیح فقہاء کے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں سمجھتا مگر دوسرے ائمہ یا ائمہ احناف میں کسی کے دلائل زیادہ وزنی محسوس ہوئے تو اس کو اختیار کر لینے کا مشورہ دیا ہے حتی الامکان آخری رائے دینے سے گریز کیا گیا ہے۔

حنفی مسلک کو چھوڑ کر دوسرے ائمہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، خود مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے موجودہ ضرورت سے مجبور ہو کر بیع سلم وغیرہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۵)

(۲) ہر بیان کی ابتدا میں ایک تمہید بھی لکھ دی گئی ہے جس میں قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اس باب میں جو مسائل بیان ہوں گے وہ کتاب وسنت کے ان ہی اصولی احکام کی تشریح وتفصیل ہوں گے تاکہ پڑھنے والے کو ماخذ و ماخوذ اور اصل و فرع میں باہم تعلق محسوس ہو۔ اور یہ فروع وجزئی مسائل محض ایجاد بندہ نہ معلوم ہوں، ساتویں صدی تک عام طور پر فقہائے احناف جزئی مسائل واجتہادی مسائل کے تذکرے میں یہی روش اختیار کرتے تھے، مگر متاخرین فقہائے احناف نے اس بات کا اہتمام بہت کم کیا ہے چنانچہ امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام سرخسیؒ، صاحب ہدایہ، صاحب صنائع وبدائعؒ اور شرح نقایہ وغیرہ کے مصنف سب نے اس کا اہتمام کیا ہے۔

(۳) جن جن مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دُعائیں پڑھتے تھے، ان مواقع پر ان کا ذکر کر دیا گیا ہے اور خاص طور پر نماز میں آپؐ ایک ہی رکن میں کبھی کوئی دُعا اور کبھی کوئی دُعا پڑھتے تھے اور کبھی کئی دُعائیں ایک ساتھ پڑھتے تھے، حتی الامکان ان سب کا ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ جو لوگ طویل نفل نمازیں پڑھنا چاہیں وہ ان کو جمع کر کے اپنی نماز کو طویل سے طویل بنا سکیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہو سکے کہ کثرتِ ذکر کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ آدمی ہر وقت تسبیح پڑھتا رہے بلکہ ہر مواقع پر مسنون دعاؤں کے ورد سے بھی آدمی ذاکر و شاغل بن سکتا ہے۔

(۴) کتاب کی زبان زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی اس کو آسانی سے سمجھ سکیں، اور مثالیں عموماً وہی دی گئی ہیں جن سے روزمرّہ سابقہ رہتا ہے۔

(۵) زیادہ تر کثیر الوقوع مسائل کا ذکر کیا گیا ہے، نادر الوقوع مسائل کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

(۶) جس بیان میں کثرت سے اصطلاحی الفاظ آئے ہیں ان کی فہرست اس بیان کے شروع میں دے دی گئی ہے اور جہاں جہاں ان کا ذکر آیا ہے ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے یا ان کے مرادف

الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ وہ اصطلاحیں بھی ذہن نشین ہو جائیں اور مختصر الفاظ میں اصولی مسائل کا تذکرہ بھی ہو جائے۔ خاص طور پر طلباء کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔

مثلاً رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونے کو فقہاء قومہ کہتے ہیں، اب اگر قومہ کی اصطلاح کو چھوڑ دیا جائے تو پھر اس حالتِ قیام کو سمجھانے میں ایک لمبی عبارت کی ضرورت پڑے گی اور اس کے بعد بھی اس کیفیت کا پورا نقشہ ذہن میں اتنی آسانی سے نہیں آئے گا جتنی آسانی سے وہ قومہ کے لفظ سے آجاتا ہے۔

(۷) کتاب میں جتنے مشکل عربی اور اصطلاحی الفاظ آئے ہیں ان پر اعراب یعنی زبر، زیر، پیش وغیرہ دے دیئے گئے ہیں اور ان الفاظ کی معنوی و اصطلاحی تفسیر کے ساتھ لغوی تشریح بھی کر دی گئی ہے تاکہ الفاظ کے تلفظ میں دقت بھی نہ ہو اور ان الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت بھی معلوم ہو جائے۔

(۸) افادیت کے خیال سے بعض ابواب کی ترتیب بھی راقم نے فقہ کی عام کتابوں کے خلاف رکھی ہے، مثلاً فقہ کی عام کتابوں میں طہارت کا بیان نجاست کے بیان سے پہلے ہوتا ہے، مگر اس کتاب میں پہلے نجاست کا بیان ہے پھر طہارت کا، اس کی وجہ بھی ضمناً بیان کر دی گئی ہے یا عام فقہاء تراویح کا بیان نماز کے بیان کے ضمن میں کرتے ہیں مگر راقم نے اس کا ذکر روزہ کے بیان میں کیا ہے۔ اسی طرح روزہ کے بیان کو زکوٰۃ کے بیان پر اور معاشرتی مسائل کو معاملات کے بیان پر مقدم رکھا گیا ہے۔

(۹) اس کتاب میں چاند کی شہادت کے سلسلے میں ریڈیو اور تار کی خبر کو کچھ قیود کے ساتھ قابلِ قبول قرار دیا گیا ہے اور اب جن علماء کو چند سال پہلے اس بارے میں اختلاف تھا انھوں نے بھی اس قید کے ساتھ اسے تسلیم کر لیا ہے کہ اگر کسی قاضی، مفتی یا معتبر عالم کے سامنے شہادت گزر جائے اور وہ خود ریڈیو پر اعلان کر دے تو اس کو تسلیم کر لیا جائے یا تواتر کے ساتھ ریڈیو پر خبر آئے اور مقامی علماء اسے تسلیم کر لیں تو وہ قابلِ قبول ہے۔

ماخذ اس کتاب کی تالیف میں قرآن مجید کے علاوہ حدیث و فقہ کی حسبِ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:۔

صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف، المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ مجد الدین ابن تیمیہ، مؤطا امام محمدؒ، فقہ حنفی میں، قدوری، ہدایہ، بدائع وصنائع، نور الایضاح، شرح النقایہ، رد المحتار، عالمگیری، المجلۃ الاحکام، فقہ شافعی میں کتاب الاُمّ امام شافعیؒ، المختصر امام مزنیؒ، موطا اور مدونہ امام مالکؒ، الافصاح ابن ہبیرہؒ، الاقناع علامہ ابو النجا شرف الدین وغیرہ۔ اردو کتابوں میں الحقوق والفرائض ڈپٹی نذیر احمد مرحوم، بہشتی زیور، علم الفقہ، عبادات کے بیان میں خاص طور پر نور الایضاح، شرح النقایہ اور علم الفقہ سے مدد لی گئی ہے اور معاملات ومعاشرت میں زیادہ تر المجلہ[1]، ہدایہ، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ رحیمیہ، درمختار[2] اور رد المحتار سے مدد لی گئی ہے۔

آخر میں ایک بار پھر خدائے قدوس سے دعا کرتا ہوں کہ اے رب العزت، جس طرح تو نے گوناگوں عوائق وموانع کے باوجود اس کی تالیف کی توفیق عنایت فرمائی ہے اسی طرح اس کو دنیا وآخرت دونوں جگہ مفید ومقبول بنا اور اس قبولیت وافادیت کے اجر میں راقم کو، اس کے والدین اور اساتذہ اور تمام پڑھنے والوں کو شریک فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

خادم

مجیب اللہ ندوی

محمد شبیر منزل۔ یوسف پور محمد آباد۔ ضلع غازی پور

۱۷؍جولائی ۱۹۵۷ء مطابق ۱۸؍ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

---

[1] ترکی کی عثمانی حکومت نے ممتاز حنفی علماء کی نگرانی میں معاملات پر ایک مجموعۂ قوانین المجلہ کے نام سے ۱۲۸۶ھ میں مرتب کرایا تھا۔ یہ مجموعہ اتنا مقبول ہوا کہ اس کی بے شمار شرحیں ترکی اور عربی میں لکھی گئیں۔ اس مجموعہ میں مصلحت ضرورت کا لحاظ کرکے بہت سے مفتی بہ مسائل کو چھوڑ کر غیر مفتی بہ مسائل کو ترجیح دی گئی ہے۔

[2] درمختار (خ کے ساتھ) اور رد المحتار (ح کے ساتھ) اس کی شرح کا نام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع پنجم

فقہ اسلامی کا مفہوم

فقہ کے لفظی معنی سمجھ بوجھ اور کسی چیز میں درک حاصل کرنا ہے، قرآن پاک اور حدیث نبوی میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا اس کے اس لفظی معنی میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ دین کے معاملہ میں سمجھ بوجھ رکھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا قرآن مجید میں ہے:-

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ	کیوں نہ ہر قوم سے کچھ لوگ تفقہ فی الدین یعنی
طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ	دین میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے نکل کھڑے
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا	ہوں تاکہ وہ علم دین حاصل کر کے واپس ہوں
إِلَيْهِمْ (التوبہ)	تو اپنی قوم کو اس سے آگاہ کریں۔

حدیث میں آیا ہے:

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ	جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی دینا چاہتا ہے اسے
فِي الدِّينِ۔ (مشکوٰۃ)	دین میں سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے۔

عہد صحابہ و تابعین تک جب بھی یہ لفظ بولا جاتا تھا تو اس سے یہی دینی فہم مراد لیا جاتا تھا، جس میں عقائد، عبادات اخلاق و معاملات سب داخل سمجھے جاتے تھے، مگر جب ہر فن کی جدا جدا تدوین شروع ہوئی تو ہر فن کے لیے جدا جدا اصطلاحیں وضع ہوئیں، اس وقت سے علم فقہ سے عقائد و اخلاق کی بحث کو علیحدہ کر لیا گیا اور فقہ کا دائرہ عبادات و معاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام تک محدود ہو گیا، اور ان احکام کے جو اخلاقی و روحانی پہلو ہیں آہستہ آہستہ فقہ کی کتابوں میں ان سے بحث کرنا ترک ہو گیا، اور ان تینوں شعبوں کے عملی احکام کو جاننے ہی کا نام "علم فقہ" ہو گیا، عقائد کی بحث کے لیے

علم کلام وجود میں آیا، اور احکام کے اخلاقی و روحانی پہلو یعنی احسان اور تزکیۂ نفس کے لیے تصوف کی اصطلاح وضع ہوئی مثلاً ابتدا میں نماز کے بیان میں اس کے ظاہری ارکان کے ساتھ خشوع و خضوع اور انابت قلب کا بھی ذکر ہوتا تھا مگر بعد میں فقہ میں نماز کے ظاہری ارکان کی تفصیل سے بہت زیادہ بحث ہونے لگی مگر اس کے روحانی اور اخلاقی پہلو پر بہت کم بحث ملے گی۔

مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ابتدا میں "فقہ فی الدین" کا لفظ نفس دین اور سارے دینی احکام میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے بولا جاتا تھا، خواہ وہ ایمان و عقیدہ کے مسائل ہوں یا قانونی احکام ہوں یا اخلاقی اور روحانی ہدایات ہوں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ جن کی ذات گرامی سے فقہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا انہوں نے فقہ کی تعریف یہ کی تھی۔

مَعْرِفَةُ النفس ما لَهَا وَمَا عليها (البحر الرائق) — ہر شخص یہ جان لے کہ اس کے لیے دنیا و آخرت میں کیا چیز مفید ہے اور کیا چیز مضر ہے۔

اس تعریف سے فقہ کا دائرہ محض عملی احکام تک محدود نہیں رہتا، بلکہ عقائد و اخلاق اور احسان و تزکیہ کے احکام بھی اس میں داخل ہو جاتے ہیں، علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب بحر الرائق میں عام فقہا کی طرح فقہ کے صرف چار شعبوں عبادات، مناکحات، معاملات اور عقوبات کے مسائل لکھے ہیں، مگر انہوں نے عقائد و آداب کو بھی فقہ کا جز قرار دیا ہے، بحر الرائق کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ اسلامی فقہ کے پانچ شعبے ہیں (۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) مزاجر (۵) آداب — اور ان میں سے ہر شعبے کی پھر کئی قسمیں ہیں، مثلاً اعتقادات میں ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتاب، ایمان بالرسول، ایمان بالآخرہ وغیرہ اس کی قسمیں ہیں۔ اسی طرح عبادات کی بھی پانچ قسمیں ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد، معاملات[1] کی بھی پانچ قسمیں ہیں معاوضات مالیہ، مناکحات، مخاصمات، امانات، شرکات[2]۔ مزاجر[3] یعنی وہ احکام جن میں جرائم اور ان کی سزاؤں کا بیان ہو۔ اس کی بھی متعدد قسمیں ہیں،

---

[1] اس میں سارے دیوانی قوانین آجاتے ہیں۔ [2] مثلاً مضاربت، شرکت وغیرہ۔

[3] مزاجر سے ان کی مراد وہ احکام ہیں جن میں جرائم کا ذکر اور ان کی سزاؤں کا حکم ہو، (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مثلاً قتل کی سزا (قتل میں کسی عضو کو نقصان پہنچا دینا بھی شامل ہے) کسی کا مالی حق لینے کی سزا، مثلاً چوری، ڈاکہ غصب، بے عزتی کی سزا، آبروریزی کی سزا۔ گویا سارے فوجداری قوانین اس کے تحت آجاتے ہیں۔
آداب جس میں رہنے سہنے، کھانے پینے کے طریقے اور ذاتی اخلاق و سیرت کی بحث ہوتی ہے، فقہ میں عام طور پر ان میں سے تین شعبوں سے بحث کی جاتی ہے یعنی ۱۔ عبادات، ۲۔ معاملات، ۳۔ مزاجر۔ (البحر الرائق صـ 17)
اس تفصیل سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اسلامی فقہ کا دائرہ کتنا وسیع ہے، اس کی گرفت سے انسانی

زندگی کا کوئی پہلو خالی نہیں ہے، مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، کہ جب مختلف فنون کی تقسیم شروع ہوئی تو فقہاء نے فقہ کے مجرد عملی احکام کو عقائد اور اخلاق کی بحث سے جدا کر لیا اور پھر انہوں نے فقہ کی یہ تعریف کی۔

العلم بالاحکام الشرعیہ العملیة	فقہ نام ہے شریعت کے عملی احکام کو ان کے
من ادلتها التفصیلیة	تفصیلی دلائل سے جاننے کا۔

عام طور پر علمائے احناف مثلاً بزدوی، ابن نجیم، ابن عابدین، اور المجلہ کے مولفین نے دو ایک لفظ کے اضافہ کے ساتھ یہی تعریف لکھی ہے، شافعی فقہاء میں علامہ آمدی نے اسی کی یہ وسیع تعریف کی ہے۔

الفقہ مخصوص بالعلم الحاصل	فقہ اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بصیرت و
بجملة الاحکام الشرعیہ بالنظر والاستدلال	دلیل کے ساتھ شریعت کا علم حاصل ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
انہوں نے معاملات ہی میں معاشرتی احکام یعنی مناکحات کو بھی داخل کر دیا ہے، اگر اس کا ذکر الگ کیا جائے تو اسلامی احکام کی چھ قسمیں ہو جاتی ہیں، مگر اس میں ایک اور قسم کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں بین الاقوامی معاملات پر بحث ہوتی ہے، جسے فقہاء "باب الجہاد والسیر" کے نام سے ذکر کرتے ہیں، غالباً مصنف نے اس کو باب جہاد ہی کا ایک حصہ سمجھا ہے، اس لیے علیحدہ ذکر نہیں کیا ہے، اگر اس کو علیحدہ کر لیا جائے تو پھر اس کی سات قسمیں ہو جاتی ہیں، اور اگر داخلی معاملات کو یعنی نظم و انتظام کو بھی علیحدہ کر لیا جائے تو آٹھ قسمیں ہوتی ہیں، جسے الاحکام السلطانیہ، اور السیاستہ الشرعیہ، کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کا ذکر بھی مختلف ابواب فقہ میں ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ کے دور تک تو فقہا ہر مسئلہ میں ادلہ تفصیلہ (یعنی یہ کہ فلاں مسئلہ کتاب و سنت کے فلاں حکم سے ماخوذ ہے) سے بحث کرتے رہے، مگر بعد میں مجرد احکام سے بحث شروع ہوگئی، دلائل کو نظر انداز کر دیا گیا، متاخرین فقہاء میں علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ملا علی قاری نے شرح النقایہ میں اس کا اہتمام کیا ہے، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے بھی شرح وقایہ کے حاشیہ میں اس کا اہتمام کیا ہے اور امام الکلام کے نام سے اسی طرح کی ایک اور کتاب لکھنی شروع کی تھی جو مکمل نہ ہو سکی، موجودہ دور میں شدید ضرورت ہے کہ اسلامی فقہ کی تدوین اس طرح کی جائے کہ ہر مسئلہ کے دلائل و ماخذ بھی معلوم ہوتے جائیں، اور اس کے حکیمانہ اور اخلاقی پہلو بھی ذہن نشین ہوتے جائیں، اسلامی فقہ میں راقم الحروف نے بڑی حد تک اس کی کوشش کی ہے، کہ کتاب پڑھنے والے کو ماخذ و مصادر کا بھی علم ہو جائے اور اس کے روحانی اور اخلاقی پہلو پر بھی کچھ نہ کچھ روشنی پڑ جائے۔ فقہ کی کتابوں میں مستحبات کا بیان اسی اخلاقی پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔

اسلامی فقہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں مکتبہ الحسنات سے شائع ہوا پھر جلد ہی دوسرا ایڈیشن نکلا مگر درمیان میں تقریباً دس بارہ برس بعض اسباب کی بنا پر اس کی اشاعت نہ ہو سکی۔ پھر ۱۹۷۶ء میں عبدالحی صاحب مالک مکتبہ الحسنات کے اصرار پر اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا، اور پھر ۱۹۸۱ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن مکتبہ الحسنات ہی سے شائع ہوا، اب یہ پانچواں ایڈیشن تاج کمپنی دہلی سے شائع ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

یوں تو ہر ایڈیشن کے موقع پر مرتب نے کتاب میں کچھ نہ کچھ ترمیم و اضافہ کیا ہے اور کتابوں کے حوالہ بھی دینے کی کوشش کی ہے، مگر خیال تھا کہ پانچویں ایڈیشن میں عقائد کے باب کا اضافہ بھی کر دیا جائے اور حدود و قصاص اور قضاء و شہادت اور احکام سلطانیہ اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ کے ابواب کا بھی اضافہ کر دیا جائے اور جو حوالے باقی رہ گئے ہیں وہ بھی اصل ماخذ سے دے دیے جائیں، اسی کے ساتھ ان جدید مسائل کا بھی اضافہ کر دیا جائے جو عام طور پر فقہ کی کتابوں میں موجودہ صورت میں نہیں ملتے، مگر ان کا جواب کتاب و سنت اور فقہ کی جزئیات سے مستنبط کیا جا سکتا ہے، لیکن کتاب تقریباً ایک سال سے موجود نہیں ہے اور اس کی مانگ برابر جاری ہے، اس لیے اس کا جلد چھپ جانا ضروری تھا، اس بنا پر اس ایڈیشن میں حدود و قصاص اور قضاء و شہادت کے مسائل تو تفصیل سے نہیں آسکے، مگر

عقائد کے باب کا مکمل اضافہ کردیا گیا ہے، اور درجنوں نئے مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے؛ اور ساتھ ہی تقریبًا پوری کتاب کے ہر مسئلہ کا حوالہ بھی حاشیہ میں دے دیا گیا ہے۔

اصلاً یہ کتاب فقہ حنفی کے مسائل پر مشتمل ہے مگر معاشرت و معاملات کے بہت سے مسائل میں ائمہ ثلاثہ، امام مالکؒ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی رایوں کا بھی ذکر کردیا گیا ہے، تاکہ شریعت کا توسع مجروح نہ ہونے پائے، اس طرح یہ ایڈیشن پچھلے ایڈیشنوں سے زیادہ مکمل صورت میں قارئین کے ہاتھوں میں جارہا ہے، بحمداللہ اس ایڈیشن میں قدیم و جدید مسائل کے جو اضافے کئے گئے ہیں اس کے بعد اسلامی شریعت کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہ گیا ہے جس پر کچھ نہ کچھ روشنی نہ پڑ گئی ہو۔

مسائل کے سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ بعض نئے اور پرانے مسائل میں راقم الحروف کی رائے دوسرے علماء کی رائے سے قدرے مختلف ہے، مگر اپنی رائے حاشا و کلا کسی خود رائی کی بنا پر نہیں بلکہ کتاب و سنت اور فقہا کی تصریحات کے پیش نظر ہی دی ہے، مثلاً ربا یا پراونڈنٹ فنڈ پر سود وغیرہ کے سلسلہ میں ربا کے ساتھ ربیٰبہ کے اخلاقی پہلو کو پیش نظر رکھ کر حکم لگایا گیا ہے، اسی طرح بعض دوسرے مسائل میں بھی اگر کسی مسئلہ میں اہل علم غلطی محسوس کریں تو راقم الحروف کو اس غلطی کے وجوہ سے مطلع کردیں۔ ان کے دلائل قوی ہوئے تو انشاء اللہ رجوع کرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کرے گا اور اسے آپ المراجعة الی الحق خیر من التمادی فی الباطل پر عمل کرنے والا پائیں گے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔

طبع اول کے دیباچہ میں جن کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں اس ایڈیشن میں مذکورہ کتابوں کے ساتھ ان کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ الفتح الربانی بتویب مسند احمد بن حنبل، الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جواہر الفقہ، فتاوی رحیمیہ، تفسیر تدبر قرآن، تفسیر معارف القرآن، مرقات شرح مشکوٰۃ از ملا علی قاری وغیرہ۔

اسلامی فقہ کا سرقہ

مکتبہ الحسنات کے موجودہ کارکردہ کے طرز عمل کی بنا پر ان سے ایک سال پہلے اسلامی فقہ کی اشاعت کا معاملہ ختم کرلیا گیا اور راقم الحروف کتاب پر نظر ثانی کرنے لگا چونکہ کتاب بازار میں موجود نہیں تھی جس سے فائدہ اٹھا کر مکتبہ الحسنات کے

موجودہ کارکردہ عبد المالک فہیم نے یہ ظلم کیا کہ کتاب کی پوری ترتیب اور کتاب کا نام باقی رکھتے ہوئے عبارت کا معمولی ردوبدل کرکے ایک غیر معروف مصنف کے نام سے شائع کردیا۔ جس کا ان کو قانونی، اخلاقی اور دینی اعتبار سے کوئی حق نہیں تھا، بہرحال اس ظلم کے خلاف ہم نے اخبارات کے ذریعہ اپنے جذبات کا اظہار کردیا ہے، لیکن اس ظلم کی اصل شکایت بارگاہ قدوس میں ہم کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَیْکَ

کتاب کے نام اور اس کے مضامین اور عنوانات کا جس دلیری کے ساتھ سرقہ کیا گیا ہے اس کو چھپانے کے لیے دیباچہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں عبدالرحمٰن الجزیری کی الفقہ علی المذاہب الاربعہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے حالانکہ اس کتاب کے ایک صفحہ میں بھی فائدہ نہیں اٹھایا گیا ہے اور اس کو سمجھنے کی پوری صلاحیت نہ تو مؤلف میں ہے اور نہ ناشر کے اندر ہے، جو انصاف پسند دونوں کتابوں کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ فریب ظاہر ہوجائے گا، جہاں راقم الحروف نے ائمہ اربعہ کے مسلک کا ذکر کیا ہے اس عبارت کو بدل کر رہنے دیا گیا ہے پھر آپ نے لکھا ہے کہ یہ اصلاً فقہ حنفی کے مسلک کے مطابق ہے مگر فقہ حنفی کی کسی ایک کتاب کا حوالہ کتاب میں موجود نہیں ہے۔

اس کتاب کو ایک نئی کتاب بناکر پیش کیا گیا ہے اگر یہ نئی کتاب تھی تو پھر نیا نام بھی تجویز کردیا ہوتا مگر اس کے باوجود ناظرین کی علمی و دینی پیاس اس سے کسی درجہ میں بھی نہ بجھ سکے گی اور وہ اصل اسلامی فقہ کی طرف رجوع کریں گے۔ مکتبۃ الحسنات کے موجودہ کارکردہ عبدالمالک فہیم تو اپنے مفاد کے لیے سب کچھ کرسکتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے کئی مصنفین کے ساتھ وہ کرچکے ہیں مگر افسوس اس کا ہے کہ انھوں نے اس میں اپنے والد عبدالحی صاحب کو بھی شامل کرلیا ہے اور پھر اس سے زیادہ افسوسناک بات محمد فاروق خاں کا پیش لفظ ہے جس میں اس کتاب کا تعارف نئی کتاب کے طور پر کرایا گیا ہے جو سراسر غلط ہے، محمد فاروق خاں آج سے نہیں ۲۵ سال پہلے سے راقم الحروف سے اور اس کی کتاب سے واقف ہیں بلکہ ان کے دینی رجحان کی تربیت میں ابتداً راقم الحروف کی کوششیں بھی شامل تھیں۔ بہرحال اس مجرمانہ جرأت کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے۔

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

خادم
مجیب اللہ ندوی
جامعۃ الرشاد، رشادنگر۔ اعظم گڈھ
۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی فقہ

ایمان و عقیدہ

اسلامی شریعت یا اسلامی فقہ کا لفظ جب ہم بولتے ہیں، تو اس سے وہ ہدایت ربانی اور ارشادات نبوی مراد ہوتے ہیں، جو نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں ملے ہیں، اور جو آج قرآن و حدیث کی صورت میں مکمل طور پر ہمارے درمیان موجود ہیں، اسلامی شریعت کے ذریعہ ہمیں جو ہدایات و احکام ملے ہیں، وہ دو طرح کے ہیں، ایک کا تعلق ہمارے ضمیر، دل اور دماغ سے ہے، اور دوسرے کا تعلق ہمارے جسم اور اعضا سے ہے، جن ہدایات اور احکام کا تعلق ہمارے قلب و دماغ سے ہے اس کو ایمانیات اور اعتقادات کہتے ہیں، اور جن کا تعلق ہمارے ظاہری اعمال سے ہے ان کی کئی قسمیں ہیں مثلاً عبادات کے احکام، معاملات و معاشرت کے احکام، اخلاق و آداب کے احکام، حکومت و سیاست کے احکام، اللہ کے دین کی دعوت و تبلیغ کے احکام ان احکام کے جو باطنی پہلو ہیں ان کا ذکر ہر باب میں آئے گا

اسلامی فقہ میں اس سے پہلے عملی[1] احکام کی کچھ قسموں کی تفصیل کی گئی تھی، مگر اب اس کے شروع میں اعتقادات کے باب کا اضافہ کیا جا رہا ہے، اور عملی احکام کے جو پہلو تشنہ رہ گئے تھے ان کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے، مثلاً قضا و شہادت کا بیان، حدود و قصاص وغیرہ کے احکام۔

ایمان و عقیدہ علماء نے ایمان کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے :

الایمان فی الشرع ھو التصدیق — جو ہدایات و احکام اللہ کے رسول خدا کی

---

[1] دیباچہ میں وضاحت کر دی گئی ہے، کہ ابتداءً فقہ میں پورے اسلامی احکام سے بحث ہوتی تھی، خواہ وہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے، مگر بعد میں عملی احکام کے مجموعہ کا نام فقہ ہو گیا۔

بماجاء بہ الرسول من عنداللہ — طرف سے لائے ہیں، ان پر دل سے یقین
والاقرار بہ، — کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا نام
(شرح عقائد نسفی ص۹) — ایمان ہے۔

عقیدہ، عقد سے بنا ہے، جس کے معنی گرہ دینے کے آتے ہیں، یعنی جب کسی چیز کا یقین دل میں پورے طور پر بیٹھ جاتا ہے، تو وہی عقیدہ بن جاتا ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام اور اس کی جو ہدایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہیں، یا وہ ہدایات اور احکام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملے ہیں خواہ ان کا تعلق اعتقادات سے ہو، یا عملی زندگی سے، ان پر یقین رکھنے اور دل کے اندر اس کو بٹھا لینے اور زبان سے اس کا اظہار کرنے کا نام ایمان ہے، ان ہدایات اور حقائق کی تصدیق اور اقرار جن کا تعلق اُس عالم سے ہے، جس کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، جسے عالم غیب کہا جاتا ہے، مثلاً اللہ کی ذات وصفات کی تصدیق، آخرت اور جنت و دوزخ کا یقین، ملائکہ پر یقین، تقدیر اور عذابِ قبر پر یقین، ان کو ایمانیات و اعتقادات کہا جاتا ہے۔ اور جن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے، ان کو فقہ میں معاملات اور معاشرت اور آداب و اخلاق کا نام دیا جاتا ہے، مگر ایمان لانے اور یقین کرنے کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اب اگر کوئی شخص اعتقادی احکام میں سے کسی پر یقین نہ رکھے، یا اسلامی شریعت کے احکام میں سے کسی کا انکار کر دے، تو دونوں صورتوں میں وہ مسلمان نہیں رہ جائے گا، یعنی مومن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پوری اسلامی شریعت کو مانتا ہو، ذیل کی احادیث نبوی ؐ سے اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے،

لا یومن احدکم حتی یکون — کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا
ھواہ تبعاً لما جئت بہ — جب تک اپنی خواہش کو میری لائی ہوئی شریعت
(مشکوٰۃ ص۳۰) — کے تابع نہ کر دے،

قبیلہ عبد القیس کا وفد جب آپ ؐ کی خدمت میں آیا تو انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کیا، کہ آپ ہمیں کچھ ایسی بنیادی باتیں بتا دیں، جن کو ہم اپنی قوم کو جا کر بتا دیں، اور ان کے ذریعہ جنت میں ہمارا داخلہ ممکن ہو جائے، پھر اس کے بعد انہوں نے نشہ آور چیزوں کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا، آپ نے ان کا جواب عنایت فرمایا، پھر آپ نے ان کو چند باتوں کا حکم فرمایا، سب سے پہلے آپ نے فرمایا کہ اللہ واحد پر ایمان لے آؤ، یہ فرمانے کے بعد آپؐ نے ان سے سوال کیا کہ:

اتدرون ما الایمان باللہ وحدہٗ	جانتے ہو کہ اللہ واحد پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے۔

انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول اس کو زیادہ جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا،

شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان وان تعطوا المغنم الخمس [1] (بخاری)	اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے کے روزے رکھنا، اور مال غنیمت میں پانچواں حصہ ادا کرنا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

الایمان بضع وسبعون شعبۃ فافضلها قول لا الٰہ الا اللہ وادناها [2] اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء من الایمان (بخاری ومسلم)	ایمان کی سترؔ سے زیادہ شاخیں ہیں، جن میں افضل کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار اور اس سے قریب تر عام راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، اور حیا ایمان کا جزء ہے۔

---

[1] اس حدیث کی مختلف روایتوں میں جو اشکالات ہیں، اگر نیچے والی حدیث کی روشنی میں اس کا مفہوم متعین کیا جائے، تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو کہیں مختصراً اور کہیں مفصل ذکر کیا ہے، اس لیے جو لوگ ان کی ایک روایت کی بنا پر شہادت کو خارج کر کے اس کا مفہوم متعین کرتے ہیں ان کو پریشانی ہوتی ہے، [2] وادناها کا ترجمہ عام طور پر سب سے کم تر درجہ کیا جاتا ہے، مگر یہ دنائت سے نہیں، بلکہ دنو سے ماخوذ ہے، جس کے معنی قریب کے ہیں،

ان احادیث نبوی ؐ کے علاوہ اور بھی بے شمار احادیث ہیں، جن میں ایمان کے مفہوم میں عقائد عبادات
معاملات سب کو شمار کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری اسلامی شریعت کا رشتہ ایمان باللہ سے جڑا ہوا
ہے، البتہ جہاں صرف عالم غیب کی چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر ہوتا ہے، وہاں اس سے مراد پوری اسلامی
شریعت نہیں ہوتی، بلکہ اس سے صرف بنیادی عقائد مراد ہوتے ہیں،

عقائد جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے، ایمانیات اور عقائد عام طور پر اسلامی شریعت میں ان حقیقتوں
پر ایمان لانے کو کہتے ہیں، جن کو ہماری ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، بلکہ ان کا علم
ہم کو وحی کے ذریعہ ہوا ہے، اور یہ وحی اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل ؑ کے ذریعہ تمام انبیاء پر نازل فرماتا رہا ہے،
اور آخر میں اس کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہوگئی، اب آپ ؐ کے بعد قیامت تک
وحی کا نزول نہیں ہو سکتا، وحی کے ذریعہ ہمیں عالم غیب کے جن حقائق کا علم ہوا ہے، ان میں سب سے
پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان ویقین رکھنا ضروری ہے، پھر اس کے بعد ملائکہ پر
اور اللہ کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور پھر عالم آخرت پر یعنی قبر کی زندگی سے کر قیامت تک
اور اس کے بعد جنت ودوزخ کے فیصلہ تک جو کچھ پیش آنے والا ہے ان سب پر یقین رکھنا ایک مومن کے لیے
ضروری ہے، قرآن پاک میں ان تمام چیزوں پر یقین رکھنے کا بار بار ذکر آیا ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرہ)	اعتقاد رکھتے ہیں رسول اللہ ؐ اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور مومنین بھی، سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ۔
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرہ)	لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتب اور پیغمبروں پر۔
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (لقمان)	اور وہ لوگ یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ایک بار حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے، اور آپ سے بہت سے سوالات کیے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا:

فاخبرنی عن الایمان فقال ان	آپ مجھے ایمان کی تفصیل بتائیے، آپ نے فرمایا
تؤمن باللہ وَمَلٰئِکَتِہٖ وکتبہ و	یہ کہ ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ پر، ملائکہ پر، اور
رسلہ والیوم الآخر وتومن بالقدر	اللہ کی کتابوں پر اور اللہ کے رسولوں پر
خیرہ وشرہ (بخاری ومسلم)	یوم آخرت پر اور بری بھلی تقدیر پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ دائرۂ ایمان میں داخل ہونے کے لیے ان چھ چیزوں پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا ضروری ہے، یہی اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے کسی ایک چیز پر بھی ایمان نہ لے آئے یا ان کا انکار کردے تو وہ دائرہ ایمان سے خارج سمجھا جائے گا،

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ	جو اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں
وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ	اور اس کے رسول کا اور یوم آخرت کا انکار
ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ (النساء)	کرے وہ بڑی زبردست گمراہی میں ہے۔

اب ہر ایک کی الگ الگ تفصیل کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے، دنیائے انسانیت نے مجموعی طور پر کسی زمانے میں بھی اس کا انکار نہیں کیا ہے[۱] البتہ انسانوں سے غلطی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے سلسلہ میں ہوتی رہی ہے، اور آج تک ہو رہی ہے، خود مکہ کے کافر یہ کہتے تھے کہ اس ساری کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے، اور بڑے بڑے امور اسی کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، قرآن میں ہے:-

---

[۱] اکا دکا افراد خدا کے منکر ہوئے ہیں، اور آج بھی مغرب اور کارل مارکس کے فلسفہ سے متاثر بہت سے لوگ الحاد کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر ان کے تحت الشعور میں خدا کا تصور موجود ہوتا ہے، اسٹالن نے مرنے کے وقت لوگوں سے خواہش ظاہر کی تھی کہ گرجاؤں اور مسجدوں میں اس کے لیے دعا کی جائے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔ (عنکبوت : ۶۱)	آپ ان سے سوال کریں کہ ان آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، اور سورج اور چاند کو کس نے پابند بنایا ہے، تو وہ کہیں گے کہ اللہ تو پھر یہ کہاں بھٹکتے جا رہے ہیں۔
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (عنکبوت ۶۳)	اگر آپ ان سے سوال کریں، کہ آسمان سے کون پانی برساتا ہے، جس سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، تو جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کہیے کہ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

مگر اسی کے ساتھ وہ یہ کہتے تھے، اور کہتے ہیں، کہ اس کائنات کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا انتظام فرشتوں اور کچھ نیک لوگوں اور دیویوں اور دیوتاؤں کے سپرد کر دیا ہے، اور وہ خود نعوذ باللہ معطل ہو کر رہ گیا ہے، یہ سوچ کر لوگ خدا کو چھوڑ کر انہی کی عبادت کرنے اور انہی کے سامنے نذر و نیاز پیش کرنے لگے، اس طرح شرک کی گمراہی میں مبتلا ہوئے، اور خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر انہی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنے لگے، قرآن پاک نے اس خیال کی سخت تردید کی ہے، اور اس کو اتنا بڑا ظلم قرار دیا ہے کہ اس کے بخشے جانے کی کوئی امید نہیں ہے،

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان)	خدا کا شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے،
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ	اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کر سکتا اس کے علاوہ ہر گناہ کو معاف کر دے گا،

یہی نہیں بلکہ اس کو سب سے بڑی گمراہی اور زمین میں فساد اور بگاڑ کا سبب قرار دیا ہے، اور بار بار یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ جس طرح پوری کائنات کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح کائنات کا نظم و نسق بھی وہ تنہا انجام دے رہا ہے،

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف)	اچھی طرح سن لو کہ اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی چلا رہا ہے، اور سارے معاملات اس کے ہاتھ میں ہیں۔

آیۃ الکرسی میں اسی تصوّر کو بڑی وضاحت سے ذہن نشین کرایا گیا ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ،

(البقرہ)

اللہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور ساری دنیا کے نظام کو تھامے ہوئے ہے، اس کو نہ تو اونگھ پکڑتی ہے، اور نہ نیند، اسی کے قبضہ میں سارے آسمان اور زمین ہیں، اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور میں کوئی سفارش نہیں کرسکتا ہے۔ وہ ان کے آگے اور پیچھے کی ہر بات سے واقف ہے، اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے، اس کی بادشاہت سارے آسمانوں اور زمین سے زیادہ وسیع اور آسمانوں اور زمین کی حفاظت سے وہ عاجز نہیں ہے، اس کی ذات بہت بڑی اور عظیم ہے،

سورۂ انعام میں ہے،

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعْلَمُھَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔

(انعام)

خزانۂ غیب کی ساری کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اور ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ جانتا ہے، کوئی پتہ زمین میں نہیں گرتا، مگر وہ جانتا ہے، اور کوئی دانہ جو زمین کی تہوں میں ڈال دیا جاتا ہو، اور کوئی خشک یا تر چیز، ایسی نہیں جو ایک کھلی ہوئی کتاب میں موجود نہ ہو۔

یہی تصور سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور بے شمار آیتوں میں ذہن نشین کرایا گیا ہے، کہ خدا کے

قدوس نہ تو ہماری دنیا اور اس پوری کائنات کے پیدا کرنے میں کسی کا محتاج رہا ہے، اور نہ اس کے پورے نظام کو چلانے میں اسے کسی مدد کی ضرورت ہے، ملائکہ، انبیاء اور رسولوں کی حیثیت قاصد اور پیغامبر کی ہے، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد اور مادری اور روحانی زندگی میں راہ نمائی اور شہادت کا کام لیتا ہے۔ مگر ان کو خلق (پیدائش) اور امر (دنیا کے نظام چلانے) میں کوئی دخل نہیں ہوتا،

اگر بندہ کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے، کہ پوری کائنات اور پھر اس میں انسانی زندگی کی تخلیق اور نشوونما اور پرورش کے جتنے بنیادی ذرائع ہیں، ان کا منبع خدا کی ذات واحد ہے، مٹی، ہوا، پانی اور فضا، روشنی اور موسموں کی سازگاری یہ سب انسانی زندگی کے بنیادی ذرائع ہیں، ان میں سے کسی ایک کے ادنی حصہ کی پیدائش یا ان میں جو ہم آہنگی ہے، ان کو باقی رکھنے میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، تو اس ذات قدسی کے علاوہ نہ تو کسی ہستی کے سامنے اس کا ہاتھ پھیلے گا۔ اور نہ اس کا سرِ نیاز کسی کے سامنے جھکے گا۔ اور نہ وہ کسی غیر اللہ کے در کی جبہ سائی کر کے انسانی شرف و امتیاز کو خاک میں ملائے گا، بلکہ اس کی زبان سے بے اختیار یہ آواز بلند ہوگی۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ)	اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔
مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَھَا وَمَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَھَا (فاطر)	اگر اللہ کسی پر اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے تو اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں ہے، اور اگر بند کر دے تو کوئی کھول نہیں سکتا۔

توحید کا یہی تصور بے شمار احادیث نبوی میں ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ احادیث نبوی میں خاص طور پر اسمائے حسنیٰ کا جو ذکر ہے، وہ اسی تصور کو ذہن نشین کرنے کے لیے ہے، تاکہ خدا تعالیٰ کی قدرت و اختیار کی ہمہ گیری معلوم ہو جائے۔ چند اسمائے حسنیٰ ملاحظہ ہوں۔

الاحد، الواحد	اکیلا، ایک
الرحمن، الرحیم	رحم کرنے والا، اور انتہائی درجہ کا رحیم
الرب	پرورش کرنے والا۔ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے یعنی ساری مخلوق کی

اس طرح وہ پرورش اور نگہبانی کرتا ہے، کہ وہ اپنے حد کمال کو پہنچ جاتی ہے، اسی لیے قرآن پاک کی پہلی ہی آیت میں اس کی اس صفت ربوبیت کا ذکر ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

الخَالِق	ہر چیز پیدا کرنے والا
البَارِی	پیدا کرنے کے بعد اس میں حسن پیدا کرنے والا
المُعِزُّ	عزّت دینے والا
المُذِلُّ	ذلّت دینے والا
السَّمِیْعُ	ہر بات سننے والا
البَصِیْر	ہر چیز کو دیکھنے والا
اَلصَّمَدْ	جس کے پاس ساری ضروریات پیش کی جائیں، جس پر پورا اعتماد اور بھروسہ کیا جائے۔
القَادِر	ہر چیز کی قدرت رکھنے والا
النَّافِع	نفع دینے والا
الضَّار	نقصان پہنچانے کی قدرت رکھنے والا
الحَیُّ	ہمیشہ زندہ رہنے والا
القیّومُ	ساری دنیا کو تھامنے والا
السَّلَامُ	جو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے

یہاں صرف چند اسمائے حسنیٰ کا ذکر کیا گیا ہے، اگر صرف اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا جائے، تو اس کی توحید خالص اچھی طرح دل و دماغ میں پیوست ہو جائے گی۔ اور شرک کی ساری جڑ کٹ جائے گی،

اسی طرح فرض عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں جو نیت کی جاتی ہے۔ اور ان سب میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں، وہ سب عقیدۂ توحید کا مظہر ہیں، مثلاً آپ نماز کو لیجیے، اس میں ثنا کے الفاظ

اور سورۂ فاتحہ کی ایک ایک آیت، رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کی دعائیں، یہ سب توحید کے تصور کو بدرجۂ اتم ذہن نشین کراتی ہیں۔ اسی طرح روزہ کی ساری اہمیت اسی وقت ہے، جب ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر بندہ کو یقین ہو، اور اس سے اجر و ثواب کی امید ہو روزہ کے افطار کے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس میں یہ تصور پھر تازہ ہو جاتا ہے، اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔

اسی طرح زکوٰۃ میں بھی یہی روح کارفرما ہے، اگر آدمی لاکھ روپیہ خرچ کر دے، مگر وہ نمود و نمائش کے لیے خرچ کرے، اس میں خدا کی رضا پیش نظر نہ ہو، تو اس مال کا خرچ کرنا، اس کے لیے وبال ہے، اس لیے ہر جگہ لابتغاء وجھہ یعنی یہ کام اللہ کے لیے ہو کی قید لگی ہوئی ہے، اور اسی لیے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قرض سے تعبیر کیا ہے، یعنی اس کے اجر و ثواب اور معاوضہ کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔

اسی طرح حج کے ایک ایک رکن سے خدا سے مجنونانہ عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے، اس کی کبریائی اور عظمت کا نقش دل پر ابھرتا ہے، اور بندہ کے ہر عضو اور ہر ادا سے اس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، احرام باندھنے کے بعد ہی سے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی صدا ہر طرف سنائی دینے لگتی ہے، گویا بندہ اس کی طرف دوڑ رہا ہے اور اس کی پکار کا بے محابا جواب دے رہا ہے، اور ملتزم اور میزاب رحمت کے پاس کی جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں، وہ سب توحید خالص کا مظہر ہیں۔

غرض یہ کہ توحید کا یہ تصور جب تک اس طرح ذہن نشین نہ ہو جائے کہ زندگی کے ہر کام میں اس کی کارفرمائی دکھائی دینے لگے، اس وقت تک ایک مومن، مومن کامل نہیں ہو سکتا،

مشرک قوموں کا شرک

اوپر ذکر آچکا ہے، کہ اسلام سے قبل کے مشرکین ہوں یا اس سے دور کے مشرکین وہ اس حد تک توحید کے قائل تھے اور ہیں کہ زمین و آسمان، چاند سورج، انسان اور حیوان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور بڑے بڑے کام جتنے ہیں وہ سب وہی انجام دیتا ہے، مگر اسی کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں، کہ خدا نے اپنے کاموں میں کچھ فرشتوں اور نیک لوگوں کو بھی شریک کر لیا ہے، یا دوسرے الفاظ میں کچھ خدائی طاقت ان میں حلول کر گئی ہے، یا پھر مخلوقات میں سے کچھ طاقتور چیزوں کے بارے میں یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ ان میں بھی نفع و نقصان کی قدرت

موجود ہے، یا وہ تجلّیات الٰہی کا مرکز ہیں، مثلاً چاند، سورج، ستارے، آگ، پانی، بڑے بڑے درخت وغیرہ، اس لیے دعا و عبادت یا حاجت روائی کا جو معاملہ خدا کے ساتھ انہیں کرنا چاہیے تھا، وہ ان کے ساتھ کرنے لگے، ان کو خوش کرنے کے لیے ان کے سامنے جھکنے لگے، ان کے دربار میں نذر و نیاز پیش کرنے لگے، ان سے دعائیں اور حاجت مانگنے لگے، اور پھر آہستہ آہستہ ان کو انہوں نے خدا کی حیثیت دے دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی بے پایاں طاقت کا تصور ان کے دل سے نکل گیا، یا وہ ماند پڑ گیا؛

سورج، چاند یا دوسری مخلوقات کے ساتھ عبادت و پرستش کا جو معاملہ وہ کرتے ہیں، وہ اس لیے کہ ان کی نگاہیں ان میں تھوڑی سی طاقت دیکھتی ہیں، مگر پتھر اور مٹی کے دیوی دیوتا بنا کر جو ان کے سامنے سجدہ کرتے اور جھکتے ہیں، تو یہ مجسمے وہ ان نیک لوگوں کے بناتے ہیں، جن کے بارے میں ان کا یہ تصور ہے کہ ان میں بھی ایک درجہ کی خدائی طاقت موجود ہے، یا خدا کے یہاں ان کا اتنا مرتبہ ہے کہ وہ ہماری بات کو خدا تک پہنچا کر اسے منوا سکتے ہیں، یا ان کی سفارش خدا کے یہاں رد نہیں ہو سکتی، قرآن پاک نے جن بتوں کی پرستش کا ذکر کیا ہے، مثلاً مشرکین کے وُدّ، سُواع، یغوث، نسر، لات، منات اور عزّیٰ وغیرہ، تو یہ سب اپنے وقت کے نیک لوگ تھے، جن کے بارے میں ان کا یہ تصور تھا کہ ان میں کچھ خدائی طاقت ہے، اس لیے ان کی موت کے بعد ان کی مورتیاں اور مجسمے تیار کر کے ان کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے لگے، اسی طرح ہندوستان میں رام چندر جی یا درگا دیوی وغیرہ کی جو مورتیاں بنا کر پوجا کرتے ہیں، ان سے دعا کرتے ہیں، اپنی حاجت روائی کے لیے ان پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، تو اصلاً وہ ان برگزیدہ شخصیتوں کی پوجا کرتے ہیں، ان سے دعا مانگتے ہیں، اور ان کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ بھگوان کے اوتار ہیں، قرآن پاک نے خود ان کے اس خیال کی وضاحت کی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الاعراف)	اللہ کے علاوہ یہ جن کی عبادت کرتے ہیں، وہ ان ہی جیسے انسان تھے۔ تو تم ان کو اپنی ضرورتوں کے رفع کرنے کے لیے بلاؤ، تو ان کو چاہیے کہ وہ تمہارا کام کر دیں، اگر واقعی تم سچے ہو،

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ	جن کو یہ بلاتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کی
إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ	طرف وسیلہ بنانے کے خواہش مند ہیں، کہ
(بنی اسرائیل)	کون اس بارگاہ قدس سے قریب ہے۔

قرآن پاک نے سیکڑوں آیات میں ان کے اس خیال کی تردید کی ہے، خواہ یہ نیک لوگ ہوں، یا فرشتے یا اجرام سماوی سورج، چاند اور ستارے ہوں خدائے قدوس کی اس پھیلی ہوئی کائنات کے بنانے میں ایک ذرہ کے برابر ان کا کوئی دخل نہیں ہے، اور نہ وہ کسی نفع ونقصان کے وہ مالک ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ	آپ کہہ دیجیے کہ تم جن کو اپنے گمان میں خدا
دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ	کے علاوہ بلاتے ہو۔ وہ نہ تو کوئی تکلیف تم
عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ،	سے دور کر سکتے ہیں، اور نہ کوئی مصیبت ٹال
(بنی اسرائیل)	سکتے ہیں،
قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ	آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے گمان میں جن کو
دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ	اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، وہ اس زمین
ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ	اور آسمان میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں
وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ	ہیں اور نہ ان کے بنانے ہی میں ان کی کوئی
مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ۝ (سبا)	شرکت ہے، اور نہ ان میں کوئی اللہ کا مددگار ہے
وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَّا	جس کو انہوں نے اپنے خدا بنا رکھے ہیں،
يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُونَ وَ	انہوں نے کوئی ادنیٰ چیز بھی پیدا نہیں کی
لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا	ہے، وہ خود پیدا کیے گئے ہیں، وہ اپنے نفع و
نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً	نقصان کے مالک ہیں اور نہ زندگی، موت
وَّلَا نُشُورًا۔ (فرقان)	اور دوبارہ اٹھائے جانے کے۔

جب اس خالص توحید کی طرف ان کو بلایا جاتا تھا، اور ان سے سوال کیا جاتا تھا کہ آخر کار جب تم اللہ کو خالق و مالک مانتے ہو تو پھر دوسری مخلوقات کو کیوں اس کے ساتھ شریک کرتے ہو، تو جواب میں کہتے تھے کہ:

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی۔ (زمر)

ہم ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں، کہ وہ نیک لوگ ہم کو خدا سے قریب کر دیں گے،

افسوس ہے کہ آج کل بہت سے مسلمان بھی گذرے ہوئے بزرگوں کے بارے میں یہی تصوّر رکھتے ہیں اور ان کی قبروں کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں، جو مشرکین کرتے تھے اور کرتے ہیں، جب ان کو ٹوکا جاتا ہے، تو وہی جواب دیتے ہیں کہ لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی، ان کے ذریعہ ہم خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن نے اس کو شرک قرار دیا ہے، مولانا حالی مرحوم نے مسلمانوں کے اس شرک پر بڑا اچھا تبصرہ کیا ہے:۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر

جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں

پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے

نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اور خود رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت کے ساتھ اس شرک کی نفی سے اپنے پیغام کی ابتدا فرمایا کرتے تھے۔

یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ قُوۡلُوۡا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ تُفۡلِحُوۡا۔

اے لوگو! لا الہ الا اللہ کا اقرار کرو فلاح پاجاؤ گے یعنی اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

قرآن پاک میں اسی کو تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نکتہ بتایا گیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

آپ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے ہیں ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ وہ لوگوں کے

فَاعْبُدُوْنِ۔ (الانبیاء) سامنے اعلان کر دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، تو میری ہی عبادت کرو،

دوسری آیات میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیا کا نام لے کران کی اس دعوت توحید کا ذکر کیا گیا ہے۔

خود قرآن پاک کی دعوت کا بنیادی نقطہ یہی ہے:

كِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ہ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ۔ (ہود)

یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں بہت محکم و جامع ہیں، پھر ان کو مفصل بیان کر دیا گیا ہے یہ نازل کردہ خدائے حکیم و خبیر ہے، جس کا پیغام یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو،

اوپر کی تفصیلات سے یہ باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اس پوری کائنات کو خدائے تعالےٰ نے پیدا کیا ہے، اور وہی اب بھی اسے چلا رہا ہے، نہ تو اسکی تخلیق میں کوئی شریک ہے، اور نہ اس کے نظم و انتظام میں اس کا کوئی مددگار ہے، توحید کا تقاضا ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ خلق ہو یا امر کسی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے قرآن پاک نے بار بار اس حقیقت کا اعلان کیا ہے:-

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف)

غور سے سن لو کہ ساری کائنات کی تخلیق بھی اسی کی ہے اور وہی اس کا انتظام چلا رہا ہے،

(۲) شرک کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عظمت اتنی بٹھالی جائے کہ اسے خدا کی خدائی میں دخیل سمجھ لیا جائے، جیسا کہ فرشتوں اور جنوں کے بارے میں بعض مشرک قومیں یہ تصور رکھتی تھیں، یا اس کو اس کا اوتار مان لیا جائے، جیسا کہ رام چندر جی، کرشن جی کے بارے میں ہندوؤں کا خیال ہے، یا کسی کو خدا کا بیٹا مان لیا جائے جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں، قرآن پاک نے ان تمام عقیدوں کو شرک قرار دیا ہے،

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (یوسف)

اللہ کے علاوہ جن لوگوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ صرف نام ہیں جس کو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔

(۳) دعا و عبادت، نذر و نیاز اور حاجت طلبی صرف خدا کے لیے مخصوص ہے، اللہ کے علاوہ نہ تو کسی سے دعا مانگی جائے، نہ کسی کا سجدہ کیا جائے، نہ کسی غیر اللہ کے مجسّموں یا قبروں پر نذر و نیاز پیش کیا جائے، اور نہ اپنی کوئی حاجت کسی دیوی، دیوتا، یا کسی بزرگ کی قبر کے سامنے پیش کی جائے، یہ سب امور شرک ہیں۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ	تم لوگ سورج اور چاند کی پرستش نہ کرو بلکہ
وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ[1]	اس کی پرستش کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے ہر کام کے لیے ہم کو واسطہ کی ضرورت ہوتی ہے، تو خدا کی اتنی بڑی بارگاہ میں ہم بغیر واسطہ اپنی حاجت و ضرورت کیسے پیش کر سکتے ہیں، اس لیے ہم نیک لوگوں اور بزرگوں کو اپنی دعاؤں میں واسطہ بناتے ہیں، تو یہاں دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

(۱) ایک یہ کہ خدا تعالیٰ ہر بندہ کی دعا اور اس کی ضرورت براہِ راست سنتا ہے، حتیٰ کہ اس کے دل کے ارادوں سے بھی واقف ہے، اس کا دربار ہر امیر و غریب، زبردست و زیردست، کمزور اور شہ زور سب کے لیے برابر کھلا ہوا ہے، اس لیے وہاں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے، قرآن پاک میں اس خیال کو دل سے نکالنے کے لیے بار بار یہ بات دہرائی گئی ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ	جب بندہ مجھ سے مانگتا ہے، تو میں اس سے
قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا	قریب ہوتا ہوں، اور دعا کرنے والے کی
دَعَانِ (البقرہ)	دعا قبول کرتا ہوں،
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا	بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور
تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ	اس کے دل میں جو خیال پیدا ہوتا ہے، اسے
اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔	ہم جانتے ہیں، اور ہم اس کے رگ گلو سے
(ق)	بھی زیادہ قریب ہیں۔

---

[1] ایک برہمن نو مسلم نے راقم الحروف سے بتایا کہ اسی آیت کا ترجمہ سن کر میرے دل میں اسلام کی حقانیت بیٹھ گئی، سورج اور چاند کا نام علامت کے طور پر لیا گیا ہے ورنہ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔

اب ان آیات کی روشنی میں غور کیا جائے، تو جو لوگ دنیا کی بارگاہوں کی طرح خدائے قدوس کی بارگاہ عالی میں اپنی حاجتیں پیش کرنے کے لیے ذریعہ وسیلہ پر یقین رکھتے ہیں، ان کا یہ تصور کتنا غلط اور گمراہ کن ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ وہ افعال جو خدا کے لیے مخصوص ہیں مثلاً سجدہ، رکوع، دعا، عبادت طواف، قربانی، نذرونیاز کا معاملہ کسی زندہ یا مردہ ہستی کے ساتھ کرنا یا کسی مردہ انسان یا فرشتہ یا گزرے ہوئے بزرگوں کو وسیلہ بنانے کے لیے ایسا کرنا ممنوع ہے۔ زندوں سے دعا کرانا یا مادی ضرورتوں میں ایک دوسرے سے مدد لینا شرک نہیں ہے، جیسے ہم پانی سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں، کھانے سے پیٹ بھرتے ہیں، ڈاکٹر سے علاج کراتے ہیں، استاد سے تعلیم حاصل کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ چیزیں شرک نہیں ہیں۔

شرک کے خلاف عقلی دلیل

جو لوگ خدائے واحد کے ساتھ کسی ہستی کو شریک کرتے ہیں دنیا میں ان سے زیادہ بے عقل کوئی نہیں ہو سکتا، خدا کے ان منکریں سے کوئی پوچھے کہ کیا گھر کے دو مالک، کسی اسکول یا کالج کے دو پرنسپل، کسی ملک کے دو صدر یا دو وزیر اعظم ہوں، تو کیا اس گھر یا اسکول یا ملک کا نظام چل سکتا ہے؟ اور اگر کسی طرح چل جائے تو وہ درست بھی رہ سکتا ہے؟ اس لیے کہ دونوں کی مرضی اور پسند و ناپسند یکساں نہیں ہو سکتی اس لیے ان میں ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ غور کیجئے کہ دو پرنسپل بنا دینے میں کسی اسکول اور کالج کا نظام قائم نہیں رہ سکتا، اور کسی ملک کے دو صدر یا دو وزیر اعظم بنا دینے میں ملک کے نظام کے درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو پھر ایک خدا کے علاوہ اس کائنات کے کئی خدا ہوتے، تو اس وسیع اور پھیلی ہوئی کائنات جس میں انتہائی درجہ کی ہم آہنگی اور حکمت ہے، اس کا نظام ایک لمحہ بھی درست رہ سکتا تھا۔؟

غور کیجئے کہ لاکھوں برس سے سورج اور چاند اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں، سورج الگ حرکت کرتا ہے اور چاند الگ حرکت کر رہا ہے، زمین اپنے محور پر الگ گردش کر رہی ہے، مگر اتنی لمبی مدت میں ان کی گردش میں ایک سکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوا، اور اگر ایک سکنڈ کا فرق ہو جائے تو یہ سب ٹکرا جائیں، اور ساری دنیا تباہ و برباد ہو جائے، اگر اس پورے نظام کے چلانے میں کسی اور کا عمل دخل مان لیا جائے تو اس پوری کائنات کے نظام میں جو ہم آہنگی نظر آتی ہے وہ کئی خدا کے ماننے میں باقی نہیں رہ سکتی اگر کئی خدا مان لیے جائیں تو سب کی مرضی اور اس کائنات کا نظام چلانے کا انداز سب کا یکساں نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کی ساری ہم آہنگی جاتی رہے گی اور یہ چاند سورج اور ستاروں کی آمد و رفت میں جو ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے وہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جس سے پوری کائنات اپنا وجود کھو بیٹھے گی اور جب تک قیامت نہیں آتی اس وقت تک اس کے نظام کو یکسانیت کے ساتھ باقی رکھنا ہے ورنہ کائنات اور انسان کی تخلیق کا مقصد ہی فوت ہو جائیگا۔ قرآن پاک نے

دو جملوں میں اس حقیقت کو بیان کر دیا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ، (الانبیاء)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ بہت سے خدا ہوتے تو ان کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا تو اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ اپنی حکومت میں اس شرکت سے پاک ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

اس واضح حقیقت کے بعد بھی اگر کوئی خدا کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، تو اس سے زیادہ بے عقلی کی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

توحید پر قرآن پاک کا طریقۂ استدلال

قرآن نے توحید پر جو فطری طریقۂ استدلال اختیار کیا ہے، اگر ماحول اور رسم و رواج کے پردے حائل نہ ہوں تو غبی سے غبی آدمی بھی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی وحدانیت و یکتائی کی زمزمہ سنجی کیے بغیر نہیں رہ سکتا، قرآن نے اس کے دو طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک طریقہ تشکر کا۔ اور دوسرا طریقہ تفکر کا۔

تشکر یعنی شکر گذری کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان عظیم ہے، کہ اس نے انسان کو ناپاک قطرہ سے پیدا کیا، اور پھر اسے ایک حسین ترین جسم عطا کیا، اور ایسے متناسب اعضاء ناک، کان، آنکھ اور دماغ عنایت کیے، کہ ان سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور پھر ان کے اندر مختلف قسم کی طاقتیں اور صلاحیتیں بخشی ہیں۔ انسان کے سارے اعضاء ایک ہی گوشت پوست سے بنے ہوئے ہیں، مگر غور کیجیے کہ دماغ سوچنے کا کام کرتا ہے پھیپھڑے سے آدمی سانس لیتا ہے، دل کی حرکت اور گردہ کا فعل انسانی جسم کی بقا کا سامان فراہم کرتے ہیں، آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتا ہے، ناک سونگھتی ہے، زبان بولتی ہے، یہ سب ایک ہی گوشت سے بنے ہوئے ہیں، اور پورے جسم میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے مگر یہی خون کہیں آنکھ کی روشنی بن جاتا ہے، کہیں سننے اور سونگھنے کی قوت بن جاتا ہے، کہیں سوچنے اور بولنے کی صلاحیت بن جاتا ہے غرض یہ کہ انسان خدا کی بیشمار نعمتوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ قرآن پاک ان تمام نعمتوں کا

ذکر کر کے انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے محسن اعظم اور منعم حقیقی کو پہچانے، جس نے اسے ان نعمتوں سے نوازا ہے، اور اس کو اپنا مالک و رازق اور حاجت روا سمجھے، اگر ان نعمتوں میں سے کوئی ایک نعمت بھی اس سے چھن جائے، تو ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے کے بعد بھی اسے نہیں مل سکتی چند آیتیں ملاحظہ ہوں:۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ۔ (المومنون)	وہی ایسا ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو،
وَاللّٰهُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (النحل: ۲۰)	اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حال میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، پھر اس نے تم کو کان دیے اور آنکھیں دیں اور دل دیے، تاکہ تم منعم حقیقی کا شکر کرو۔
هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ۝ (الدھر)	بے شک انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا، ہم نے اس کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا، تاکہ ہم اس کو آزمائیں، تو ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا، ہم نے اس کی راہ نمائی کر دی، اب وہ یا تو شکر گذار ہو کر رہے، یا ناشکرا ہو کر رہے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں، جن کا تعلق انسان کی تخلیق اس کے جسم اور اس کے اعضاء سے ہے، اس کے وجود کے باہر بھی اس کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کر رکھی ہیں، کہ اگر ان میں سے کوئی نعمت بھی اس سے چھن جائے یا ذرہ برابر فرق آجائے، تو اس کا وجود دنیا کے اندر ناممکن ہو جائے۔ یہ زمین و آسمان

یہ ہوا، پانی، فضا، یہ چاند سورج اور موسم کی ہم آہنگی اگر چند منٹ کے لیے بھی اپنا کام چھوڑ دیں، تو صرف انسان کی زندگی بلکہ زمین کی ساری شادابی اور روئیدگی ختم ہو جائیگی اور انسان کا دم گھٹ جائے گا پھر یہ کہ انسان کی زندگی اور اس کی پرورش کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے پہلے وہ مہیا کر دیتا ہے، ہوا، پانی، روشنی، غلہ، پھل اور بے شمار چیزیں پہلے سے اس کی پرورش کے لیے موجود ہوتی ہیں، پیدا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ ماں کے سینے میں اس کے لیے دودھ پیدا کر دیتا ہے، اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے اسی اعتبار سے اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں سے اپنی پرورش میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ان بے شمار خارجی نعمتوں کا ذکر کر کے انسان کے ذہن میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ تمہارا وجود اور تمہارے وجود کو باقی رکھنے کے لیے یہ ساری نعمتیں خدا کی دی ہوئی ہیں، تو یہ بڑی ناشکری کی بات ہو گی کہ آدمی کمائے کسی کا اور گائے کسی کا، شیخ سعدی نے تشکر کے اس تصور کی بڑی اچھی ترجمانی کی ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار — شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (الاعراف ع ۱)

ہم نے تم کو زمین میں آباد کیا، اور اس میں تمہاری معیشت کا سامان رکھ دیا ہے لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا، جس کے ذریعہ تمہارے رزق کے لیے بہت قسموں کے پھل پیدا کیے، اور تمہارے لیے کشتیوں اور جہازوں کو مسخر کر دیا۔ کہ دریا میں سامان و اسباب لے کر اس کے حکم سے چلیں، اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، جو برابر گردش کر رہے ہیں، اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا، اور جو تم نے مانگا اسے دیا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو، تو

(ابراہیم ۵) — نہیں کر سکتے، بے شک انسان بڑا بے انصاف اور بڑا ناشکرا ہے،

إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ۔ (شوریٰ آیت ۳۳)

اگر اللہ ہوا کو روک دے تو سمندر کے درمیان تمہاری کشتیاں اور جہاز رکے رہ جائیں، اس میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ (ملک)

تم کیا سمجھتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ اس پانی کو جس کو تم استعمال کرتے ہو، زمین کے بہت نیچے کر دے تو کون ہے جو تمہارے لیے میٹھا پانی لا سکے گا،

ان تمام داخلی اور خارجی نعمتوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ انسانوں کے دل میں یہ بات بٹھانا چاہتا ہے جب تمہارا پورا وجود اور تمہارے وجود کے اندر اور باہر کی ساری نعمتیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی بخشی ہوئی ہیں، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے، کہ انسان اپنی زندگی کی بقا اور نشو و نما اور اپنی زندگی کی تمام بنیادی ضروریات کی تکمیل کا محور اور منبع اسی کی ذات واحد کو سمجھے، اور اسی کی شکر گزاری کرے، اور ہر آن اس کی زبان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا زمزمہ بلند ہو۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات انسان کے ذہن میں آجانا چاہیے، کہ جب ساری نعمتیں اسی ذات قدوس کی عطا کردہ ہیں، تو پھر اس کے علاوہ نہ کوئی ان نعمتوں کو چھین سکتا ہے، نہ کوئی دوسرا دے سکتا ہے، سارے نفع و نقصان کی کنجی اسی کے ہاتھ میں ہے، قرآن نے اس کو بار بار واضح کیا ہے:

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا (مائدۃ)

کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو، جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔

شکر کا یہی جذبہ انسان کو توحید خالص اور معرفت الٰہی تک پہنچاتا ہے، اور ان نعمتوں کی ناشکری

شرک وکفر تک لے جاتی ہے، چنانچہ اسی وجہ سے قرآن نے بار بار شکر کے مقابلہ میں کفر اور کفران کا لفظ استعمال کیا ہے، چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُوْنَ[۱] (نحل)	اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔
اَفَبِالْبَاطِلِ[۲] يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ (نحل)	کیا وہ باطل چیزوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں،

بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو یہی نہیں کہ منعم حقیقی کے سامنے اپنی احسان شناسی کا حق ادا کرتا ہے بلکہ وہ مزید نعمتوں کا اپنے کو مستحق قرار دیتا ہے، اور اگر ایسا نہیں کرتا بلکہ ناشکری کا شیوہ اختیار کرتا ہے تو گویا وہ کفر کرتا ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:-

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم)	اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے اطلاع فرمادی کہ اگر تم شکر کروگے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

اس میں لفظ تاذن خاص طور پر قابل غور ہے جس کے معنی اعلان کر دینے اور آگاہ کر دینے کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو شکر وکفر دونوں کی حقیقتوں سے آگاہ کیا ہے، کفر کے معنی چھپانے کے ہیں، یعنی بندہ اللہ کی نعمتوں کا جب حق نہیں ادا کرتا تو گویا وہ ایک ظاہر حقیقت کو چھپا رہا ہے۔

---

[۱] یعنی ایسا نہیں ہے کہ وہ نہ سمجھتے ہوں کہ یہ سب نعمتیں جن سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں، اللہ کی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہیں، مگر پھر اپنی نادانی کی وجہ سے انہیں یا تو اپنی قوت بازو کا نتیجہ سمجھنے لگتے ہیں یا پھر دیوی دیوتاؤں یا بزرگوں کا کرشمہ سمجھنے لگتے ہیں، اگلی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے، [۲] باطل سے مراد اللہ کے علاوہ دوسری طاقتیں جن کا وہ شکرگزار بنتا ہے، اور خدا کا ناشکرا،

ایک حدیث میں ہے:

التَّحدِیثُ بنعمۃِ اللہ شکرٌ وَتَرکُھا کُفرٌ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۸)	تحدیث نعمت شکر ہے اور اس کا ترک کفر ہے۔

توحید کی ایک نفسیاتی دلیل

قرآن پاک نے توحید کی ایک نفسیاتی دلیل بیان کی ہے

وَمَا بِکُمْ مِنْ نِعْمَۃٍ فَمِنَ اللہِ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْہِ تَجْئَرُوْنَ ثُمَّ اِذَا کَشَفَ الضُّرَّ عَنْکُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِنْکُمْ بِرَبِّھِمْ یُشْرِکُوْنَ۔ (النحل: ۱۴)	جو بھی تم کو نعمت ملی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر تمہارا یہ حال ہوتا ہے کہ جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو، مگر پھر جب وہ تکلیف اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے تو تم میں کا ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

اس آیت میں توحید کی ایک بہترین نفسیاتی اور عام فہم دلیل بیان ہوئی ہے، وہ یہ کہ جتنی نعمتیں تمھیں حاصل ہیں، وہ سب اللہ کی بخشی ہوئی ہیں، چنانچہ جب اس کی دی ہوئی نعمت چھن جاتی ہے یا تم پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے، یا کسی جسمانی تکلیف میں تم مبتلا ہوتے ہو یا خطرات میں پہنچتے ہو تو اللہ واحد ہی کو پکارتے ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی اصل فطرت کے اندر ایک ہی خدا کا شعور ہے، دوسرے دیوی دیوتا جو تم نے بنا رکھے ہیں، اصل فطرت کے اندر ان کی کوئی جگہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مصیبت پڑتی ہے، یا جب کوئی نعمت چھن جاتی ہے، تو یہ سارے فرضی خدا غائب ہو جاتے ہیں، اور صرف ایک خدا کی یاد باقی رہ جاتی ہے، اسی لیے قرآن نے متعدد جگہ نعمتوں کی ناقدری کا ذکر کر کے انسان کے کفران نعمت کا ذکر کیا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ (ابراھیم)	واقعی انسان بڑا ظالم اور بہت ناشکرا ہے۔

اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کے سلسلہ میں اگر بندہ شکر گذاری کے بجائے ناشکری کا شیوہ اختیار کرتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنے منعم حقیقی کو بھول جاتا ہے، بلکہ اس کی مثال ایک ایسی بے سری فوج کی ہو جاتی ہے کہ وہ جس طرف رُخ کرتی ہے، بربادی اور فساد مچاتی ہے، گویا خدا کی ناشکری کرنے والا انسان نہ صرف معرفت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ وہ بندگان خدا کے حقوق کو بھی پامال کرنے میں دریغ

نہیں کرتا، اور جب یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے، تو خدائے تعالیٰ کبھی اس سے وہ نعمت چھین لیتا ہے، اور کبھی نعمت کے چھین لینے کے ساتھ مختلف قسم کی سزا بھی دیتا ہے، قرآن پاک کا اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (النحل : ۱۴)	اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی مثال بیان کی ہے، جہاں کے لوگ نہایت امن و اطمینان کی زندگی گذار رہے تھے، اور ان کا رزق ہر طرف سے ان تک پہنچ رہا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی پس اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کے بدلہ میں ان پر فقر و فاقہ اور خوف کو مسلط کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے اندازہ نعمتیں ہمارے ہر چہار طرف بکھیر رکھی ہیں، اور ہماری آنکھیں انہیں دیکھتی ہی نہیں، بلکہ ہم دن رات ان سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں، مگر ہمارے اندر جذبۂ شکر بہت کم پیدا ہوتا ہے، اور ان نعمتوں کے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ہم کو بہت کم احساس ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبۂ تشکر کو ہمارے اندر پیدا کرنے کے لیے فرمایا کہ پہلے ہم اپنے ماحول اور جن لوگوں کے ذریعہ سے یہ نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، ان کا شکریہ ادا کریں، اس سے ہمارے اندر آپ سے آپ منعم حقیقی کی شکر گذاری کا جذبہ ابھرے گا، آپؐ نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔	جو لوگوں کے احسانات کا شکر گذار نہ ہو وہ اللہ کا شکر گذار نہیں ہو سکتا،

یہ جذبۂ شکر عام انسان اور خاص طور پر مردِ مومن کا ایسا قیمتی سرمایہ ہے کہ اس کے حصول کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے:

اللّٰهم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک	اے اللہ! اپنے ذکر اور اپنے شکر اور اپنے حسن عبادت کی توفیق عطا فرما،

(ابو داؤد، نسائی)

دوسری دعا یہ ہے:

واجعلنا شاکرین لنعمتک   اے اللہ! اپنی نعمتوں کا شکر گزار بنا۔

(ابو داؤد)

مزید ترغیب کے لیے آپؐ نے فرمایا:۔

لیتخذ احدکم قلبا شاکرا   تم میں سے ہر شخص اپنے قلب کو شاکر اور

و لسانا ذاکرا   زبان کو ذاکر بنائے۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو معصوم ہیں، پھر جسم اطہر کو اتنا زیادہ عبادت و ریاضت میں مشغول کیوں رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا   کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

مقصد یہ ہے کہ انسان چاہے کتنے بڑے مرتبہ اور درجہ کا ہو اس کا منصب یہ ہے کہ بندۂ شاکر بن کر رہے۔

تفکر کے ذریعہ توحید پر استدلال

اوپر ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ قرآن نے توحید پر استدلال کے دو طریقے اختیار کیے ہیں، ایک تشکر کے ذریعہ، اور دوسرے تفکر کے ذریعہ، قرآن پاک کے پہلے طرز استدلال یعنی تشکر کو دلنشیں انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے، تو خواص ہی نہیں بلکہ عام سے عام آدمی کے ذہن میں بہت آسانی سے توحید کا تصور بیٹھ سکتا ہے، مگر قرآن نے اس کے علاوہ ایک خاص طرز استدلال تفکر کا بھی اختیار کیا ہے، جو خاص طور پر اہل عقل و دانش کے لیے مفید ہے مگر عام آدمی بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تفکر کا مطلب یہ ہے کہ خود انسان کے وجود کے اندر اور اس کے باہر اس وسیع و عریض کائنات میں خدا تعالیٰ کی جو تخلیقی کارفرمائیاں پھیلی ہوئی ہیں، اور جس حیرت انگیز طریقہ سے وہ اس کا نظم و انتظام چلا رہا ہے، اور اس کی ہر چیز میں ایک ایسی ہم آہنگی ہے کہ بال برابر فرق نہیں آتا، اس پر غور و فکر کرنا چاہیے:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ   اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بے شمار

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ — نشانیاں ہیں، اور پھر تمہارے اندر کیا کیا نشانیاں ہیں، کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذاریات) — اور آسمان میں تمہارا رزق ہے، اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ سب ہے،

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم سجدہ) — ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں تمام آفاق میں اور خود ان کے اندر دکھا دیں گے، یہاں تک کہ ان کے اوپر واضح اور ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے،

اگر انسان ایک ادنیٰ تامل سے بھی کام لے، تو کائنات کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کے وجود کی شہادت دے گا، اور وقت کا بڑے سے بڑا عاقل اور افلاطونِ وقت بھی بے اختیار پکار اٹھے گا:۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (حشر) — وہی اللہ خالق ہے، وہی باری ہے، وہی مصور ہے، اور اس کے اس طرح اور بہت سے اچھے نام ہیں۔

ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا، کہ ہم خدا کو کیسے پہچانیں کہ وہ موجود ہے، تو اس نے کتنا سادہ مگر کتنا حکیمانہ جواب دیا:

البعرة تدل علی البعیر والقدم تدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لا تدل علی اللطیف الخبیر — اونٹ کی مینگنی اونٹ کے ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور نشان قدم کسی چلنے والے کا پتہ دیتا ہے تو یہ برجوں والا آسمان اور یہ کشادہ زمین اپنے صانع لطیف وخبیر پر دلالت کیوں نہ کریں

اسی طرح یہ زمین وآسمان، سورج، چاند اور ستارے اور ساری کائنات اور اس کی ہر ہر چیز خدا کے وجود کی گواہی دیتی ہے، بلکہ اس کی شان ربوبیت کی منادی کرتی ہے،

یہاں قرآن کی چند اور آیتیں نقل کی جاتی ہیں، جو غور وفکر کے ذریعہ انسان کو خدا کی وحدانیت کا یقین دلاتی ہیں۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ — کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت

وَالْاَرْضِ وَمَاخَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْئٍ (الاعراف) — میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا، اس میں غور نہیں کیا،

یعنی اگر انسان اللہ کی ان تمام پیدا کی ہوئی چیزوں پر غور کرے، تو اس کو خدا کی وحدانیت میں ذرہ برابر بھی شک نہ رہے، اور اس کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ یہ دنیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے ازخود پیدا نہیں ہوگئی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (آل عمران) — بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے دلائل ہیں،

اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ (نوح) — کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ساتوں آسمان پیدا کیے، اور ان کے اندر چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا،

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (ملک) — اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے جس نے ساتوں آسمانوں اوپر تلے پیدا کیے، تو خدائے رحمٰن کی اس صنعت گری میں کوئی نقص نہ دیکھے گا، تو بار بار نظر دوڑا کر دیکھ لو، کیا اس میں کوئی نقص تمہیں نظر آتا ہے؟

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (الروم) — کیا انہوں نے اپنے وجود کے اندر، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان پیدا کیا ہے، غور نہیں کیا کہ اس نے سب حکمت سے پیدا کیا ہے۔

آسمان و زمین کی تخلیق، رات و دن کی آمد و رفت، سورج اور چاند کی روشنی اور اپنے اپنے دائرے میں ان کی گردش کے اندر جو نشانیاں پوشیدہ ہیں ان کی طرف یہاں ایک اجمالی اشارہ کیا گیا ہے

ان کی تفصیل قرآن پاک کے ایک ایک صفحہ میں آپ کو ملے گی، قرآن پاک نے بڑی وضاحت سے آفاق وانفس کی ان نشانیوں کو نمایاں کیا ہے، جو شہادت دیتی ہیں کہ اس کائنات کی تخلیق کوئی اتفاقی واقعہ نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم طاقت ہی نہیں، بلکہ ایک عظیم حکمت بھی ہے، اور پھر بے پناہ طاقت اور قدرت ہی نہیں بلکہ بے پناہ رافت ورحمت بھی ہے۔ غور کیجیے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب ایک قاعدے اور قانون میں جکڑی ہوئی ہیں، چاند، سورج اور ستارے سب ایک قاعدے کے پابند ہیں اور ان کی رفتار اور حرکت کے لیے جو راستہ مقرر کر دیا گیا ہے اس میں ایک انچ فرق نہیں آسکتا، ان کی گردش کا جو وقت مقرر ہے اس میں ایک سکنڈ کا فرق نہیں ہو سکتا، اسی طرح زمین اپنی ایک خاص رفتار کے ساتھ گھوم رہی ہے، اس کے لیے جو رفتار اور وقت مقرر ہے اس میں ایک سکنڈ اور ایک لمحہ کا فرق نہیں ہو سکتا، سورج چاند اور زمین کے درمیان جو فاصلہ مقرر ہے اس میں اگر تھوڑا سا بھی فرق آجائے تو زمین کی ساری شادابی ختم ہو جائے یا پھر ہر چیز جم کر برف ہو جائے، غرض یہ کہ کائنات کا پورا نظام پوری حکمت اور اعتدال و توازن کے ساتھ چل رہا ہے اور اس میں ایک ادنیٰ فرق رونما نہیں ہوتا۔ قرآن پاک کی ان آیات میں بڑے ہی موثر اور دلگداز انداز میں ان حقیقت پسندانہ دلائل کی تفصیل کی گئی ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ وَاَنْزَلَ	یا وہ ذات جس نے آسمان وزمین کو بنایا
لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ	اور اس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ	کے ذریعہ سے رونق دار باغ اگائے تم سے تو ممکن
لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ	نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکو کیا اللہ کے ساتھ
مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ °	کوئی اور معبود ہے بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ خدا
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ	کے برابر ٹھہراتے ہیں یا وہ ذات جس نے زمین کو
خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ	قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان حد فاصل
وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ط	بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ	بلکہ ان میں کے زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں یا وہ ذات
لَا يَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ	جو بے قرار آدمی کی دعا سنتا ہے جب وہ اس کو
اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ	پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور
خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط	تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ° اَمَّنْ	کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت

يَهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ	ہی کم یا در کھتے ہو یا وہ ذات جو تم کو خشکی
وَمَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًا ۢ بَيۡنَ	اور دریا کی تاریکیوں میں راستہ سمجھاتا
يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى	ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا
اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ؕ اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا	ہے جو خوش کر دیتی ہیں کیا اللہ کے ساتھ
الۡخَـلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُ	کوئی اور معبود ہے اللہ تعلیٰ ان لوگوں
كُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ	کے شرک سے برتر ہے۔ یا وہ ذات جو مخلوقات
مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ	کو اوّل بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ
اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝	پیدا کرے گا اور جو کہ آسمان و زمین سے
(النمل)	تم کو رزق دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی
	اور معبود ہے آپ کہیئے کہ تم اپنی دلیل پیش
	کرو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔

کیا کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ گذشتہ یا موجودہ دور کی کوئی بڑی سے بڑی ہستی کا ان میں سے کسی ادنیٰ چیز کے پیدا کرنے یا ان میں ہم آہنگی اور توازن ہے۔ ان کے باقی رکھنے میں کوئی دخل ہے۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ	آپ کہیئے کہ یہ تو بتلاؤ ان چیزوں تم
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا	خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ
خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ	کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین
شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ؕ اِيۡتُوۡنِىۡ	پیدا کی ہے۔ ان کا آسمانوں میں
بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ	کچھ ساجھا ہے میرے پاس کوئی کتاب
اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ	جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون
صٰدِقِيۡنَ ۝ (الاحقاف)	منقول لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اس خیال کی شاعر نے بہت صحیح ترجمانی کی ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟	کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟	موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار   خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟

اگر ان تمام نعمتوں کی وسعت اور حکمت پر انسان ذرا بھی غور کرے گا تو اسے نظر آئے گا کہ خدا کی ذات ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی منادی کر رہا ہے، خود انسان کی فطرت اس کی شہادت دے رہی ہے۔ انسان کے اندر ذرا بھی عقلِ سلیم ہو، تو اس کو وہ اس طرح دیکھ سکتا ہے، جس طرح صحیح و سالم آنکھ سورج اور چاند کو دیکھتی ہے، اس کو خدا کا اسی طرح یقین آجائے گا جس طرح اس عربی کو مینگنی دیکھ کر اونٹ کے ہونے کا یقین ہوگیا تھا، اوپر اس کا ذکر آچکا ہے۔

سایہ سے توحید پر استدلال

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ۔ (سورۃ النحل)	کیا ان لوگوں نے اللہ کی ان کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے دائیں اور بائیں اس طرح جھکے ہوئے ہیں، گویا اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں اور وہ عاجز ہیں۔ اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین پر تمام چلنے والی چیزیں اور فرشتے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہ غرور نہیں کرتے۔

قرآن پاک نے کائنات کے اندر غور وفکر کے ذریعہ توحید کی جو تکوینی دلیلیں دی ہیں، ان میں ایک سایہ بھی ہے، ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے انسان، حیوان، درو دیوار اور ہر چیز کا سایہ دیکھتے ہیں، اور کیا یہ ہمارے مشاہدہ میں نہیں آتا ہے کہ سایہ زمین پر اس طرح بچھا ہوتا ہے، کہ گویا وہ خدا کو سجدہ کر رہا ہے، پھر سورج نکلتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ سیدھا ہونا شروع ہوتا ہے، اور جب سورج ڈھلتا ہے تو وہ دوسری سمت زمین پر جھکنا شروع کر دیتا ہے، اسی طرح سایہ کے چوبیس گھنٹے اسی قیام وقعود اور رکوع وسجود میں گذرتے رہتے ہیں، اس میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سایہ کا جھکاؤ سورج کے بالکل مخالف سمت ہوتا ہے، اگر سورج پورب کی طرف ہوتا ہے، تو سایہ پچھم طرف ہوگا، اور سورج جب پچھم جانب جھکتا ہے تو سایہ پورب کی طرف ہوتا ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سایہ کی فطرت توحید پرستانہ ہے، آفتاب پرستانہ نہیں ہے،

اس تکوینی شہادت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے، کہ اگر کوئی انسان خدا کے علاوہ کسی اور ہستی کے سامنے جھکتا ہے، تو اس کا سایہ اس کے اس فعل کی تردید کرتا ہے، وہ اگر سورج یا کسی اور مخلوق کے سامنے اپنا سر عبودیت خم کرتا ہے، تو اس کا سایہ اس کی نفی کرتا ہے،

قرآن پاک نے توحید پر استدلال کے لیے جن دو طریقوں یعنی تشکر و تفکر کو اختیار کیا ہے، وہ عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں طور پر خدا کا یقین پیدا کرنے کے لیے کافی اور موثر ہیں، اگر انسان کا ماحول اور گرد و پیش کی رکاوٹیں اس کی فطرت کے درمیان حائل نہ ہوں، تو خود اس کی فطرت بے اختیار پکار اٹھے گی۔

هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

اور خدا کی حمد و ثنا کا جو ترانہ زمین و آسمان، دشت وجبل، کوہ وصحرا، اور ساری کائنات اور اس کا ایک ایک ذرہ گا رہا ہے۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ انسان بھی بے اختیار اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ پکار کر پوری کائنات کی اس زمزمہ سنجی میں اس کا ہم آہنگ بن جائے گا،

عقیدۂ توحید کی اہمیت اوپر عقیدۂ توحید کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے اندازہ

ہو گیا ہو گا کہ اسلامی شریعت میں عقیدۂ توحید کو وہی حیثیت حاصل ہے جو جسم کے اندر قلب و روح کو ہے، جس طرح قلب و روح کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح عقیدۂ توحید کے بغیر دین کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی جسم کے اندر قلب، روح کا مظہر ہے، اگر قلب تندرست ہے اور اس میں صحیح حرکت موجود ہے تو سارا جسم تندرست اور متحرک ہوگا، اگر وہ بیمار یا کمزور ہے تو جسم کا لحیم شحیم ڈھانچہ بھی بیمار دکھائی دے گا، اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زندگی ختم ہو گئی، یہی راز ہے کہ توحید کے بغیر نہ تو اس دنیا میں ہمارے دین کی کوئی اہمیت ہے اور نہ توحید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمارا کوئی بھی نیک عمل مقبول ہوگا، جس درجہ کی توحید ہمارے اندر ہوگی اسی کے اعتبار سے ہمارا دین دنیا میں نتیجہ خیز اور آخرت میں معتبر ہوگا۔ اسلام کے بنیادی عقیدے تین ہیں، جن پر اس کی پوری عمارت قائم ہے، توحید، رسالت و آخرت، مگر آخر الذکر دونوں توحید ہی کا تقاضا اور اس کے اذعان و یقین کا نتیجہ ہیں، رسالت دنیا میں خدائی پیغام و احکام کے نفاذ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور آخرت یعنی جزا و سزا کا تصور خدائے تعالیٰ کے اقرار کے بغیر ممکن نہیں ہے، توحید کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن پاک کا کوئی صفحہ توحید کے ذکر سے خالی نہیں ملے گا، دنیا میں حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے، وحی الٰہی کے مطابق انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز اسی عقیدۂ توحید کے اقرار سے کیا،

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اللّٰهُ فَاعْبُدُوْنِ۔ (الانبیاء ع)	ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہم ان کی طرف وحی کرتے رہے کہ وہ اعلان کر دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بس تم سب میری ہی عبادت کرو،

قرآن پاک میں ان تمام انبیاء کی دعوت توحید کی تفصیل متعدد سورتوں میں موجود ہے، خود نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا تھا:

یا ایہا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا (ابن ہشام)	اے لوگو! کہو لا الٰہ الا اللہ کہ تم فلاح پا جاؤ گے۔

آخرت کی فلاح وکامیابی کا سارا دارومدار اسی عقیدۂ توحید پر ہے انبیائے کرام علیہم السلام اس عقیدہ پر اتنی مضبوطی سے قائم رہے کہ شدید مخالفت، ہر طرح کی ایذا رسانی، قتل وہلاکت کی دھمکی بھی ان کو اپنے مقام سے ہٹا نہ سکی، یہاں تک کہ بعض انبیاءؑ کو اسی کی خاطر سولی پر چڑھا دیا گیا اور بعض کو اسی کی خاطر اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردینی پڑی مگر وہ پہاڑ کی چٹان کی طرح اس پر قائم رہے، خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ سیرت کا ایک ایک ورق اس کا شاہد ہے، تکلیف وایذا کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہوسکتی تھیں بے رحم کفار نے وہ سب آپ کو زک پہنچانے اور جادۂ حق سے ہٹانے کے لیے اختیار کیں مگر آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں پیدا ہوئی، جب تکلیف وایذا سے تھک گئے تو آپ کو ہر طرح کی ترغیبوں کے جال میں پھانسنا چاہا، معزز گھرانے میں شادی کی پیش کش کی، دولت کا ڈھیر آپ کے قدموں میں ڈالنا چاہا، اور آخر میں پورے عرب کی شہنشاہیت کا تاج زریں بھی آپ کے سرِ مبارک پر رکھنا چاہا، مگر ان تمام ترغیبوں کے باوجود آپ توحید کی دعوت سے باز نہ آئے، آپ نے ان گمراہ کن ترغیبوں کے جواب میں جو ارشاد فرمایا، اس کو دنیا کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی، آپ نے کس خود اعتمادی کے ساتھ فرمایا، کہ "اگر تم لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی رکھ دو تو میں توحید کی اس دعوت وتبلیغ سے باز نہیں آسکتا، جو خدائے قدوس نے میرے سپرد کی ہے۔

اسی دعوت توحید کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کو وطن چھوڑ کر وادی غیر ذی زرع میں پناہ لینی پڑی، حضرت موسیٰؑ کو مصر کے مرغزاروں سے نکل کر فلسطین کے بے آب وگیاہ میدانوں کی خاک چھاننی پڑی، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو مکہ اور خانۂ خدا کو چھوڑ کر، مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی، اسی عقیدۂ توحید کی دل نشینی سے باپ نے بیٹے پر اور بیٹے نے باپ پر، بھائی نے بھائی پر تلوار چلائی، ماؤں نے بیٹوں کی، اور بیٹوں نے ماؤں کی محبت کا خون کیا، بیویوں نے شوہروں سے اور شوہروں نے بیویوں سے جدائی اختیار کی، سب کی زبانوں پر یہی آوازۂ حق تھا۔

اِنَّا بُرَآءُ مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ (الممتحنہ)	ہم تم سے اور ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو، بری ہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

شیطان کو نسل انسانی سے جو ازلی دشمنی ہے اس کی بنا پر وہ سب سے پہلے اسی عقیدۂ توحید پر حملہ آور ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ عبد و معبود کے تعلق کی اس مضبوط شہ رگ کو اگر وہ کاٹ دے گا تو اسے گمراہی کی جس وادی میں چاہے گا بھٹکاتا رہے گا، اس شہ رگ کے کٹ جانے یا اس کے کمزور ہو جانے کے بعد انسان کی حفاظت کا اور کوئی سہارا باقی نہیں رہ جاتا اس کی حیثیت اس تنکے کی سی ہو جاتی ہے، جسے ہوا کا ہر جھونکا جدھر چاہے لے جائے شیطان نے بارگاہ خداوندی سے مردود ہونے کے بعد خدائے قدوس سے یہی بات کہی تھی،

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ	اے خدا تیرے سیدھے راستہ سے ہٹانے
ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ	کے لیے ان کی گھات میں بیٹھوں گا پھر ان کے
وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَمِنْ اَيْمَانِهِمْ	آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے
وَمِنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ	آؤں گا، تو اے خدا تو ان میں سے اکثر کو
اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ (اعراف)	ناشکر گذار پائے گا،

شرک کی مذمت

اوپر تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہوگی، کہ عقیدۂ توحید کو اچھی طرح قلب و دماغ میں بٹھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار انسان کے جذبۂ تشکر و تفکر کو ابھارا ہے۔ اسی کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ اس نے جاری فرمایا اسلیے کہ اپنے خالق حقیقی اور مالک کل سے وفاداری اور شکر گذاری کا جذبہ ہی بندہ کو اس کی معرفت تک پہنچا سکتا ہے، اگر اس کا سر خدائے قدوس کی بارگاہ میں سجدۂ شکر کے لیے نہ جھکے گا، تو اسے پھر نہ جانے کتنی بارگاہوں میں سجدہ ریز ہونا اور نہ جانے کتنی شکر گذاریوں کی قید میں گرفتار ہونا پڑے گا۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

چنانچہ آپ مشرک قوموں اور خصوصًا ہندو قوم میں اس کا مشاہدہ قدم قدم پر کر سکتے ہیں کہ توحید کا

سررشتہ چھوٹنے کے بعد وہ نیک لوگوں کی مورتیوں ہی کی نہیں بلکہ جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کی تصویروں اور مورتیوں تک کی پرستش کر رہی ہے۔ قرآن پاک نے توحید و شرک کی ایک بہت ہی بلیغ مثال دی ہے جس سے بلیغ مثال کوئی دوسری ممکن نہیں ہوسکتی، اور اس کا اختتام حمد و شکر پر کیا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر)

اللہ تعالیٰ نے شرک کی مثال ایسے شخص سے دی ہے، جس کے بہت سے مالک ہوں اور ان سب میں باہم کشمکش اور ضدی ضد ا ہو اور ہر ایک اس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو اور توحید کی مثال اس شخص کی ہے جو اطمینان سے ایک ہی مالک کا ہو کر رہے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری شکرگذاری اور حمد اللہ ہی کے لیے ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

یہاں الحمد للہ میں بڑی معنویت ہے، اس کا ایک پہلو تو یہ ہے، کہ یہ بلیغ مثال سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا بیان نہیں کرسکتا، اس کے اس فضل و کرم پر بندہ کی زبان سے یہ کلمۂ شکر نکلتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ جواب جب کسی طرف سے نہیں ملتا تو بندہ بے اختیار الحمد للہ پکار اٹھتا ہے، یعنی خدا کا شکر ہے، کہ ان دونوں کو تو نے برابر نہیں کیا ہے۔

اوپر یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ توحید انسان کے مقام انسانیت اور اس کے شرف کو بلند کرتی ہے اور شرک اسے پستی میں ڈھکیل دیتا ہے، بلکہ حیوانوں کی سطح سے بھی کہیں نیچے گرا دیتا ہے، اس لیے کہ حیوانات ہی نہیں بلکہ نباتات و جمادات تک شرک سے بری اور نا آشنا ہیں، وہ ہمہ وقت اپنی زبان قال اور زبان حال سے اپنے منعم حقیقی کی شکرگذاری کرتے رہتے ہیں، اور ہمہ وقت زمزمہ سنج توحید رہتے ہیں۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ (تغابن)

زمین و آسمان میں جو چیزیں ہیں وہ سب خدا کی پاکی بیان کرتی ہیں۔

قرآن پاک نے مشرکوں کی اس دناءت وپستی کو دو جملوں میں بیان کیا ہے، شرک کی پستی کی جس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی،

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ	جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں ان کی
مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ	مثال اس شخص کی ہے، جو آسمان سے نیچے
تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ	گر جائے اور پرندے اسے نوچ ڈالیں،
(الحج)	یا ہوا دور دراز مقام پر لے جاکر پٹک دے،
	(یعنی وہ بالکل بے سہارا ہو کر رہ جائے۔)

شرک کو قرآن پاک نے ایک گندی چیز قرار دیا ہے جس طرح گندگی سے آدمی کو فطری طور پر نفرت ہوتی ہے اسی طرح آدمی کی فطرت شرک سے نفرت کرتی ہے، مگر ماحول اور تعلیم و تربیت اس کی فطرت کو مسخ کر دیتی ہے، کون انسان ہے جسے پیشاب یا پاخانہ اور گوبر اور لید سے نفرت نہیں ہوتی، مگر دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو پیشاب کو دوا سمجھ کر پیتے ہیں، اور گوبر کو پوتر سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔

شرک خدا سے بغاوت ہے

جو لوگ خدا کی ذات و صفات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں ان کی مثال ان باغیوں کی ہے، جو کسی منظم اور باقاعدہ حکومت میں رہ کر، اس کے خلاف بغاوت کرتے ہیں، اور اس کے علی الرغم نئی حکومت کی داغ بیل ڈالتے ہیں، ان کے جذبات خواہ کتنے ہی اچھے ہوں، اور خواہ کتنی ہی خوش نیتی سے وہ یہ اقدام کرتے ہوں، مگر کوئی منظم حکومت ان کو ایک لمحہ کے لیے برداشت نہیں کر سکتی اور ان کو سزا دے کر رہے گی، جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ درحقیقت تمام زمین و آسمان میں خدا کی پھیلی ہوئی حکومت میں رہ کر اپنی الگ ایک ریاست بنانا چاہتے ہیں جو سب سے بڑی بغاوت ہے دنیاوی حکومتوں کے باغی تو اپنے جیسے لوگوں کو اپنا سربراہ بناتے ہیں، مگر یہ احمق تو مٹی اور پتھر کے گڑھے ہوئے بتوں، اور بے دست و پا مخلوق کو اپنا سربراہ بناتے ہیں، یہ ایک ایسا جرم ہے جس کے نتیجے میں ان کی ساری نیکیاں بے وزن اور بے قیمت ہو جاتی ہیں، اور وہ خدا کی رحمت و مغفرت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ	اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ اس کے

وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (النساء)	ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ ہر گناہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

یہ سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ اور خدا کی مخلوق کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔

شرک کی کچھ اور قسمیں

شرک کے سلسلے میں جو باتیں عرض کی گئی ہیں ان کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ساتھ تھا، مگر ہمارے اسلاف نے اس سلسلہ میں ایک اصطلاح "شرکٌ دون شرکٍ" کی استعمال کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض ایسی چیزیں یا ایسے کام ہیں جو حقیقی شرک کے زمرہ میں تو نہیں آتے مگر ان میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے، یا وہ شرک کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں ان کی چند قسمیں اور اسباب ہم بیان کرتے ہیں،

(۱) شرک کا ایک بڑا سبب عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی نبی یا نیک انسان کی عظمت دل میں ایسی بیٹھ جائے یا بٹھادی جائے کہ گویا وہ خدا کا اوتار یا اس سے بڑھ کر خدا کا بیٹا ہے، جس میں کچھ خدائی طاقت بھی آگئی ہے، قرآن و حدیث میں اسے کفر و شرک کے مشابہ قرار دیا گیا ہے قرآن پاک میں ہے :۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ بْنُ اللهِ	یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اور
وَقَالَتِ النَّصَارٰى مَسِيحُ ابْنُ اللهِ	نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں انکی
ذَالِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ	یہ باتیں جو اپنی زبانوں سے نکال رہے ہیں،
يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ (یونس)	کافروں کی مشرکانہ باتوں کے مشابہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا محبوب کون تھا پورا قرآن اس پر شاہد ہے مگر اسی قرآن میں بار بار آپ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا،

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَىَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (طٰہٰ)	کہہ دو ان مشرکوں اور کافروں سے کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، فرق یہ ہے کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے اور میں اس کا پیغامبر ہوں بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی اللہ ہے۔

حدیث میں خود آپ کا ارشاد ہے:

لا تطروني كما اطرت اليهود والنصارىٰ (مشکوۃ)	میرے بارے میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا۔ اور گمراہ ہوئے

ایک مرتبہ کچھ صحابہ نے آپ کو "سیدنا" کے لفظ سے مخاطب کیا، آپ نے فرمایا سید اللہ ہے' پھر انہوں نے کہا، آپ سب سے افضل اور ہمارے آقا ہیں، فرمایا:۔

قولوا بقولكم لا يستجرينكم الشيطان (الادب المفرد)	اپنی بات کہو، ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو اپنی سواری بنالے اور اس طرح تم کو شرک میں مبتلا کردے،

انبیاء گو انسان ہی ہوتے ہیں، مگر وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے مامور اور اس کی آواز اور اس کی مرضیات کا مظہر ہوتے ہیں، بارگاہ خداوندی میں جن کے مقام قرب کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے، ان کے اسی مقام قرب و محبت کی وجہ سے ان کی شان کے بارے میں مبالغہ آرائی شرک تک پہنچا سکتی ہے اس لیے آپ نے اپنے اور اپنے پیش رو تمام انبیاء کے بارے میں غلو اور مبالغہ سے منع فرمایا، ایک بار آپ کو کسی نے آقا اور مالک کے لفظ سے پکارا، تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! خدا سے ڈرو، شیطان تم کو پستی میں نہ گرادے، میں عبد اللہ کا بیٹا، خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے خدا نے جو مرتبہ دیا ہے، اس سے زیادہ مجھے نہ بڑھاؤ، (سیرۃ النبی ج ۴ ص ۴۴۴ بحوالہ مسند)

اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں آپ کی عظمت و شان کا ذکر کیا ہے وہاں آپ کی عبدیت و رسالت کا ذکر خاص طور پر کیا ہے، کعبہ میں آپ کا نماز کے لیے کھڑا ہونا ایک عظمت کا موقع تھا اس کو قرآن پاک میں لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے معراج میں آپ کو لے جایا جانا آپ کی انتہائی جلالت شان کی بات تھی، تو ارشاد فرمایا گیا،

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمسجد الاقصیٰ (بنی اسرائیل)	پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔

کلمۂ شہادت اور تشہد میں آپ کے نام کے ساتھ عبدہٗ ورسولہٗ کا اقرار بھی ہمیں سکھایا گیا ہے، اسی عظمت پرستی کی ایک قسم احبار پرستی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے علماء فقہا وائمہ کے احکام وفرمودات کو خدا کے احکام وفرامین کا درجہ دے دیا جائے، یعنی یہ کہ وہ کسی چیز کو حرام کہہ دیں تو وہ حرام ہوجائے، اور کسی چیز کو حلال کہہ دیں تو حلال ہوجائے، شرک کا یہ مرض عام طور پر یہودیوں میں بھی تھا اور نصاریٰ میں بھی، بدقسمتی سے یہی عیب ان مسلمانوں میں پیدا ہوگیا ہے جو روایتی خانقاہوں کے گرویدہ ہوچکے ہیں قرآن پاک میں ہے،

اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ	انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو خدا کے
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ)	علاوہ اپنا رب بنا لیا ہے،

حضرت عدی بن حاتم نے جو اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، یہ آیت سنی تو عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو اپنے علماء کو اپنا رب نہیں سمجھتے تھے، ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے ان کو یہ حیثیت نہیں دے دی تھی کہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں، اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں، عرض کیا ہاں ایسا تو ضرور تھا، آپ نے فرمایا کہ قرآن پاک نے اسی کو رب بنانے سے تعبیر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۲) شرک کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے، کہ وہ مراسم عبادت جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں مثلاً سجدہ، طواف، نذر ونیاز، قربانی وغیرہ یہ مراسم عبادت غیر اللہ یعنی کسی انسان، کسی مجسمے کسی قبر، کسی درخت، اور چاند اور سورج کے آگے کیے جائیں تو یہ شرک ہے، خدا نے قرآن پاک کی بے شمار آیات میں اس کی مذمت کی ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ	سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، بلکہ اسی اللہ کو
وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ	سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا، اگر واقعی
اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ	تم خدا کی عبادت کرنا چاہتے ہو،
(حم السجدہ)	
وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا	اللہ کے سامنے زمین وآسمان کی ساری
فِی الْاَرْضِ (النحل)	مخلوق سجدہ کرتی ہے۔

عرب اپنی پیداوار اور جانوروں میں سے نذر و نیاز کے طور پر جو کچھ نکالتے تھے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے کچھ حصہ خدا کے لیے اور کچھ بتوں کے لیے، قرآن پاک نے اسے شرک قرار دیا:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ○ (الانعام)

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے اور پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔

غیر اللہ کے نام پر جو قربانی کی گئی ہو اس کے کھانے سے اسی وجہ سے منع کر دیا گیا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (الانعام)

جس جانور پر اللہ کا نام لے کر نہ ذبح کیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ اس کا کھانا گناہ ہے۔

اکثر مشرک قوموں کا شرک یہی رہا ہے، کہ وہ کچھ ہستیوں کو، ان سے غایت محبت کی بنا پر نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر، ان کے سامنے عبادات کے وہ مراسم ادا کرنے لگے، جو خدا کے لیے مخصوص ہیں، اس لیے آج بھی جہاں یہ صورت پائی جائے گی، تو اس پر شرک کا حکم لگایا جائے گا، خود مسلمانوں میں جو لوگ بزرگانِ اسلام کے مزاروں اور مقبروں کے پاس جا کر نذر و نیاز پیش کرتے اور ان سے اپنی حاجتیں پوری ہونے کی توقع رکھتے ہیں یہ کھلا ہوا شرک ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کبھی بخش نہیں سکتا آج مسلمانوں میں کتنے لوگ ہیں جو اپنی دنیاوی و مادی ترقیات کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ سب نعوذ باللہ من ذالک خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دین ہے۔

نعوذ باللہ من ذالک

عبادت واطاعت کا فرق

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے، کہ عبادت اور اطاعت میں فرق ہے، اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا تو کھلا ہوا شرک ہے مگر اطاعت خدا کے علاوہ دوسرے لوگوں کی جائز ہے، مثلاً رسول کی اطاعت جو جزو ایمان ہے، ماں باپ کی اطاعت، استاذ و معلم کی اطاعت، اپنے معاونوں اور ہمدردوں کی اطاعت وغیرہ، عبادت سے اصلاً مقصود وہ اعمال ہوتے ہیں جو ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اپنی عاجزی و درماندگی کے اظہار کے لیے کرتا ہے، اور یہ اس کی فطرت کا تقاضا اور اس کی نفسیاتی ضرورت ہے عبادت کے اس حقیقی معنی کے علاوہ اسکے دوسرے معنی اطاعت و فرمانبرداری کے بھی ہیں، بعض لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر پاتے، اور اطاعت پر بھی وہی حکم لگا دیتے ہیں جو عبادت کا ہے، جس کی وجہ سے توحید کا تصور محدود اور شرک کا دائرہ بلا وجہ وسیع ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ اطاعت بھی خدا کی خوشنودی کے لیے ہونی چاہیے، اور اس کا رشتہ حقیقی عبادت سے نہ ملنا چاہیے۔

علم غیب

(۳) اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفتوں میں سے کسی صفت میں کسی کو شریک کرنا بھی شرک ہے، مثلاً اس کی ایک صفت عالم الغیب والشہادت ہے، چنانچہ کچھ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عالم الغیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ایک گمراہ کن کوشش ہے، جس کو آپ نے سخت ناپسند فرمایا ہے ایک تقریب کے سلسلے میں انصار کی کچھ بچیاں گا رہی تھیں، اس میں آپ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار پڑھے، جن میں ایک مصرعہ یہ بھی تھا۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد	ہم میں ایک نبی ہیں جو غیب کی باتیں جانتے ہیں

حضورؐ نے سنا تو اس سے منع فرمایا۔ خود قرآن مجید میں آپ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا:

قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ	میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے
اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ	خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیب کی
(الانعام)	بات جانتا ہوں۔

انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ عالم غیب کی بہت سی باتیں بتا دیتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی بہت سی باتیں وحی کے ذریعہ بتائیں اور معراج میں آسمان پر بلا کر عالم غیب

کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرادیا، اور آپ نے صحابہ سے ان سب کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، اور سب نے ان کا یقین کرلیا اور یہ باتیں ہم تک پہنچیں مگر جو علم غیب کے بارے میں انبیائے کرام یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا وہ سبب موہبتِ ایزدی اور عطیۂ خداوندی تھا، علم غیب اور مشاہدۂ عالم غیب آپ کی ذاتی صفت نہیں تھی یہ ذاتی صفت صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی ہے اس لیے بارگاہِ خداوندی میں اس تقرب و اختصاص اور مقبولیت اور حاضری سے آپ کو عالم الغیب سمجھنا، اور اس کا عقیدہ رکھنا بہت بڑا گناہ ہے جو شرک تک لے جاتا ہے، افسوس ہے کہ مسلمانوں کے بعض طبقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کے علماء اس کی طرح طرح سے تاویل کرتے ہیں، عالم الغیب والشہادۃ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس میں اس کی کوئی مخلوق شریک نہیں ہے، اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا ضروری ہے ورنہ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے جاہلیت میں لوگ نجومیوں اور کاہنوں یعنی اس دور کے پامسٹوں کے پاس جاکر غیب کی باتیں معلوم کرتے تھے آپ سے جب صحابہ نے سوال کیا تو آپ نے اس سے منع فرمادیا، صحابہ نے کہا ان کی بعض باتیں سچی نکلتی ہیں، آپ نے فرمایا شیطان غیب کی ایک آدھ بات سن لیتا ہے اور پھر جس طرح مرغی قرقر کرتی ہے اسی طرح ان کے کانوں میں کچھ مبہم باتیں ڈال دیتا ہے اور اس میں سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۴) جھاڑ پھونک اگر قرآن کی آیات یا حدیث نبوی سے ثابت شدہ دعاؤں کے ذریعہ کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، مگر مشرکانہ کلمات یا شیاطین وغیرہ کے ناموں کے ساتھ جو جھاڑ پھونک کی جاتی ہے یا کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے جو جھاڑ پھونک کی جاتی ہے، اسے آپ نے شرک قرار دیا ہے، آپ نے فرمایا:

ان الرقیٰ وَ التمائمہ والتولۃ شرک۔ (ابن داؤد۔ ابن ماجہ)

بے شک جھاڑ پھونک، گنڈے اور میاں بیوی کے چھڑانے والی تعویز شرک ہے۔

اسی طرح بعض لوگ کسی چیز، کسی وقت یا دن یا مہینے یا پرندے، وغیرہ کو منحوس سمجھ لیتے ہیں چھوت چھات پر ان کا پورا یقین جم جاتا ہے اور بھوت پریت وغیرہ پر یقین رکھتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے ہندو ہی نہیں بلکہ مسلمانوں میں بھی یہ عیب پیدا ہو گیا حدیث میں ان تمام اوہام اور خرافات کی تردید کی گئی ہے، آپ نے فرمایا:

لاعدوی ولاطیرۃ ولاصفرہ ولا ہامۃ۔ | چھوت کی بیماری کوئی چیز نہیں ہے اور نہ پرندے اور نہ صفر کا مہینہ نحس ہے اور نہ الو کا بولنا کوئی نحس چیز ہے۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

ایک صحابی نے چھوت کے بارے میں کہا کہ ایک اونٹ کو خارش نکلتی ہے پھر اس کے چھوت سے دوسرے کو بھی نکل آتی ہے، آپ نے فرمایا سب سے پہلے جس اونٹ کو خارش ہوئی تھی اس کو کس کا چھوت لگا تھا۔ فمن اعدی الاول (بخاری)

آپ نے فرمایا نوء یعنی نچھتر کوئی چیز نہیں یعنی پانی کے برسنے میں نچھتر کو کوئی دخل نہیں ہے بھوت پریت کا عقیدہ ہندوں میں بیٹھا ہوا ہے اس بارے میں آپ نے فرمایا کہ لا غُول بھوت پریت کوئی چیز نہیں۔

۵۔ اسی شائبہ شرک سے بچنے کے لیے آپ نے غیر اللہ کے نام سے قسم کھانے کو منع فرمادیا قسم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جس چیز کی قسم کھاتے ہیں اس چیز کو اس بات پر گواہ بنارہے ہیں کہ یہ واقعہ یا یہ بات صحیح ہے، عام طور پر تمام قوموں میں غیر اللہ کی قسم کھانے کا رواج ہے آپ نے اس سے منع فرمایا آپ نے فرمایا کہ ہر وہ قسم جو کسی غیر خدا کی کھائی جائے وہ شرک ہے۔ (سیرۃ النبی ج ۴)

۶۔ بعض لوگ بزرگوں اور نیک لوگوں کے بارے میں سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کی مرضی اور مشیت خدا کی مرضی اور مشیت ہے۔ چنانچہ ایک صحابی نے کسی بات پر کہا کہ ماشاء اللہ وشئت (آپ جو چاہیں اور خدا جو چاہے،) آپ نے سنا تو فرمایا کہ تم نے مجھے خدا کا ہمسر ٹھہرایا یہ کہو ماشاء اللہ وحدہٗ تنہا اللہ جو چاہے (الادب المفرد)

قبر پرستی اور یادگار پرستی

شرک کا ایک بڑا ذریعہ قبر پرستی ہوتی ہے، جسے آہستہ آہستہ لوگ عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور سالانہ مجمع اور میلہ مقرر کرتے ہیں اور اس میں شرکت کے لیے عوام وخواص دور دور سے آتے ہیں، وہاں منتیں مانگتے ہیں چادریں چڑھاتے ہیں اور قوالی اور اب تو ناچ ورنگ کی محفلیں بھی برپا ہوتی ہیں، آپ نے ان کی اس کمزوری کو سامنے رکھ کر ان چیزوں سے منع فرمادیا، وفات سے صرف پانچ دن پہلے آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم سے

پہلے لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے، دیکھو تم لوگ قبروں کو مسجد نہ بنانا عین وفات کے چند لمحے پہلے آپ نے چہرہ انور سے چادر اٹھائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا، جس درخت کے نیچے صلح حدیبیہ ہوئی تھی، آہستہ آہستہ وہاں لوگ اسی دن جمع ہونے لگے اور اس کے ساتھ عظمت کا اظہار کرنے لگے، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے درخت ہی کٹوادیا۔ حالانکہ قرآن پاک میں اس درخت کا ذکر آیا ہے لیکن عظمت پرستی کے سد باب کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔

تصویر پرستی

آپ نے اسی لیے تصویر کھینچنے اور رکھنے سے منع فرمادیا، خاص طور پر اپنے بڑوں اور بزرگوں کی تصویریں بطور یادگار لوگ رکھتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ان کے سامنے ڈنڈوت اور سجدہ کرنے لگتے ہیں چنانچہ ہندوؤں اور عیسائیوں میں اس تصویروں نے بت پرستی کی صورت اختیار کرلی، ایک پڑھے لکھے ہندو راقم الحروف سے کہنے لگے کہ میرے گھر میں مہاتما گاندھی کی تصویر ہے، صبح اٹھ کر سب سے پہلے ان کے سامنے سر جھکا کر پرنام کرتا ہوں پھر کوئی دوسرا کام کرتا ہوں۔ اس دور میں یہ فتنہ نہ صرف ہندوں اور عیسائیوں میں ہے بلکہ مسلمانوں میں بھی اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے بعض جاہل شاہ وارث علی صاحب مرحوم کی تصویر کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں، یہی منظر راقم الحروف نے کشمیر میں حضرت بل کی خانقاہ پر دیکھا کہ جس کمرہ میں موئے مبارک رکھا ہوا ہے اس کی چوکھٹ پر لوگ باقاعدہ سجدہ کرتے ہیں۔ گو کہ بہت سی جگہوں پر موئے مبارک کا ہونا مشکوک ہے لیکن اگر کوئی نسبت صحیح ہو بھی تو اس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ تصویر پرستی کے ذریعہ شرک صرف قدیم زمانہ ہی میں نہیں پیدا ہوتا تھا بلکہ اس کا مشاہدہ آپ ہندوستان اور دوسرے مشرکانہ ملکوں میں اور اپنے ماحول میں ہر جگہ کر سکتے ہیں، یہ مشرکانہ منظر آپ بسوں، ٹرکوں، سڑکوں، سرکاری دفتروں اور کچہریوں میں ہر جگہ دیکھ سکتے ہیں، اب تو ریل گاڑی کے ڈبے کے اندر جو پینٹنگ ہو رہی ہے اس میں گنیش جی اور دوسرے دیوتاؤں کی تصویریں نظر آنے لگی ہیں۔

اجرام سماوی کی تاثیر

چاند و سورج اور زمین کی گردش سے دن رات کی آمد و شد ہوتی ہے، موسم بدلتے ہیں اور ہمارے جسم پر اس کے اثرات پڑتے ہیں، اس لیے قدیم زمانہ سے بعض قوموں میں سورج پرستی اور ستارہ پرستی کا رواج ہو گیا ہے

وہ یہ سمجھنے لگے کہ جو کچھ بھلے برے واقعات دنیا میں ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ سب ستاروں وغیرہ کی گردش کا نتیجہ ہوتا ہے اسی گردش لیل ونہار کو وہ زمانہ سے تعبیر کرتے تھے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو زمانہ کو گالیاں دیتے یا اس کی شکایت کرتے تھے ہماری اردو زبان میں گردش زمانہ اور فلک کج رفتار وغیرہ نہ جانے کتنے محاورے بن گئے ہیں آپ نے اس سے منع فرمایا ہے آپ نے فرمایا کہ زمانہ کو گالی نہ دو زمانہ خود خدا تعالیٰ ہے (صحیح مسلم) یعنی اجرام سماوی کی یہ گردش اللہ کی قدرت ومشیت سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے خیالات کی جن سے غیر اللہ کی اہمیت ظاہر ہو تردید کی، اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن نے اسی لیے چاند وسورج کی پرستش سے منع کیا ہے، اسی لیے حضرت ابراہیم کی زبان سے ستارہ کی تاثیر اور اس کی پرستش کی تردید کی گئی جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے اسی سلسلہ کی چیز سورج وچاند گرہن کے بارے میں یہ تصور کہ یہ کسی بڑے آدمی کی موت یا کسی بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، چنانچہ آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا جس دن انتقال ہوا اسی دن سورج گرہن لگا لوگوں نے اس کو ان کی موت کا نتیجہ سمجھا آپ کو علم ہوا تو آپ نے مسجد میں سب کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا اور فرمایا، سورج گرہن اور چاند گرہن کسی کی موت سے نہیں لگتا یہ اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی ہے، آیۃ من آیات اللہ اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے،

نفس پرستی

اوپر شرک وبت پرستی کی جن صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق زیادہ تر خارجی چیزوں سے ہے یعنی وہ خارجی چیزیں بعض اسباب کی بنا پر انسان کے دل ودماغ میں ربوبیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں مگر ایک سب سے بڑا بت ہمارے اندر موجود ہے وہ ہے خواہش نفس یا نفس پرستی، یہ نفس پرستی یا خواہش نفس ایسی قوت محرکہ ہے کہ جب انسان کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو واقعی وہ خدائی کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، اس صورت میں اس کی آنکھیں وہی دیکھتی ہیں جو وہ دکھاتی ہے اس کا کان وہی سنتا ہے جو وہ سنواتی ہے اس کا دماغ وہی سوچتا ہے جو وہ سوچواتی ہے، اس کے نزدیک وہی نیکی ہے جسے وہ کرتی ہے اور وہ برائی ہے جس سے وہ دور رہتی ہے یہ آدمی کو دنیا کی محبت میں ایسا ڈھکیل دیتی ہے کہ وہ خدا کی محبت پر اور آخرت کے خوف پر بھی غالب آجاتی ہے خارجی بت تو ماحول کی تبدیلی اور اچھی تعلیم وتربیت سے ٹوٹ بھی جایا کرتے ہیں مگر یہ ایک

ایسا بت ہے جو پاکیزہ سے پاکیزہ ماحول اور پاکیزہ سے پاکیزہ انسان کے سینے میں بھی موجود ہوتا ہے وہ اچھی تعلیم و تربیت سے زیر تو ہو جاتا ہے مگر ٹوٹتا نہیں قرآن پاک اور حدیث نبوی میں اس کی ہلاکت آفرینی سے بار بار آگاہ کیا گیا ہے۔

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْہِ وَکِیْلًا (الفرقان)	کیا آپ نے اس شخص کی حالت دیکھی جس نے اپنے نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے تو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں۔
اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی قَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً (الجاثیہ)	کیا اس شخص کی حالت پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے جب اس نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا۔ اور اس کے قلب کو حق کے لیے بند کر دیا اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

اس صورت میں نبوت کی پرسوز آواز بھی اسکے کانوں میں کوئی ارتعاش اور دل و دماغ میں کوئی ہلچل پیدا نہیں کر سکتی اور وہ آنکھ رکھتے ہوئے بھی اندھا ہو جاتا ہے اور علم رکھتے ہوئے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہلاکت خیزیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ان اخوف ما اتخوف علیٰ امتی الھوی وطول الامل فاما الھوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرۃ (باب الرقاق مشکوٰۃ)	سب سے زیادہ خوفناک چیز جس سے میں اپنی امت کے سلسلہ میں ڈرتا ہوں وہ خواہش نفس اور لمبی لمبی دنیا کی آرزوئیں ہیں تو خواہش نفس حق سے دور کر دیتی ہے اور دنیا کی لمبی لمبی آرزوئیں آخرت سے غافل کر دیتی ہیں۔

خواہش نفس جس کا دوسرا نام نفس پرستی ہے اس میں اعتدال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ انسان اپنی باگ ڈور خواہش نفس کے حوالے کرنے کے بجائے شریعت کے تابع کر دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسی لیے ہر مومن کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے کہ:

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ	کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا
تبعاً لما جئت بہٖ	جب تک اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی
(شرح السنۃ بحوالہ مشکوٰۃ)	شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

لیس الشرک عبادۃ الاصنام	شرک صرف بتوں کی پرستش کا نام نہیں ہے
فحسب بل ھو متابعتک لھواک	بلکہ شرک یہ ہے کہ تم اپنی خواہش نفس کی
(فتوح الغیب)	پیروی کرنے لگو۔

موجودہ دور کے نئے بت

موجودہ دور علم وعقل کا دور کہا جاتا ہے، جس کا تقاضا یہ تھا کہ قدیم شرک و بت پرستی کا زور گھٹ جاتا اور اس بے عقلی سے مشرک قومیں دور ہو جاتیں گو ایک طبقہ اس سے قدرے نفرت کرنے لگا ہے مگر موجودہ دور میں علم کی روشنی کے باوجود روایت پرستی اور احیا پرستی کی ذہنیت پیدا ہو گئی ہے اور جس کی پشت پناہی اپنی سیاسی مصلحت کی وجہ سے حکومتیں بھی کرنے لگی ہیں اس نے شرک کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ منظم کر دیا ہے، اس کا مشاہدہ ساؤتھ ایسٹ ایشیاء کے ملکوں میں جہاں چینی آبادی ہے اور خود ہندوستان میں کیا جا سکتا ہے، آزادی کے بعد ہندوستان میں اس نے وبائی شکل اختیار کر لی ہے مشکل ہی سے کوئی دفتر، کوئی کچہری، کوئی بلاک، کوئی پولیس اسٹیشن ایسا ملے گا جہاں سرکاری زمین پر مندر تعمیر نہ کر دیا گیا ہو اور اس کے آگے بڑھ کر سڑکوں کے کنارے اور ہر چوراہے پر مندروں کا ایک سلسلہ نظر آئے گا، غرض یہ شرک و بت پرستی اپنی تمام غیر معقولیت کے باوجود آج نہ صرف زندہ ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک فلسفہ بھی وجود میں آ گیا ہے جس کے ذریعہ اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، بلکہ اب دنیا میں بڑے پیمانہ پر اس کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔

اس پرانے شرک اور بت پرستی کے ساتھ اس دور کی مغرب کی مشرکانہ ذہنیت نے کچھ نئے بت بھی تراش لیے ہیں، جن میں قومیت، وطنیت، نسل، خون، زبان کلچر پیٹ اور روٹی نے بالکل خدا کی

حیثیت اختیار کر لی ہے خاص طور پر قومیت اور وطنیت بقول علامہ اقبال ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

قومیت کا بنیادی تصور جذبۂ اشتراک سے پیدا ہوا ہے یعنی یہ کہ کچھ مشترکہ مفاد یا مصالح کے تحت کچھ لوگ الگ گروہ بن کر رہیں اور مشترکہ مفاد اور مصالح میں ایک دوسرے کا تعاون کریں، ان کی یہ اجتماعیت بہت سے انفرادی اور اجتماعی کاموں کو آسان بنا دیتی ہے، قومیت کا یہ سادہ تصور نہ تو برا ہے اور نہ قابل اعتراض لیکن یہ سادہ اور معصوم تصور اس وقت داغدار ہو جاتا ہے جب اس میں وطنی، نسلی یا خون یا زبان کی عصبیت پیدا ہو جاتی ہے، اب یہ عصبیت جتنی بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی اپنے سے مختلف گروہ اور افراد سے بیگانگی پیدا ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ قومی عصبیت حق و ناحق کا معیار بن جاتی ہے اگر اس کی قوم کوئی غلط کام بھی کرے گی تو اس کا ہر فرد اسے صحیح سمجھے گا اور دوسری قوم صحیح کام بھی کرے گی تو دوسری قوم کا ہر فرد اسے غلط سمجھنے لگتا ہے، یہی عصبیت ہے جسے جاہلانہ عصبیت کہا جاتا ہے، یہی عصبیت ہے جو ایک قوم کو دوسری قوم سے مخالفت اور نفرت برتنے پر اس لیے آمادہ کرتی ہے کہ وہ دوسری قوم کا یا نسل کا کیوں ہے، اسے حق و دیانت اور صداقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا صرف یہ بات کہ ایک شخص کالا ہے، گورے کی نظر میں اسے حقیر بنا دیتی ہے صرف اتنی سی بات کہ ایک انسان ایشیائی ہے فرنگی کی نفرتوں اور جابرانہ دراز دستیوں اور حق تلفیوں کو جائز بنا دیتی ہے آئن سٹائن جیسے فاضل کا اسرائیلی ہونا اس کے لیے کافی ہے کہ جرمن اس سے نفرت کرے، تشکیدی کا محض سیاہ فام حبشی ہونا اس کو جائز کر دیتا ہے کہ یوروپین کو سزا دینے کے جرم میں اس کی ریاست چھین لی جائے امریکہ کے مہذب باشندوں کے لیے یہ قطعاً جائز ہے کہ وہ حبشیوں کو پکڑ کر زندہ جلا دیں کیونکہ وہ حبشی ہیں۔ جرمن کا جرمن ہونا اور فرانسیسی کا فرانسیسی ہونا اس بات کے لیے کافی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کریں۔ اور ایک دوسرے کو ایک دوسرے کے محاسن یکسر معائب نظر آئیں، سرحد کے آزاد افغانیوں کا افغانی ہونا اور لبنان کے فلسطینی باشندوں کا عرب ہونا روس، امریکہ اور اسرائیل کو پورا حق بخشتا ہے کہ وہ ان کے سروں پر طیاروں سے بم برسائے اور ان کی آبادیوں کا قتل عام کریں۔ خواہ یورپ کے مہذب شہریوں پر اس قسم کی گولہ باری کتنی ہی وحشیانہ حرکت سمجھی جاتی ہو۔ آج ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات اسی ذہنیت

کا نتیجہ ہیں۔ اس وقت آسامی اور غیر آسامی کا مسئلے کر آسامیوں نے غیر آسامیوں کا جس طرح قتل عام کیا ہے وہ اس کی تازہ مثال ہے اور اب اس نے فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر لیا ہے، جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان قتل کر دیے گئے۔ اسی طرح نہ جانے کتنے نسلی وطنی اور لسانی مسئلے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہے ہیں۔ یہ سب اسی قومی عصبیت جاہلیہ کی پیداوار ہیں۔

غرض یہ کہ نسلی یا وطنی اور لسانی امتیاز وہ چیز ہے جو انسان کو حق اور انصاف کی طرف سے اندھا بنا دیتی ہے اور اس کی وجہ سے عالمگیر اصول اخلاق و شرافت بھی قومیتوں کے قالب میں ڈھل کر کہیں ظلم اور کہیں عدل کہیں سچ اور کہیں جھوٹ، کہیں کمینگی اور کہیں شرافت بن جاتے ہیں۔ (اسلامی تہذیب)

کیا انسان کے لیے اس سے زیادہ غیر معقول ذہنیت اور کوئی ہو سکتی ہے کہ وہ نالائق، بدکار اور شریر آدمی کو ایک لائق صالح اور نیک آدمی پر صرف اس لیے ترجیح دے کہ پہلا ایک پہاڑ کے مغرب میں پیدا ہوا ہے اور دوسرا اس کے مشرق میں؛ پہلا ایک زبان بولتا ہے اور دوسرا کوئی اور زبان؛ پہلا ایک سلطنت کی رعایا ہے اور دوسرا کسی اور سلطنت کی؟ کیا جلد کے رنگ کو روح کی صفائی اور کدورت میں بھی کوئی دخل ہے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ مشرق میں جو چیز حق ہو وہ مغرب میں باطل ہو جائے، کیا کسی قلب سلیم میں اس چیز کے تصور کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نیکی شرافت اور جوہر انسانیت کو رگوں کے خون، زبان کی بولی مولد و مسکن کے خاک کے معیار پر جانچا جائے؟ یقیناً عقل ان سوالات کا جواب نفی میں دے گی، مگر نسلیت، وطنیت اور اس کے بہن بھائی نہایت بے باکی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ علامہ اقبال نے وطنی جذبۂ قومیت کے بارے میں بالکل صحیح کہا ہے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے — تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے — کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

فارسی میں انہوں نے اسے اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے ؎

از فریب عصر نو ہشیار باش — رہ فتد اے راہ رو ہشیار باش

آں چناں قطع اخوت کردہ اند — بر وطن تعمیر ملت کردہ اند

تا وطن را شمع محفل ساختند — نوع انساں را قبائل ساختند

مردمی اندر جہاں افسانہ شد — آدمی از آدمی بیگانہ شد
روح از تن رفت ہفت اندام ماند — آدمیت گم شد و اقوام ماند

فکر انساں بت پرستے بت گرے — ہر زماں در جستجوئے پیکرے
باز طرحِ آذری انداخت است — تازہ تر پروردگارے ساخت است
آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند — پیشِ پائے ایں بتِ نا ارجمند

اسلام نے توحید کا جو تصور دیا ہے اس میں پرانے خداؤں کے ساتھ ان تمام نئے خداؤں کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں ہے، وہ ایک خدا کے ساتھ ایک انسان کا بھی تصور دیتا ہے یعنی وہ انسان انسان کے درمیان وطن، نسل، زبان کی بنا پر کوئی تفریق نہیں کرتا اور نہ ان تصورات پر وہ قومیت کی تعمیر کرتا ہے، بلکہ وہ کہتا ہے کہ سارے انسان ایک آدم اور ایک حوا کی اولاد ہیں وہ چاہے جس ملک کے اور جس نسل کے ہوں، چاہے وہ کوئی زبان بولتے ہوں وہ کالے ہوں یا گورے ان سب کے اندر ایک ہی ماں باپ کا خون دوڑ رہا ہے انسانوں کی جتنی تقسیمیں ہیں وہ تعارف کے لیے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي	اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے
خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ	تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا	اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر دونوں کے
كَثِيرًا وَّنِسَاءً۔ (نساء)	ذریعہ بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم	اے لوگو! تم کو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے
مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا	پیدا کیا۔ اور تم کو قبیلوں اور گروہوں میں بانٹا کہ
وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ	پہچانے جاؤ یقیناً خدا کے نزدیک تم میں سب سے بہتر
عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔ (الحجرات)	وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔
وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ	اس کی نشانیوں میں زمین اور آسمان کا
وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ	پیدا کرنا اور زبان و رنگ کا اختلاف ہے

وَالوانکم اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیاتٍ	اس میں عقل والوں کے لیے بہت سی
لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (الروم)	نشانیاں ہیں۔

قرآن نے بارہا اس حقیقت کو ذہن نشین کرایا ہے کہ قبیلوں، قوموں یا زبانوں کا اختلاف ایک تعارف کا ذریعہ اور خدا کی قدرت کی ایک نشانی ہے، ورنہ احترام انسانیت کے اعتبار سے سب ایک ہیں اور مادی حقوق کے اعتبار سے ان میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

اس کی مزید تفصیل آپ کو ارشادات نبوی میں ملے گی، آپ نے بار بار اعلان فرمایا کہ:-

النَّاسُ کُلُّھم مِن آدم وآدم من	تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے
تُرابٍ (ابوداؤد۔ ترمذی)	بنے تھے۔

اس تصور کو مزید موثر بنانے کے لیے آپ نے فرمایا کہ اس بھائی چارہ کی وجہ وسبب صرف یہی نہیں کہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، بلکہ اس لیے بھی ان میں بھائی چارہ ہونا چاہیے کہ یہ سب ایک ہی خدا کے بندے ہیں اور فرداً فرداً سب اس رشتۂ عبدیت میں جکڑے ہوئے ہیں۔

کونوا عِبَادَ اللہ اخوانًا	بھائی بھائی بن کر اللہ کے بندے ہو جاؤ۔

آپ صبح و شام جو دعا فرماتے تھے اس میں توحید و آخرت کے اقرار کے بعد تیسری چیز یہی عالمگیر بھائی چارہ کا اعلان و اقرار ہوتا تھا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیٍٔ انا	اے اللہ ہمارے رب اور تمام چیزوں کے
شھیدٌ اَنَّ العبادَ کُلَّھُم اِخوۃٌ	رب میں گواہ ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس
(احمد۔ ابوداؤد)	میں بھائی بھائی ہیں۔

نا ہی نہیں بلکہ آپ نے فرمایا کہ اس بھائی چارہ کی وجہ یہ بھی ہے کہ ساری مخلوق خدا کی عیال ہے اس لیے جو بھی اس کی مخلوقات کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے گا وہ خدا کے یہاں محبوب ہوگا۔

الخلقُ عیالُ اللہ فاحبُّ الخلق	ساری مخلوق خدا کی کفالت میں ہے، تو جو
الی اللہ احسنُ الی عیالِہٖ	شخص خدا کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک
(مشکوٰۃ)	کرے گا وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

روٹی | اوپر عصبیت جاہلیہ کے جن نو تراشیدہ بتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ایک اور نئے بت کا اضافہ ہو گیا ہے وہ ہے پیٹ و روٹی، پیٹ اور روٹی ابتدائے آفرینش سے انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے مگر وہ کبھی زندگی کا محور نہیں بنی تھی لیکن جب سے مغربی تہذیب اور اس کے مادی فلسفہ کی مصیبت دنیا پر مسلط ہوئی ہے اس وقت سے روٹی زندگی کا جزوی مسئلہ نہیں بلکہ کلی مسئلہ بن گئی ہے اور ساری دینی اور اخلاقی قدریں یا تو بے ضرورت قرار دے دی گئی ہیں یا کم سے کم ان کو روٹی اور پیٹ کا بندہ بنا دیا گیا ہے خاص طور پر ہیگل اور کارل مارکس نے تو پیٹ اور روٹی کو واقعی خدا کی جگہ بٹھا دیا ہے۔

اس مغربی تصور کے برخلاف اسلام انسان کو سب سے پہلے ایک اخلاقی وجود تسلیم کرتا ہے اور اس کا مادی وجود اس اخلاقی وجود کے تابع ہوتا ہے وہ اس کے پیٹ اور روٹی کے سلسلہ میں یہ تصور دیتا ہے کہ انسان کی پیدائش اور اس کی پرورش کے سارے بنیادی ذرائع خدا کے نہ صرف پیدا کردہ ہیں بلکہ ہر آن وہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ یہ ذرائع اگر انسان کی کوششوں سے ہم آہنگ نہ ہوں تو انسان کے منھ میں ایک دانہ بھی نہیں جا سکتا، مثلاً انسان کھیت جوتتا ہے اس میں بیج ڈالتا ہے اب اگر ہوا، پانی، فضا اس کی گرمی و سردی اس بیج کے اگانے اور اس کو بار آور کرنے میں ہم آہنگ نہ ہوں یا قدرت نے مٹی کے اندر جو بیکٹیریا پیدا کر رکھے ہیں اگر وہ کم یا بیش ہو جائیں تو اس کی ساری مشینیں، اور کوششیں بے کار ہو سکتی ہیں چنانچہ ہر روز یہ واقعات ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں کہ فلاں سبب سے غلہ کی پیداوار کم ہوئی، گنا سوکھ گیا، پھل اچھے نہیں آئے حالانکہ انسان نے اپنی کوشش میں کوئی کمی نہیں دکھائی ہے مگر چونکہ وہ بنیادی ذرائع اس کی کوشش کا ساتھ نہ دے سکے اس لیے جو نتیجہ اس کی کوشش کا برآمد ہونا چاہیے تھا وہ نہیں

اسی لیے قرآن نے بار بار یہ ذہن نشین کرایا ہے:

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ	اچھا یہ بتاؤ کہ جو تم بیج زمین میں ڈالتے ہو
أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ لَوْ نَشَاءُ	اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اگر ہم چاہیں
لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ	تو اسے گھاس پھوس بنا دیں پھر تم باتیں بناتے
إِنَّا لَمُغْرَمُونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ	رہ جاؤ اور یہ کہنے لگو کہ یہ کھیتی تو ہمارے
أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ	اوپر بوجھ بن گئی بلکہ ہم اس سے بالکل

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَاۗءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ

(الواقعہ)

ہی محروم ہو گئے۔ کیا خیال ہے کہ وہ پانی جو تم پیتے ہو اس کو بادل سے میٹھا پانی بنا کر تم نے نازل کیا یا ہم نازل کرتے ہیں اگر ہم چاہیں تو سب کو کھاری[1] بنا دیں تو کیوں شکر نہیں کرتے تم یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم جلاتے ہو ان کی لکڑیاں جن درختوں سے آتی ہیں ان کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے پیدا کیا ہے یہ سب چیزیں ہم نے اس لیے بنائی ہیں کہ تم خدا کی قدرت کو یاد کرو اور ضرورت مندوں کی ضرورت اس سے پوری ہو۔

حدیث نبوی میں اسے اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ دیکھو پرندے صبح کے وقت خالی پیٹ جاتے ہیں اور بھرے پیٹ واپس آتے ہیں حالانکہ ان کو بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا رزق کہاں ہے مگر بہرحال روزانہ ان کا رزق فراہم ہوتا رہتا ہے تغدو خماصا وتروح بطانا ان دو جملوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ وروٹی کے مسئلہ کی حیثیت واضح کر دی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب زندگی اور اس کی پرورش کے سارے ذرائع خدا کے ہاتھ میں ہیں تو پھر زندگی کا اصل مسئلہ پیٹ وروٹی نہیں بلکہ خدا کی مرضی ہے، ہم اپنی کوششوں کو اس کی مرضی سے جتنا ہم آہنگ کر سکیں گے زندگی کے بنیادی ذرائع اتنے ہی زیادہ ہماری کوششوں سے ہم آہنگ ہوں گے اگر اس کی مرضی کے بغیر ہم نے خدا کے پیدا کیے ہوئے ذرائع کو استعمال کر کے اپنی زندگی کو مادی طور پر کچھ کامیاب بنا بھی لیا تو اس کامیابی

---

[1] سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے اور اسی سے بھاپ بن کر پھر وہ میٹھے پانی کی صورت میں ہماری کھیتیوں اور زمینوں کو سیراب کرتا ہے یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ اس میں خدا کی کتنی بڑی قدرت ہے۔ انسان بھی آج کھاری پانی کو میٹھا بنانے کی فکر کرتا ہے مگر اتنے بڑے پیمانے پر یہ تبدیلی انسان کے بس میں نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اس کی ذرہ بھر محنت شامل ہو۔

کے باوجود ہمارے قلب کو وہ سکون نہیں مل سکتا جو خدا کی مرضی سے ہم آہنگ ہو کر ملتا ہے انسان دولت سے کھیل سکتا ہے مگر اس کے ذریعہ وہ سکون قلب حاصل نہیں کر سکتا اس لیے جہاں ہم کو مٹی اور پتھر کی بت شکنی کرنی ہے وہیں ان نئے بتوں کو بھی قلب و دماغ اور زندگی سے بے دخل کرنا ہوگا ورنہ ہماری زندگی اس کٹی پتنگ کی طرح ہوگی جس کو ہوا کا جھونکا نہ جانے کہاں لے جا کر پھینک دے

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ باتیں خود بخود نکلتی ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں ہے بلکہ زمین و آسمان کے درمیان پھیلی ہوئی اس وسیع وعریض کائنات کا مالک اور اس کا مدبر بھی ہے اور اس کی تدبیر ایسی محکم اور حکیمانہ ہے کہ اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا وہ اس نظام کے چلانے میں نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ اس کا کوئی مددگار ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی منادی کر رہا ہے اور ہماری فطرت اس کی شہادت دے رہی ہے، انسان کے اندر اگر ذرا بھی عقل سلیم ہو تو خدا کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح صحیح سالم آنکھ سورج کو دیکھ سکتی ہے واقعہ ہے کہ

در ہر ورقیست معرفت کردگار

۳۔ تیسری بات یہ کہ شرک نہ صرف انسانی فطرت کے خلاف ہے بلکہ کائنات کی ہر چیز اس کی تردید کرتی ہے، توحید سے انکار زندگی کی سب سے بڑی حقیقت سے انکار ہے شرک اس کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

۴۔ قرآن پاک نے خدا کی جن صفات کا ذکر کیا ہے جن کی تفصیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء حسنیٰ میں کی ہے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ بات انسان کے دل و دماغ میں اور اس کے ضمیر میں اتر جائے کہ زمین و آسمان کے نظام کو قائم رکھنے اور زندگی کی ضروریات اور احتیاجات کے پورا کرنے کے لیے جن ذرائع و وسائل کی ضرورت ہے وہ سب اس کے قبضۂ قدرت اور علم میں ہیں وہ انسان کے ظاہر ہی سے نہیں بلکہ اس کے دل کے احساسات وجذبات سے بھی واقف ہے اس کی نظر میں پوری کائنات کا ذرہ ذرہ اس سے زیادہ اس پر عیاں ہے جتنا ہم پر ہمارے ہاتھ پیر اور آنکھ کان وغیرہ عیاں ہیں وہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اس لیے اس کے علاوہ کسی کے سامنے انسان کو اپنی پیشانی نہ جھکانی چاہیے اور نہ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں

کو پورا کرنے کے لیے کسی دیوی دیوتا یا قبر کے سامنے نذر و نیاز پیش کرنا چاہیے اور نہ دعا مانگنی چاہیے۔ ان کے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ موت نہ تندرستی نہ بیماری نہ امیری نہ غریبی اور نہ عزت اور ذلت اور نہ نفع ونقصان اگر کوئی انسان اپنی پیشانی کسی دوسرے کے سامنے جھکاتا ہے یا اس کی سامنے نذر و نیاز پیش کرتا ہے اور ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ انسانی شرف و امتیاز کی نہ صرف توہین کرتا ہے بلکہ اپنی فطرت کو مسخ کرتا ہے۔

۵۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے وہ ہماری گردن کی رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق)

وہ امیر غریب دیہاتی شہری سب کی دعاؤں کو خود براہ راست سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے عموماً بہت سے انسانوں کو شیطان یہ دھوکہ دیتا ہے کہ جس طرح دنیا میں کسی بڑے آدمی کے یہاں پہنچنا ہوتا ہے تو ہم بغیر ذریعہ اور واسطے کے نہیں پہنچ سکتے اسی طرح خدا کی بارگاہ اتنی اونچی ہے کہ ہم معمولی انسان اس تک نہیں پہنچ سکتے اس لیے کسی نیک آدمی خاص طور پر وہ بزرگ جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کو واسطہ بنانے سے ہماری بات اس کے حضور تک پہنچ سکتی ہے اس فریب میں مبتلا کر کے شیطان انسانوں کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

کوئی نیک آدمی اگر زندہ ہے تو اس سے دعا کرانے میں کوئی حرج نہیں لیکن مردوں سے کسی طرح کی مدد طلب کرنا یا دعا مانگنی گمراہی اور شرک کا زینہ ہے۔

۶۔ موجودہ دور میں جو مغربی تہذیب نے قومیت وطنیت اور زبان اور ریٹ وروٹی وغیرہ کے نام پر جو ہیولی کھڑا کیا ہے وہ بتوں ہی کے مصداق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں دو سوال

عام طور پر مغربی مفکرین ومدبرین اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں دو سوال اٹھاتے ہیں خاص طور پر اس دور میں جب سے فلسفۂ ارتقا ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھایا جانے لگا ہے اور اس ایک فرضی فلسفیانہ نظریہ کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے۔

۲۔ ایک سوال یہ کہ یہ کیوں مانا جائے کہ اس دنیا کو کسی نے پیدا کیا بلکہ یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ طبعی طور پر یہ دنیا خود بخود وجود میں آگئی اور خود بخود چل رہی ہے خود انسان اسی طبعی ارتقا کا نتیجہ ہے پہلے یہ کیڑے

ملوڑوں کی صورت میں تھا پھر اس کی ترقی یافتہ صورت بنی پھر انسان بنا ان حضرات سے کوئی سوال کرے کہ دنیا میں کسی معمولی سے معمولی حتیٰ کہ اپنے جوتے کپڑے کاغذ کتاب کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ خود بخود بن گئی ہے مگر اتنی بڑی کائنات جس کی وسعت کا پورا اندازہ موجودہ زمانہ کے بڑے بڑے بقراط سقراط لوگ بھی نہیں لگا سکے ہیں اس کے بارے میں یہ کہنا کہ خود وجود میں آگئی ہے اس سے زیادہ بے عقلی کی کوئی اور بات ہو سکتی ہے ؟

ہمارے مشہور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کسی ملحد نے آپ سے کہا کہ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس دنیا کو خدا نے پیدا کیا، ہم کہتے ہیں کہ یہ دنیا خود بخود بن گئی ہے، امام صاحب نے کہا کہ ہاں میں اسے ثابت کروں گا کہ یہ دنیا خود بخود نہیں پیدا ہوگئی ہے، بلکہ اسے ایک خدا نے پیدا کیا ہے مگر یہ بات میں ایک مجمع کے سامنے ثابت کروں گا تاکہ تم کو انکار کرنے کی مجال نہ رہے چنانچہ اس سے جگہ اور وقت مقرر ہو گیا۔ جو دن اور وقت اس کے لیے مقرر تھا اس دن وہ ملحد اپنے حامیوں کے ساتھ وقت پر پہنچ گیا اور یہ سن کر کہ امام صاحب ایک ملحد کا جواب دیں گے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا مگر امام صاحب وقت مقررہ پر نہیں پہنچ سکے جب زیادہ دیر ہوگئی تو ملحد اور اس کے حامیوں نے کہنا شروع کیا کہ دیکھو بھائیو! امام صاحب بھاگ کھڑے ہوئے، وہ یہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ امام صاحب پہنچ گئے اور مجمع کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کہ بھائیو مجھے دیر ہوگئی میں آپ لوگوں سے معافی چاہتا ہوں مگر دیر کی وجہ بھی سن لیجیے، ہوا یہ کہ میں گھر سے چلا راستہ میں ایک دریا پڑا دیکھا کہ دریا پر کوئی کشتی نظر نہیں آ رہی ہے، میں بہت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اگر میں وقت پر نہیں پہنچوں گا تو لوگ نہ جانے کیا کیا کہیں گے بس اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ دریا کے کنارے ایک بڑا درخت تھا وہ خود بخود کٹ کر زمین پر گر پڑا اور خود بخود اس کے تختے بن گئے اور تھوڑی دیر میں کشتی بن کر تیار ہوگئی میں سوار ہو کر جلدی جلدی پار اترا اور پھر آپ کے سامنے حاضر ہو گیا یہ بات سن کر وہ ملحد بولا کہ میں ایسے جھوٹے آدمی سے بات نہیں کر سکتا جو اتنا بڑا جھوٹ بولتا ہو کوئی درخت اپنے آپ سے گر تو سکتا ہے مگر کٹ کر نہیں گر سکتا اور نہ خود بخود اس کے تختے بن سکتے ہیں اور نہ خود بخود کشتی بن سکتی ہے اور نہ بغیر ملاح کے خود بخود اُدھر پار ہو سکتی ہے، وہ جب اپنی بات پوری کر چکا تو امام صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بھائیو ان سے پوچھیے جب ایک درخت خود بخود نہیں کٹ سکتا تختے خود بخود نہیں جڑ سکتے، کشتی خود بخود نہیں بن سکتی

اور وہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے خود بخود نہیں جا سکتی تو اتنی بڑی کائنات خود بخود کیسے بن سکتی ہے اور اس کے اندر زمین و آسمان، چاند، سورج سب اپنے آپ کیسے بن سکتے ہیں اور یہ سب برابر حرکت کر رہے ہیں اور لاکھوں اور کروڑوں برس سے ان کی حرکت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ امام صاحب کا یہ جواب ایسا تھا کہ وہ ہکا بکا رہ گیا، مجمع نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ملحد سہاگ کھڑا ہوا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

۲۔ دوسرا سوال یہ کہ سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ انسان نے نہ صرف اس دنیا کے چپہ چپہ کا کھوج لگا لیا ہے بلکہ وہ چاند اور مریخ تک پہنچ گیا ہے کوئی ایسا ظاہر نشان نہیں ملا جس کی بنا پر ہم خدا کو تسلیم کریں اور جو چیز ہمارے مشاہدہ میں نہ آتی ہو اس کے تسلیم کرنے کی نہ کوئی وجہ ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ جو چیز انسان کے مشاہدہ میں نہ آئے ضروری نہیں کہ وہ موجود نہیں ہم روزانہ اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں کہ اب تک کائنات کا جو اندازہ سائنس دانوں نے لگایا تھا وہ غلط تھا بلکہ کائنات کی وسعت اس سے کئی سو گنا زیادہ ہے جس کا اندازہ اب تک کیا گیا تھا، اسی طرح انسانی جسم اور نباتات و جمادات ہر ایک کے بارے میں روزانہ ہمارے مشاہدہ میں نئی نئی چیزیں آتی رہتی ہیں اس لیے یہ کہنا کہ جو چیز ہمارے مشاہدہ میں آگئی یا ہماری دوربینوں نے جن چیزوں کو دیکھ لیا اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں ہے، صحیح نہیں ہے۔

ابھی ۱۹۸۴ء میں اخباروں میں یہ خبر چھپی ہے کہ فلکیات کے ماہرین نے ایک نئی کہکشاں دریافت کی ہے جو موجودہ دریافت شدہ کہکشاؤں سے زیادہ وسیع ہے ہم پانی کو دیکھ لیتے ہیں مگر پانی کا چھوٹے سے چھوٹا قطرہ جو ہیڈروجن کے دو ایٹم اور آکسیجن کے ایک ایٹم پر مشتمل ہے، یہ ہم کو نظر نہیں آتا مگر ہم کچھ فارمولوں سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ایسا ہے معلوم یہ ہوا کہ مشاہدہ میں نہ آتے ہوئے بھی ہم بہت سی حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں، یہی بات ہم خدائے تعالےٰ کے سلسلہ میں بھی کہتے ہیں۔

پھر قرآن پاک یہ نہیں کہتا کہ ہم خدا کو براہ راست دیکھ سکتے ہیں یا وہ مشاہدہ میں آسکتا ہے بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ یہ کہ انسان کا وجود اور انسانی وجود کے باہر پھیلی ہوئی اس کائنات کا نظم اور اس کی ہم آہنگی اور توازن ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم ایک حکیم اور دانا کو اس کا خالق تسلیم کریں اوپر اس کی تفصیلات آچکی ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا وحید الدین خاں کی کتاب "علم جدید کا چیلنج" کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

مشاہدہ اور تجربہ نہ صرف یہ کہ بذات خود علم کے قطعی کے ذرائع نہیں ہیں، بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ علم صرف ان چیزوں کا نام نہیں ہے جو براہ راست ہمارے مشاہدہ و تجربہ میں آتی ہوں، دورِ جدید نے بے شک بہت سے آلات اور ذرائع دریافت کرلیے ہیں جن سے وسیع پیمانہ پر تجربہ و مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، مگر یہ آلات و ذرائع جن چیزوں کا ہمیں تجربہ کراتے ہیں، وہ صرف کچھ اوپری اور نسبتاً غیر اہم چیزیں ہوتی ہیں، اس کے بعد ان مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر جو نظریات قائم کیے جاتے ہیں، وہ سب کے سب غیر مرئی ہوتے ہیں، نظریات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ساری سائنس کچھ مشاہدات کی توجیہہ کا نام ہے، یعنی خود نظریات وہ چیزیں نہیں ہیں، جو ہمارے مشاہدہ یا تجربہ میں آئے ہوں، بلکہ کچھ تجربات و مشاہدات نے سائنس دانوں کو یہ ماننے پر مجبور کیا ہے کہ یہاں فلاں حقیقت موجود ہے، اگرچہ وہ خود مشاہدہ میں نہیں آئی۔ کوئی سائنسداں یا مادہ پرست، فورس، انرجی، نیچر، قانونِ فطرت، وغیرہ الفاظ استعمال کیے بغیر ایک قدم آگے نہیں چل سکتا، مگر کوئی بھی سائنس داں نہیں جانتا کہ قوت یا نیچر کیا ہے، سوا اس کے کہ معلوم واقعات وظواہر کی نامعلوم اور ناقابل مشاہدہ علت کے لیے چند مختلف تعبیری الفاظ وضع کرلیے گئے ہیں، جن کی حقیقت معنوی کی تشریح سے ایک سائنس داں بھی اسی طرح عاجز ہے، جس طرح اہل مذاہب خدا کی تشریح و توصیف سے، دونوں اپنی جگہ ایک نامعلوم علت کائنات پر غیبی اعتقاد رکھتے ہیں، ڈاکٹر الکس کیرل کے الفاظ میں۔

"ریاضیاتی کائنات قیاسات اور مفروضات کا ایک شاندار جال ہے جس میں علامتوں کی مساوات (EQUATIONS OF SYMBOLS) پر مشتمل ناقابل بیان مجردات (ABSRACTIONS) کے سوا اور کچھ نہیں۔"

(MAN THE UNKNOWN, P.15)

سائنس ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتی اور نہیں کر سکتی کہ حقیقت صرف اسی قدر ہے، جو حواس کے ذریعہ بلا واسطہ ہمارے تجربہ میں آئی ہو، یہ واقعہ کہ پانی ایک رقیق اور سیال چیز ہے، اس کو ہم براہ راست اپنی آنکھوں کے ذریعہ دیکھ لیتے ہیں، مگر یہ واقعہ کہ پانی کا ہر مالے کیول ہائیڈروجن کے دو ایٹم اور آکسیجن کے ایک ایٹم پر مشتمل ہے، یہ ہم کو آنکھ سے یا کسی خوردبین سے نظر نہیں آتا، بلکہ صرف منطقی استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے، اور سائنس ان دونوں واقعات کی موجودگی یکساں طور پر تسلیم کرتی ہے، اس کے نزدیک جس طرح وہ عام پانی ایک حقیقت ہے، جو مشاہدہ میں نظر آ رہا ہے، اسی طرح وہ تجزیاتی پانی بھی ایک حقیقت ہے، جو قطعاً ناقابل مشاہدہ ہے، اور صرف قیاس کے ذریعہ معلوم کیا گیا ہے کہ، یہی حال دوسرے تمام حقائق کا ہے، اے۔ ای مینڈر (A. E. MANDER) لکھتا ہے:

"جو حقیقتیں ہم کو براہِ راست حواس کے ذریعہ معلوم ہوں وہ محسوس حقائق (PERCEUED FACTS) ہیں، مگر جن حقیقتوں کو ہم جان سکتے ہیں وہ صرف انہیں محسوس حقائق تک محدود نہیں ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی حقیقتیں ہیں جن کا علم اگرچہ براہِ راست ہم حاصل نہیں کر سکتے، پھر بھی ہم ان کے بارے میں جان سکتے ہیں، اس علم کا ذریعہ استنباط ہے، اس طرح جو حقیقتیں معلوم ہوں ان کو استنباطی حقائق (INFERED FACTS) کہا جا سکتا ہے، یہاں یہ بات اہمیت کے ساتھ سمجھ لینی چاہئے کہ دونوں میں اصل فرق ان کے حقیقت ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ اس صورت میں ہم "اس کو" جانتے ہیں، اور دوسری صورت میں "اس کے بارے میں" معلوم کرتے ہیں، حقیقت بہرحال حقیقت ہے، خواہ ہم اس کو براہ راست مشاہدہ سے جانیں یا بطریق استنباط معلوم کریں۔

(CLERER THINKING, (LONDON) P.49)

اس سے اندازہ ہو گیا ہوگا خدائے تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھنا یا مشاہدہ میں نہ آنا اس کے غیر موجود ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

بعض سائنس داں جب کائنات کے پورے نظام، اس کے توازن اور منطقیت پر غور کرتے ہیں تو ان کا دل اندر سے کسی مخفی طاقت کے ماننے پر مجبور ہوتا ہے، مگر ان کے ذہنی سانچہ میں ایک زندہ خدا کی کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے وہ کائنات کی تخلیق کے ایک اتفاقی حادثہ ہونے کا دعویٰ کر دیتے ہیں۔ مگر کائنات کے موجودہ باریک اور پیچیدہ نظام، اور اس کے توازن اور منطقیت کی موجودگی میں اسے ایک اتفاقی حادثہ کہنا شاید اس سے زیادہ نادانی کی دنیا میں کوئی اور بات نہ ہو، موجودہ دور کی سائنس، ہیئت اور ٹکنالوجی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس کائنات کی تخلیق اور اس کے متوازن نظم کے پیچھے ایک عظیم قدرت، غیر معمولی طاقت اور زندہ ذہن کام کر رہا ہے، ہم یہاں "علم جدید کا چیلنج" کے حوالے سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے نہ صرف ان کے اس دعوی کی تردید ہو جائے گی بلکہ بقول مولانا عبدالباری ندوی مرحوم قاری پکار اٹھے گا کہ "موجودہ دور کے علوم سالے کے سارے مومن ہیں مگر قلوب کافر ہیں"

علم جدید کے چیلنج کے مصنف لکھتے ہیں:۔

"کائنات کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے مانند نہیں ہے بلکہ اس کے اندر حیرت انگیز معنویت ہے، یہ واقعہ صریح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی تخلیق و تدبیر میں کوئی ذہن کام کر رہا ہے، ذہنی عمل کے بغیر کسی چیز میں ایسی معنویت پیدا نہیں ہو سکتی، محض اندھے مادی عمل سے اتفاقی طور پر وجود میں آجانے والی کائنات میں تسلسل نظم اور معنویت کے پائے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، کائنات اس قدر حیرت انگیز طور پر موزوں اور مناسب حال ہے کہ یہ ناقابل تصور ہے کہ یہ مناسبت اور موزونیت خود بخود محض اتفاقاً واقعہ میں آگئی ہو۔ چاڈورش (CHADVALSH) کے الفاظ ہیں۔

"ایک شخص خواہ وہ خدا کا اقرار کرنے والا ہو یا اس کا منکر ہو، جائز طور پر اس سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ دکھائے کہ اتفاق کا توازن اس کے حق میں کس طرح ہو جاتا ہے۔"

زمین پر زندگی کے پائے جانے کے لیے اتنے مختلف حالات کی موجودگی ناگزیر ہے ریاضی طور پر یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ اپنے مخصوص تناسب میں محض اتفاقاً زمین کے اوپر اکٹھا ہو جائیں، اب اگر ایسے حالات پائے جاتے ہیں تو لازماً یہ ماننا ہوگا کہ فطرت میں کوئی ذی شعور رہنمائی موجود ہے جو ان حالات کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔

زمین اپنی جسامت کے اعتبار سے کائنات میں ایک ذرے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی مگر اس کے باوجود وہ ہماری تمام دنیاؤں میں اہم ترین ہے، کیونکہ اس کے اوپر حیرت انگیز طور پر وہ حالات مہیا ہیں جو ہمارے علم کے مطابق اس وسیع کائنات میں کہیں نہیں پائے جاتے۔

سب سے پہلے زمین کی جسامت کو لیجیے، اگر اس کا حجم کم یا زیادہ ہوتا تو اس پر زندگی محال ہو جاتی مثلاً کرۂ زمین، اگر چاند اتنا چھوٹا ہوتا، یعنی اس کا قطر موجودہ قطر کی نسبت سے ¼ ہوتا تو اس کی کشش ثقل زمین کی موجودہ شکل کا ⅙ رہ جاتی کشش کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہماری دنیا پانی اور ہوا کو اپنے اوپر روک نہ سکتی، جیسا کہ جسامت کی اس کمی کی وجہ سے چاند میں واقع ہوا ہے، چاند میں اس وقت نہ تو پانی ہے اور نہ کوئی ہوائی کرہ ہے ہوا کا غلاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ رات کے وقت بے حد سرد ہو جاتا ہے، اور دن کے وقت تنور کے مانند جلنے لگتا ہے، اسی طرح کم جسامت کی زمین جب کشش کی کمی کی وجہ سے پانی کی اس کثیر مقدار کو روک نہ سکتی جو زمین پر موسمی اعتدال کو باقی رکھنے کا اہم ذریعہ ہے، اور جس کی بنیاد پر ایک سائنسداں نے اس کو عظیم توازنی پہیہ (GREAT BALANCE WHEEL) کا نام دیا ہے اور ہوا کا موجودہ غلاف اڑ کر فضا میں گم ہو جاتا تو اس کا یہ حال ہوتا کہ اس کی سطح پر درجہ حرارت چڑھتا تو انتہائی حد تک چڑھ جاتا، اور گرتا تو انتہائی حد تک گر جاتا، اس کے برعکس اگر زمین کا قطر موجودہ کی نسبت سے دگنا ہوتا تو اس کی کشش ثقل بھی دگنی بڑھ جاتی، کشش کے اس اضافہ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا جو اس وقت زمین کے اوپر پانچ سو میل کی بلندی تک پائی جاتی ہے، وہ کھنچ کر بہت نیچے تک سمٹ جاتی۔ اس کے دباؤ میں فی مربع انچ ۱۵ تا ۳۰ پونڈ کا اضافہ ہو جاتا، جس کا ردعمل مختلف صورتوں میں زندگی کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوتا۔ اور اگر زمین سورج کے اتنی بڑی ہوتی اور اس کی کثافت برقرار رہتی تو اس کی کشش ثقل ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی، ہوا کے غلاف کی دبازت گھٹ کر پانچ سو میل کے بجائے صرف چار میل رہ جاتی، نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا دباؤ ایک ٹن فی مربع انچ تک جا پہنچتا، اس غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے زندہ اجسام کا نشو و نما ممکن نہ رہتا، ایک پونڈ وزنی جانور کا وزن ایک سو پچاس پونڈ ہو جاتا، انسان کا جسم گھٹ کر گلہری کے برابر ہو جاتا اور اس میں کسی قسم کی ذہنی زندگی ناممکن ہو جاتی، کیونکہ انسانی ذہانت حاصل کرنے کے لیے بہت کثیر مقدار میں اعصابی ریشوں کی موجودگی ضروری ہے، اور اس طرح کے پھیلے ہوئے ریشوں کا نظام ایک خاص درجہ کی

جسامت ہی میں پایا جا سکتا ہے۔

بہ ظاہر ہم زمین کے اوپر ہیں مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہم اس کے نیچے سر کے بل لٹکے ہوئے ہیں زمین گویا فضا میں معلق ایک گیند ہے، جس کے چاروں طرف انسان بستے ہیں کوئی شخص ہندوستان کی زمین پر کھڑا ہو تو امریکہ کے لوگ بالکل اس کے نیچے ہوں گے، اور امریکہ میں کھڑا ہو تو ہندوستان اس کے نیچے ہوگا، پھر زمین ٹھہری ہوئی نہیں ہے بلکہ ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل گھوم رہی ہے، ایسی حالت میں زمین کی سطح پر ہمارا انجام وہی ہونا چاہیے جیسے سائیکل کے پہیہ پر کنکریاں رکھ کر تیزی سے گھما دیا جائے، مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص تناسب سے زمین کی کشش اور ہوا کا دباؤ ہم کو ٹھہرائے ہوئے ہے، زمین کے اندر ایک غیر معمولی قوت کشش ہے جس کی وجہ سے وہ تمام چیزوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور اوپر سے ہوا کا مسلسل دباؤ پڑتا ہے اسی دوطرفہ عمل نے ہم کو زمین کے گولے پر چاروں طرف لٹکائے رکھا ہے، ہوا کے ذریعہ جو دباؤ پڑتا ہے وہ جسم کے ہر ایک مربع انچ پر تقریباً ساڑھے سات سیر تک معلوم کیا گیا ہے، یعنی ایک اوسط آدمی کے سارے جسم پر تقریباً ۲۸۰ من کا دباؤ، آدمی اس وزن کو محسوس نہیں کرتا، کیونکہ ہوا جسم کے چاروں طرف ہے، دباؤ ہر طرف سے پڑتا ہے اس لیے آدمی کو محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ پانی میں غوطہ لگانے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس بحث کو ہم ایک امریکی عالم طبعیات جارج ارل ڈیوس کے ایک اقتباس پر ختم کرتے ہیں۔

> "اگر کائنات خود اپنے کو پیدا کر سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اندر خالق کے اوصاف رکھتی ہے، ایسی صورت میں ہم یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ کائنات خود خدا ہے اس طرح اگرچہ ہم خدا کے وجود کو تسلیم کر لیں گے مگر وہ نرالا خدا ہوگا جو ایک مافوق الفطرت بھی ہوگا اور مادی بھی، اسی طرح کے مہمل تصور کو اپنانے کے بجائے ایک ایسے خدا پر عقیدہ کو ترجیح دیتا ہوں، جس نے عالم مادی کی تخلیق کی ہے اور اس عالم کا وہ خود کوئی جز نہیں بلکہ اس کا فرمانروا، ناظم اور مدبر ہے۔" (علم جدید کا چیلنج)

بحمداللہ توحید کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں ہے جس پر کچھ نہ کچھ روشنی نہ پڑ چکی ہو اب آگے آخرت کا بیان ملاحظہ کریں۔

یوم آخرت

توحید کے بعد دوسری چیز جس پر ہر مسلمان کو ایمان لانا اور اس پر پختہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے وہ یوم آخرت ہے آخرت کے معنی بعد میں آنے والی چیز اور یوم کے معنی دن اور زمانہ ہوتے ہیں، آخرت کے مقابلے میں حیات دنیا ہے، حیات کے معنی زندگی اور دنیا کے معنی قریب والی چیز۔

ہماری ایک زندگی تو وہ ہے جس میں اس وقت ہم رہ رہے ہیں، اسے ہم اس لیے دنیا کی زندگی کہتے ہیں کہ وہ ہمیں اس وقت حاصل ہے، دوسری زندگی ہماری اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد شروع ہوگی، اور وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے، اس لیے اس زندگی کو اسلامی شریعت میں یوم آخرت کہتے ہیں، ہماری اس دنیا کی زندگی ایک امتحان گاہ ہے، جس میں ہم اچھے یا برے جو اعمال بھی کریں گے وہاں اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا، جو لوگ اس دنیا میں نیکوکار رہیں گے وہ خدا کی ابدی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور جو لوگ اس دنیا میں برے ہوں گے وہ خدا کی ابدی لعنت اور عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

عقیدۂ آخرت کی اہمیت

جس طرح قرآن پاک میں توحید کا ذکر بار بار ملتا ہے اسی طرح آخرت کے ذکر سے بھی قرآن پاک کا کوئی صفحہ خالی نہیں ملے گا، دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے ان سب نے توحید کے ساتھ عقیدۂ آخرت پر نہ صرف زور دیا بلکہ اس کو ایمان کا جزء قرار دیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز بھی توحید و آخرت سے فرمایا، اور آپ کی دعوت کا اختتام بھی اسی پر ہوا، غرض یہ کہ آخرت پر ایمان لائے اور عقیدہ رکھے بغیر دین کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا، یوم آخرت کا یقین توحید کا تقاضا اور اس کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ اگر آخرت کا یقین نہ ہو تو توحید کا ماننا بے معنی

ہو جائے گا۔

عقیدۂ آخرت بُرائی سے روکتا ہے

توحید کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام طاقتوں اور قدرتوں کے ساتھ عالم الغیب والشہادہ بھی ہے اور عادل و منصف بھی ہے اور اس کے اس علم اور عدل و انصاف کا پورا ظہور آخرت کے دن ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پر یقین کے ساتھ جب بندہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس دنیا میں ہم اچھا یا برا جو کام کر رہے ہیں یا کریں گے اللہ تعالیٰ اس سے براہِ راست واقف ہے، اور ان کے بارے میں آخرت کے دن وہ جزا یا سزا کا فیصلہ کرے گا تو بندہ برائی تو برائی بھلائی کر کے بھی ڈرتا رہتا ہے کہ اس میں کیا کمی رہ گئی ہو کہ خدا کے حضور شرمندگی اٹھانی پڑے۔ ظاہر ہے کہ اس تصور کے بعد آدمی سات پردے کے اندر بھی برائی کرنے سے گھبرائے گا' اگر اس سے برائی سرزد ہو جائے گی تو وہ اس سے توبہ کرے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے پاک اور معصوم فطرت تھے وہ بھی یوم آخرت سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے؛ آپ تہجد کے وقت اٹھتے تو آپ کی زبان مبارک پر جو آیات قرآنی اور دعائیں ہوتی تھیں وہ سب آخرت کے ذکر سے پُر ہوتی تھیں اور کبھی آپ کی زبان مبارک پر جاءتِ الرَّاجِفَۃُ تَتْبَعُھَا الرَّادِفَۃُ۔ قیامت آئی قیامت آئی کی صدا ہوتی تھی، یہی حال صحابہ کرام اور بزرگان ملت کا رہا ہے، وہ ہر وقت قیامت کے آنے سے خائف رہتے تھے، اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اقرار کر کے دنیا ہی میں اس کی سزا بھگت لینا چاہتے تھے تاکہ آخرت میں رسوائی نہ ہو۔

قران و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم آخرت کے دو مرحلے ہیں، ایک مرحلہ قبر کی زندگی سے قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے تک اور دوسرا مرحلہ قبر سے اٹھائے جانے کے بعد میدانِ حشر میں جمع ہونے، حساب و کتاب ہونے اور پھر جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک۔

قرآن پاک نے توحید کی طرح قیامت کے برپا ہونے دوبارہ اٹھائے جانے اور یوم آخرت کے تمام مراحل کو ہماری اس دنیا کے واقعات سے سمجھانے کی کوشش کی ہے، پہلے ہم قرآن کے دیے ہوئے دلائل کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے مراحل کا ذکر کریں گے۔

آخرت کے نقلی و عقلی دلائل

ہماری آنکھوں کے سامنے یہ منظر ہمیشہ آتا رہتا ہے کہ گرمیوں

یا خزاں کے زمانہ میں تیز گرم ہوا چلتی ہے تو زمین بالکل خشک ہو جاتی ہے، درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں، دور دور تک گھاس کی ایک پتی نظر نہیں آتی، ہر طرف بے آب و گیاہ چٹیل میدان ہی میدان نظر آنے لگتا ہے، پھر رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے، باد بہاری چلتی ہے، بادل اٹھتے ہیں، بارش ہوتی ہے، بارش کے چھینٹے پڑتے ہی زمین میں ایک نئی زندگی پیدا ہوتی ہے، لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں کیڑے مکوڑے اور پتنگے پیدا ہو جاتے ہیں، خشک زمین اور سوکھے ہوئے کھیت اور بے پتی کے درخت لہلہا اٹھتے ہیں، جنگل و میدان میں ہر جگہ سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے، مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی نے اس شعر میں اسی کی منظر کشی کی ہے: ؎

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا
کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا

جس طرح بارش کے چند چھینٹوں کے پڑنے کی وجہ سے مردہ زمین ہری بھری اور زندہ ہو جاتی ہے، اسی طرح موت کے بعد جب آدمی سڑ گل کر مٹی ہو جائے گا یا جل بھن کر راکھ ہو جائے گا یا اسے دریا یا سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں گی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے، اس کی آواز سنتے ہی سارے انسان زندہ ہو جائیں گے اور اپنی قبروں سے اور زمین، پانی اور فضا ہر جگہ سے سمٹ کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور ان کی اچھائی اور برائی کا حساب کتاب لیا جائے گا۔ قرآن پاک نے ان الفاظ میں قیامت کے آنے اور دوبارہ اٹھائے جانے کو ذہن نشین کرایا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ، وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ (ق)	ہم نے بادل کے ذریعہ نہایت ہی صاف اور نفع بخش پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ باغات اور کٹنے والا غلہ اگایا، اور کھجور کے لمبے لمبے درخت اگائے، جن کے گچھے آپس میں خوب ملے ہوئے ہیں، یہ بندوں کے رزق کے لیے ہے، اور پانی سے مردہ زمین کو ہم نے زندہ کر دیا، اسی طرح ہم دوبارہ سارے

لوگوں کو زندہ کریں گے۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ (فاطر)	اللہ ہی کی ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتی ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہے پھر ہم اس بادل کو خشک زمین کی طرف ہانک کرلے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے۔
وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ۔ (یٰس)	جب صور پھونکا جائے گا تو بس یکایک سارے انسان اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کے حضور بھاگے ہوئے چلے جائیں گے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کار آخرت کی زندگی کی ضرورت کیا ہے اور ہماری اس زندگی میں اس تصور کا کیا فائدہ ہے ؟ ذیل کی تفصیلات سے انشاء اللہ اس سوال کا پورا پورا جواب مل جائے گا۔

(۱) اگر ہم اس دنیا کی زندگی اور اس میں ہم جو اچھے یا برے کام کرتے ہیں اور ہمارے دل میں جو ہزاروں قسم کی آرزوئیں اور تمنائیں پیدا ہوتی ہیں ان کے بارے میں ہم ذرا بھی غور کریں تو بڑی آسانی سے ہمارے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور وسیع دنیا کا ہونا ضروری ہے ، اگر دوسری دنیا نہ ہو تو ہماری اس زندگی اور اس کے اچھے یا برے کاموں کا پورا نتیجہ ہمارے سامنے نہیں آسکتا۔ اور نہ ہماری آرزوؤں کی تکمیل ممکن ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد پیدا کیا ہے، اس لیے وہ اچھا یا برا جو کام چاہے کرسکتا ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس ارادہ و اختیار کی آزادی سے فائدہ اٹھا کر وہ بہت سے برے کاموں کو اچھا ، اور صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح بنا کر پیش کر دیتا ہے ، اس لیے ایک ایسی

دنیا کا ہونا بہت ضروری ہے جس میں وہ بالکل بے اختیار ہو اور اس کی پوری زندگی کے کاموں کا رکارڈ موجود ہو اور اس کا نتیجہ ایک ایسی ذات کے ہاتھ میں ہو جو سراپا رحم و کرم، عدل و انصاف ہو اور جس کے بارے میں ظلم و زیادتی اور ناانصافی کا کوئی ادنیٰ تصور بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ قرآن پاک کی بے شمار آیتوں میں اس تصور کی وضاحت کی گئی ہے،

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ (الفطار)	قیامت کا دن ایسا دن ہوگا کہ جس میں کسی شخص کو نفع پہنچانے کا اختیار نہ ہوگا، سارا اختیار اس دن اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔
وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا (انبیاء)	قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو مقرر کریں گے تو سب کے ساتھ انصاف ہوگا کسی پر ادنیٰ درجہ کا ظلم نہ ہوگا۔

(۲) دنیا کی زندگی کے بعد آخرت کی زندگی کے ہونے اور اس میں حساب و کتاب لیے جانے اور اس سے فائدہ کی بات ایک مثال سے آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

بھلائی اور برائی کا پورا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہوگا

ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کسان کھیت میں گندم بوتا ہے تو اس کھیت میں گندم ہی پیدا ہوتا ہے اور جس کھیت میں، جو، مٹر یا چنا بوتا ہے اس میں مٹر، جو اور چنا ہی پیدا ہوتا ہے، اگر کسی باغ میں آم کے درخت لگائے جائیں تو اس میں آم ہی پھلے گا، سیب یا سنترہ نہیں پیدا ہوگا، آم کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں اگر کسی باغ میں بنارس کا لنگڑا آم لگا یا جائے تو اس میں لکھنؤ کی دسہری نہیں پھلے گی، اگر دسہری کا قلم لگا یا جائے تو اس سے چوسا یا ثمر بہشت نہیں پھلے گا مثل مشہور ہے "جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے"

گندم از گندم بروید جو زجو — ازمکافاتِ عمل غافل مشو

جس طرح ہر بیج اور گٹھلی سے وہی پودا نکلتا ہے جس کا وہ بیج یا گٹھلی ہوتا ہے، اسی طرح بھلائی اور برائی کو سمجھنا چاہیے بھلائی کا نتیجہ ہمیشہ بھلا ہی نکلتا ہے یا نکلنا چاہیے اور برائی کا نتیجہ برا ہی نکلتا ہے یا نکلنا چاہیے، بھلائی کی مثال میٹھے پھل کے درخت کی سی ہے جس سے ہمیشہ میٹھا پھل ہی نکلتا ہے اور

برائی کی مثال کانٹے دار یا کڑوے پھل کے درخت کی سی ہے جس سے ہمیشہ کانٹے اور کڑوے پھل ہی نکلیں گے۔

بھلے برے برابر نہیں ہوسکتے

اس مثال کو سامنے رکھ کر سوچیے کہ ایک شخص اس دنیا میں ایماندار ہے اور نماز روزہ کا پابند ہے، دنیا میں نیکی اور بھلائی کا کام کرتا ہے اور ہر طرح کی برائیوں سے بچتا ہے، غریبوں کی خدمت اور مدد کرتا ہے، کسی کو تکلیف نہیں دیتا، کسی کی حق تلفی نہیں کرتا، غرض خدائے تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اپنی زندگی گذار دیتا ہے، اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص ہے جس کا ایمان وعقیدہ درست نہیں، وہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے، لوگوں کا حق مارتا ہے، سود اور رشوت لیتا ہے، شراب پیتا ہے چوری کرتا ہے اور ڈاکے ڈالتا ہے، آپ بتائیں کہ دونوں کا مرتبہ یکساں ہوسکتا ہے قرآن کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص)	جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے ان کو ہم ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو زمین میں فساد مچا رہے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کردیں گے۔؟
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاۗءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔ (جاثیہ)	جو لوگ برائی کر رہے ہیں کیا ان لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کا مرتبہ دے دیں گے اور کیا ان دونوں کی زندگی اور موت برابر ہوسکتی ہے اگر یہ ایسا کہتے ہیں تو یہ ان کا فیصلہ انتہائی غلط ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بہت سے برائی کرنے والوں کو اس دنیا میں ان کی برائیوں کی کوئی سزا نہیں ملتی، بلکہ وہ خوب مزے اڑاتے ہیں، خوش وخرم دکھائی دیتے ہیں، مال ودولت اور دنیا کا ہر عیش وآرام ان کو حاصل ہے، اس کے برخلاف بہت سے ایماندار باکردار اور نیکی وبھلائی کرنے والوں کو انکی ایمانداری اور بھلائی کا کوئی صلہ دنیا میں نہیں ملتا، بلکہ وہ اکثر تکلیفوں اور پریشانیوں میں رہتے ہیں، ان کے

بال بچے انتہائی تنگی اور ترشی کی زندگی گذارتے ہیں، عقل کہتی ہے کہ برائی کرنے والوں کو اس کی سزا ملنی چاہیے اور بھلائی کرنے والوں کو اس کا صلہ ملنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کا دن اسی لیے رکھا ہے کہ ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا پورا پورا بدلہ اور سزا مل جائے اور بھلائی کرنے والے کو اس کی بھلائی کا پورا بدلہ اور صلہ مل جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بات عدل و انصاف کے خلاف ہوتی اور ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ جو سراپا عدل و انصاف ہے وہ اس کو کیسے پسند فرما سکتا ہے۔

انسانی اعمال اور آخرت

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اس دنیا میں انسان اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد ہے اس لیے وہ اپنی چھوٹی تدبیروں سے برائی کو بھلائی اور غلط کو صحیح کر ڈالتا ہے، آخرت کے دن وہ بے اختیار ہوگا اس لیے اس کو اس کا موقع نہیں ہوگا کہ وہ عدل و انصاف کی گرفت سے بچ سکے، اپنی زندگی کی اگر ادنیٰ برائی کو بھی وہ چھپانا چاہے تو وہاں نہیں چھپا سکتا، بلکہ وہ ظاہر ہو کر رہے گی، قرآن پاک نے بڑی وضاحت سے یہ بات ذہن نشین کرائی ہے۔

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا	جس دن لوگ الگ الگ گروہوں میں واپس
اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ	ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں تو جس نے ذرہ بھر
ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ	نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے چھوٹی سے
ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (زلزال)	چھوٹی برائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔

انسانی تمنائیں اور آخرت

(۳) پھر اس حیثیت سے بھی آخرت کے دن کا ہونا عقلاً ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے دل میں کچھ تمنائیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں۔ عقل و شعور اور دائرہ کار کے اعتبار سے یہ تمنائیں اور آرزوئیں کسی انسان میں کم ہوتی ہیں اور کسی میں بہت زیادہ، ایک ملک کے سربراہ کی آرزوئیں اس کے معیار سے ہوتی ہیں اور ایک معمولی کسان اور مزدور کی آرزوئیں اس کے معیار کے اعتبار سے ہوتی ہیں، لیکن ہوتی ہیں سب ہی میں، مگر اس دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ملے گا جس کی ساری تمنائیں اور آرزوئیں یہاں پوری ہوگئی ہوں، ظاہر ہے کہ انسان ایک بامقصد مخلوق ہے، جس کے قلب و دماغ میں خواہشات اور آرزوؤں، تمناؤں کی ایک وسیع دنیا رکھ دی گئی ہے، عقل کہتی ہے کہ انہیں ضرور پورا ہونا چاہیے، خاص طور پر وہ خواہشات اور تمنائیں جن میں

کسی کی حق تلفی یا ظلم وزیادتی نہ ہوتی ہو، اب اگر اس دنیا میں پوری نہیں ہوتی ہیں تو ایک ایسی دنیا کا ہونا ضروری ہے کہ اس کی یہ اچھی تمنائیں اور آرزوئیں پوری ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو انسان کے وجود کی مقصدیت ادھوری رہے گی، خدا تعالیٰ نے آخرت کی وسیع وعریض دنیا اسی لیے بنائی ہے کہ انسان کی تمام اچھی آرزوئیں اور تمنائیں وہاں پوری ہوں اور خراب اور بری آرزوؤں اور تمناؤں کے پورا ہونے کا کوئی موقع نہ ہو۔

عقیدۂ آخرت کا اثر زندگی پر

توحید کے بعد آخرت پر یقین کر لینے سے انسانی زندگی میں زبردست انقلاب آجاتا ہے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ارادہ واختیار میں آزاد ضرور کیا ہے مگر یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جس میں ہم اپنے ارادہ واختیار کو جس طرح استعمال کریں گے اسی اعتبار سے آخرت میں اس کا نتیجہ ہمارے سامنے آئے گا۔

جب یہ خیال اس کے دل میں بیٹھ جائے گا تو وہ اس دنیا میں اپنا قدم پھونک پھونک کر رکھے گا اور ہر کام کرتے وقت وہ یہ ضرور سوچے گا کہ آخرت میں اس کا نتیجہ ہمارے حق میں اچھا نکلے گا یا برا، اس خیال کے دل ودماغ میں بیٹھ جانے کے بعد وہ چھپ کر بھی کوئی برا کام کرنے سے اس لیے ڈرے گا کہ دنیا میں چاہے اس برائی کا کوئی برا نتیجہ سامنے نہ آئے مگر آخرت میں اس کا نتیجہ برا ہی نکلے گا کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ براہ راست بھی ہر اچھے برے کام اور ہماری ہر اچھی بری حرکت کو دیکھ رہا ہے اور پھر وہ فرشتوں کے ذریعہ اس کا رکارڈ بھی تیار کرا رہا ہے۔ اسی طرح جب وہ کوئی نیک کام کرے گا تو اسے یہ امید بلکہ یقین ہوگا کہ اس دنیا میں چاہے اس نیکی کا کوئی بدلہ نہ ملے بلکہ اس کی وجہ سے اسے تکلیف ہی کیوں نہ پہنچے مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کا صلہ ضرور دے گا۔ اگر ہم اچھا کام کریں گے تو وہ اپنی رحمتوں سے نوازے گا اور اگر برا کام کریں گے تو سزا اور اس کی لعنت کے مستحق قرار پائیں گے، قانونی گرفت سے بچنے کی انسان ہزار تدبیریں نکال لیتا ہے مگر جب آخرت کا یقین بیٹھ جاتا ہے تو کسی خارجی دباؤ کے بغیر آدمی برائی سے بچتا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ حیات دنیوی کے ساتھ ساتھ حیات اخروی کا ہونا کتنا ضروری ہے، اگر وہ نہ ہو تو ہماری موجودہ زندگی بے مقصد ہو کر رہ جائے گی، اور برائی بھلائی کی تمیز اٹھ جائے گی، نہ نیکی اور بھلائی کرنے میں آدمی کو لذت ملے گی اور نہ اس کا شوق پیدا ہوگا اور نہ برائی سے

اسے نفرت ہوگی اور نہ اس کے کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ وہ محسوس کرے گا گویا دنیا کی زندگی کا سارا حسن توازن اور امن و چین عقیدۂ آخرت کے ماننے پر منحصر ہے۔ آخرت کی زندگی کے تصور کے بغیر انسان اور حیوان کی زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

دوبارہ اٹھایا جانا

توحید کے بیان میں ذکر آچکا ہے کہ عرب خدائے تعالیٰ کو ایک مانتے تھے مگر اس کے ساتھ شرک کرتے تھے، البتہ قرآن پاک نے جب آخرت کا ذکر ان کے سامنے کیا اور یہ کہا کہ ہر انسان مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس کے اچھے برے کا حساب کتاب ہوگا تو عربوں نے اس پر بڑے تعجب کا اظہار کیا اور اس کو ناممکن سمجھا، انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب آدمی سڑگل کر مٹی ہوجائے یا جل بھن کر رہ جائے۔ یا اس کو دریا کی مچھلیاں کھا جائیں تو وہ دوبارہ زندہ ہوجائے قرآن پاک نے ان کے اس تعجب کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ،	کیا ہم جب مر کر مٹی اور ہڈی ہوجائیں گے اس وقت ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے،
(الواقعہ)	اور کیا ہمارے آبا و اجداد بھی دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔؟
قَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ۔	کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب وغریب بات ہے، کیا ہم جب مر کر مٹی ہوجائیں گے تو دوبارہ زندہ کیے جائیں گے یہ دوبارہ زندگی بڑی
(ق)	دور کی بات ہے۔

قرآن پاک نے بڑے محبت کے انداز میں ان کو سمجھایا کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو ایک بے جان نطفہ اور ناپاک قطرہ سے پیدا کرسکتا ہے اور اس کو ہاتھ پیر، آنکھ کان، اور دل ودماغ سب کچھ عطا کرسکتا ہے تو پھر اسی انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے اٹھانا تو اس کے لیے اور آسان ہے، اس لیے کہ پہلے انسان کا کوئی نمونہ موجود نہیں تھا اور نمونہ کے طور پر جب اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت جسم والا انسان پیدا کردیا تو نمونہ موجود ہونے کے بعد اس طرح کی چیز کا بنانا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہوتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ۔ (الروم)

وہی ذات ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کر چکی ہے پھر مرنے کے بعد دوبارہ وہی اس کی زندگی کو لوٹائے گی، اور یہ دوبارہ زندہ کرنا اللہ پر زیادہ آسان ہے۔

کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ (الانبیاء)

جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا، اسی طرح اسے لوٹائیں گے۔

ان کے تعجب کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ انسان صرف نام ہے گوشت پوست کا، ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ انسان کی اصلی حقیقت اس کی روح ہے جب تک وہ روح جسم میں ہوتی ہے تو اسے زندہ کہتے ہیں اور جب یہ نکل جاتی ہے تو اس کو ہم مردہ کہتے ہیں مگر خود اس روح پر موت طاری نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک امر الٰہی ہے جو اپنی اصلی حالت میں برابر باقی رہتی ہے، ظاہر ہے کہ جب روح زندہ رہتی ہے تو پھر اس میں دوبارہ گوشت پوست چڑھا دینا خدائے تعالیٰ کے لیے کیا مشکل ہے؟

آخرت کے مراحل

اوپر ذکر آچکا ہے کہ آخرت کی زندگی کے دو مرحلے ہیں ایک قبر کی زندگی سے دوبارہ اٹھائے جانے تک، دوسرا دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد میدان حشر میں جمع ہونے اور حساب کتاب کے بعد جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک، پہلے مرحلہ کو قبر کی یا برزخ کی زندگی کہتے ہیں اور دوسرے مرحلہ کو قیامت کہتے ہیں۔

پہلا مرحلہ برزخ

برزخ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں آدمی کی روح مرنے کے بعد رہتی ہے اور جہاں اس کو جسم کے ساتھ ساتھ زندہ کر کے دو چار سوالات کیے جاتے ہیں، آخرت کی اصل زندگی تو اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب حساب و کتاب کے بعد جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہو جائے گا، مگر یہ قبر پہلا مرحلہ بہت سخت ہوتا ہے اور یہیں سے اس کی کامیابی اور ناکامی کے آثار شروع ہو جاتے ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ہر نماز کے بعد پناہ مانگتے تھے (بخاری و مسلم) اور صحابۂ کرام کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ) آپ نے ایک مرتبہ قبر کی ہولناکی پر خطبہ دیا تو سارا مجمع بیچ اٹھا (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو زار و قطار روتے، لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ	قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس میں نجات
الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ	پا گیا تو اگلا مرحلہ آسان ہے اور اگر اس میں
اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ	وہ کامیاب نہ ہوا تو اگلا مرحلہ اور زیادہ
فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ (مشکوٰۃ)	سخت ہے۔

مسلمان چونکہ اپنے مردوں کو قبر ہی میں دفن کرتے ہیں اس لیے قبر کی زندگی کی تھوڑی سی کیفیت لکھی جاتی ہے۔

قبر کی زندگی کی ابتدا اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب آدمی پر سکرات کا عالم یا جاکنی طاری ہوتی ہے، جب آدمی پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو نہ اس وقت کا ایمان معتبر ہے اور نہ توبہ، جب آدمی مر جاتا ہے اور لوگ اسے دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو ان کے جاتے ہی دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین سوال کرتے ہیں۔

(۱) مَنْ رَّبُّكَ، تمہارا رب کون ہے؟۔ (۲) مَا دِيْنُكَ تمہارا دین کیا ہے؟

(۳) مَا[1] هٰذَا الرَّجُلُ[2] بُعِثَ فِيْكُمْ، یہ کون آدمی ہیں جو تمہارے درمیان نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

ایک مومن ان سوالوں کا جواب یہ دے گا، پہلے سوال کے جواب میں وہ کہے گا رَبِّيَ اللّٰهُ، میرا رب اللہ ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ دے گا دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ، میرا دین اسلام ہے، تیسرے سوال کے جواب میں کہے گا، هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وہ اللہ کے رسول ہیں۔

لیکن کافر منافق اور فاسق و فاجر ان سوالوں کا جواب نہ دے سکیں گے۔ بلکہ ان کی زبان سے "ہَا ہَا لَا اَدْرِی"، ہائے افسوس میں کچھ نہیں جانتا، نکلے گا۔

---

[1] ما عموماً غیر عاقل کے لیے آتا ہے مگر یہاں مَنْ کے معنی میں آیا ہے جو عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۶۵)

[2] الرجل پر الف لام عہد ذہنی ہے، یعنی آپ کی سیرت اور تعلیمات کے ذریعہ آپ کا حقیقی اور معنوی تصور ہر انسان اور خاص طور پر مسلمان کے ذہن میں ضرور ہوتا ہے اس لیے یہ سوال اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا آپ کی ذات گرامی بنفس نفیس موجود ہے جیسا کہ بُعِثَ فِيْكُمْ کے لفظ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے (مرقات ج ۱ ص ۱۶۵)

جو لوگ صحیح جواب دیں گے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ان کی روحوں کو مقام علیین تک پہنچادیں گے اور ان کی طرف جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اور وہ اس کی ہواؤں اور خوشبوؤں سے لطف اندوز ہوں گے، اور جو لوگ ان سوالوں کا جواب صحیح طور پر نہ دے سکیں گے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی روحوں کو فرشتے مقام سجین تک پہنچادیں گے، اور ان کی طرف دوزخ کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور قیامت تک اس میں جھلستے رہیں گے۔ سانپ بچھو ان کو ڈسیں گے، اور فرشتے گرم لوہے کے ہتھوڑے سے ان کو ماریں گے۔

اس مرحلہ کو قرآن وحدیث میں عالم برزخ کہا گیا ہے، برزخ کے معنی حائل ہونے اور پردے کے ہیں، یعنی دو چیزوں کے درمیان جو چیز حائل ہو جاتی ہے اس کو عربی میں برزخ کہتے ہیں، قبر کی زندگی ہماری اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان حائل ہے اس لیے اسے عالم برزخ کہتے ہیں۔

قبر کی زندگی کی جو اوپر تفصیل کی گئی ہے وہ ایک مومن کی حیثیت سے کی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو لوگ جلا دیے جاتے ہیں یا سمندر اور دریا میں پھینک دیے جاتے ہیں ان سے یہ سوالات نہ ہونگے یا وہ قیامت کے دن نہ اٹھائے جائیں گے، جس طرح ایک مردہ قبر میں دفن کردیا گیا ہے اس کے جسم میں روح واپس لاکر اس سے سوال کیا جاتا ہے اسی طرح جو لوگ جل بھن کر راکھ ہو گئے ہیں یا مچھلیوں نے کھا لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے تمام اجزاء کو جمع کرکے اور روح ڈال کر ان سے سوال و جواب کرے گا۔

قرآن پاک میں دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل ہی نہیں دی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت سے کتنے مردوں کو اس دنیا میں زندہ کردیا ہے اور بہت سے انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے ذریعہ بھی اس معجزے کا ظہور ہوا ہے، قرآن پاک میں ہے:

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ	یا اس شخص کو دیکھو جس کا گزر ایک بستی پر ہوا
خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ	جو اپنی چھتوں سمیت گری پڑی تھی اس نے
هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ	کہا کہ ان بستی والوں کو اللہ تعالیٰ مرنے کے
مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ	بعد کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے
قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ	موت دے دی اور سو برس تک مردہ پڑا رہا

بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

(البقرہ)

پھر دوبارہ زندہ کیا پوچھا کہ کتنے دن موت کی حالت میں رہے، اس نے کہا ایک دن یا آدھے دن۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ نہیں، تم سو برس اسی حالت میں رہے ہو، ذرا تم اپنے کھانے پینے کی چیز کی طرف دیکھو کہ وہ سڑی گلی نہیں اور اپنے گدھے کو دیکھو وہ گل سڑ گیا ہے تو اس کو زندہ کر کے ہم لوگوں کے لیے ایک مثال بنا دیتے ہیں، دیکھو ہم کس طرح اس کی ہڈیوں کو درست کر کے پھر اس پر گوشت چڑھا دیا جب بعث بعد الموت کی حقیقت ظاہر ہو گئی تو وہ کہہ اٹھا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کے بعد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح شدہ پرندوں کے زندہ کرنے کا واقعہ بیان ہوا ہے، اور حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تو ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

جو لوگ قبر میں دفن نہیں ہوتے بلکہ وہ جلا کر راکھ کر دیے جاتے ہیں اور ان کی راکھ پہاڑوں اور دریاؤں میں بکھیر دی جاتی ہے یا ان کو سمندر اور دریا کی مچھلیاں کھا لیتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کیسے زندہ کرے گا اس کی ایک مثال حدیث نبوی میں بیان ہوئی ہے حضرت حذیفہؓ نے ایک لمبی حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں ہے:

سَمِعْتُهٗ اَنَّ رَجُلًا حَضَرَهُ الْمَوْتُ فَلَمَّا يَئِسَ مِنَ الْحَيَاةِ اَوْصٰی اَهْلَهٗ اِذَا اَنَا مُتُّ فَاجْمَعُوْا لِیْ حَطَبًا كَثِيْرًا وَّاَوْقِدُوْا فِيْهِ نَارًا حَتّٰی

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ایک شخص مرنے لگا اور جب زندگی سے ناامید ہو گیا تو اپنے گھر والوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں

إِذَا أَكَلَتْ لَحْمِي وَخَلَصَتْ إِلَى عَظْمِي فَامْتُحِشْتُ فَخُذُوهَا فَاطْحَنُوهَا ثُمَّ انْظُرُوا يَوْمًا رَاحًا فَاذْرُوهُ فِي الْيَمِّ فَفَعَلُوا فَجَمَعَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فَقَالَ لَهُ لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهُ

(بخاری ج ۱ صفحہ ۴۹۱)

مر جاؤں تو بہت ساری لکڑیاں اکٹھا کرنا، خوب آگ سلگانا (اور مجھ کو اس میں جلا دینا) جب آگ میرے گوشت کو کھا کر ہڈی تک پہنچ جائے اور ہڈی بھی جل کر کوئلہ ہو جائے تو ان کوئلے کو پیسنا، پھر جس دن زور کی ہوا چلے اس دن وہ راکھ دریا میں اڑا دینا، اس کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا سارا بدن اکٹھا کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہنے لگا پروردگار تیرے ڈر سے آخر اللہ نے اس کو بخش دیا۔

یوم آخرت کا دوسرا مرحلہ یا منزل

یوم آخرت کا دوسرا مرحلہ یا اس کی دوسری منزل یوم القیامہ[1] ہے قیامت کے دن آنے سے پہلے بہت سی ایسی نشانیاں ظاہر ہوں گی جن سے معلوم ہو جائے گا کہ اب قیامت قریب ہے، قیامت سے پہلے دجال کا ظہور ہوگا، حضرت مہدی آئیں گے، اور آخری آسمان سے حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا اور وہ ساری دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو رواج دیں گے، اس کے بعد ایک دن آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل صور[2] پھونکیں گے، اس کی آواز سے سارے انسان اور جاندار مر جائیں گے، دنیا کی ساری چیزیں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائیں گی، بڑے بڑے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑنے لگیں گے، اور پوری زمین ایک چٹیل میدان کی طرح برابر ہو جائے گی، قرآن پاک نے بے شمار آیتوں میں

---

[1] قیامت کے معنی اٹھنے اور کھڑے ہونے کے ہیں اور یوم کے معنی دن اور زمانہ کے ہوتے ہیں اسے یوم القیامہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن سارے انسان مرنے کے بعد دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

[2] یہ ایک بہت تیز آواز کا ایک بگل ہوگا۔

اس کیفیت وحالت کا نقشہ کھینچا ہے دو تین آیتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ؕ (الحاقہ)	پھر جب صور میں ایک بار پھونک ماردی جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھالیے جائیں گے، پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے تو اس دن ہونے والی چیز ہو پڑے گی۔
وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰی فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا (طٰہٰ)	اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو آپ فرمادیجیے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا، پھر زمین کو ایک ہموار میدان کردے گا، جس میں تو نہ تو ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا۔
وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (سورہ زمر)	اور جب صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان میں جتنے جاندار ہیں وہ بیہوش ہوجائیں گے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچانا چاہے گا اسے بچالے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل دوبارہ صور پھونکیں گے پھر دنیا کے سارے انسان اور جاندار زندہ ہوجائیں گے اور سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر[1] میں جمع ہوجائیں گے،

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (زمر)	پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ لوگ دیکھ رہے ہوں گے۔

---

[1] حشر کے معنی عربی میں جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے آتے ہیں یعنی قیامت کے دن سب لوگ ایک بڑے میدان میں جمع ہوجائیں گے۔

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِنَ	اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب
الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ	لوگ اپنی اپنی قبروں سے اپنے رب کے
(یٰس)	حضور بھاگیں گے،

بالکل اسی طرح وہ اپنی قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف جوق در جوق بھاگیں گے جس طرح بارش کے ہوتے ہی پودے نکل آتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں کیڑے مکوڑے اور پتنگے نکل پڑتے ہیں،

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ	اس دن لوگ ہر طرف پھیلے ہوئے پتنگوں کی
الْمَبْثُوْثِ (القارعہ)	طرح ہوں گے۔

جب سب لوگ جمع ہو جائیں گے تو فرشتے اللہ کے حکم سے اہل ایمان اور اہل کفر کو الگ الگ کر دیں گے وہ اہلِ کفر سے کہیں گے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ	اے مجرموں آج تم مومنوں سے علیحدہ ہو جاؤ
(یٰس)	(دنیا میں تو سب ملے جلے تھے)

اس کے بعد نیک لوگوں کو ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے اور کافر مشرک منافق اور برے لوگوں کو ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ	جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں
فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا	دیا جائے گا ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا
(الانشقاق)	

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ	اور جن لوگوں کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال
فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ	دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ کاش میرا نامۂ
كِتٰبِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ	اعمال مجھے نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا
(الحاقہ)	حساب کیا ہے۔

قیامت کے دن سورج بالکل سر پر آ جائے گا اور اس کی گرمی کی وجہ سے دماغ کھولنے لگے گا، اور زبان تالوے سے لگ جائے گی ہر طرف "نفسی نفسی" مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ کا عالم ہوگا، ماں باپ

اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے دور بھاگیں گے اور بیٹے بیٹیاں اپنے ماں باپ سے دور بھاگیں گے، بھائی بھائی سے دور رہوگا، دوست دوست سے بھاگے گا۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ	اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے
وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ،	اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے بھاگے گا
	(یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا)

البتہ جو لوگ نیک ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جام کوثر پلائیں گے جس سے ان کی ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی اور جو لوگ کافر مشرک اور منافق ہوں گے وہ تڑپ رہے ہوں گے اور وہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، جن نیک لوگوں کی مورتیاں بناکر وہ پوجتے تھے ان سے وہ مدد طلب کریں گے، مگر وہ ان سے دور بھاگیں گے، ان کے شرک سے انکار کریں گے۔

یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ	وہ ان کے شرک سے انکار کریں گے یعنی
(فاطر)	کہیں گے ہم نے تمہیں شرک کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

میدان حشر میں سب سے پہلے "میزان عدل" قائم کی جائے گی اس میں سب کے نامۂ اعمال تولے جائیں گے جو لوگ نیک ہوں گے ان کا حساب کتاب آسان ہوگا، اور جو لوگ برے ہوں گے ان کو اپنے عمل کے رتی رتی کا حساب دینا ہوگا، مگر حساب کتاب میں کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ	قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے
الْقِیَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا	تو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔
(الانبیاء)	

حساب کتاب کے بعد سب لوگوں کو پل صراط سے گذرنا پڑے گا، اہل ایمان اور نیک لوگ اس پر سے تیزی سے گذر جائیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے، اور جو لوگ ایمان سے خالی اور برے ہوں گے وہ اس سے نہ گذر سکیں گے اور اس سے کٹ کر گر پڑیں گے، اور دوزخ میں پہنچ جائیں گے،

وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم)	تم میں سے ہر شخص اس سے گزرے گا۔

ایمان رکھنے والے بہت سے لوگوں کی انبیاء علیہم السلام سفارش کریں گے، ان کی سفارش سے ان کی مغفرت کر دی جائے گی، اس دن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے اہلِ ایمان کی سفارش فرمائیں گے، آپ صلعم کی شفاعت سے بے شمار لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا، اور دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

مگر شفاعت کے سلسلہ میں وہ باتیں ذہن میں رکھنی ضروری ہیں جو اوپر توحید و شرک کے بیان میں لکھی گئی ہیں، شفاعت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اجازت کی شرط لگا دی ہے، مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے، جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی، بہت سی قومیں اسی وجہ سے گمراہ ہوگئیں کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم چاہے جتنا برا کام کریں نبی یا نیک لوگوں کی شفاعت سے ہم بخش دیے جائیں گے، یہودیوں کا یہی عقیدہ بن گیا تھا اور عیسائی بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم لوگوں کی طرف سے کفارہ بن جائیں گے، عربوں میں بھی یہ گمراہی موجود تھی قرآن پاک نے اس عقیدہ کو گمراہی قرار دیا ہے، اس لیے شفاعت کے بھروسے پر عمل صالح کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہیے اور نہ برائی کے قریب جانا چاہیے، بلکہ ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے کہ معلوم نہیں کہ ہم شفاعت کے مستحق ہوں گے یا نہیں۔؟

جنت و جہنم

ان تمام مراحل کے بعد جن لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا ان کو فرشتے جنت میں پہنچا دیں گے اور جنت میں ان کی جگہ بتا دیں گے، جنت اتنی وسیع ہوگی کہ زمین و آسمان سب اس میں سما جائیں گے۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ	اور (دوڑو) ایسی جنت کی طرف جس کی
وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ	وسعت زمین اور آسمان کے برابر ہے جو
(آل عمران)	جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک ادنیٰ جنتی کو بھی اتنی وسیع جنت ملے گی کہ وہ ایک ہزار برس تک اس میں چلتا رہے۔ (ترمذی) یہ جنت ہر طرح کی نعمتوں سے بھری ہوگی، ان نعمتوں کے علاوہ جنتیوں کو خدا کے فضل و کرم سے دو ایسی نعمتیں ملیں گی جو اس دنیا میں نہ کسی انسان کو حاصل ہوئی تھیں اور نہ کبھی حاصل ہو سکتی ہیں، ایک نعمت تو یہ ہے کہ انسان کی جو خواہش تمنا اور آرزو ہوگی وہ سب

پوری ہوگی، اس کے پورا ہونے میں چھوٹے بڑے امیر وغریب، دیہاتی وشہری کی کوئی تمیز نہیں ہوگی اور یہ نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ أَنْفُسُكُمْ	اور تمہارے لیے اس جنت میں جس چیز کو
وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً	تمہارا جی چاہے گا وہ موجود ہوگی اور نیز تمہارے
مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ	لیے اس میں جو مانگوگے موجود ہوگا، یہ بطور
(حم سجدۃ)	مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔

دوسری سب سے بڑی نعمت جو ملے گی وہ دیدار الٰہی ہے، ایک مومن کے لیے اس سے بڑا دوسرا اعزاز نہیں ہے کہ وہ دیدار الٰہی سے مشرف ہو۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى	اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے
رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قیامہ)	اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے

اس دنیا میں ایک مومن خدا کو دیکھے بغیر ایمان بالغیب لاتا ہے، آخرت میں اس کا صلہ یہ ملے گا کہ وہ تجلی الٰہی سے سرفراز ہوگا، مگر یہ اعزاز سب کے حق میں برابر نہیں ہوگا، بلکہ جنت میں اپنے مرتبہ کے اعتبار سے یہ نصیب ہوگا، حدیث نبوی میں اس کی تفصیل موجود ہے، آپ نے فرمایا کہ:۔

فما اعطوا شيئا احب اليهم	دیدار الٰہی سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز ان کو
من النظر الى ربهم ثم تلا	وہاں نہیں ملے گی، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت
للذين احسنوا الحسنى وزيادة	فرمائی: کہ جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے
(مسلم)	واسطے خوبی ہے اور مزید براں۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

سب سے زیادہ مکرم وہ لوگ ہوں گے جن کو دیدار الٰہی صبح وشام ہوتا رہے گا،

(مسند احمد، ترمذی، مشکوٰۃ ص۵۰۱)

رسالت و نبوت

تیسری چیز جس پر ہر مسلمان کو ایمان لانا اور عقیدہ رکھنا ضروری ہے وہ رسالت ہے، رسالت کے لفظی معنی کسی بات یا پیغام کو دوسروں تک پہنچانا اور شریعت میں رسالت اس منصب کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت اور اپنے احکام بندوں تک پہنچاتا ہے، اسی طرح نبوت کے لفظی معنی خبر دینا ہے، اسی سے نبی نکلا ہے شریعت میں نبوت بھی رسالت کی طرح وہ منصب ہے جس کے ذریعہ غیب کی خبریں بندوں تک پہنچتی ہیں اور جس ذات گرامی کو یہ منصب ملتا ہے اسے نبی کہتے ہیں۔

رسالت کا کام اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ بھی لیتا ہے، اور بہترین انسانوں سے بھی لیتا ہے، انسانوں میں جس کو وہ نبی یا رسول[1] منتخب کرتا ہے وہ ہوتے تو ہیں ہمارے جیسے انسان ہی مگر وہ اپنی فطرت اور اپنے اخلاق و کردار کے اعتبار سے ہر زمانے کے سارے انسانوں سے بہتر ہوتے ہیں، اور اس سے بڑھ کر ان کے مرتبہ کو جو چیز سب سے زیادہ اونچا کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر وحی[2] نازل

---

[1] رسول عام طور پر ان انبیاء علیہم السلام کو کہا جاتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب نازل ہوئی ہے، اور نبی ان حضرات کو کہتے ہیں جن پر خود کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ اپنے سے پہلے گذرے ہوئے یا ان کے زمانہ میں موجود کسی نبی کی کتاب ہی کے احکام کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ [2] وحی کے لفظی معنی پوشیدہ طور پر کوئی بات کسی سے کہنا یا طبعی طور پر کسی مخلوق کے دل میں کوئی بات ڈال دینا جیسے شہد کی مکھی کے لیے وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ اسی معنی میں ہے۔ اس لفظی معنی کے اعتبار سے، اسلامی شریعت میں وحی اس پوشیدہ پیغام کو کہتے ہیں جو حضرت جبرئیل خدا کی طرف سے نبیوں کے پاس لاتے ہیں، جس سے دوسرے لوگ اس وقت واقف ہوتے ہیں جب نبی ان کو بتاتا ہے۔

کرتا ہے، اور وحی کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے احکام نازل کرتا ہے، انسان خواہ کسی نسل کسی رنگ اور کسی ملک کا ہو، اللہ تعالیٰ ان سب کی ہدایت چاہتا ہے۔

اسی لیے اس نے ہر قوم اور ہر ملک میں اپنے رسول و نبی بھیجے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ	(الرعد)	اور ہر قوم کے واسطے ہدایت کرنے والا آیا ہے
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا		اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی
نَذِيْرٌ	(فاطر)	ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔

جن معزز اور مکرم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نبی یا رسول منتخب کرتے ہیں وہ نہ صرف اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں بلکہ وہ اس پر عمل کر کے لوگوں کو دکھا بھی دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ		ہم نے انسانوں کی اصلاح کے لیے اپنے پیغمبروں
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ		کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ		ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کے حکم کو
	(حدید)	نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ		تمہارے لیے رسول خدا کے اندر بہترین
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	(احزاب)	اسوہ ہے۔

رسالت و نبوت کی ضرورت

توحید کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف زندگی ہی نہیں بخشی ہے بلکہ اس کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کے لیے سارا سامان زیست بھی فراہم کر دیا ہے، اور اس کو اپنی نشو و نما اور پرورش میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس کے وجود میں آنے سے پہلے موجود ہوتی ہے، ایک بچہ جب شکم مادر میں ہوتا ہے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ حیرت انگیز طریقہ پر اس کے لیے آذوقۂ حیات فراہم کرنا شروع کر دیتا ہے، پھر جب وہ شکم مادر سے باہر آتا ہے تو اس سے پہلے ہی ماں کے سینے میں دودھ موجود ہوتا ہے، دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کو ہوا ملتی ہے روشنی ملتی ہے پانی دانہ ملتا ہے، فضائے بسیط کی وسعت ملتی ہے، ماں کی ممتا اور باپ کی محبت ملتی ہے، دوسرے

عزیزوں اور رشتہ داروں کی شفقت ملتی ہے، اسی طرح جوں جوں وہ بڑھتا جاتا ہے اس کی ضروریات اسی اعتبار سے فراہم ہوتی چلی جاتی ہیں، پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو سامان حیات اس کے لیے براہِ راست اپنی قدرت خاص سے پیدا فرمائے ہیں، اس میں امیر، غریب، دیہاتی، شہری، کسان اور تاجر، عالم وجاہل میں کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ ان سب کو برابر حصہ ملتا ہے، ہوا پانی امیر کو جتنا ملتا ہے اتنا ہی غریب کو بھی ملتا ہے، اور روشنی اور فضا کی وسعت جتنی ایک غریب کسان کو ملتی ہے اتنی شہری کو بھی ملتی ہے، جتنی ایک پڑھے لکھے آدمی کو ملتی ہے اتنی ہی جاہل کو بھی ملتی ہے، یہ خدا تعالیٰ کا خوان یغما ہے جو سب کے لیے عام ہے۔

ادیم زمیں سفرہ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

قابل غور بات یہ ہے کہ کیا انسان کی زندگی کی اتنی ہی ضرورت ہے کہ وہ اس سارے سامان زیست سے فائدہ اٹھائے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ پال کر اس دنیا سے رخصت ہو جائے، یا اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ساری نعمتیں کس نے دی ہیں؟ اس بزم جہاں کو یہ رونق کس نے بخشی ہے۔؟ اور خود انسان اس دنیا میں کس مقصد کے لیے آیا ہے، اور اس دنیا میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس حقیقت کے بتانے والے ہمیشہ وہی لوگ رہے ہیں جن کو ہم نبی اور رسول کہتے ہیں، اس سلسلہ میں صحیح صحیح باتیں انسانوں کو وہی بتاتے رہے ہیں اور وہی بتا بھی سکتے تھے، اس لیے کہ یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ ان کو ہر شخص اپنی عقل سے بتا سکے، اگر بتائے گا تو جتنے منہ اتنی باتیں ہوں گی، اس کے لیے خود اس ذات قدوسی کی رہنمائی کی ضرورت ہے، جس نے اس کائنات کو اور سارے سامان زیست کو پیدا کیا ہے، وہی بتا سکتا ہے کہ اس پورے کارخانۂ قدرت کا خالق کون ہے؟ خود اسے آدمی کس طرح پہچان سکتا ہے، اور اس دنیا کے درمیان خود انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ انہی حقیقتوں سے آگاہ کرتا ہے، چنانچہ سارے انبیائے کرام نے اس دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے دنیا کے انسانوں کو بتایا کہ یہ پوری کائنات زمین و آسمان، چاند سورج اور انسان کی زندگی اور اس کی بقاء کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان کے پیدا کرنے میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے

اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس خالق اور محسن کو پہچانے اور اس کا شکر گذار ہو، جس نے ان نعمتوں سے اس کو نوازا ہے، اس کی سب سے بڑی شکر گذاری یہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی گذاری جائے۔

انسان کی حیثیت اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ یعنی نائب کی ہے، اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا اور دنیا کی چیزوں کو اسی طرح استعمال کرے جس طرح اس کی مرضی ہے، جس طرح کوئی مشین اس وقت تک صحیح طور پر نہیں چل سکتی ہے جب تک اس کے بنانے والے کی ہدایات کے مطابق اسے نہ چلایا جائے، بالکل اسی طرح اس دنیا کا اور انسانی زندگی کا نظام اس وقت تک درست نہیں رہ سکتا ہے جب تک خالق کائنات کی ہدایت کے مطابق اسے نہ چلایا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو دنیا میں فتنہ و فساد ہوگا اور ہمیشہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ انسان صرف گوشت پوست کا مجموعہ نہیں ہے اس کے اس گوشت پوست کے جسم میں ایک دھڑکتا ہوا دل، سوچنے والا دماغ اور متحرک روح بھی ہے، دل و دماغ میں اچھے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور برے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں، اور جس طرح کھانے پینے کی بے احتیاطی سے جسم بیمار پڑجاتا ہے اسی طرح انسان کے بعض برے کاموں کی وجہ سے اس کا دل اور اس کی روح بھی بیمار ہوجاتی ہے، مثال کے طور پر انسان کے اندر غصہ ہے، اس کے اندر حسد اور غرور پیدا ہوتا ہے، اس کو اقتدار کی ہوس ہوتی ہے۔ بسا اوقات اس کے اندر اپنے کو بلند رکھنے اور دوسروں کو پست کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اس کے اندر ظلم و زیادتی کی قوت بھی ہے، اس لیے یہ جذبات بھی ابھرتے ہیں، اب ان جذبات اور صلاحیتوں کے استعمال کا صحیح طریقہ ہمیں کیسے معلوم ہو؟ اگر یہ جذبات اور صلاحیتیں صحیح جگہ استعمال نہ ہوں تو انسان کے جسم کے ساتھ اس کی روح پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اور اس دنیا کے ساتھ آخرت میں ان کے کیا نتائج ہوں گے؟ یہ تمام باتیں ہمیں اسی خدائے قدوس کی ذات ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہیں جس نے انسان اور اس کے دل و دماغ اور روح کو پیدا کیا ہے، اور اس کی نفسیات سے پورے طور پر واقف ہے، انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے جاری کیا کہ وہ انسان کی ان صلاحیتوں اور قوتوں اور خواہشات

اور جذبات کے درمیان صحیح اور غلط کا خطِ امتیاز کھینچ دیں، اور ان کے استعمال کے موقع ومحل سے بھی آگاہ کر دیں، پھر یہ بھی بتا دیں کہ ان کے صحیح استعمال سے ہماری دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اس کے کیا اچھے ثمرات اور نتائج مرتب ہوں گے اور غلط استعمال سے کیا نتائج واثرات مرتب ہوں گے مثلاً غصہ کو لیجیے، غصہ ایک بری چیز ہے، مگر کبھی غصہ کی ضرورت بھی ہوتی ہے، مگر کہاں غصہ کرنا چاہیے اور کہاں نہ کرنا چاہیے؟ اور جسم کے ساتھ دل ودماغ اور روح پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کو خدا کا رسول اور نبی ہی بتا سکتا ہے، دنیا کا بڑے سے بڑا پڑھا لکھا انسان پیغمبر کی رہنمائی اور تعلیم کے بغیر اس کی حکمت کو نہیں بتا سکتا، اسی طرح جتنی اچھائیاں اور برائیاں ہیں اس کے حقیقی نتائج اور اثرات کو خدا کا پیغمبر ہی بتا سکتا ہے، انسان کی نظر میں بہت سی چیزیں مفید نظر آتی ہیں، مگر اللہ کا رسول اسے مضر بتاتا ہے مثلاً ایک شخص سود لیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، لاٹری جیتتا ہے، اس میں بظاہر فائدہ نظر آتا ہے، مگر اللہ کا رسول بتاتا ہے کہ انسانی معاشرہ پر بھی اس کے اثرات برے پڑتے ہیں اور انسان کے قلب وروح کو بھی یہ خراب کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ معنوی خرابیاں اللہ کا رسول اور نبی ہی بتا سکتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ براہِ راست ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

غرض یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری نہ فرماتا تو انسان نہ تو اپنے خالق کو پہچان سکتا اور نہ اسے اپنے مقصد زندگی کا پتہ چلتا اور نہ اسے بھلے برے کی تمیز ہو پاتی اور نہ ہم ایک دوسرے کے حقوق کو پہچان سکتے۔ یہ خدائے قدوس کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری کر کے دنیا میں رہنے کا صحیح طریقہ بتا دیا۔

یہ ضرورتیں تھیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی نبوت ورسالت کا سلسلہ بھی جاری فرما دیا، حضرت آدم سب سے پہلے انسان بھی ہیں اور وہی سب سے پہلے نبی بھی تھے، اس کے بعد جوں جوں انسانی آبادی بڑھتی رہی اور تمدنی زندگی پھیلتی رہی رسولوں کی تعداد بڑھتی رہی، دنیا کے ہر خطہ میں ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے اور جب انسانوں کی تمدنی زندگی اپنے شباب کو پہنچ گئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکمل دین عطا کر کے رسالت ونبوت کا خاتمہ کر دیا۔ اور اب قیامت تک آپ کی لائی ہوئی تعلیم ہی پر انسانوں کو عمل کرنا ضروری

قرار دے دیا۔ آپ کی نبوت کے بعد کوئی دوسری نبوت دنیا میں نہیں ہوگی، اس کے بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ سب جھوٹے نبی ہیں، اور اسلام سے خارج ہیں، جیسے غلام احمد قادیانی اور اس سے پہلے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ گذرے ہیں۔

رسولوں اور نبیوں کے نام اور ان کی تعداد

صحیح صحیح یہ بتانا مشکل ہے کہ دنیا میں کتنے رسول اور نبی آئے اور کہاں کہاں اور کس کس ملک میں اور کس زمانہ میں بھیجے گئے، تاریخی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ نبی اور رسول دنیا میں آئے، قرآن پاک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ پچیس اور نبیوں اور رسولوں کے ناموں کا ذکر ہے، جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت نوح علیہ السلام (۳) حضرت ادریس علیہ السلام (۴) حضرت ایوب علیہ السلام (۵) حضرت یونس علیہ السلام (۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۷) حضرت اسمعیل علیہ السلام (۸) حضرت اسحاق علیہ السلام (۹) حضرت یعقوب علیہ السلام (۱۰) حضرت یوسف علیہ السلام (۱۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۱۲) حضرت ہارون علیہ السلام (۱۳) حضرت یحییٰ علیہ السلام (۱۴) حضرت زکریا علیہ السلام (۱۵) حضرت الیاس علیہ السلام (۱۶) حضرت یسع علیہ السلام (۱۷) حضرت ہود علیہ السلام (۱۸) حضرت صالح علیہ السلام (۱۹) حضرت شعیب علیہ السلام (۲۰) حضرت لوط علیہ السلام (۲۱) حضرت ذوالکفل علیہ السلام (۲۲) حضرت داؤد علیہ السلام (۲۳) حضرت سلیمان علیہ السلام (۲۴) حضرت عزیر علیہ السلام (۲۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

قرآن پاک میں کئی جگہ بہت سے انبیاء اور رسولوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا ہے:

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (النساء)	اور کتنے رسولوں کے واقعات کو ہم نے تم سے بیان کیا اور کتنے ہی رسولوں کے واقعات کو نہیں بیان کیا۔

جن رسولوں پر کتابیں نازل ہوئی ہیں ان میں پانچ کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

(۱) صحف ابراہیم، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے، (۲) تورات، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، (۳) زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، (۴) انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، (۵) قرآن پاک جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

نبوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے

رسالت اور نبوت کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ نبوت کسی کوشش اور جدوجہد سے حاصل نہیں کی جاسکتی یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام اور عطیہ ہے وہ جس بندہ کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، کوئی بڑے سے بڑا انسان اگر چاہے کہ وہ اپنی کوشش سے یہ مرتبہ حاصل کرے تو وہ نہیں کر سکتا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔	یہ نبوت اللہ کا انعام ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔
وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (آل عمران)	یہ نبوت اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کو اس سے نوازتا ہے۔ وہ بڑے فضل والا ہے۔

معجزات[۱]

دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان سب کی پاکیزہ زندگی اور ان کا بے داغ کردار خود ان کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور ایک معجزہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ انکو بہت سے مادی معجزات بھی عطا کرتا رہا ہے تاکہ ان سے ان کی نبوت کی مزید تصدیق ہو جائے مثلاً حضرت ابراہیمؑ پر آگ گلزار ہوگئی۔ حضرت اسماعیلؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آب زمزم جاری کر دیا، حضرت موسیٰؑ کو ید بیضا عطا کیا ان کی لاٹھی کو سانپ بنا دیا، بحر قلزم کے پانی کو پھاڑ کر اس سے پار کر دیا اور فرعون کو غرق کر دیا حضرت سلیمانؑ کو اتنی بڑی حکومت دی کہ اس کا تصور کسی بھی

---

[۱] معجزہ کا لفظ عجز سے نکلا ہے جس کے معنی عاجز رہ جانے کے ہیں، یعنی انبیاء کے ذریعہ ایسی نادر اور خرق عادت باتوں کا ظہور ہوتا ہے جس سے تمام لوگ عاجز رہ جاتے ہیں۔

انسان کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا، حضرت عیسیٰؑ مردہ کو زندہ کر دیتے تھے اور خود زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے مگر خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے مادی[1] معجزوں کے ساتھ بہت سے معنوی معجزے بھی اللہ تعالیٰ نے عنایت کیے ہیں، ان معنوی معجزوں میں سب سے بڑا معجزہ آپ کی سیرت مبارکہ اور قرآن پاک ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کا ذکر اپنے خاص شاہانہ انداز میں فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (بنی اسرائیل)	ہم نے آپؐ کو سورۂ فاتحہ عنایت کی ہے جس میں سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم عطا کیا۔
فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِه اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (یونس)	میں ایک مدت تک تمہارے اندر عمر گذار چکا ہوں ذرا بھی غور نہیں کرتے یعنی اگر میری پاکیزہ زندگی پر غور کرتے تو تم کو ایمان لانے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب)	رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنوی معجزہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

ما من الانبیاء الا اعطی من الایات ما مثلہ اٰمن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیتہ وحیا اوحاہ اللہ الیّ فارجو اکثرھم تابعا (بخاری کتاب الاعتصام باب بعثت)	کوئی نبی ایسا نہیں گزرا ہے جسے معجزات نہ دیے گئے ہوں جس کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور مجھے وہ وحی دی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے تو امید ہے کہ میں اپنے ماننے والوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ رہوں گا۔

---

[1] مثلاً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، کنکریاں آپ کے دست مبارک میں بولنے لگیں، جانور اپنے مالک کی شکایت کرتے تھے ایک پیالہ دودھ میں بہت سے لوگ سیراب ہو گئے۔

آپ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کو جو معجزے ملے وہ زیادہ تر مادی معجزے تھے اور وہ انہیں کے دور کے لیے مخصوص تھے، ان کے زمانہ میں ان کو دیکھ کر بہت سے لوگ ایمان لے آئے، اب وہ معجزات ایک تاریخی یادگار کے طور پر قرآن و حدیث میں محفوظ ہیں، مگر ان کے معجزانہ اثرات باقی نہیں رہے، مگر مجھے وحی کے ذریعہ قرآن کی صورت میں جو معجزہ ملا وہ ایک دائمی معجزہ ہے جس کے اثرات قیامت تک باقی رہیں گے اور اس کے لفظی و معنوی معجزانہ اثرات کا برابر ظہور ہوتا رہے گا، اور یہ واقعہ ہے کہ قرآن پاک نہ صرف اپنی محفوظیت[1] اپنی زبان، اپنی طرز ادا اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے جس کو بڑے سے بڑا ادیب و شاعر اور زبان آور چیلنج نہیں کر سکا بلکہ اس نے فکر و نظر کو جو بصیرت اور روشنی عطا کی، اخلاق و کردار کو بلند کرنے کی جو ہدایتیں دیں، آئندہ واقعات کے سلسلے میں اس نے جو پیشین گوئیاں کیں یہ سب زندہ معجزات ہیں جن کا انکار ایک ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے، قرآن پاک نے ۱۴ سو برس پہلے اعلان کیا تھا۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ	آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات
وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ	سب اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ ایسا
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ	قرآن بنا لادیں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے
وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا	اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن
(اسراء)	جائیں ۔

مگر ڈیڑھ ہزار برس گزر جانے کے بعد بھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب دنیا نہ دے سکی،

ایک ضروری بات

معجزات کے سلسلے میں ایک بات ذہن میں رہنی ضروری ہے کہ معجزے کی نسبت ظاہری طور پر انبیاء کی طرف ہوتی ہے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کا ظہور اس غرض سے ہوتا ہے کہ رسولوں اور نبیوں کی صداقت ظاہر ہو جائے اس کا ظاہری سبب نبی ہوتا ہے مگر اس کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہوتا ہے قرآن پاک نے اس کو بار بار

---

[1] قرآن پاک ایک ایک حرف اور نقطہ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح خدا کی طرف سے حضرت جبرئیل لے کر آئے تھے

ذہن نشین کرایا ہے:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (العنکبوت)

آپ کہہ دیجیے کہ معجزات تو خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ یعنی یہ تمہارے مطالبہ پر ضروری نہیں کہ ظاہر ہو وہ جب چاہتا معجزہ کو ظاہر کرتا ہے۔

سنت، حدیث اور بدعت

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ جو شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، اس پر یقین رکھنے کا نام ایمان ہے، اب یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ اسلامی شریعت کا پورا علم ہم کو دو ذریعے سے حاصل ہوا ہے ایک ذریعہ قرآن پاک ہے اور دوسرا ذریعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت ہے، سنت کے لفظی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں اور حدیث کے معنی بات چیت کے ہیں لیکن اسلام میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ راستہ اور طریقہ ہوتا ہے جس پر ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین چلے ہیں یا اس پر چلنے کا حکم دیا ہے، اور حدیث سے مراد وہ باتیں ہیں جن کو آپ نے قرآن کو سمجھانے کے لیے ہمیں بتائی ہیں جیسے قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے مگر اس کا وقت کس وقت سے کس وقت تک ہے اور کس وقت کتنی رکعت پڑھنی چاہیے رکوع کیسے کرنا چاہیے اور سجدہ کیسے کرنا چاہیے، اور اس میں کیا پڑھنا چاہیے یہ سب قرآن پاک میں بیان نہیں ہوا ہے، یہ سب باتیں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں اسی طرح قرآن پاک کے بہت سے احکام کی تفصیل آپ نے بیان فرمائی ہے اور یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو عطا کیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ (نحل)

اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) اتارا کہ آپ لوگوں کے لیے بیان کر دیں۔

اب اگر کوئی قرآن پاک کو تو مانتا ہے مگر آپ کی سنت اور حدیثوں کو نہیں مانتا تو وہ مسلمان نہیں ہے اس لیے کہ حدیثیں تو قرآن پاک ہی کا بیان ہیں تو حدیثوں کو نہ ماننا گویا قرآن کی اس ہدایت کا انکار ہے

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ قرآن پاک تو ہم کو آپ ہی کے ذریعہ سے ملا ہے اور آپ کے بتانے سے صحابہ نے اسے اللہ کا کلام تسلیم کیا، اب کوئی شخص سنت وحدیث کو نہیں مانتا تو حقیقت میں وہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتا ہے، بعض لوگ اپنے کو اہل قرآن کہتے ہیں وہ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور حدیث کا انکار کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ نبوت کا اور وحی کا بھی انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف قرآن کو ماننا ضروری ہے حدیث کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تو اگر ایسے لوگوں سے کوئی پوچھے کہ یہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا تم کو کیسے معلوم ہوا اور قرآن پاک کس پر نازل ہوا تو ان کو جواب میں کہنا پڑے گا کہ یہ سب حضور اکرم محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملا اور انہی کے ذریعہ اس کا کلام الٰہی ہونا ہم کو معلوم ہوا ہے تو کتنی بے عقلی کی بات ہوگی کہ جس کے ذریعہ ہم کو قرآن ملا اس کو تو ہم مان لیں اور جب اس قرآن کے حکموں کی وہ تفصیل بیان کریں تو ہم اس کا انکار کردیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایسے آدمی کو اپنی امت میں نہیں پانا چاہتا کہ جب میں کوئی حکم دوں تو وہ کہے کہ مجھے قرآن میں یہ حکم نہیں ملتا (ابوداؤد، ترمذی) علماء نے آپ کی سنتوں اور حدیثوں کو بہت سی کتابوں میں جمع کردیا ہے، ان میں آٹھ کتابیں مشہور ہیں (۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) ترمذی شریف (۴) ابوداؤد شریف (۵) نسائی شریف (۶) موطا امام مالک (۷) مسند امام احمد بن حنبل (۸) ابن ماجہ شرح معانی الآثار طحاوی سنن بیہقی وغیرہ ان کے علاوہ بھی حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں۔

بدعت

جن باتوں کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے اور نہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں، بعد کے لوگوں نے اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کردیا اس کو بدعت کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں بہت سی بدعتیں رائج ہوگئی ہیں، مثلاً تعزیہ بنانا، ماتم کرنا، قبر پر پھول وچادر یا جانور چڑھانا، چراغ جلانا، قبر پر میلہ لگانا، میلاد میں کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کو ضروری سمجھنا، اسی طرح شادی بیاہ کی بہت سی رسمیں بدعت ہیں مردہ دفن کرنے کے بعد قبرستان میں اذان کہنا بدعت ہے۔

اللہ کی کتابیں

چوتھی چیز جس پر ہر مسلمان کو ایمان لانا اور عقیدہ رکھنا ضروری ہے وہ اللہ کی نازل کردہ

تمام کتابیں ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (البقرۃ)	اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ پر اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن پاک میں پانچ کتابوں کا ذکر ہے (۱) صحف ابراہیم (۲) توراۃ۔ (۳) انجیل (۴) زبور (۵) اور خود قرآن پاک۔ اور یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ قرآن کے علاوہ دوسری کتابوں کے ماننے والوں نے ان میں کچھ تبدیلی اور تحریف کردی ہے اس لیے اتنے حصہ کی تصدیق ہمارے لیے ضروری ہے جتنا حصہ قرآن کے بیان سے ٹکراتا نہیں ہے۔ قرآن پاک ان کتابوں کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ (مائدہ: ۴۸)	اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے وہ سراسر حق ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کے مضامین کی محافظ ہے۔

مھیمن کی تفسیر عبد اللہ بن عباسؓ نے شاہد اور امین کے لفظ سے کی ہے یعنی قرآن پاک اگلی کتابوں کے لیے شاہد بھی ہے اور ان کی تعلیمات کا امین بھی ہے قتادہؒ نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اسی بنا پر ان باتوں کے بارے میں جس کی تصدیق قرآن سے نہیں ہوتی ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لاتصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم	نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ جھٹلاؤ۔

ممکن ہے کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہو تو اس کی تکذیب کلام الٰہی کی تکذیب ہوگی اور چونکہ اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ اہل کتاب کی تحریف ہو تو اس کی تصدیق بھی صحیح نہیں ہے

یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جن کے بارے میں ان کے ماننے والے ان کو خدا کی نازل کردہ کتاب کہتے ہیں، اسی بنا پر فقہائے کرام نے ان کو اہلِ کتاب کے بجائے شبہ اہل کتاب یعنی اہل کتاب کے مشابہ قرار دیا ہے۔

قرآن پاک اور اس کی خصوصیات

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں آخری نبی ہیں، قرآن پاک بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس دنیا میں آخری کتاب ہے جس کے بعد اب کوئی دوسری کتاب نازل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک کے معجزہ ہونے کا ذکر رسالت کے بیان میں آچکا ہے یہ اپنی فصاحت و بلاغت اپنی تعلیمات کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے اور کائنات کے بارے میں اس نے جو حقائق بیان کیے ہیں اور آئندہ واقعات کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کی ہیں اس اعتبار سے بھی معجزہ ہے، اس کی چند خصوصیات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

۱۔ خدا کی نازل کی ہوئی دنیا میں قرآن پاک پہلی اور آخری کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف ایک ایک نقطہ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا قرآن پاک کی حفاظت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف اللہ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے اور دوسری کسی کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود حفاظت کا وعدہ نہیں کیا بلکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری ان لوگوں پر چھوڑ دی تھی جن پر یہ نازل ہوئی مگر قرآن کے بارے میں فرمایا کہ:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر) — ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جتنا قرآن پاک نازل ہوتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھوا دیا کرتے اور خود زبانی یاد فرمالیتے تھے اور صحابہ کرام بھی یاد کر لیتے تھے اور پانچوں وقت نمازوں میں وہ پڑھا جانے لگا تھا اسی طرح ہمیشہ امت اسے لکھتی اور یاد کرتی رہی۔

۳۔ کوئی بھی کتاب ہو ایک دو بار پڑھنے کے بعد طبیعت اکتا جاتی ہے مگر قرآن پاک جتنی بار پڑھا جائے اس سے طبیعت اکتاتی نہیں بلکہ ہر بار اس کی لذت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لَا یَخْلَقُ بِکَثْرَۃِ الرَّدِّ۔ — یہ بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا۔

۴۔ قرآن پاک دنیا میں واحد کتاب ہے جو سمجھے بغیر بھی پڑھی جا سکتی ہے کروڑوں آدمی اسے بے سمجھے

ہوئے پڑھتے ہیں اور غلطی نہیں کرتے۔ اس کے معنی میں جتنا غور کیا جائے اتنے ہی نئے نئے پہلو اس میں پیدا ہوں گے اس کے پڑھنے اور اس کے معانی میں غور کرنے والوں کو اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی بلکہ ان کی تشنگی باقی رہتی ہے حدیث نبوی میں خود آیا ہے:

لا یشبع منہ العلماء ولا تنقضی عجائبہ (مشکوٰۃ)	نہ علماء اس کے پڑھنے سے اور سمجھنے سے سیر ہو سکتے ہیں اور نہ اس کے عجائب کبھی ختم ہو سکتے ہیں۔

۵۔ قرآن جتنی تعداد میں دنیا میں چھپتا ہے اور پڑھا جاتا ہے دنیا میں کوئی کتاب نہ اتنی چھپتی ہے اور نہ پڑھی جاتی ہے۔

۶۔ قرآن پاک کے دنیا میں جتنے حافظ ملیں گے دنیا میں کسی دوسری کتاب کے نہیں ملیں گے خدانخواستہ اگر قرآن کے سارے نسخے دنیا سے ناپید ہو جائیں تو کروڑوں آدمی اسے اپنی یادداشت سے پھر لکھ سکتے ہیں اور انشاء اللہ ایک حرف کا فرق نہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ قرآن آج تک محفوظ ہے اور خدا کا وعدہ پورا ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوگا۔

۷۔ قرآن پاک عربی زبان میں ہے، ہندی، چینی، فرانسیسی، روسی غرض جس زبان کا بولنے والا ہو اسے آسانی سے پڑھ سکتا ہے، دنیا میں نہ جانے کتنی قومیں آباد ہیں اور نہ جانے کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں مگر ہر جگہ قرآن پاک ایک ہی زبان اور ایک ہی لہجہ میں آپ پڑھتے ہوئے سنیں گے۔

۸۔ پورا قرآن پاک تیئیس ۲۳ سال میں آہستہ آہستہ نازل ہوا اور سب سے پہلے سورۃ علق کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں اور سورہ کے اعتبار سے سب سے آخری سورہ نصر یعنی اذا جاء نازل ہوئی آیت کے اعتبار سے سب سے آخری آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ ہے

بعض حضرات سورہ بقرہ کے آخر میں جو آیت دین ہے اسے آخری آیت قرار دیتے ہیں۔

۹۔ قرآن پاک کا نزول انسانوں کی ہدایت کے لیے ہوا ہے اور وہ اس دنیا میں پروردگار عالم کی سب سے بڑی رحمت ہے مگر افسوس ہے کہ ہم انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں تو ہدایت تلاش

کرتے ہیں مگر خدا کی اس کتاب سے ہم کو ہدایت لینے کی بہت کم توفیق ہوتی ہے اور چونکہ ہم اس سے ہدایت نہیں لیتے اس لیے خدا کی رحمتوں سے بھی محروم رہتے ہیں، یہ روشن اور سراپا نور کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر اس کی روشنی اور ضیا باری سے نہ ہم اپنے دل و دماغ روشن کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اپنی زندگی کے دوسرے معاملات میں ہم اس کی پرنور ہدایتوں سے کوئی راہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس کی مزید تفصیل قرآن پاک کی تلاوت و حفظ کے تحت آگے آرہی ہے،

ملائکہ

اسلامی عقائد میں توحید و آخرت، اور رسالت کے ساتھ پانچویں چیز جس پر ایمان لانا ضروری ہے وہ فرشتے ہیں، فرشتوں کے لیے عربی میں ملائکہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ملک کی جمع ہے یہ لفظ الوک سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں ان کو ملائکہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کا پیغام اور حکم لے کر دنیا میں آتے ہیں اور اس کا حکم پھیلاتے ہیں قرآن میں کہیں کہیں ان کے لیے لفظ رُسل بھی استعمال ہوا ہے، فارسی اور اردو میں عام طور پر فرشتے کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی پیغام لے جانے والے کے ہیں ان سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہے جو ہماری نظروں سے دکھائی نہیں دیتی۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کائنات کے نظام چلانے کے لیے ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اسے نافذ کرتے ہیں، لیکن وہ ارادہ و اختیار سے محروم بلکہ مجبور محض ہیں یعنی جس طرح انسان اپنے ارادہ و اختیار سے بھلائی و برائی یا خدا کی اطاعت و نافرمانی کا جو راستہ چاہے اختیار کر لیتا ہے فرشتے یہ ارادہ و اختیار نہیں رکھتے کہ وہ برا بھلا جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں بلکہ وہ خدا کے حکم کو بے چوں و چرا بجا لاتے ہیں نہ وہ مرد ہیں نہ عورت ان کی خصوصیت قرآن پاک نے یہ بیان کی ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ	اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی
وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ	نہیں کرتے اور وہی کرتے جو ان کو حکم
(تحریم)	دیا جاتا ہے۔

دنیا کے جتنے مذاہب ہیں ان سب میں فرشتوں کا تصور موجود رہا ہے مگر جس طرح انسانی اور مادی شخصیتوں کے بارے میں یہ قومیں ان کو خدائی کا مرتبہ دے کر اور خدا کا شریک بنا کر گمراہ ہوئیں اسی طرح انہوں نے فرشتوں کو بھی وہی مقام دے دیا جس سے وہ گمراہ ہوئیں عیسائیوں نے خدا کو تین حصوں میں

بانٹ دیا اور خدائی کا ایک حصہ حضرت جبرئیل کے حوالہ کر دیا۔ ہندوؤں میں فرشتوں کے تصور نے شرک و بت پرستی کی نہ جانے کتنی صورتیں اختیار کرلیں۔ جاہلیت میں عرب عام طور پر ان کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ قرآن نے ان کو تنبیہ کی اَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ" کیا تم خدا کے لیے بیٹیوں کو پسند کرتے ہو اور اپنے لیے بیٹوں کو" قرآن پاک نے ان تمام خیالات کی تردید کی اور بتایا کہ یہ فرشتے سراپا نیکی ہوتے ہوئے خدا کے نزدیک ان کو ایسا تقدس کا مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ انسان ان کے سامنے جھکے بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی سے یہ شرف بخشا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنا دیا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ انسان جو مسجود و ملائک ہو جب اس کو خدا کی خدائی میں کوئی حصہ نہیں ملا ہے تو فرشتوں اور دوسری مخلوق کو خدا کا مرتبہ دینا نہ صرف یہ چیز خدا تعالیٰ کی شانِ قدوسی کے خلاف ہے بلکہ اس سے خود انسان کے شرف و امتیاز اور اس کی عظمت وجلال کی بھی توہین ہوتی ہے۔ فرشتوں کے بارے میں اسلام نے یہ عقیدہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۱) جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات تک اپنا پیغام اور اپنے احکام پہونچاتے ہیں یا ان کے ذریعہ اپنے حکم کو نافذ کراتے ہیں خود ان کی مؤثر بالذات کوئی حیثیت نہیں ہے نہ تو وہ اللہ کی رحمت کو روک سکتے ہیں اور نہ اس کے عذاب سے کسی کو بچا سکتے ہیں قرآن پاک نے ان کی اس حیثیت کو ان الفاظ میں واضح کر دیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ	سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو
وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ	آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے
رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ	اور فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے
ثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ	دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں وہ
مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے
قَدِيْرٌ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ	بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے خدا جو اپنی
مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا	رحمت کا دروازہ کھول دے تو کوئی اس کو
يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهٖ	بند کرنے والا نہیں ہے اور جو بند کر دے تو

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ‏ اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں ہے

(فاطر) اور وہ غالب وحکمت والا ہے۔

(۲) وہ اللہ کے احکام اور پیغام لے کر انسانوں اور دوسری مخلوقات کے پاس پہنچتے ہیں۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا ‏ فرشتے اور حضرت جبرئیل شب قدر میں تمام

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ‏ امور لے کر خدا کی اجازت سے زمین پر اترتے

(القدر) ہیں۔

(۳) روح قبض کرنے کا کام بھی انہی کے سپرد ہے۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ ‏ تمہارے پاس اللہ فرشتوں کو نگراں بنا کر

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ‏ بھیجتا ہے اور جب کسی کی موت آتی ہے تو یہ

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (الانعام) ‏ فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔

(۴) وہ بشارت لے کر بھی آتے ہیں اور عذاب بھی۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ ‏ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس

بِالْبُشْرٰى ‏ بشارت لے کر آئے۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ ‏ فرشتوں نے کہا کہ اے لوط ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں

رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ ‏ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے تو کچھ

بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ ‏ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جاؤ اور تم میں سے

مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ ‏ کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی،

مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ (هود) ‏ قوم پر مصیبت پڑنے والی ہے وہی اس پر بھی پڑے گی

(۵) ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے لگے رہتے ہیں جو ان کے اچھے اور برے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا ‏ بے شک تمہارے اوپر کچھ فرشتے نگراں مقرر ہیں

كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ‏ وہ سب لکھتے رہتے ہیں جو کچھ تم کرتے

(الانفطار) رہتے ہو۔

کچھ فرشتے ان مجلسوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں جن میں اللہ کا ذکر یا دین کی تعلیم ہوتی ہے حدیث میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہی فرشتے بلا اور مصیبتوں میں آدمی کی مدد کرتے ہیں اہلِ ایمان کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا۔

(٦) کچھ فرشتے مرنے کے بعد مردہ سے سوال وجواب پر مقرر ہیں ان کو منکر نکیر کہا جاتا ہے آخرت کے بیان میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

(۷) کچھ ملائکہ جنت ودوزخ کے انتظام پر مقرر ہیں:

وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ	اور جنت کے ہر دروازے سے فرشتے
كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ	داخل ہوں گے اور جنتیوں سے کہیں گے تم
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ	سلامت رہو اس وجہ سے کہ تم دین پر
(الرعد)	جمے رہے تو آخرت کا انجام بہتر ہوا۔
وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلٰئِكَةً	اور ہم نے دوزخ کا ذمہ دار فرشتوں ہی کو
(مدثر)	بنایا ہے۔
عَلَيْهَا مَلٰئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ	دوزخ پر بہت سخت اور مضبوط فرشتوں کو
(تحریم)	مقرر کر رکھا ہے۔

(۸) کچھ فرشتے ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں عرش کے اردگرد اس کے حکم کے منتظر کھڑے رہتے ہیں اور تسبیح و تہلیل کرتے رہتے ہیں۔

وَتَرَى الْمَلٰئِكَةَ حَافِّينَ مِنْ	تم دیکھو گے کہ بہت سے فرشتے عرش کے اردگرد
حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ	موجود رہتے ہیں اور ہر وقت خدا کی حمد کی
رَبِّهِمْ (زمر)	تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

(۹) صبح وشام فرشتوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے صبح والے فرشتے شام کو واپس چلے جاتے ہیں اور رات والے فرشتے آجاتے ہیں اسی طرح روزانہ ہوتا رہتا ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ (المعارج) اس کی طرف فرشتے اور روحیں جاتی رہتی ہیں۔

فرشتوں کی تعداد کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی انسان کو علم نہیں ہے ان میں چار فرشتے سب سے افضل ہیں ان کے نام اور کام یہ ہیں۔

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انبیائے کرام کے پاس وحی لاتے تھے وحی کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا اب قیامت تک وحی نہیں آئے گی، وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی جلی جس کا نمونہ قرآن پاک ہے دوسری وحی خفی جس کا نمونہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور احادیث ہیں حضرت جبرئیل اب بھی خاص مواقع پر احکام رحمت و عذاب لے کر دنیا میں آتے رہتے ہیں۔ آپ پر جب وحی آتی تھی تو آپ کو بڑا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ جاڑے کے دنوں میں پیشانیٔ مبارک پر پسینہ آجاتا تھا مگر اس وحی کو آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں سن پاتا تھا جب آپ لوگوں کو بتاتے تھے تب صحابہ کرام کو معلوم ہوتا تھا۔

(۲) حضرت اسرافیل کے ذمہ بڑے بڑے امور کے ساتھ صور پھونکنے کا کام سپرد ہے پہلی بار جب صور پھونکیں گے تو سارے انسان و جانور مر جائیں گے اور ساری دنیا کی چیزیں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی اور ساری زمین ایک چٹیل میدان ہو جائے گی پھر دوبارہ صور پھونکیں گے تو سارے انسان اور جانور زندہ ہو جائیں گے قیامت کے ذکر میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

(۳) حضرت میکائیلؑ یہ پانی برسانے اور روزی کے دوسرے ذرائع پر مامور ہیں ان کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں۔

(۴) حضرت عزرائیلؑ یہ تمام جاندار کی جان نکالنے پر مامور ہیں ان کے ماتحت بھی بے شمار فرشتے ہیں جو ایک وقت میں لاکھوں آدمی کی جان نکال لیتے ہیں۔

قرآن پاک میں صرف حضرت جبرئیل اور میکائیل کے نام کا ذکر ہے اور حضرت اسرافیل اور عزرائیل کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے۔

بعث بعد الموت | عقائد میں چھٹی چیز بعث بعد الموت ہے یعنی مرنے کے بعد اٹھایا جانا اس کا ذکر آخرت کے بیان کے ضمن میں آچکا ہے اس لیے الگ سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

تقدیر

عقائد وایمانیات میں ساتویں چیز تقدیر ہے اس پر ایمان لانا بھی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔
تقدیر کے عقیدے کے بارے میں بہت سی قومیں اس سے پہلے گمراہ ہو چکی ہیں اس لیے تقدیر کے سلسلے میں
ہم کو وہی عقیدہ رکھنا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں اور صحابہ کرام اس پر یقین رکھتے
تھے۔ بعد میں یونانی فلسفہ اور ایرانیوں کے اثر سے ایسی ایسی بحثیں اور عقائد پیدا ہو گئے جن سے مسلمانوں
میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے اور وہ سب فرقے اہل سنت والجماعت سے ہٹے ہوئے ہیں اور گمراہ ہیں
مثلاً شیعہ، اسمعیلی، معتزلہ، قدریہ جہمیہ، مرجیہ وغیرہ۔

تقدیر کے لفظی معنی ہوتے ہیں اندازہ کرنے اور اس اندازہ کے مطابق فیصلہ کر لینے کے
اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کو کہتے ہیں جو اس نے کائنات کے بارے میں اور اس کے
اندر ساری مخلوقات اور خاص طور پر انسان کے بارے میں کر دیا ہے یا آئندہ کرے گا ان تقدیری
فیصلوں سے ہم واقف نہیں ہیں، اس لیے زندگی میں جو کچھ پیش آئے اسے تقدیر کا فیصلہ سمجھنا چاہیے۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بھلا یا برا راستہ اختیار کرنے کا ہم کو اختیار
دیا ہے اس لیے اگر اپنے ارادہ و اختیار سے ہم نے بھلائی کا راستہ اختیار کر لیا تو اسے خدا کا احسان
سمجھنا چاہیے اور اگر اپنی غلطی سے کوئی ناکامی کوئی مصیبت یا تکلیف پیش آجائے یا شیطان کے ورغلانے
سے کوئی برائی ہو جائے تو اسے اپنی غلطی تصور کرنا چاہیے۔

قرآن پاک میں ہے:۔

مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ	اگر کوئی بھلائی اور اچھی صورت پیدا ہو جائے
اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ	تو اس کو اللہ کی طرف سے سمجھو اور کوئی تکلیف
فَمِنْ نَّفْسِكَ (النساء)	یا غلطی ہو جائے تو اپنی غلطی سمجھو۔

تقدیر کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں جب کوئی مکان بنایا جاتا ہے تو زمین پر یا لکڑی یا کاغذ پر اس کا
نقشہ بنا لیا جاتا ہے اس مکان میں جتنے کمرے برآمدے بنانے ہوتے ہیں جتنے دروازے

کھڑکیاں لگانی ہوتی ہیں، غسل خانے اور پاخانے اور باورچی خانے بنانے ہوتے ہیں ان سب کی جگہ پہلے مقرر کر دی جاتی ہیں پھر اس بنے ہوئے نقشے کے مطابق پورا مکان بنایا جاتا ہے اور کبھی ضرورت ہوتی اس میں آدمی جزوی ترمیم بھی کر لیتا ہے مگر پورا نقشہ وہی ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب اس پوری کائنات اور انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے کچھ اصول کچھ قاعدے بنا دیے ہر مخلوق اس کی فطرت کے مطابق کام اور ذمہ داری مقرر فرما دی۔ اب اسی اصول و قاعدے اور فطرت کے مط اس پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے اس میں ذرہ بھر فرق نہیں ہوتا، اب اس میں خدا کے علاوہ ک دوسرا کسی طرح کی تبدیلی یا ایک سکنڈ کا فرق نہیں کر سکتا، سورج چاند کا نکلنا، دن رات کی آمد و ف زمین کی گردش ہوا پانی اور فضا کی کیفیت و افادیت انسان کے جسم کی ساخت اس کے اعضاء کی مختا صلاحیتیں اس کی زندگی اور موت وغیرہ میں۔ خدائے قدوس کے علاوہ کوئی ذرہ بھر تبدیلی نہیں کر سکت دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سورج کے نکلنے اور ڈوبنے اور ان کے حرکت کرنے میں اور زمین کی گردش ، اگر ایک سکنڈ کا فرق کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی بڑے سے بڑا ڈاکٹر آنکھ سے بولنے اور زبان سے دیکھ کان سے سونگھنے کا اور ناک سے سننے کا کام لینا چاہے تو یہ کام وہ نہیں لے سکتا، اللہ تعالیٰ نے جس کو جس کا پر لگا دیا ہے وہ ایک بال کے برابر نہیں ہٹ سکتا، غرض یہ کہ یہ سب کچھ اللہ کے بنائے ہوئے قاعدے اور اصول کے تحت ہو رہا ہے اس میں وہی جو چاہے تبدیلی کر سکتا ہے دوسرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

آپ یہ پوچھ سکتے ہیں کہ تقدیر کو ماننا کیوں ضروری ہے ؟ اور ہماری زندگی میں اس کا کیا فا ہے ؟ تو ہم مختصراً بتاتے ہیں، دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے کسی قدر ارادہ و اختیار تو دیا ہے مگر عق شعور اور فکری قوت سے انہیں محروم رکھا ہے مگر انسان کو اس نے ارادہ و اختیار بھی دیا ہے عقل و شعو اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی ہے وہ اپنے ارادہ و اختیار اور عقل و شعور سے اچھے کام کے سا غلط کام بھی کر لیتا ہے اور اسے اپنے کام میں کبھی کامیابی ہوتی ہے اور کبھی ناکامی بھی انسان کی فطرت ہے کہ جب کامیاب ہوتا ہے تو اس کامیابی کو اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے اور اس کے دل میں غ پیدا ہو جاتا ہے اور جب کسی کام میں اسے ناکامی ہوتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر پر ایمان لانے کو اسی لیے ضروری قرار دیا ہے کہ انسان نہ تو اپنی کامیابی پر مغرور ہو اور نہ ناکامی سے

وس ہوا اپنی کامیابی کو خدا کا احسان اور تقدیر کا فیصلہ سمجھے اور ناکامی کو اپنی غلطی کا نتیجہ سمجھے یا پھر یہ سمجھے
س میں خدا کی کوئی حکمت ومصلحت ہو گی اس لیے بسا اوقات کسی کام میں آدمی کی ناکامی دوسرے کام میں
ت بڑی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے بعد آدمی نہ تو اپنی کامیابی پر مغرور ہوتا ہے اور ناکامی سے مایوس ہوتا
بلکہ وہ ہر حال میں خدا کا شکرگزار رہتا ہے۔ وہ نہ تو موت سے ڈرتا ہے اور نہ بڑے سے بڑا کام کرتے
ے گھبراتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اگر اس کی قسمت میں کامیابی لکھی ہے تو
، کوئی روک نہیں سکتا اور اگر ناکامی ہوتی ہے تو مایوس ہو کر بیٹھتا نہیں بلکہ برابر اپنی کوشش جاری
ا ہے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ تقدیر دو طرح کی ہوتی ہے ایک تقدیر مُبْرَم دوسرے تقدیر مُعَلَّق تقدیر
م تو اٹل ہوتی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں البتہ تقدیر مُعَلَّق کا تعلق عام طور سے انسان کے عمل اور
ں سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اچھے یا برے کام کے نتیجہ میں یا پھر اس کی دعا سے اس میں تبدیلی
تا ہے اس لیے ہمیشہ اپنے عمل اور دعا پر نظر رکھنی چاہیے۔ "تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز" نہ ہونا
ے اس لیے کہ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ صلہ رحمی سے اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ من اَحَبَّ اَن یُّبسَطَ
ہ رزقہ وینساءَ فی اثرہ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ (بخاری ومسلم) اور دعا کے بارے میں حدیث
ہے لایرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر (ترمذی) تقدیر کو دعا بدل دیتی
ر عمر میں نیکی کے ذریعہ زیادتی ہو جاتی ہے۔

مگر چونکہ تقدیری فیصلوں کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اس لیے ہر حال میں ہمیں راضی برضا رہنا
۔ ایمان وعقیدہ کا بیان ختم ہوا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلامی فقہ

عبادات

عبادت انسان کی فطرت کی پکار اور اس کی رُوح کا تقاضا ہے، انسان جسے بھی اپنے سے برتر یا طاقت ور سمجھتا ہے یا اس سے ڈرتا یا امید رکھتا ہے اس کے سامنے اپنا سرِ نیاز خم کر دیتا ہے۔ اگر غلط ماحول یا غلط تربیت کی وجہ سے وہ خدا کے سامنے اپنی پیشانی نہیں جھکا پاتا تو اپنے سے کمتر نہ جانے کتنی مخلوق کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ درخت، پتھر، پانی، ہوا، سورج، چاند اور اس سے بڑھ کر جانوروں اور کیڑے مکوڑوں میں بھی اگر طاقت و برتری اور امید و خوف کی کوئی رمق محسوس وہ کرتا ہے تو ان کو بھی معبود بنا کر اپنی جبینِ نیاز ان کے سامنے جھکانے لگتا ہے اور ان کو خوش کرنے کے لئے نذر و نیاز پیش کرتا ہے۔ ع

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ارادہٗ و اختیار اور عقل و شعور عطا کیا ہے جس کی بنا پر وہ اپنی کوشش اور تدبیر سے اس دنیا کی کچھ چیزوں کا مالک بن جاتا ہے اور جسطرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے لیکن انسان کے ارادۂ و اختیار اور عقل و شعور کی صلاحیت اور اس کی تدبیروں کے ساتھ اگر یہ پوری کائنات اور اس کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو اسباب زندگی، روشنی، ہوا، پانی، فضا وغیرہ فراہم کر رکھے ہیں اور ان کے اندر جو ایک توازن و ہم آہنگی پیدا کر رکھی ہے اگر وہ سب

انسان کی تدبیروں اور کوششوں کا ساتھ نہ دیں یا ان کا توازن باقی نہ رہے تو اس کے ارادۂ واختیار اور عقل وشعور کی ساری بلند پروازیاں بے کار ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس کی حیثیت اس دنیا میں عضوِ معطل کی سی ہو جاتی ہے۔

جب کائنات کی تسخیر اور بنیادی اسبابِ زندگی کی فراہمی میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے تو یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان اپنے ارادۂ واختیار اور عقل ودانش کے استعمال کا آغاز خدائے وحدہٗ لاشریک کی شکر گزاری سے کرے۔ یہ شکر گزاری نہ صرف زبان سے ہو بلکہ اس کی بارگاہ میں اپنے جسم کو جان کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی اسے ادنیٰ تأمل نہ ہو۔ اس کی شکر گزاری کے بہت سے مظاہر ہیں مگر اس کا سب سے بڑا مظہر عبادت ہے اسی حقیقت کی طرف قرآنِ پاک نے اشارہ کیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ	میں نے انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے
اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ٥ (الذاریات)	پیدا کیا ہے۔

اسی کی ترجمانی شیخ سعدی نے اپنے ان دو شعروں میں کی ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید در کارند	تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار	شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

مقصد یہ ہے کہ جب سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے تو سرِ نیاز بھی صرف اسی کے آگے جھکے۔

عبادت کی تعریف علماء نے غایۃ الحب اور غایۃ الذل کے لفظ سے کی ہے یعنی عبادت کی روح یہ ہے کہ بندہ خدا کے سامنے انتہائی محبت اور اپنی انتہائی پستی کے ساتھ اس طرح جھک جائے بلکہ اس کے سامنے اس طرح بچھ جائے جس طرح بچہ ماں کے سامنے بچھ جاتا ہے، اس وقت عبد اور معبود کے درمیان کے سارے پردے ہٹ جاتے ہیں اور انسان گویا خدا سے ہمکلام ہو جاتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو يُنَاجِي رَبَّهٗ وہ اسوقت اپنے رب سے رازدارانہ باتیں کرتا ہے، یہی مفہوم ہے اس حدیث قدسی کا جس میں آپ نے فرمایا کہ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبادی نصفین۔ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے یعنی وہ میری حمد و ثنا کر کے میرا حق ادا کرتا ہے اور پھر اپنے لئے کچھ مانگتا ہے۔

اس لئے اسلام نے انسان کے ارادۂ واختیار اور اس کی فطرت کو اعتدال پر باقی رکھنے کے لئے اپنی دعوت وتعلیم کی ابتدا ہی توحید سے کی ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اس کائنات کا نہ صرف خالق سمجھا جائے بلکہ یہ بھی سمجھا جائے وہی اپنی قدرت سے ساری کائنات کو چلا رہا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس سے کسی کو بلند وبرتر اور کامل نہ سمجھا جائے۔ وہ ہر انسان کے قریب ہے اور اس کی دعا سنتا ہے۔ اس لئے ضرورت وحاجت کے وقت اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے اور اسی کو طاعت وعبادت کا مرکز نظر بنایا جائے۔ اسی سے امید وخوف رکھا جائے۔ اس کی بارگاہ کے علاوہ کسی اور کی چوکھٹ پر انسان اگر اپنی پیشانی جھکاتا ہے تو وہ انسانیت کی توہین کرتا ہے۔ ایسا انسان انسان نہیں بلکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔

خدا کے اِس اعلیٰ تصور کے ساتھ جب انسان عبادت کرتا ہے تو واقعی اس کی فطرت کو تسکین اور اس کی رُوح کو تازگی ملتی ہے اور وہ اپنے قلب ودماغ میں ایک قوت، اعتماد، سکون اور یکسوئی محسوس کرتا ہے برخلاف اس کے جن لوگوں کی نیاز مندیاں بہت سے خداؤں میں بٹی ہوئی ہوتی ہیں وہ اپنی فطرت اور رُوح میں سکون ویکسوئی کے بجائے فکری انتشار اور ایک خلاء محسوس کرتے ہیں۔ قرآن نے اس کو ایک تمثیل سے سمجھایا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ۔ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا۔ (سورۂ زمر)	اللہ تعالیٰ نے (موحد ومشرک کے بارے میں) ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی ساجھی دار ہیں جن میں باہم ضد اضدی بھی ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا غلام ہے تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں (ہو سکتی) ہے۔

عبادت کا مفہوم

عبادت کے لفظی معنی فرماں برداری، اطاعت گزاری اور اظہارِ عاجزی ہوتے ہیں، مگر اسلامی شریعت میں صرف اطاعت وفرماں برداری ہی کا نام عبادت نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک ہر ایسا کام عبادت ہے جو آدمی کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے مطابق کرے اور اس کام سے اس کا مقصود خدا کی رضا اور اجر وثواب ہو یعنی اسلام میں

اطاعت گزار اور فرماں بردار اسی کو کہا جائے گا جو اوپر کی دونوں شرطوں کو پورا کرتا ہو۔ ان دو شرطوں کو پورا کر کے آدمی اگر چاہے تو اپنے کھانے پینے، سونے جاگنے حتیٰ کہ اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کو بھی عبادت بنا سکتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق بن سکتا ہے۔ بے شمار احادیث میں یہ بات بتائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ آدمی کی شرم گاہ میں بھی نیکی ہے، کہا گیا کہ اپنی شہوت کے پورا کرنے میں بھی نیکی ہے، آپؐ نے فرمایا ہے۔

لو وضع فی الحرام الیس کان	کیا وہ حرام جگہ اپنی خواہش پوری کرتا تو گناہ نہ
علیہ وزر فکذلک اذا	ہوتا تو ایسے ہی جب اس نے حلال جگہ اپنی شہوت
وضعها فی الحلال کان له	پوری کی تو اس کے لئے اجر ہے۔

اجر (الادب المفرد)

یہ جذبہ کیسے پیدا ہو؟

عبادت کا یہ صحیح اور عمومی جذبہ کیسے پیدا ہو اور آپ اس کے تقاضے کس طرح پورے کریں، اس کے لیے اسلام ایک ہمہ گیر پروگرام دیتا ہے۔ اِس پروگرام کا ایک حصّہ وہ مخصوص عبادات ہیں جن کو ہم نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ عبادتیں بذاتِ خود عبادت ہیں اور عبادت کا عمومی جذبہ پیدا کرنے کا سبب بھی ہیں، اِن عبادتوں میں خاص طور پر نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اس کے ذریعہ عبادت و اطاعت کا جذبہ جس قدر اُبھرتا ہے، دوسری عبادات کے ذریعہ اتنا نہیں ابھرتا یہی وجہ ہے کہ دوسری عبادات تو سال میں یا زندگی میں ایک بار فرض کی گئی ہیں، مگر یہ دن میں پانچ بار فرض کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں قرآن پاک نے سینکڑوں جگہ تاکید کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نماز دین کا ستون ہے، جس نے اس کو قائم رکھا، اس نے دین کو قائم رکھا، اور جس نے اِس ستون کو گرا دیا، اس نے گویا دین کی عمارت کو گرا دیا" آپؐ نے فرمایا کہ "کفر و ایمان کے درمیان نماز ہی حدِ فاصل ہے۔"

طہارت کا بیان

نماز سے پہلے طہارت

مگر نماز پڑھنے سے پہلے کچھ اور شرطیں ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے،

ان ہی شرطوں میں ایک طہارت بھی ہے۔

طہارت کے معنی اور اس کی اہمیت

لغت میں طہارت کے معنی پاکی اور صفائی کے ہیں اور شریعت میں نجاستِ حکمی یا حقیقی سے پاکی حاصل کرنے کو طہارت کہتے ہیں۔ یوں تو اسلام میں ہر وقت پاک وصاف رہنے کا حکم ہے، مگر اس نے نماز کے لیے طہارت کی کچھ اور شرطیں بھی لگا دی ہیں۔ اگر آپ ان قیدوں کا لحاظ نہیں کرتے ہیں تو آپ پاک وصاف ہوتے ہوئے بھی نماز نہیں پڑھ سکتے اور اگر آپ پڑھیں گے تو آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ مثلاً آپ صاف ستھرے ہوں مگر آپ وضو نہ کریں تو آپ نماز نہیں پڑھ سکتے۔ دوسری عبادتوں کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "پاکی نماز کی کنجی ہے۔" آپؐ نے فرمایا ہے کہ "طہارت نصف ایمان ہے"۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ پر طہارت کی ترغیب دی گئی ہے۔ خدا نے کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۝ پاک وصاف رہنے والوں کو خدا پسند کرتا ہے۔

طہارت کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر عام طور پر فقہا و محدثین حدیث وفقہ کی کتابیں طہارت ونجاست اور وضو وغسل کے بیان ہی سے شروع کرتے ہیں۔

نجاست کا بیان

طہارت کے قاعدے اور اس کے احکام کے بیان سے پہلے ضروری ہے کہ نجاست کی حقیقت اور اس کی تمام قسموں کو جان لیا جائے۔ اس لیے جب تک نجاست کی حقیقت نہ جان لی جائے اس وقت تک اس سے بچنے کی تدبیر کیسے کی جاسکتی ہے۔

نجاست کی قسمیں

نجاست کے معنی ناپاکی اور گندگی کے ہیں۔ یہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک نجاستِ حکمی اور دوسری نجاستِ حقیقی۔ ان دونوں کی پھر دو دو قسمیں ہیں۔

نجاستِ حکمی

نجاستِ حکمی اس نجاست کو کہتے ہیں جو ہمارے دیکھنے میں نہ آئے بلکہ اس کا نجس ہونا ہم کو شریعت کے ذریعہ معلوم ہوا ہو۔ مثلاً بے وضو ہونا یا غسل کی حاجت ہونا۔ اس کی دو قسمیں ہیں حدثِ اصغر یعنی چھوٹی نجاست اور حدثِ اکبر یعنی بڑی نجاست۔

حدثِ اصغر

یہ نجاست صرف وضو کر لینے سے دور ہو جاتی ہے۔ مثلاً (۱) پاخانہ یا پیشاب کرنا۔

(۲) ریاح خارج ہونا۔ (۳) بدن کے کسی حصّے سے خون یا پیپ کا بہنا (۴) نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنا (۵) زمین، چارپائی یا دیوار سے ٹیک لگا کر سونا۔ (۶) منہ بھر کے قے ہوجانا۔ یہ سب صورتیں حدث اصغر کی ہیں

حدثِ اصغر کا حکم حدثِ اصغر کی صورت میں آدمی نہ تو نماز پڑھ سکتا اور نہ قرآنِ پاک کو چھو سکتا ہے۔ البتہ اگر زبانی قرآن پڑھے تو اس کی اجازت ہے۔ البتہ چھوٹے بچوں کو بے وضو قرآن پاک چھونے اور پڑھنے کی اجازت ہے۔

حدث اکبر یہ نجاست غسل کرنے سے پاک ہوتی ہے، مثلاً کسی نے عورت سے مباشرت کی، سونے میں احتلام ہوگیا یا عورت کو حیض ونفاس کا خون آگیا، یہ سب صورتیں حدث اکبر کی ہیں۔

حدثِ اکبر کا حکم ایسی صورت میں آدمی بغیر غسل یا تیمم کے نہ تو نماز پڑھ سکتا ہے، نہ قرآن کو چھو سکتا ہے اور نہ اس کو زبانی پڑھ سکتا ہے، نہ مسجد میں بغیر کسی شدید ضرورت کے داخل ہو سکتا ہے۔ شدید ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کے غسل خانے میں نہانے کے لیے گیا مگر اس کی بالٹی مسجد کے صحن میں یا مسجد کے اندر رکھی ہوئی ہے یا غسل خانے کا راستہ صحن سے ہو کر جاتا ہے تو ان صورتوں میں اس کو تیمم کر کے مسجد کے اندر جانے یا صحن سے گزر جانے کی اجازت ہے۔

ریکارڈ میں محفوظ قرآن کا حکم ٹیپ ریکارڈ میں قرآن کی جو تلاوت محفوظ رہتی ہے مُحدِث (بے وضو) شخص اس کو چھو سکتا ہے کیونکہ ان ریکارڈول میں حروف قرآنی ایسی صورت میں نہیں لکھے جاتے جس کو پڑھا جا سکے۔ اس کی حیثیت الفاظ کے نقوش کی نہیں بلکہ عکس کی ہے۔ اس پر قرآن کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اصطلاح میں قرآن کی تعریف یہ ہے:

كتاب الله في المصطلح الشرعي	شریعت کی اصطلاح میں قرآن وہ ہے جو رسول
هو القرآن المنزل على	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جو
رسول الله صلى الله عليه	مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور آپؐ سے تواتر
وسلم المكتوب في المصاحف	کے ساتھ وہ منقول ہوتا چلا آرہا ہے جس کی
المنقول عن النبي صلى الله	نقل میں ایک ادنیٰ شبہ بھی نہیں کیا جا
عليه وسلم نقلا متواترا	سکتا اور قرآن پاک لفظ و معنی دونوں کے

بلا شبهة وهو النظم والمعنیٰ۔ مجموعہ کا نام ہے۔

(شرح الاصول للبزدوی)

اس بنا پر ریکارڈ یا کیسٹ کو حدث کی حالت میں چھونا جائز ہے۔

نجاستِ حقیقی نجاستِ حقیقی سے[1] مراد وہ نجاستیں ہیں جن کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور ان سے فطرتاً ہر انسان کو ایک نفرت سی ہوتی ہے اور ان سے وہ اپنے بدن، کپڑے اور کھانے کو بچاتا ہے۔ یہ دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک نجاستِ غلیظہ یعنی جن کا حکم سخت ہے، دوسرے نجاستِ خفیفہ، یعنی جن کا حکم ہلکا ہے[2]۔

نجاستِ غلیظہ یعنی وہ نجاستیں جن کا حکم بہت سخت ہے اور جن کے ناپاک ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ یہ چیزیں نجاستِ غلیظہ ہیں (۱) آدمی کا پیشاب پاخانہ (۲) آدمیوں اور جانوروں کا خون (۳) منی (۴) شراب[3] تاڑی (۵) چھوٹے دودھ پیتے بچوں کا پیشاب پاخانہ بھی نجاستِ غلیظہ ہے[4] (۶) اسی طرح تمام پاخانے، مثلاً بیل اور بھینس[5] وغیرہ کا گوبر، بکری اور بھیڑ کی مینگنی، گھوڑے، گدھے اور خچر کی لید، کتے اور بلی کا پاخانہ (۷) سور کی ہر چیز نجاستِ غلیظہ ہے (۸) اسی طرح تمام حرام جانوروں کا پیشاب (۹) پرندوں میں صرف مرغی اور بط کی بیٹ نجاستِ غلیظہ ہے[6]۔

نجاستِ غلیظہ کا حکم نجاستِ غلیظہ کے حکم کی دو صورتیں ہیں (۱) پہلی صورت[7] یہ ہے کہ اگر نجاستِ غلیظہ کوئی پتلی چیز مثلاً خون، پیشاب یا شراب وغیرہ

---

[1] مراقی الفلاح صہ۸۲ [2] خانیہ ج ۱ صہ۱ [3] رد المحتار صہ۲۲۳ [4] ومن النجاسات الغلیظة کالغائط والبول والمنی والمذی والودی والقیح والصدید والقیٔ اذا ملأ الفم (رد المختار) [5] ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام ابو محمدؒ حلال جانوروں کے پاخانوں کو نجاستِ خفیفہ کہتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے ان کا حکم نجاست غلیظہ کی دوسری قسموں کے مقابلے میں ہلکا ہو جاتا ہے۔ [6] مراقی الفلاح صہ۸۷

[7] ایضاً صہ۸۹ وشرح النقایہ صہ۴۶ ج ۱۔

ہے تو وہ بدن، کپڑے، تخت، چارپائی پر لگ جائے تو اس کو ہر حال میں دھونا چاہیئے۔ پانی یا کسی پاک سیّال چیز سے دھوئے بغیر وہ پاک نہیں ہوسکتی۔ ایسی نجاست اگر ہتھیلی کی گولائی کے برابر یا اس سے کم آپ کے بدن یا کپڑے پر لگ جائے اور آپ اس کو دھوئے بغیر نماز پڑھ لیں تو آپ کی نماز ہوجائے[1] گی۔ مگر قصداً بار بار ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر اس سے زائد ہو تو بغیر دھوئے نماز نہیں ہوگی۔ اور اگر پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنی واجب ہوگی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ نجاستِ غلیظہ کوئی گاڑھی چیز ہو، مثلاً پاخانہ، گوبر وغیرہ۔ اور آپ کے کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو اگر یہ وزن میں چوّنی بھر یا اس سے کم ہو اور اس کو دھوئے بغیر نماز پڑھ لی گئی، تو نماز ہو جائے گی، مگر قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اگر وہ اس سے زیادہ ہے تو پھر اس کا دھونا ضروری ہے۔ اگر اس حالت میں نماز پڑھ لی گئی تو نماز نہیں ہوگی۔[2] نجاستِ غلیظہ کے سلسلے میں بعض اور باتیں ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔

(۱) نجاستِ غلیظہ بعض صورتوں میں کھُرچ دینے سے بھی پاک ہوجاتی ہے۔ مثلاً جوتے میں[3] کوئی گاڑھی نجاست مثلاً پاخانہ، گوبر وغیرہ لگ جائے اور آپ اسے رگڑ کر صاف کر دیں یا وہ خشک ہو جائے اور آپ اسے کھرچ دیں تو آپ کے جوتے پاک ہوجائیں گے، لیکن اگر سیّال نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ لگ جائے تو دھونا ضروری ہے بغیر دھوئے پاک نہیں ہوں گے۔

(۲) یہ حکم کپڑے، بدن یا دوسری چیزوں کا نہیں ہے، ان کو بہر صورت دھونا ضروری ہے خواہ نجاست گاڑھی ہو یا پتلی (۳) نجاست کو دھونے میں یہ خیال رہے کہ جس جگہ نجاست لگی ہو اس کو خوب مَل مَل کر یا رگڑ کر دھویا جائے تاکہ داغ دھبّہ جاتا رہے۔ اگر مَلنے اور رگڑنے کے بعد بھی دھبّہ رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے (۴) بہتر ہے کہ نجاست کی جگہ کو تین بار دھویا جائے، اور اگر کپڑا ہو تو تین دفعہ نچوڑ کر دھویا جائے، اگر تین دفعہ پانی بہانے سے صاف ہو جائے تو اتنا کافی ہے۔ اگر دو ہی دفعہ دھونے اور نچوڑنے کے بعد اطمینان ہوجائے کہ نجاست صاف ہوگئی تو تین دفعہ

---

[1] بعض فقہا اس صورت میں بھی کراہت کے قائل ہیں۔ [2] علیٰ قدر الدرہم وزناً فی المتجسدۃ ومساحۃً فی المائیۃ وقدر مقعر الکف داخل مفاصل الاصابع، مراقی ص۸۹، [3] ویطہر الخف ونحوہ ای کالنعل بالدلک من النجاسۃ لہا جرم ولو کانت رطبۃ (نور الایضاح ص۳۲)

دھونا ضروری نہیں ہے مگر بہتر ہے۔ (۵) اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ خواہ مخواہ شک کی وجہ سے چار چھ مرتبہ دھوتے نہیں چلا جانا چاہیے۔ خدا کے یہاں پانی کا بھی حساب دینا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم بہتے ہوئے دریا پر بھی ہو تو پانی کے استعمال کرنے میں احتیاط کرو۔ (۶) اگر نجاستِ غلیظہ کھانے یا تھوڑے پانی یعنی گھڑے وغیرہ میں ذراسی بھی پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔[1]

نجاستِ خفیفہ

یعنی وہ نجاستیں جن کا حکم ذرا ہلکا اور نرم ہے، یعنی کسی دلیل سے اس کا ناپاک ہونا معلوم ہوتا ہے اور کسی دلیل سے پاک ہونا،[2] ایسی نجاستوں کے ذرا سا لگ جانے سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ مثلاً (۱) حلال جانوروں گائے، بیل، بھینس، بکری وغیرہ کا پیشاب[3] (۲) تمام حرام پرندوں مثلاً کوا، چیل، طوطا وغیرہ کی بیٹ۔ (۳) حلال پرندوں میں مرغی اور بط کے علاوہ کبوتر، فاختہ، ہارل، بگلا وغیرہ کی بیٹ پاک ہے۔ (۴) چمگاڈر گو حرام پرندہ ہے مگر اس کی بیٹ اور پیشاب بھی پاک ہے۔ یعنی یہ چیزیں اگر تھوڑی سی کپڑے یا بدن میں لگ جائیں تو ان کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

نجاستِ خفیفہ کا حکم

(۱) اگر نجاستِ خفیفہ کپڑے، بدن یا کسی اور چیز کے چوتھائی حصہ سے کم پر لگی ہو تو معاف ہے، اگر اس سے زیادہ لگی ہو تو دھونا ضروری ہے۔ لیکن یہ حکم بدن یا کپڑے وغیرہ کا ہے (۲) اگر نجاستِ خفیفہ کا کوئی حصہ کھانے یا تھوڑے پانی میں پڑ جائے تو وہ بہرصورت ناپاک ہو جائے گا۔ (۳) معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی نجاست جس کا ذکر اوپر آیا ہے، آپ کے بدن یا کپڑے یا تخت پر لگی ہو اور آپ نماز پڑھ لیں تو آپ کی نماز

---

[1] شرح النقایہ [2] جیسے حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ استنزھوا بالبول پیشاب سے بچو۔ دوسری حدیث میں ہے آپؐ نے بیماری میں اونٹ کے پیشاب پینے کی اجازت دی ہے اسی تعارض کی وجہ سے اس کا حکم ذرا ہلکا ہے۔

[3] اما النجاسۃ الخفیفۃ کبول مایوکل لحمہ وخرء الطیر مالایوکل لحمہ۔ (کنزالدقائق ص ۲۴)

ہو جائے گی۔ مگر مکروہ[1] ہو گی۔ اس لیے حتی الامکان اس سے بچنا چاہتا ہے نجاستِ غلیظہ اور خفیفہ کے سلسلے میں چند باتیں اور یاد رکھنی چاہیئے۔

(۱) وہ کپڑے جن میں جوڑ ہوتے ہیں، ان میں ہر جوڑ ایک الگ حصّہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً کرتے کی آستین، کلی، دامن، پائجامے کی دونوں مہریاں الگ الگ حصّے ہیں۔ اسی طرح بدن کا ہر عضو ایک الگ حصّہ ہے۔ اس لیے ان میں سے کسی ایک حصّے یا عضو کے چوتھائی میں نجاستِ خفیفہ لگ جائے تو وہ معاف ہے۔ لیکن اگر پورے کپڑے کے چوتھائی حصّے میں لگے تو وہ معاف نہیں ہے[2]۔

(۲) غلّہ کی مالش کے وقت بیل وغیرہ جو اس پر پیشاب کر دیتے ہیں اس سے غلّہ ناپاک نہیں ہوتا۔ مالش کے بعد کریں تو ناپاک ہو جاتا ہے[3]۔

(۳) پانی کی طرح جو چیز پتلی ہو، مثلاً عرق وغیرہ، اگر پانی موجود نہ ہو تو اس سے بھی بدن یا کپڑے کی ناپاکی دھوئی جا سکتی ہے لیکن اس سے وضو اور غسل نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) جو زمین گوبر سے لیپی گئی ہو وہ ناپاک ہے۔ اس پر کچھ بچھائے بغیر بیٹھنا، نماز پڑھنا درست نہیں ہے[4]۔ نجاست اور کیچڑ کے لگے ہونے کی صورت میں نماز وغیرہ کے ہو جانے کی جو سہولت دی گئی ہے اس کی افادیت اور اہمیت کا پورا اندازہ کھیتی باڑی کرنے والے لوگ، گھر کا کام کرنے والی عورتیں اور بارش کے زمانے میں کیچڑ وغیرہ میں چلنے والے اشخاص کر سکتے ہیں۔

---

[1] ومرادہ من العفو صحۃ الصلوٰۃ بدون ازالتہ لاعدم الکراھۃ بحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۸۔ [2] بحر الرائق اور شرح النقایہ ج ۱ ص ۴۴۔ یہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہے۔

[3] الحنطۃ تداس بالحمر فتبول و تروث و یصیب بعض الحنطۃ و یختلط ما اصیب منھا بغیرھا قالوا لو عزل بعضھا و غسل ثم خلط الکل ابیح تناولھا۔

(فتاویٰ عالمگیری)

[4] ولو افترش نعلیہ وقام علیھما جازت الصلوٰۃ بمنزلۃ ما لو بسط الثوب الطاھر علی الارض النجسۃ وصلی علیہ جاز۔

(بحر الرائق)

(۵) اگر کوئی کپڑا دو تہہ کا ہے اور ایک تہہ میں نجاست لگ گئی تو اگر یہ کپڑا سِلا ہوا ہے تو اس پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اگر سِلا ہوا نہیں ہے تو جو حصہ پاک ہے اُس پر نماز پڑھ سکتے ہیں[۱]۔

(۶) اگر لکڑی کا تختہ ایک طرف سے نجس ہے اور دوسری طرف سے پاک ہے تو اگر وہ تختہ اتنا موٹا ہے کہ اسے بیچ سے چیرا جا سکتا ہے تو اس کو پلٹ کر دوسری طرف نماز پڑھنا درست ہے اور اگر اتنا موٹا نہ ہو تو درست نہیں[۲]۔

(۷) اگر زمین پر کوئی نجاست لگ گئی ہو اور خشک ہو کر اس کا نشان مٹ گیا ہو تو اس پر نماز پڑھی جا سکتی ہے مگر تیمم نہیں کیا جا سکتا[۳]۔

(۸) اگر ایسی چیزوں پر نجاست لگ جائے جن کو نچوڑا نہیں جا سکتا۔ مثلاً تخت، چارپائی، چبوترہ، زمین وغیرہ تو اس کو محض دُھل دینا یا اس پر تین مرتبہ پانی بہانا کافی ہے[۴]۔ مگر ایک بار بہانے کے بعد اتنی دیر ٹھہر جائے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔

---

[۱] ولو صلی علی ما له بطانة متنجسة وهو قائم علی ما یلی موضع النجاسة من الطاهرة وعن محمد رحمه الله لا یجوز وقیل جواب محمد رحمه الله فی غیر المضرب فیکون حکمه حکم ثوبین وجواب ابی یوسف رحمه الله فی المضرب فحکمه حکم ثوب واحد فلا خلاف بینهما۔

(بحر الرائق ج ا ص ۲۶۸)

[۲] واما اذا اصابت النجاسة خشبة فاقبلها إن کان ضخم الخشبة یقبل القطع فان صلی علی الطرف الآخر وهو طاهر جازت صلوته۔

(بحر الرائق ج ا ص ۲۶۸)

[۳] وتطهر الارض المتنجسة بالجفاف اذا ذهب اثر النجاسة فتجوز الصلوة علیها ولا یجوز التیمم منها۔

(بحر الرائق ج ا ص ۲۴۸)

[۴] ای مالا ینعصر فطهارته غسله ثلاثا وتجفیفه (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(۹) مچھلی، مکھی، مچھر اور کھٹمل کا خون نجس نہیں ہے۔[1]

(۱۰) گوبر، لید اور مینگنی گو ناپاک چیزیں ہیں لیکن اگر وہ آگ میں جل جائیں تو ان کی راکھ ناپاک نہیں ہوتی۔[2]

(۱۱) اگر تیل یا گھی میں ناپاکی پڑ جائے تو اس میں پانی ڈال کر ہلائیے۔ جب یہ تیل اور گھی پانی کے اوپر آجائے تو اسے اوپر سے پسایا جائے، اسی طرح تین بار کرنے سے وہ پاک ہو جائے گا۔

(مراقی الفلاح)

(۱۲) پیشاب کی ایسی باریک چھینٹیں جو غور کرنے کے بعد بھی دکھائی نہ دیں یا بارش کے زمانہ میں جو چھینٹیں پڑ جائیں تو ان سے کپڑا گندہ نہیں ہوتا، خواہ مخواہ شک کی بنا پر کپڑے کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شرح النقایہ)

(۱۳) روئی کا گدا، توشک یا لحاف پر اگر بچے کا پیشاب، پاخانہ یا کوئی اور گندگی لگ جائے تو اس کو پانی سے دھونا چاہیئے، لیکن اگر نچوڑنے میں دقت ہو، تو تین دفعہ خوب اچھی طرح پانی بہا دینا چاہیئے، روئی وغیرہ نکال کر دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۴) کتے کا لعاب ناپاک ہے۔[3] اگر وہ کسی خشک چیز آٹے وغیرہ میں منہ ڈال دے، تو جہاں تک اُس نے منہ ڈالا ہے، اُتنا حصہ پھینک دیجئے، باقی آٹا استعمال کرنا جائز ہے۔ لیکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) في كل مرة لان للتجفيف اثرا في استخراج النجاسة وهو أن يترك حتى ينقطع التقاطر ولا يشترط فيه اليبس۔ (بحر الرائق ج ا ص ۲۳۸)

[1] ودم السمك ليس بنجس وكذا دم القمل والذباب والبرغوث۔

(شرح وقایہ ج ا ص ۱۱۶)

[2] لا يكون نجسا رماد قذر۔ (در مختار ج ا ص ۳۰۱)

[3] واتفقوا على أن سور الكلب نجس لما انه مختلط بلعابه ولعابه متولد من لحمه وهو نجس وقال صاحب السراج أن جلد الكلب نجس وشعره طاهر وهو المختار۔ (بحر الرائق ص ۱۰۲-۱۰۳ ج ۱)

کتے کا بدن پاک ہے اگر وہ کپڑے یا بدن سے چھو جائے، تو اس سے کپڑا یا بدن نجس نہیں ہوتا، لیکن اگر اس کا بدن گیلا ہے، تو کپڑا دھوڈالنا چاہیئے۔ اگر کتا کسی سیال چیز میں منھ ڈال دے تو وہ ناپاک ہو جائے گی، اسی طرح اگر برتن میں منھ ڈال دے، تو اس کو سات بار دھونا چاہیئے اور اسی سات بار میں ایک بار مٹی سے مَلنا چاہیئے[۱] جیسا کہ بعض حدیث نبوی میں ہے۔

(۱۵) آئینہ اور چھری، چاقو، چاندی سونے کے زیور پھول تانبے لوہے، گلٹ، شیشے وغیرہ کی چیزیں اگر نجس ہو جائیں تو خوب پونچھ ڈالنے اور رگڑ دینے یا مٹی سے مانجھ دینے سے پاک ہو جاتی ہیں لیکن اگر نقشی چیزیں ہوں تو دھونا ضروری ہے[۲]

(۱۶) اگر کورا برتن نجس ہو جائے اور وہ برتن نجاست کو چوس لے تو وہ فقط دھونے سے پاک نہ ہوگا بلکہ اس میں پانی بھر دیا جائے۔ جب نجاست کا اثر پانی میں آجائے تو گرا کر پھر پانی بھر دیا جائے۔ اسی طرح برابر کرتے رہنا چاہیئے یہاں تک کہ نجاست کا نام ونشان بالکل جاتا رہے نہ رنگ باقی رہے اور نہ بدبو، تب پاک ہوگا[۳]

(۱۷) اگر نجس مٹی سے کمہار برتن بنائے تو جب تک وہ کچے ہیں، ناپاک ہیں اور جب پکالئے گئے تو پاک ہو گئے[۴] اسی طرح اگر چولھا یا تنور نجس ہو جائے تو آگ جلنے سے پاک ہو جائے گا۔

---

[۱] یہی مسلک ائمۂ ثلثہ کا ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے عمومی حکم کی بنا پر تین بار دھونے کو کافی سمجھتے ہیں۔ (ترمذی شریف) سات بار دھونے کو وہ استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

[۲] یطہر کل جسم صیقل لا مسام لہ بالمسح حدید او غیرہ فخرج الحدید اذا کان منقوشا فانہ لا یطہر الا بالغسل۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۵)

[۳] وان کان ذالک الشیئ الذی اصابہ النجاسۃ صلبا کالحجر والاجر والخشب والاوانی فانہ یغسل مقدار ما یقع فی اکبر رأیہ انہ قد طہر۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۲۳۷)

[۴] والطین النجس اذا جعل منہ الکوز والقدر او غیرھما فطبخ یکون ذالک المعمول طاہر الاضمحلال النجاسۃ بالنار وزوالھا وھذا اذا لم یکن اثر النجاسۃ ظاہرا فیہ بعد الطبخ (کبیری ص ۱۸۶)

حیض ونفاس کا بیان

پچھلی امتوں میں جب عورتوں کو حیض آتا تھا تو اس کے احکام بڑے سخت تھے یعنی مرد کا اس کے ساتھ صحبت کرنا تو کجا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، لیٹنا، کھانا پینا وغیرہ سب حرام تھا۔ لیکن امت محمدیہ کو اتنی سہولت دی گئی ہے کہ ان کے لئے صحبت کے علاوہ (جس میں عورت کے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا جسم مرد کے کسی عضو سے مس نہ ہو) سب باتیں درست ہیں۔

حیض عورتوں کو ہر مہینے جو خون آتا ہے، اس کو حیض کہتے ہیں[1]، قرآن و حدیث میں اس خون کو ناپاک کہا گیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي المحيض۔ وہ ناپاکی ہے، تو حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو۔ حدیث میں بھی اس کی ناپاکی کا حکم آیا ہے، اگر وہ کپڑے پر لگ جائے تو اس کو دھونا چاہیئے۔

حیض کی مدت (۱) حیض کی مدت کم سے کم تین دن تین رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن دس رات ہے۔ اگر کسی عورت کو تین دن تین رات سے کم یا دس دن دس رات سے زیادہ خون آیا، تو وہ خون حیض کا خون نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ اُس کو استحاضہ یعنی حیض کی طرح کا خون کہیں گے[2]۔

(۲) حیض کی مدت میں سُرخ، زرد، سبز یا مٹیالا جس رنگ کا بھی خون آئے، وہ سب حیض کا خون سمجھا جائے گا[3]۔

---

[1] هو الدم الخارج من رحم امرأة سليمة من الداء ولا يزيد على العشر ولا ينقص عن الثلاث (البحر الرائق)

[2] واقل الحيض ثلاثة ايام ولياليها وما نقص عن ذالك فليس بحيض وهو استحاضة لقوله عليه الصلوة والسلام اقل الحيض ثلاثة ايام واكثره عشرة ايام (الجوہرۃ النیرۃ ج ا ص ۳۹)

[3] اعلم ان الوان الدماء ستة السواد والحمرة (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(۳) عموماً نو برس سے پہلے حیض نہیں آیا کرتا، اگر نو برس سے پہلے خون آجائے تو اسے استحاضہ سمجھا جائے گا۔[1]

(۴) اگر کسی عورت کو عموماً ہر مہینے میں تین ہی دن خون آتا ہے، تو اس کے حیض کی مدت اس کی یہی عادت یعنی تین دن تین رات سمجھی جائے گی۔ اب کسی مہینے میں اس کو سات دن خون آئے تو یہ بھی حیض ہی کا خون سمجھا جائے گا، کیونکہ حیض کی آخری مدت دس دن ہے۔ لیکن اگر اس کے بعد والے مہینے میں اس کو دس دن سے زیادہ خون آیا، مثلاً بارہ دن یا پندرہ دن، تو اس سے پہلے مہینے میں جتنے دن اس کو خون آچکا تھا، اتنے دن تو حیض کے شمار ہوں گے اور بقیہ دن کا خون استحاضہ سمجھا جائے گا۔

(۵) اسی طرح اگر کسی عورت کی عادت تین دن حیض آنے کی ہے، لیکن ایک مہینے میں اس کو چار دن خون آیا، اور پھر اس کے بعد والے مہینے میں پندرہ دن خون آیا، تو چونکہ اس سے پہلے والے مہینے میں اس کو چار دن خون آچکا ہے، اس لئے اب اس کی عادت چار دن ہی سمجھی جائے گی، بقیہ دنوں کی نماز اس کو قضا کرنی ہوگی، لیکن یہ قضا دس دن انتظار کرنے کے بعد ہی کی جائے گی، کیونکہ دس دن تک دوبارہ عادت بدل جانے کا گمان ہو سکتا ہے، لیکن جب دس دن سے زیادہ آیا، تو صاف معلوم ہوگیا کہ چار دن سے جتنا زیادہ خون آیا ہے وہ سب استحاضہ کا خون ہے۔ اگر اس مہینے میں اس کو آٹھ دن یا نو دن یا دس دن خون آیا، تو اب پھر پچھلے مہینے کی عادت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اب اس کی عادت یہی سمجھی جائے گی، البتہ اگر دس دن سے زیادہ خون آیا تو پھر وہی چار دن اس کی عادت سمجھی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دس دن کے بعد کا خون تو بے شبہ استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا، مگر دس دن کے اندر خون میں عادت کے بدلنے کا ہمیشہ امکان ہے یعنی اگر ہمیشہ چار دن آتا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) والصفوة والكدرة والخضرة والتربية وكل هذه الوان حيض في ايام الحيض (البحر الرائق ص ۱۹۲ ج ۱)

[1] وما تراه صغيرة قبل ان تبلغ تسع سنين فانه ليس بمعتبر في الشرع۔ (البحر الرائق)

اور محرم کے مہینے میں پانچ دن آیا، اور پھر صفر میں ۱۲ دن تو وہی پانچ دن اب اس کی عادت سمجھی جائے گی، لیکن صفر میں ۹ دن یا دس دن آیا، تو یہ سمجھنا چاہئے کہ پھر اس کی عادت بدل گئی، یعنی ۹ دن یا دس دن ہوگئی۔

نفاس

وہ خون جو عورتوں کو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔

نفاس کی مدت

نفاس کا خون زیادہ سے زیادہ چالیس دن آتا ہے، کم کی کوئی مدت نہیں ہے۔ اگر ۴۰ دن سے پہلے خون بند ہو جائے تو اس کو نہا ڈالنا چاہئے[1] اور اب وہ اپنے آپ کو پاک سمجھے اور نماز شروع کر دے۔ اسی طرح اگر چالیس دن سے زیادہ خون آئے، تو ۴۰ دن کے بعد اس کو نہا ڈالنا چاہئے، ۴۰ دن کے بعد جو خون آیا وہ استحاضہ کا خون ہے۔

حیض و نفاس کا حکم

(۱) حیض و نفاس کے فوراً بعد نہا کر نماز شروع کر دینی چاہئے۔ خون بند ہونے کے بعد جتنی نمازیں وہ چھوڑے گی، ان کا گناہ بھی ہوگا اور سب کی قضا کرنی بھی اسے واجب ہوگی۔ (۲) حیض و نفاس کی حالت میں نماز، روزہ اور قرآن کی تلاوت وغیرہ کرنا منع ہے، البتہ نماز اور روزہ میں اتنا فرق ہے کہ حیض کی حالت میں جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں، ان کی قضا نہیں ہے، وہ معاف ہوگئیں، مگر پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا ضروری ہے[2] (۳) اس حالت میں ذکر اور دُعا کی جا سکتی ہے۔ (۴) درود شریف بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ (۵) قرآن میں جو دعائیں آئی ہیں دُعا کے ارادے سے ان کو بھی وہ پڑھ سکتی ہے۔ (۶) مرد عورت ساتھ بیٹھ سکتے اور کھا پی سکتے ہیں بات چیت کر سکتے ہیں مگر خواہشِ نفسانی پوری نہیں کر سکتے یہ شریعت میں بھی حرام ہے اور طبی حیثیت سے بھی ایسا کرنا مضر ہے[3]

استحاضہ کا حکم

(۱) اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حیض و نفاس کی مدت سے کم یا زیادہ جو خون آئے، اس کو استحاضہ کہتے ہیں، یہ خون ویسا ہی ہے جیسے ناک یا منہ

---

[1] والنفاس دم یعقب الولد ولاحد لاقلہ واکثرہ اربعون یوما۔ (شرح وقایہ ص ۱۳۶)

[2] تمنع صلوٰۃ وصوما فتقضیہ دونہا ای فتقضی الصوم ولا تقضی الصلوٰۃ فی الکتب الستۃ ۔ (البحر الرائق ص ۱۹۷)

[3] وقربان ماتحت الازار

یا دانت سے خون نکلتا ہے۔ یہ عموماً مرض کی وجہ سے آتا ہے۔ (۲) استحاضہ کی حالت میں تلاوتِ قرآن اور نمازیں نہ چھوڑنی چاہئیں[1]۔ البتہ ہر نماز کے وقت نیا وضو کر لینا چاہیے، ایک وضو سے کئی وقت کی ادا نمازیں نہیں پڑھی جا سکتیں، البتہ کئی وقت کی قضا نمازیں ایک وقت میں ایک ہی وضو سے پڑھی جا سکتی ہیں (۳) اگر کسی کو حمل کے زمانہ میں خون آجائے، تو وہ خون بھی استحاضہ میں شمار کیا جائے گا، اس کو نماز وغیرہ نہ چھوڑنا چاہیئے۔

پاکی کی مدت

(۱) دو حیض کے درمیان پاک رہنے کی مدت کم سے کم پندرہ دن ہے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اگر کسی عورت کو تین دن سے کم یعنی ایک یا دو دن خون آئے، پھر ایک یا دو دن پاک رہی، پھر خون آگیا تو یہ سب استحاضہ میں سمجھا جائے گا۔ (۲) اسی طرح اگر ایک یا دو دن خون آیا، پھر پندرہ دن سے کم یعنی دس بارہ دن رُکا رہا، پھر خون آگیا، تو اس کی جتنی عادت ہوگی، اتنے دن حیض کے شمار ہوں گے اور بقیہ دن استحاضہ کے۔ (۳) اگر کسی عورت کو مسلسل پندرہ دن تک خون آتا رہے تو اس میں دس دن تو حیض کے ہیں اور بقیہ دنوں میں غسل اور وضو کر کے نماز پڑھنی چاہیئے۔

ہدایت

عورتوں کو سیلانِ رحم کی وجہ سے جو رطوبت خارج ہوتی ہے، اس سے غسل فروری نہیں ہوتا، لیکن ایسی عورت کے لئے ضروری ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھے، اور وضو سے پہلے شرم گاہ کو دھو ڈالے۔

حیض و نفاس اور استحاضہ کے چند ضروری مسائل

(۱) اگر کسی عورت کو ۱/۲ ۲ دن خون آکر بند ہو گیا ہے، تو بغیر نہائے ہوئے بھی وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے۔ نہانے کے خیال سے نماز چھوڑنا سخت گناہ ہے، البتہ مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیئے (۲) اگر ایسے وقت خون بند ہوا کہ نماز کا بالکل آخری وقت ہے، تو اسی وقت نہا کر نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ اگر اس نے سستی میں نماز قضا کر دی تو گناہ گار بھی ہوگی۔ اور قضا بھی کرنی ہوگی۔ اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد کسی کو

---

[1] لا تمنع ای الا ستحاضۃ صلوۃ وصوما۔ (شرح وقایہ ص۱۱۳ ج ۱)

بالکل خون نہ آوے تب بھی جننے کے بعد نہانا واجب ہے۔

کن چیزوں سے طہارت حاصل کی جائے

اب تک نجاست کے اقسام اور اس کے ازالہ کی صورتیں بیان کی گئی ہیں اس لئے اب ان چیزوں کی تفصیل کی جائے گی، جن سے نجاست دور کی جاسکتی ہے۔
قرآن وحدیث میں دو چیزوں سے پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے، ایک پانی دوسرے مٹی سے۔ قرآن پاک میں ہے:۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ۔ (انفال) — وہ تمہارے اوپر بادل کے ذریعہ پانی برساتا ہے تاکہ وہ تم کو پاک کرے۔

اسی طرح مٹی کے بارے میں ہے:۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ (نساء) — اگر پانی نہ مل سکے تو مٹی سے تیمم کرلو۔

حدیث شریف میں ہے:۔

اَلْمَآءُ طَهُوْرٌ۔ — پانی پاک کردیتا ہے۔

مٹی کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ "زمین میرے لئے پاک کردی گئی ہے۔"
پہلے پانی سے پاکی حاصل کرنے کا بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد مٹی سے پاکی حاصل کرنے کا بیان کیا جائے گا۔

پانی کا بیان

پانی خواہ دریا کا ہو، سمندر کا ہو، بارش کا ہو یا چشمہ اور کنویں کا ہو، اس سے جب چاہے آدمی نجاست دور کرسکتا ہے اور وضو اور غسل اور استنجاء کرسکتا ہے[1] لیکن پانی کے بیان سے

[1] یرفع الحدث مطلقاً بماءٍ مطلق هو ما یتبادر عند الاطلاق (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پہلے چند اصطلاحوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ جب ان کا نام لیا جائے فوراً آپ کی سمجھ میں آجائے۔

حرام جب کسی چیز کو حرام کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن و حدیث میں اس سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اگر کوئی مسلمان کسی حرام چیز کو حرام نہ سمجھے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر وہ حرام تو سمجھتا ہے مگر اس سے بچتا نہیں تو وہ فاسق کہا جائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ مثلاً شراب پینا، جوا کھیلنا، سود لینا، جھوٹ بولنا، نماز یا روزہ ترک کرنا، زکوٰۃ نہ دینا وغیرہ۔

مکروہ جس چیز کی حرمت غیر متواتر یا غیر مشہور حدیث سے ثابت ہو، اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک مکروہ تحریمی دوسرے مکروہ تنزیہی۔

مکروہِ تحریمی[1] مکروہ تحریمی حرام سے قریب تر ہے۔ اس لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔

مکروہ تنزیہی[2] حرام دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی دلیلِ ظنی سے۔ اس کا کرنے والا بھی گناہگار ہوتا ہے۔ مکروہ تنزیہی کی تعریف حاشیہ میں ہے۔

پانی کی قسمیں پانی کی دو قسمیں ہیں ایک مطلق دوسری مقید۔ مطلق پانی سے وہ پانی مراد ہے جسے عام بول چال میں پانی کہتے ہیں اور مقید پانی سے مراد وہ پانی ہے جو دیکھنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کماء سماء و وادیۃ وعیون و آبار و بحار و ثلج۔ (شرح التنویر)

[1] رد المحتار ج ۱ ص۸۹، جہاں فقہاء مطلق مکروہ لکھتے ہیں وہاں عموماً مکروہ تحریمی ہی مراد ہوتا ہے۔

فان کان نہیا ظنیاً یحکم بکراھیۃ التحریم — اگر نہی ظنی ہو تو مکروہِ تحریمی کا حکم لگایا جائے گا اور

فان لم یکن الدلیل نہیاً بل کان مفیداً — اگر نہی کی دلیل موجود نہ ہو بلکہ وہ غیر یقینی ترک کے

للترک الغیر الجازم فھی تنزیہ۔ — لئے مفید ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

[2] اسؔ کی تعریف فقہاء نے یوں کی ہے۔

"وھو ما کان ترکہ اولیٰ من فعلہ ویرادف خلاف الاولیٰ۔

(رد المحتار ص۸۹ طحطاوی ص۲۴)

"اور وہ جس کا چھوڑنا کرنے سے بہتر ہو یہ خلافِ اولیٰ کے مرادف ہے۔"

میں پانی ہی کی طرح معلوم ہوتا ہو مگر عام بول چال میں اسے پانی نہ کہتے ہوں، مثلاً عرق گلاب، عرق کیوڑہ، سوڈا واٹر، شربت وغیرہ۔

مطلق پانی کی قسمیں

مطلق پانی کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) **نجس**:۔ وہ پانی جس سے طہارت حاصل نہ کی جاسکے۔

(۲) **طاہر**:۔ وہ پانی جو پاک ہو اور اس سے طہارت حاصل کی جاسکے۔

(۳) **طاہر غیر مطہر**:۔ وہ پانی جو پاک تو ہے مگر اس سے طہارت حاصل نہ کی جاسکے۔ جیسے وضو اور غسل کے لئے استعمال کیا ہوا پانی۔

(۴) **طاہر مطہر مکروہ**:۔ یعنی وہ پانی جس کا استعمال طاہر مطہر پانی کے ہوتے ہوئے مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسے دھوپ میں رکھا ہوا پانی یا وہ تھوڑا پانی جس میں آدمی کا تھوک پڑ گیا ہو یا غیر محرم مرد کا جھوٹا عورت کے لئے یا غیر محرم عورت کا جھوٹا غیر محرم مرد کے لئے یا وہ پانی جس میں کسی ناسمجھ بچے نے ہاتھ ڈال دیا ہو۔

(۵) **مشکوک**:۔ وہ پانی جس کے پاک اور ناپاک ہونے میں شک ہو، مثلاً گدھے خچر کا جھوٹا پانی۔

بہتا ہوا اور بہت زیادہ پانی

دریا، سمندر یا چشمے وغیرہ کا پانی ہمیشہ بہتا رہتا ہے، اس لئے اس میں اگر کوئی گندگی وغیرہ پڑ جاتی ہے تو وہ اتنا گندہ نہیں ہوتا کہ اس سے پاکی نہ حاصل کی جاسکے۔ اسی طرح بہت بڑے بڑے تالاب کا پانی اگرچہ بہتا نہیں مگر ان میں اگر گندگی پڑ جائے تو وہ گندے نہیں ہوتے، البتہ اگر ان میں اتنی گندگی پڑ جائے کہ ان کا رنگ، مزہ یا بو بدل جائے، تو ان کا وہی حکم ہوگا جو چھوٹے تالاب وغیرہ کا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے پانی کو ہر حالت میں پاک ہی سمجھنا چاہیئے۔ البتہ چھوٹے تالاب، پوکھرے، گڈھوں اور کنوئیں وغیرہ کا پانی عام طور پر پاک اور ناپاک ہوتا رہتا ہے اس لئے ان کا حکم لکھا جاتا ہے۔

ماءِ کثیر یعنی زیادہ پانی

ایک تالاب، پوکھرا یا گڈھا اتنا بڑا ہے کہ اس کے ایک کنارے پر اگر گندگی گر جائے تو دوسرے کنارے پر ظاہر نہ ہو، تو وہ

طاہر ہے ۔ طاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا رنگ، مزہ نہ بدلا ہو یا اسمیں بو نہ آگئی ہو تو اس پانی سے طہارت حاصل کی جا سکتی ہے ۔ ایسے پانی کو شریعت میں ماءِ کثیر کہا جاتا ہے [۱]

ماءِ قلیل یعنی تھوڑا پانی

اس کے برخلاف اگر اتنا تھوڑا پانی ہو کہ اگر اس کے ایک طرف نجاست گرے اور دوسری طرف اس کا رنگ، مزہ، بو محسوس ہو جائے، تو ایسے پانی میں جب گندگی گر جائے گی تو وہ تمام پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس کو ماءِ قلیل کہتے ہیں، مثلاً کنویں میں کوئی نجس چیز گر جائے گی تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کونڈے میں، ڈول میں، گھڑے میں، گنڈال میں پانی رکھا ہوا ہے اور اس میں نجاست گر گئی تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔

کنویں کے پانی کا بیان تو الگ ہوگا، البتہ کنویں کے علاوہ پانی خواہ کم ہو یا زیادہ اس کا کچھ حکم اوپر بیان ہوا ہے، کچھ باتیں مزید بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) اگر نجاست پڑ جانے کی وجہ سے پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے، یا اس میں بدبو آجائے تو پانی زیادہ ہو یا کم، ناپاک سمجھا جائے گا۔

(۲) اگر پانی کا مزہ، بو یا رنگ صرف رکھے رہنے کی وجہ سے بدل جائے یا پتیاں گر جانے کی وجہ سے پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے، تو پانی ناپاک نہیں ہوگا البتہ اگر وہ اتنا گاڑھا ہو جائے کہ اس میں پانی کی رقت یعنی پتلا پن باقی نہ رہے، تو اس سے پاکی حاصل نہیں کی جا سکتی ہے [۲]

(۳) کھیتوں کی سینچائی کے لئے جو پانی کنوؤں یا ٹیوب ویل کے ذریعہ نالیوں میں آتا ہے، اس کا حکم بھی زیادہ پانی کا ہے، اس میں اگر نجاست گر جائے تو جہاں نجاست ہو وہاں سے ہٹ کر وضو اور غسل کیا جا سکتا ہے۔ نجاست کے گرنے کی وجہ سے نالی کا پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر اتنی نجاست گر جائے کہ اس کا رنگ وغیرہ بدل جائے، تو ناجائز ہے، مگر ایسا کم ہوتا ہے۔

(۴) اگر پانی میں کوئی ایسی چیز مل جائے، جس کے ملنے سے اس کا پتلا پن تو باقی رہے، مگر

---

[۱] غنیۃ المصلی [۲] ان کان الذی یخالطہ لما یخالف لونہ لون الماء کاللبن وماء العصفر (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳)

بول چال میں اس کو پانی نہ کہتے ہوں، مثلاً گلاب، شربت، سوڈا واٹر یا کسی دوا وغیرہ کا عرق، تو ان چیزوں سے بھی وضو اور غسل نہیں کیا جا سکتا، البتہ نجاست حقیقیہ دھوئی جا سکتی ہے۔

(۵) اگر پانی میں کوئی پاک چیز پڑ جائے یا ڈال دی جائے اور اس کا رنگ، بو یا مزہ بدل جائے تو اس سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے، مثلاً پانی میں صابن یا زعفران یا کپڑا رنگنے کا رنگ مل جائے اور رنگ بہت شوخ نہ ہو جائے تو اس سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر رنگ بہت شوخ ہو گیا ہو یا یہ پانی رنگ دیا گیا ہو تو مکروہ ہے[1]۔ البتہ اگر کوئی سیّال[2] چیز مثلاً سرکہ، دودھ وغیرہ کی وجہ سے رنگ، بو اور مزہ بدل جائے، تو اس سے پاکی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کا رنگ اچھی طرح پانی میں آ گیا، تو وضو، غسل درست نہیں ہے۔ لیکن اگر ذرا سا مل جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

(۶) اگر کوئی پاک چیز پانی میں ڈال کر پکالی جائے، تو اگر ذرا سا رنگ مل گیا ہو، مثلاً مردے کو نہلانے کے لئے پانی میں بیر کی پتی ڈال دی جاتی ہے، تو اس صورت میں اس سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کو اتنا پکائیں کہ پانی گاڑھا ہو جائے یا اس کو بول چال میں پانی نہ کہیں تو اس سے بھی ناپاکی دور نہیں کی جا سکتی۔

(۷) پھل یا درخت کا نچوڑا ہوا پانی، عرق، تربوز کا پانی، گنے کا رس، ان سے بھی ناپاکی دور نہیں ہو سکتی[3]، یعنی وضو و غسل جائز نہیں مگر کپڑے پر پیشاب، پاخانہ یا کوئی گندگی چیز لگ جائے تو دھویا جا سکتا ہے[4]۔

یہی حکم پٹرول کا ہے یعنی اس سے وضو غسل جائز نہیں ہے مگر گندگی دور کی جا سکتی ہے۔

(۸) جس پانی کو ایک بار وضو یا غسل کرنے کے لئے استعمال کیا جا چکا ہے اس کو دوبارہ استعمال

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳ [2] نور الایضاح۔

[3] ولا بعصیر نبات ای معتصر من شجر او ثمر لانہ مقید (شرح التنویر ص ۱۸۹ ج ۱)

[4] و یجوز تطہیرھا بالماء و بکل مائع طاھر یمکن ازالتھا۔

(ھدایہ ج ۱ ص ۵۲)

کرنا درست نہیں ہے۔

(۹) حرام جانوروں کے جھوٹے پانی سے بھی پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

(۱۰) غیر مرد کا جھوٹا پانی عورت کے لئے اور غیر عورت کا جھوٹا پانی مرد کے لئے مکروہ ہے۔

(۱۱) اگر جنگل میدان میں تھوڑا پانی ملے تو جب تک اس کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو اسی وقت تک وضو اور غسل جائز ہے شبہ کی بنا پر تیمم نہ کرنا چاہیئے[۱]

جانوروں کے جھوٹے کا بیان

جن جانوروں کا جھوٹا پانی ناپاک یعنی مکروہ تحریمی ہے

کتے، سوّر اور تمام درندے جانور مثلاً شیر، بھیڑیا وغیرہ کا جھوٹا پانی ناپاک ہے[۲] لیکن یہ حکم برتن کے پانی، کنوؤں یا چھوٹے گڑھوں کا ہے۔ اگر دریا، ندی وغیرہ کا پانی پی لیں تو اس جگہ سے ہٹ کر پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح بلّی اگر فوراً چوہا کھاکر، یا آدمی شراب پی کر پانی پی لے، تو وہ پانی ناپاک ہوجائے گا۔[۳]

وہ جانور جن کا جھوٹا مکروہِ تنزیہی ہے

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے مگر وہ عام طور پر مکانوں میں رہتے ہیں، ان سے آدمی کا بچنا دشوار ہے، مثلاً بلّی جس نے فوراً چوہا نہ کھایا ہو، چوہا، چھپکلی، مرغیاں جو چھٹی د آزاد رہتی ہوں، ان سب کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے[۴] اگر بلّی نے دودھ، سالن وغیرہ میں منھ ڈال دیا تو اگر اللہ نے سب کچھ دیا ہے تو اس کا نہ کھانا بہتر ہے اور اگر غریب آدمی ہو تو اس کے کھانے میں کوئی ہرج اور کراہت نہیں ہے[۵] اسی طرح تمام حرام پرندوں کا جھوٹا، مثلاً کوا، چیل، شکرا،

---

[۱] ولو وجد ماءً قليلاً ولم يتيقن بوقوع النجاسة يتوضاء ويغتسل ولا يتيمم (منيه المصلى ص ۲۳)۔ [۲] شرح البدايه ج ۱ ص ۴۸۔ [۳] ہدایہ۔ [۴] مراقی الفلاح طحطاوی۔

[۵] سور هرة ودجاجة مخلاةٍ وسباعِ طير وسواكن بيوت مكروه تنزيها في الاصح ان وجد غيره والا لم يكره اصلا كاكله الفقير۔

(شرح التنویر ص ۲۳۱ ج ۱)

باز وغیرہ کا جھوٹا بھی مکروہِ تنزیہی ہے۔ اسی طرح وہ جانور جو حلال تو ہوں مگر اِدھر اُدھر آزاد پھرنے اور گندگی کھانے کے عادی ہوں، مثلاً گائے، بیل، بھینس، وہ مرغیاں جو آزاد پھرتی ہوں اگر یہ سب پانی میں منہ ڈال دیں تو اس میں کراہتِ تنزیہی آجائے گی۔ لیکن اگر ان کے منہ میں نجاست لگی ہوتی ہو تو پھر وہ پانی نجس ہو جائے گا۔ اسی طرح اجنبی عورت کا جھوٹا مرد کے لئے اور اجنبی مرد کا جھوٹا عورت کے لئے مکروہ ہے۔

وہ جاندار جن کا جھوٹا پاک ہے

آدمی مسلمان ہوں یا غیر مسلم اس کا جھوٹا پاک ہے، البتہ اگر اس نے کوئی ناپاک چیز کھا کر، مثلاً سور یا مردار کھا کر یا شراب پی کر پانی کو جھوٹا کر دیا ہو تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔

حلال جانوروں کا جھوٹا بھی پاک ہے، خواہ چرندے ہوں یا پرندے، اسی طرح دریائی جانوروں کا جھوٹا بھی پاک ہے، خواہ وہ حرام ہوں یا حلال، اسی طرح گھوڑے کا جھوٹا بھی پاک ہے۔

لیکن اگر یہی جانور جن کا جھوٹا پاک ہے، ان کے منہ میں کوئی گندگی، پیشاب، پاخانہ، لید، گوبر وغیرہ لگ جائے اور وہ اسی حالت میں پانی پی لیں، تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا، مگر اس بارے میں خواہ مخواہ شک نہیں کرنا چاہیئے۔ بعض عورتیں اس بارے میں بہت شک کرتی ہیں۔ یعنی جب یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ ان کے منہ یا پیر وغیرہ میں گندگی لگی تھی اور انھوں نے پانی میں منہ ڈال دیا ہے، تب وہ ناپاک مانا جائے گا ورنہ نہیں۔

جن جانوروں کے پانی میں گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا

(۱) وہ جانور جو پانی ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور پانی ہی میں رہتے ہیں، جیسے مچھلی، کچھوا، مینڈک، کیکڑا وغیرہ۔ ان کے پانی میں گر جانے یا مر جانے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (۲) مینڈک اور مینڈکیاں جو برسات کے موسم میں خشکی میں پیدا ہوتے ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے۔ اگر یہ جانور مر کر سڑ بھی جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ البتہ ایسے پانی کو پینا جائز نہیں ہے، مگر پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔ (۳) اسی طرح وہ جانور جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، مثلاً مکھی، مچھر، بھڑ، چیونٹی وغیرہ۔ ان کے پانی میں گر جانے

یا مرنے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (۴) اسی طرح مردار جانوروں یا ذبح کئے ہوئے جانوروں کی ہڈی، سینگ یا ان کا بال وغیرہ پانی میں پڑ جائے، تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، مگر سور کی ہر چیز ناپاک ہے۔

پانی کے ناپاک ہونے کی صورتیں

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اگر پانی زیادہ ہو، مگر رُکا ہوا ہو، یا بہتا ہوا ہو اور اس میں کوئی نجاست پڑ جائے، تو جب تک نجاست کی وجہ سے پانی کا رنگ، مزہ یا بو نہ بدلے اس وقت تک وہ پاک رہتا ہے، مگر تھوڑے پانی میں اگر نجاست خفیفہ یا غلیظہ گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا، تھوڑے پانی میں اگر ایسے جانور گر جائیں یا مر جائیں جن میں خون ہوتا ہے، مثلاً بلّی، چوہا، بکری، مُرغی، کوّا، گوریا، تو پانی ناپاک ہو جائے گا[۱] اس کا بیان آگے آرہا ہے

کم اور زیادہ پانی کی مقدار

کم اور زیادہ پانی کی مقدار اوپر آچکی ہے، لیکن آسانی کے لئے اس کا اندازہ بھی بتا دیا گیا ہے، یعنی اگر کوئی گڈھا یا کنواں یا حوض ساڑھے پانچ گز لمبا[۲] اور اتنا ہی چوڑا اور کم سے کم ایک ہاتھ گہرا ہو تو ماء کثیر یعنی زیادہ پانی سمجھا جائے گا اور[۳] اس سے کم ہو تو وہ ماء قلیل یعنی کم پانی سمجھا جائے گا۔

۱؎ و ینجس الماء القلیل بموت مائی معاش بری مولد فی الاصح کبط واوز۔
(شرح التنویر ص۱۹۱ ج ۱)

۲؎ عام طور پر مشہور ہے کہ پانی اگر دہ در دہ ہو تو وہ پاک نہیں ہوتا مگر مولانا عبد الشکور صاحب نے اس پر تنقید کر کے بتایا ہے کہ یہ فقہ حنفی کا کوئی مسلّمہ مسئلہ نہیں ہے گو کہ فتویٰ اسی پر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ اگر پانی دو قلہ ہو تو وہ ماء کثیر ہے، دو قلہ کی تعیین ان کے مسلک میں پانسو سیر (رطل) ہے۔ اس کا اندازہ یہ ہے کہ اگر سوا ہاتھ لمبے، سوا ہاتھ چوڑے اور سوا ہاتھ گہرے یا اس سے زیادہ کسی حوض یا برتن میں پانی ہو تو ماءِ کثیر ہے۔ اس پر ہندو پاک کے اہلِ حدیث حضرات کا عمل ہے۔

۳؎ اما بحوض الذی اذا کان عشراً فی عشر فهو کبیر لا یتنجس بوقوع النجاسة
(منیة المصلی ص۳۰)

کنویں کا پانی

اوپر نجاستوں اور حرام و حلال جانوروں اور ان کے جھوٹوں کا بیان ہوا ہے، اگر وہ نجاستیں یا یہ جانور کسی کنویں میں گر پڑیں یا گر کر مر جائیں تو ان کی تین صورتیں ہوتی ہیں :-

(۱) پہلی صورت یہ کہ پورا کنواں ناپاک ہو جائے اور اس کا سب پانی نکالنا ضروری ہو جائے۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ پورا کنواں ناپاک نہ ہو اور اس کا تھوڑا سا پانی نکالنا پڑے۔

(۳) تیسری صورت یہ کہ کنواں ناپاک ہی نہ ہو۔

پورا کنواں کب ناپاک ہوتا ہے

حسبِ ذیل صورتوں میں پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا :-

(۱) اگر کنویں میں نجاستِ خفیفہ یا غلیظہ میں سے کوئی نجاست گر جائے تو پورا کنواں ناپاک ہو جائیگا مثلاً حلال یا حرام جانوروں کا گوبر یا لید زیادہ مقدار میں گر جائے، یا آدمی کا پاخانہ، پیشاب، خون، پیپ، شراب، مرغی یا بط کی بیٹ وغیرہ گر جائے گی تو پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

(۲) اگر ایسا جانور گر جائے جس کا جھوٹا ناپاک ہے، مثلاً کتا، سور وغیرہ، تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ان کا جھوٹا گرے تو بھی پانی ناپاک ہو جائے گا۔

(۳) اگر کوئی ایسی چیز کنویں میں گر جائے جس پر نجاست لگی ہوئی ہو، مثلاً جوتا، چپل، گندہ کپڑا وغیرہ، تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن محض شک کی بنا پر پانی وغیرہ کو ناپاک نہیں سمجھ لینا چاہیے۔ بلکہ جب نجاست لگنے کا یقین ہو تو پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر جوتا، چپل میں نجاست لگی تھی مگر وہ زمین پر رگڑ جانے کی وجہ سے چھوٹ گئی اور وہ اتفاق سے کنویں میں گر گئی تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ یوں احتیاطاً دس بیس ڈول پانی نکال لیا جائے تو اچھا ہے۔

(۴) اگر آدمی، بیل، بھینس یا بکری کنویں میں گر جائے یا دو بلیاں یا متعدد چوہے ایک ساتھ کنویں میں گر کر مر جائیں تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن اگر یہ زندہ نکل آئیں تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ البتہ اگر یہ یقین ہو کہ ان کے جسم پر نجاست لگی تھی، تو پھر زندہ نکل آنے کی صورت میں

بھی پانی ناپاک ہو جائے گا۔[1]

(۵) اگر چھوٹے جانور یا پرندے مثلاً گوریا، کبوتر، مرغی، بلی، چوہا، نیولا، سانپ یا کوئی بہتے خون والا جانور پانی میں گر کر مر جائے اور مرنے کے بعد وہ پھول یا پھٹ جائے تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

پھولنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا جسم پانی میں گر جانے کی وجہ سے پھول گیا ہو اور پھٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے جسم کے بال و پر وغیرہ گر گئے ہوں۔

(۶) اگر کوئی زخمی جانور جس سے خون یا پیپ جاری ہو جیسے چوہا گر پڑے تو سارا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

(۷) جس کنویں کا پانی ناپاک ہو اگر اس کا پانی کسی دوسرے کنویں میں پڑ جائے، تو وہ بھی ناپاک ہو جائے گا۔

(۸) اگر چوہا بدان سے نکل کر بھاگا اور اس کے پورے جسم پر نجاست لگ گئی پھر کنویں میں گر پڑا تو پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا اور سارا پانی نکالنا پڑے گا چاہے چوہا کنوئیں میں مر جائے یا زندہ نکل جائے، اسی طرح اگر چوہے کی دم کٹ کر کنویں میں گر جائے تو بھی پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔[2]

(۹) مرا ہوا جانور کنویں میں گر جائے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو کنویں میں گر کر مر جانے والے جانور کا حکم ہے۔

کنواں پاک کرنے کا طریقہ

جب پورا کنواں ناپاک ہو جائے تو سب سے پہلے اگر ممکن ہو تو وہ ناپاکی یا ناپاک چیز نکال ڈالنی چاہیئے جس کی وجہ سے پانی ناپاک ہوا ہے، پھر کنویں کا تمام پانی نکال دیا جائے۔ تمام پانی نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا پانی نکال دیا جائے کہ اب ڈول ڈالی جائے تو وہ آدھی بھی نہ بھر سکے۔[3]

---

[1] اذا کان علی الحیوان خبث ای نجاسۃ وعلم بہا فانہ ینجس مطلقاً۔

[2] لو قطع ذنب الفارۃ۔ والقی فی البئر نزح جمیع الماء (رد المحتار ص۲۱۹ ج ۱)

[3] ہدایہ ج ۱ ص۴۲، در مختار ج ۱۔)

لیکن اگر کنواں اتنا بڑا ہو کہ اس کا پورا پانی نہ نکالا جا سکتا ہو، یا اس میں پانی اتنی تیزی سے آتا ہو کہ جتنا نکالا جاتا ہو اتنا پھر بھر جاتا ہو تو ایسی صورت میں کنویں کے پانی کا اندازہ کر لینا چاہیئے کہ اس میں کتنا پانی ہے، اسی اندازے کے مطابق اتنا پانی نکال دینا چاہیئے۔ یہ اندازہ دیندار اور تجربہ کار مسلمان سے کرانا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا تجربہ کار دیندار مسلمان نہ مل سکے جو صحیح اندازہ بتا سکے تو پھر کنویں سے تین سو ساڑھے تین سو گھڑے یا ڈول پانی نکال دینا چاہیئے اسی گھڑے یا ڈول کا اعتبار کیا جائے گا جس سے عام طور پر لوگ پانی نکالتے ہیں، نہ بہت زیادہ بڑا نہ بہت زیادہ چھوٹا ہو۔

(۲) ناپاک کنواں صاف کرنے والوں کو اپنے ہاتھ پیر یا بدن یا ڈول رسی دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پانی نکالنے سے ان کے ہاتھ، پیر، وغیرہ بھی پاک ہو گئے۔

کن صورتوں میں پورا کنواں ناپاک نہیں ہوتا

(۱) اگر کبوتر، مرغی، کوا، بلی یا ان کے برابر جانور یا پرندہ گر کر مر جائے مگر پھولے پھٹے نہیں، تو اس سے پورا کنواں ناپاک نہیں ہوتا بلکہ محض اوپر کا پانی ناپاک ہوا، اس لیے صرف ۵۰۔ ۶۰ ڈول پانی نکال دینا چاہئیں[۱]

(۲) اسی طرح اگر چوہا، گوریا یا اسی طرح کا کوئی پرندہ یا جانور گر کر مر جائے اور سڑے گلے نہیں تو اس صورت میں بھی پورا کنواں ناپاک نہیں ہوگا، اس کے لیے ۲۵۔ ۳۰ ڈول پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ لیکن پہلے چوہا نکال لیں اگر چوہا نہ نکالا تو اس پانی نکالنے کا کچھ اعتبار نہیں چوہا نکالنے کے بعد پھر اتنا ہی پانی نکالنا پڑے گا۔

(۳) اگر کنویں میں مرا ہوا چوہا یا کوئی اور جانور نکلا اور یہ معلوم نہیں کہ کب سے گرا ہے

---

[۱] فان ماتت فیھا حمامۃ او نحوھا کالدجاجۃ والسنور نزح منھا ما بین اربعین دلواً الی ستین (شرح الہدایہ ص۴۷ ج ۱)

[۲] وان ماتت فیھا عصفورۃ او فارۃ او سودانیۃ او صعوۃ او سام ابرص نزح منھا عشرون دلواً الی ثلاثین (شرح الہدایہ ص۴۶ ج ۱)

اور وہ پھولا پھٹا نہیں تو جن لوگوں نے اس کنویں سے وضو کیا ہے وہ ایک دن رات کی نمازیں دہرائیں اور اس پانی سے دھوئے ہوئے کپڑوں کو بھی پھر سے دھوئیں اور اگر پھول پھٹ گیا ہے تو تین دن تین رات کی نمازیں دہرانی چاہئیں [1]

کن صورتوں میں کنواں ناپاک نہیں ہوتا

حسبِ ذیل صورتوں میں کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔

(۱) کوئی پاک کپڑا، درخت کی پتیاں یا کوئی پاک چیز کنویں میں گر جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ البتہ عرفِ عام میں اس کو پانی نہ کہیں تو پھر اس پانی سے وضو اور طہارت جائز نہیں، مثلاً کسی کنویں میں اتنی پتیاں گر جائیں کہ پانی گاڑھا ہو جائے اور رنگ اور مزہ بدل جائے تو اس سے وضو اور طہارت جائز نہیں، اسی طرح کنویں میں یا گھر کے پانی میں اتنی شکر پڑ جائے کہ وہ شربت کی طرح ہو جائے، تو اس سے بھی وضو جائز نہیں، مگر ذرا سا پڑنے سے کوئی ہرج نہیں۔

(۲) ایسے جانور جن میں خون نہیں ہوتا وہ ہمیشہ پانی ہی میں رہتے ہیں، ان کے کنویں میں گر جانے یا مر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ مینڈک، مچھلی، کچھوا، سانپ، مچھر، مکھی چھوٹی چھپکلی وغیرہ۔

(۳) سور کے علاوہ کسی درندے یا حرام مردہ جانور کا بال، ہڈی یا ناخن وغیرہ کنویں میں گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

(۴) جن جانوروں کا جھوٹا پاک ہے، اگر کنویں میں گر جائیں اور زندہ نکل آئیں تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، مثلاً گائے، بیل، بکری، مرغی وغیرہ بشرطیکہ ان کے جسم پر نجاست نہ لگی ہو۔

---

[1] وان کانت قد انتفخت او تفسخت اعاد ثلثۃ ایام ولیالیھا۔

یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تھی صاحبین کہتے ہیں جب تک یقین نہ ہو جائے نماز کا اعادہ نہیں ہے

لان الیقین لا یزول بالشک۔ (منیۃ المصلی ص۵۳)

(۵) اگر کنویں یا گھر کے پانی میں گوریا یا کبوتر وغیرہ کی بیٹ پڑ جائے، تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، البتہ اگر مرغی یا بط کی بیٹ پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔[1]

(۶) اگر کوئی آدمی جس کے جسم یا کپڑے پر نجاست نہ ہو، کنویں میں گر جائے یا اترے تو پانی ناپاک نہ ہو گا۔ آدمی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان دونوں کا حکم ایک ہے۔ کنویں میں اُترنے کے وقت بہتر ہے کہ اُترنے والے کو غسل دے دیا جائے۔

(۷) کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں کے برتن میں جو تھوڑا بہت گوبر وغیرہ لگ جاتا ہے ایسے برتنوں کے کنویں میں ڈالنے سے بھی کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایسے کنویں کا پانی بھی ناپاک نہیں ہوگا جو آبادی میں ہوتے ہیں اور ان کو جانور کے گوبر، لید وغیرہ سے بچانا دشوار ہوتا ہے۔ ایسے کنویں بھی ذرا سا گوبر، لید یا مینگنی کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتے، البتہ اگر زیادہ مقدار میں گر جائیں، تو پانی ناپاک ہو جائے گا، مگر قصداً ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

بچّوں اور غیر مسلموں کا حکم

اگر کوئی غیر مسلم یا چھوٹا بچہ تھوڑے پانی میں ہاتھ ڈال دے تو اگر اس کے ہاتھ میں نجاست لگی تھی تو پانی ناپاک ہوگیا۔ لیکن اگر نجاست نہ لگی ہو تو چونکہ ان کے ہاتھ کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے اس پانی سے وضو نہ کرنا بہتر ہے۔ بعض علماء نے بچّوں کے ہاتھ ڈالے ہوئے پانی کو مکروہِ تنزیہی لکھا ہے۔

(فتح القدیر)

غیر مسلموں کے برتن بغیر اچھی طرح دھوئے استعمال نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہ سوّر کتّے وغیرہ سے پرہیز نہیں کرتے مگر صرف شبہ کی بنا پر ناپاک نہ سمجھنا چاہیئے۔

استنجا کا بیان

پیشاب پاخانہ کے بعد جو پاکی حاصل کی جاتی ہے اس کو شریعت میں استنجا کہا جاتا ہے۔

---

[1] ان وقع خرء الحمام والعصفور لم یفسد ماءها وهٰذا مذهبنا وان وقع خرء الدجاجة افسده وکذ خرء البط والاوز (منیة المصلی ص۵۷)

استنجے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کے مقام کو پہلے ڈھیلے وغیرہ سے صاف کر ڈالا جائے اور اس کے بعد پانی سے دھولا جائے اگر پیشاب اور پاخانہ اپنے مقام سے پھیلے نہیں تو صرف ڈھیلے وغیرہ ہی سے استنجا کر لینے سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے، مگر حتی الامکان ایسا نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر پیشاب پاخانہ ایک روپیہ کے بقدر پھیل جائے، تو پھر پانی سے دھونا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں چند باتیں اور یاد رکھنی چاہئیں، ان تمام باتوں کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم حدیث میں آیا ہے:-

(۱) رات میں یا دن میں سو کر اٹھنے کے بعد اگر استنجا یا وضو یا غسل کی ضرورت ہو تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھو کر پھر برتن میں ہاتھ ڈالنا اور وضو یا استنجا وغیرہ کرنا چاہیئے۔

(۲) پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منھ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھنا چاہیئے[۱] اور نہ عورتوں کو بچوں کو پورب یا پچھم رُخ بٹھا کر پیشاب یا پاخانہ کرانا چاہیئے[۲] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح سورج کی طرف منھ کر کے پیشاب کرنا بھی منع ہے۔ طبی نقطہ نظر سے بھی یہ مضر ہے۔ قبلہ کا یہ حکم ہندوستان اور پاکستان وغیرہ کے لئے ہے۔

(۳) ہڈی، گوبر، کوئلہ، پکی اینٹ، کپڑا یا کھانے کی کسی چیز سے استنجا کرنا مکروہ ہے۔

کاغذ سے استنجا

یہی حکم کاغذ سے استنجا کا ہے[۳]۔ اس کے کئی سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ کاغذ چکنا ہوتا ہے دوسرے قیمتی ہوتا ہے اور تیسرے وہ لکھنے پڑھنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کا احترام ضروری ہے، جیسے آدمی اپنے کپڑے اور دامن سے کوئی گندی

---

[۱] وکذالک الحکم (ای یکرہ) فی استقبال القبلۃ واستدبارھا ولو فی البنیان۔

(در مختار صـ۳۵۵ ج۱)

[۲] وکذالک یکرہ للمرأۃ ان تمسک ولدھا للبول والغائط نحو القبلۃ۔

(بحر الرائق صـ۲۴۳ ج۱)

[۳] شامی میں ہے وورق الکتابۃ لصقالتہ وتقومہ ولہ احترام ایضا لکونہ آلۃ لکتابۃ العلم۔ (رد المحتار صـ۳۱۵ ج۱)

چیز صاف نہیں کرتا۔ البتہ جو کاغذ اسی غرض کے لئے بنائے جاتے ہیں اور کوئی دوسری صورت صفائی کی نہ ہو مثلاً ہوائی جہاز وغیرہ میں تو ایسے وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۳۔ ص ۲۷۸)

(۴) پاک مٹی، کنکر، پتھر، کچی اینٹ کے ٹکڑے سے استنجا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ چیزیں پانی میں تر نہ ہوں۔

(۵) داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرنا چاہیئے۔

(۶) اگر کسی کو پیشاب کے بعد کچھ دیر تک پیشاب کے قطرے نکلتے رہتے ہوں تو ان کو پہلے ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کر لینا چاہیئے پھر پانی سے دھونا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ دس بیس قدم ٹہل کر پہلے پیشاب کو خشک کر لیں۔ لیکن عورتوں، بچوں کے سامنے یا مجمع کی جگہ مثلاً بازار یا پلیٹ فارم وغیرہ پر نہ ٹہلنا چاہیئے۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ آب دست داہنے ہاتھ سے نہ کیا جائے اور استنجے کے جو ڈھیلے استعمال کئے جائیں وہ طاق ہوں یعنی ایک، تین یا پانچ۔ اگر قطرہ کا خطرہ ہو اور مٹی کا ڈلا نہ ملے تو لنگی بدل کر استنجا کرنا چاہیئے یا استنجے کے بعد کسی دستی رومال وغیرہ سے پیشاب کے مقام کو خشک کر لینا چاہیئے

(۷) کھڑے ہو کر پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے، البتہ کسی معذوری کی وجہ سے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں [۱]

(۸) پیشاب یا پاخانہ کے وقت بات چیت کرنا منع ہے، لیکن اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو بول دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے آپ کو آواز دی، آپ پاخانہ میں ہیں اور کوئی دوسرا جواب دینے والا نہیں ہے تو آپ کو جواب دے دینا چاہیئے۔

(۹) راستے میں پیشاب یا پاخانہ کرنا بھی سخت منع ہے۔ اگر کوئی شخص کھیت یا میدان میں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے جائے تو اس کو آبادی سے اتنی دور جانا چاہیے کہ لوگوں

---

[۱] ویکرہ ان یبول قائما او مضطجعا او متجردا عن ثوبہ من غیر عذر۔

(درمختار ص ۳۵۵ ج ۱)

کی نگاہ نہ پڑے۔

(۱۰) سوراخ یا سخت زمین پر پیشاب کرنا منع ہے۔ سوراخ میں ممکن ہے کوئی موذی جانور ہو اور نکل کر کاٹ لے یا ان کو تکلیف ہو۔ سخت جگہ پر پیشاب کرنے میں کپڑے اور بدن پر چھینٹیں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ غسل خانے میں یا پانی میں پیشاب کرنا بھی حدیث میں منع ہے۔

(۱۱) اگر انگوٹھی وغیرہ پر اللہ کا نام یا کلمہ وغیرہ لکھا ہو تو اس کو پاخانہ پیشاب کو جانے سے پہلے اتار لینا چاہیئے۔

(۱۲) اگر پیشاب پاخانہ کے وقت چھینک آجائے تو الحمد للہ دل میں کہہ دے زبان سے نہ ادا کرے۔

(۱۳) پاخانہ اور پیشاب کے لئے ننگے سر نہیں جانا چاہیئے بلکہ سر کو کسی چیز سے ڈھک لینا چاہیئے[1]

(۱۴) اگر پاخانہ پیشاب کے لئے جائے تو اگر میدان ہو تو بیٹھنے سے پہلے اور اگر پاخانہ ہو تو دروازے میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعائیں پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ	اے اللہ میں خبیث چیزوں اور شیطانوں سے
الۡخُبُثِ وَالۡخَبَآئِثِ۔ (مشکوٰۃ)	تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور جب ضرورت سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے:۔

غُفۡرَانَكَ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ	اللہ کا شکر ہے اس نے مجھ سے تکلیف دور
اَذۡهَبَ عَنِّی الۡاَذٰی وَعَافَانِیۡ	کی اور آرام دیا۔
(مشکوٰۃ)	

اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو صرف[2] غُفۡرَانَكَ (اے اللہ ہم تیری بخشش چاہتے ہیں) کہہ دے یعنی جس طرح تو نے پاخانہ کی اذیت سے نجات دی اسی طرح عذابِ دوزخ کی سختی سے نجات عطا کر۔

---

[1] ویدخل الخلاء مستور الرأس (البحر الرائق ص ۲۴۳ ج ۱)

[2] یہ ساری تفصیلات حدیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

ان تمام باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود عمل فرماتے تھے، اور اس کے کرنے کا ہر مسلمان کو حکم فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک حدیث اور یاد رکھیئے :۔

ایک بار کسی غیر مسلم نے مذاقاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ "تمہارے نبیؐ تم کو جو تعلیم دیتے ہیں اس میں پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی بتاتے ہیں"۔ حضرت سلمانؓ نے اس مذاق کا جواب نہایت سنجیدگی سے دیا اور کہا، "بے شک ایسا ہی ہے، وہ ہم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی تعلیم سے زندگی کا کوئی مسئلہ بھی چھوٹا نہیں ہے۔

کھڑے ہو کر استنجا کرنا

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے[1] لیکن جو لوگ سفر کرتے ہیں ان کو بسا اوقات ریل کے فرسٹ کلاس کے ڈبوں، اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور ہوائی جہاز اور دوسری جگہوں پر ایسے پیشاب خانے اور پاخانے بنے ہوئے ملتے ہیں کہ آدمی کو مجبوراً کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے اور پاکی کے لئے اس طرح بیٹھنا پڑتا ہے جیسے کرسی پر بیٹھتا ہے اگر ایسی مجبوری آجائے تو چھینٹوں اور گندگی سے بچتے ہوئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے اور کموٹ پر بیٹھ کر پاخانہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مجبوری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھڑے ہو کر استنجا فرمایا ہے۔

اوپر نجاست پاک کرنے اور طہارت حاصل کرنے کے لئے جو قاعدے بتائے گئے ہیں، ان کے مطابق اگر آدمی اپنا جسم اور اپنے کپڑے صاف پاک کرلے تب بھی وہ نماز نہیں پڑھ سکتا بلکہ اس کے بعد آدمی کو وضو یا غسل، یا تیمم کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اب ہم ان کے احکام بیان کرتے ہیں۔

پاکی و ناپاکی کے کچھ نئے مسائل

(۱) اسپرٹ و ٹنچر شراب کے حکم میں ہیں اس لئے بلا ضرورت ان کو بدن وغیرہ میں لگانا درست نہیں ہے اگر لگ جائے تو دھونا واجب ہے، لیکن علاج کی ضرورت سے یہ چیزیں استعمال کی جا سکتی ہیں، البتہ جو

---

[1] نہی عن البول قائما، (ابن ماجہ، ترمذی، کنز العمال ج ۹ ص ۳۰۶)

چیزیں اسپرٹ ڈال کر بنائی جاتی ہیں مثلاً رنگ، رنگین کپڑے، اور روشنائی وصابون وغیرہ چونکہ اس میں اسپرٹ کی ماہیت بدل جاتی ہے اس لئے اس کی ناپاکی باقی نہیں رہ جاتی' الضرورات تبیح المحذورات ضرورتیں ناپاک چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں، عموم بلوی کی بات اسی طرح کے مواقع کے لئے فقہا نے کہی ہے، یہی حکم ان دواؤں کا بھی ہے جو الکحل سے بنتی ہیں۔

اذا اجزہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء ولم یجد مباحا یقع مقامہ۔

(کتاب الحظر والاباحۃ ج ۵ رد المحتار ص ۲۴۹)

کنویں کی صفائی عموماً ڈول کے ذریعہ ہوتی ہے لیکن اگر پمپنگ موٹر کے ذریعہ اتنی تعداد میں پانی نکال دیا جائے جتنی فقہاء نے لکھی ہے تو کنواں صاف ہو جائے گا۔

ٹنکی کی صفائی عام طور پر ٹنکی اس طرح بنائی جاتی ہے کہ اوپر کے پمپ سے پانی آتا ہے اور نیچے کے پمپ سے نلوں میں جاتا ہے، اگر ایسی صورت ہے تو یہ جاری پانی کے حکم میں ہے اس میں نجاست یا کوئی جانور گرنے سے ٹنکی کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

اذا کان الحوض صغیرا یدخل فیہ الماء من جانب ویخرج من جانب جاز الوضوء فیہ من جمیع جوانبہ (فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۹)

اور اگر دونوں طرف سے یا کسی ایک طرف سے بند ہو تو ناپاک سمجھا جائے گا، اب اگر اس حوض میں جتنا پانی تھا اس کے بعد پائپ وغیرہ کے ذریعہ نکال دیا جائے تو اس کو پاک سمجھا جائے گا، اس کے متعلق ایک بات یاد رہنی چاہیئے کہ اگر یہ نجاست محسوس جسامت رکھتی ہو مثلاً چوہا، بلی، مینگنی وغیرہ تو پہلے اس کو نکال دینا ضروری ہے، ہینڈ پائپ اور نل کا بھی یہی حکم ہے۔

فقہ کی چند اصطلاحیں

لیکن وضو، غسل اور تیمم کے بیان سے پہلے فقہ کی چند اور اصطلاحوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ جب ان کا نام لیا جائے وہ سمجھ میں آجائیں۔ قرآن و حدیث میں جو حکم دیئے گئے ہیں وہ چار قسم کے ہیں: فرض، واجب، سنّت اور نفل[1]۔

(حاشیہ[1] صفحہ آئندہ پر)

اب ان میں سے ہر ایک کی تعریف کی جاتی ہے۔

فرض جو بات قرآن اور حدیث دونوں سے یا صرف قرآن سے یا بے شمار حدیثوں سے ثابت ہو اور اس میں کوئی شبہ نہ ہو وہ فرض ہے۔ اس کا منکر کافر اور بغیر عذر چھوڑنے والا فاسق ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ فرضِ عین اور فرضِ کفایہ۔

فرضِ عین فرضِ عین وہ ہے جس کا ادا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہو۔

فرض کفایہ فرضِ کفایہ وہ ہے جس کا ادا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری تو ہو لیکن اگر کچھ لوگ ادا کر لیں تو عام لوگ گناہ سے بچ جائیں گے[1]

سُنّت وہ فعل جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو[2]۔ اس کی دو قسمیں ہیں سنّتِ مؤکدہ اور سُنّتِ غیرِ مؤکدہ۔

سُنّتِ مؤکّدہ سُنّتِ مؤکدہ وہ عمل ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اور بلا عذر اس کو کبھی نہ چھوڑا ہو[3]۔ سنتِ مؤکدہ کو بلا عذر چھوڑنا گناہ اور قابلِ ملامت ہے[4]۔

سنّتِ غیرِ مؤکّدہ وہ عمل جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی بغیر عذر کے چھوڑ دیا ہو۔ اس کا کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور چھوڑ دینے والا گناہگار نہیں ہوگا۔ سنت کی دو قسمیں اور بھی ہیں سنتِ عین و سنتِ کفایہ[5]۔ سنت عین جس

---

[1] ردالمحتار ج ۱ ص ۷ ۔ [2] ردالمحتار ج ۱ ص ۹۷

[3] بحرالرائق کے مصنف نے یہی تعریف کی ہے۔ لیکن ابن ہمام اور صاحب شرحِ وقایہ نے یہ تعریف کی ہے۔

مَا وَاظَبَ عَلَيْهَا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَعَ تَرْكِهَا ۔

[4] عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ اور ردالمحتار میں سنت مؤکدہ کی یہی تعریف کی گئی ہے لیکن صاحب درمختار اور ملا علی قاری نے مطلق سنت کی یہ تعریف کی ہے کہ يَسْتَحِقُّ فَاعِلُهَا الثَّوَابَ وَتَارِكُهَا الْمَلَامَةَ وَالْعِقَابَ ۔

[5] ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۱

ہر شخص کو عمل کرنا ضروری ہے مثلاً وضو میں تین بار اعضا کو دھونا وغیرہ اور سنت کفایہ ہے کہ اگر کسی ایک نے یا چند آدمیوں نے کر لیا تو ترکِ سنت کا گناہ نہ ہوگا مثلاً اعتکاف، نمازِ جنازہ وغیرہ۔

مستحب وہ کام جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی کیا ہو۔ اس کے کرنے میں ثواب ہوگا اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ہوگا۔ اس کو نفل، مندوب، تطوع اور سننِ زوائد بھی کہتے ہیں۔ سنتِ غیر مؤکدہ میں مستحب سے زیادہ ثواب ہے۔

واجب جو سنّتِ مؤکدہ سے زیادہ ضروری ہو اور فرض سے قریب ہو۔ واجب کو چھوڑنے میں سنتِ مؤکدہ سے زیادہ گناہ ہے[1]۔ البتہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

وضو کا بیان

وضو کے معنی وضو کے لفظی معنی تو ہیں روشن چہرے والا۔ مگر شریعت میں جسم کے خاص حصوں کو ایک قاعدے کے مطابق دھونے کو وضو کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ قیامت کے دن ہر مسلمان کو اس کے لفظی معنی کا مصداق بھی بنائے۔ آمین۔

قرآن وحدیث میں وضو کی فضیلت قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا

---

[1] واجب کی تعریف مولانا عبدالحی صاحب نے یہ کی ہے:۔ هُوَ مَا ثَبَتَ لُزُوْمُهٗ بِدَلِیْلٍ ظَنِّیٍّ وَهُوَ مُسَاوٍ لِلْفَرْضِ فِیْ حَقِّ الْعَمَلِ اِلَّا اَنَّهٗ لَا یُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ وَبِتَرْكِهٖ سَهْوًا تَجِبُ سَجْدَةُ السَّهْوِ وَبِتَرْكِهٖ عَمَدًا لَا تَبْطُلُ الصَّلٰوةُ وَلٰكِنْ تَجِبُ الْاِعَادَةُ كذا فی فتح القدیر (حاشیہ شرحِ وقایہ ص۱۶) جو دلیل ظنی سے ثابت ہو عمل کے اعتبار سے۔ اس کا درجہ فرض کے برابر ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ اس کا منکر کافر نہیں کہا جائے گا۔ سہواً اگر وہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔ اور اگر قصداً ترک کر دیا تو نماز باطل تو نہ ہوگی مگر اس کا اعادہ واجب ہوگا۔

❖ ❖ ❖

وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط

" اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سر کا مسح کر لو اور پھر اس کے بعد اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھولو۔"

حدیث میں آتا ہے کہ وضو کرنے سے چھوٹے موٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص پورے آداب کے ساتھ وضو کرتا ہے اس کے تمام جسم کے گناہ دھو دیئے جاتے ہیں، یعنی چھوٹے موٹے گناہ جو انسان کے اعضاء سے ہو جاتے ہیں، مثلاً کان سے کوئی بُری بات سُنی، آنکھ سے کوئی بُری چیز دیکھی، ہاتھ سے کسی کو تکلیف دی، زبان سے کسی کے ساتھ سخت کلامی کی تو یہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں[1]۔ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کی ایک خاص پہچان ہو گی کہ ان کے وہ اعضاء چمکتے ہوں گے جن کو انھوں نے وضو میں پنجوقتہ دھویا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کے چہروں اور ہاتھ پیر کی اس چمک ہی کی وجہ سے میں ان کو اس دن پہچان لوں گا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں تم کو گناہوں کے مٹا دینے کا طریقہ بتاؤں۔ صحابہؓ نے کہا ضرور یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے فرمایا۔ " دشواری اور تکلیف کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا اور کثرت سے مسجد میں جانا اور نماز کا انتظار کرنا۔" (بخاری، مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی)

دشواری اور تکلیف کا مطلب یہ ہے کہ سردی ہو، پانی ٹھنڈا ہو، یا پانی گھر میں موجود نہ ہو، اور کنویں سے پانی نکال کر لانا ہو اس کے باوجود وضو میں کوتاہی نہ کرے، پورے آداب کے

---

[1] لیکن اگر چھوٹے چھوٹے گناہوں کو کوئی بار بار کرے تو یہ بڑے بڑے گناہ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اسی طرح جو گناہ کہ بندوں سے متعلق ہیں وہ اس وقت معاف ہوتے ہیں جب ان سے معاف کرا لیا جائے۔ مثلاً آپ نے کسی کی غیبت کی یا کسی کو گالی دی یا کسی سے رشوت لی تو یہ اس وقت تک معاف نہیں ہو گا جب تک اس سے معافی نہ مانگ لی جائے جس کو آپ نے گالی دی ہے یا جس کی غیبت کی ہے۔ یا جس سے رشوت لی ہے اسے واپس نہ کیا جائے یا اس سے معاف نہ کرا لیا جائے بندوں سے متعلق گناہ کا معاملہ بہت سخت ہوتا ہے۔

ساتھ وضو کرے۔ پانی کی ٹھنڈک یا عدم موجودگی میں جماعت ترک نہ کرے، یا نماز میں تاخیر نہ کرے۔

وضو کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وضو کی تعلیم ہی نہیں دی ہے بلکہ خود وضو کر کے دکھا بھی دیا ہے۔ آپؐ سے وضو کا طریقہ جو ثابت ہے وہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

وضو کرنے کا ارادہ ہو تو دل میں اس کی نیت کرنی چاہیئے۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر دونوں ہاتھ گٹوں تک تین بار دھوئے، پھر تین بار منھ میں پانی ڈال کر کلّی کرے، بہتر ہے کہ کلّی کرتے وقت مسواک کرے[1] مسواک نہ ہو تو انگلی سے دانت صاف کرے اور منھ میں پانی لے کر غرارہ کرے کہ حلق تک منھ صاف ہو جائے۔ لیکن روزہ میں غرارہ نہ کرنا چاہیئے۔ حدیث میں مسواک کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ کلّی کرنے کے بعد تین بار ناک میں پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے صاف کرے۔ پھر اس کے بعد تین بار منھ دھوئے۔ منھ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوری تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک جتنا حصّہ ہے وہ سب تین بار دھوئے۔ اگر گھنی داڑھی ہو تو انگلیوں سے اس میں خلال کرے تاکہ بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جائے۔ ہلکی داڑھی میں تو خود ہی پانی پہنچ جاتا ہے۔ پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھوئے۔ پہلے دایاں ہاتھ پھر بایاں ہاتھ دھوئے۔ اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو یا عورتوں کے ہاتھ میں چوڑی ہو تو اس کو ہلا ڈالینا چاہیے تاکہ اس کے نیچے تک پانی پہنچ جائے، اس کے ساتھ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر خلال کرے۔ پھر ایک بار پورے سر کا مسح کرے، پھر کان کا مسح کرے۔ گردن کا مسح ضروری نہیں ہے۔ مسح کے بعد دونوں پیر ٹخنوں تک تین تین بار دھوئے۔ اس میں بھی ہاتھ کی طرح پہلے داہنا پیر دھوئے پھر بایاں۔ اور پیر کی انگلیوں کے درمیان ہاتھ کی چھوٹی انگلی ڈال کر خلال کرے تاکہ پانی

---

[1] ومنها السواك وينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة لانه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوي المعدة وليكن رطبًا في غلظ الخنصر وفي طول الشبر (عالمگیری ص ۵ ج ۱)

انگلیوں کی درازمیں پہنچ جائے۔

وضو کرتے ہوئے یہ خیال رہے کہ ایک عضو کے دھونے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ دوسرا عضو خشک ہو جائے۔ وضو کرنے کے بعد یہ دُعا پڑھنی چاہیئے:-

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ط

وضو کا مکمل طریقہ یہی ہے۔ حدیث شریف میں اچھی طرح وضو کرنے کا جو بار بار ذکر آیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اسی طرح وضو کیا جائے۔

ہدایت وضو میں اگر کوئی عضو تین بار سے کم دھویا جائے تو ثواب کم ہو جائے گا لیکن اگر تین بار سے زیادہ دھویا جائے تو گناہ کا خوف ہے۔ ابنِ ماجہ اور ابو داؤد میں ہے کہ آپؐ نے تین بار وضو کر کے دکھایا اور پھر فرمایا فمن زاد علی ھٰذا فقد اساء وظلم اور اگر اس سے زیادہ دھویا تو برا کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا۔

ہدایت اوپر وضو کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ چھوٹ جائیں تو وضو نہیں ہوگا۔ ان کو فرائضِ وضو کہتے ہیں اور ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کی جائیں تو ثواب ہوگا اور اگر چھوٹ جائیں تو وضو تو ہو جائے گا لیکن قصداً ایسا کرنا اچھا نہیں ہے اور اگر بار بار ایسا کیا جائے تو گناہ ہوگا۔ ان کو وضو کی سنتیں کہتے ہیں۔ اور بعض باتیں ایسی ہیں کہ ان کے کرنے سے ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے سے گناہ نہیں ہوتا۔ لیکن ان کا کرنا بہتر ہے ان کو مستحباتِ وضو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض چیزوں کی وجہ سے وضو بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کو نواقضِ وضو کہتے ہیں۔ اور بعض چیزوں کی وجہ سے وضو مکروہ ہو جاتا ہے۔ ان کو مکروہاتِ وضو کہتے ہیں۔ اب وضو کے فرائض، اس کی سنتوں اور وضو توڑنے والی چیزوں کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

وضو کے فرائض وضو میں چار چیزیں فرض ہیں (۱) ایک بار پورے منہ کا دھونا (۲) ایک بار دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔ ان چاروں کا حکم قرآن پاک میں موجود ہے اوپر پوری آیت

نقل کی جا چکی ہے۔

فرائض کا حکم اگر ان چاروں اعضاء میں سے کوئی عضو بال کے برابر بھی سوکھا رہ جائے گا تو وضو درست نہ ہوگا۔ اس لئے وضو کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ان چار (۴) اعضاء میں کوئی حصہ سوکھا نہ رہ جائے۔

وضو کی سنتیں وضو میں پندرہ چیزیں سُنّتِ مؤکدہ ہیں۔ (۱) وضو کی نیت کرنا (۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر وضو کرنا (۳) دونوں ہاتھوں کا گٹوں سمیت دھونا (۴) کلی کرنا (۵) مسواک کرنا (۶) ناک میں پانی ڈالنا (۷) داڑھی میں خلال کرنا (۸) ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا (۹) ہر عضو کو تین تین بار دھونا (۱۰) پورے سر کا مسح کرنا (۱۱) اس ترتیب سے وضو کرنا جو ترتیب اوپر بتائی گئی ہے (۱۲) دونوں کانوں کا مسح کرنا (۱۳) پے در پے اعضاء کو دھونا یعنی ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھو لیا جائے (۱۴) اعضاء کے دھونے میں پہلے دایاں عضو دھویا جائے پھر بایاں[1] (۱۵) ہر عضو کو دھوتے وقت اس کو مل لینا تاکہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔

مسواک وضو کے وقت مسواک کرنے کی حدیث شریف میں بہت تاکید آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشہ عمل فرمایا ہے۔ مسواک کسی درخت کی ہونی چاہیئے۔ مثلاً نیم کی، ببول کی یا پیلو کی، اگر یہ نہ ملے تو انگلی یا کپڑے سے دانت صاف کر لینا چاہیئے گو ٹوتھ پیسٹ اور برش وغیرہ سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے مگر اس کی عادت بنانا اچھا نہیں ہے[2]

---

[1] عام طور پر فقہ کی کتابوں میں مستحب لکھا ہے لیکن ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے التیامن پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فالاصح انہٗ سنۃٌ ... لمواظبتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ولقولہ اذا توضأتم فابدءوا بمیامنکم (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ وابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہا) قال فی الالمام وھو جدیر ان یصحح (شرح النقایہ ج ۱ ص۹) زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے اس لیے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جب تم وضو کرو تو داہنے سے ابتدا کرو۔ الامام میں کہا ہے کہ فقہ حنفی کا یہ جزیہ قابلِ تصحیح ہے۔ [2] ولا تقوم الاصابع مقام العود عند وجودہ (البحر الرائق ص۲۱ ج فتاوی عالمگیری ج ۱ ص۸۷) حدیث میں ہے کہ الاصابع تجری مجری السواک۔ (فتاوی رحیمیہ بحوالہ طبرانی ص۱۲۶ ج ۱)

وضو کے آداب

وضو کے مستحبات یا آداب یہ ہیں (۱) کسی اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا تاکہ جسم اور کپڑے پر چھینٹیں نہ پڑیں (۲) قبلہ رُخ ہو کر وضو کرنا (۳) وضو کرنے میں بغیر کسی مجبوری کے کسی سے مدد[1] نہ لینا یعنی خود سے وضو کا پانی لینا اور وضو کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص خود سے پانی دے دے یا وضو کے لئے کنویں یا حوض سے پانی نکال دے تو کوئی ہرج نہیں ہے، لیکن بغیر عذر کے اس کی توقع رکھنا یا انتظار کرنا کہ دوسرا دے تو وضو کریں، یہ مکروہ ہے۔ (۴) ناک میں اچھی طرح پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے اسے صاف کرنا چاہیئے (۵) وضو کے درمیان دنیا کی باتیں نہ کرنا۔ اگر کوئی ضروری یا نیک بات ہے تو کرنے میں مضائقہ نہیں۔ (۶) اگر ہاتھ یا پیر میں انگوٹھی یا چھلا یا ناک میں کیل یا کوئی اور زیور ہو تو وضو کے وقت اسے ہلا لینا چاہیئے تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچ جائے۔ اگر انگوٹھی چھلا یا چوڑی یا کیل بہت تنگ ہو تو اس کا ہلانا بہت ضروری یعنی واجب ہے (۷) وضو کے بعد وہ دُعا پڑھنا جو اوپر لکھی گئی ہے۔ (۸) وضو کرتے وقت سلام نہ کرنا چاہیئے اگر کوئی کر دے تو جواب دینا بہتر ہے۔

اگر وضو کے بعد کوئی شخص دو رکعت نفل نماز پڑھ لیا کرے تو اس کا بڑا ثواب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس نماز کو تحیۃ الوضو کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر ایسے وقت میں وضو کرے جس میں نفل یا فرض نماز منع ہے تو اس وقت وضو کے بعد نماز نہ پڑھنی چاہیئے، مثلاً عصر کی نماز کے بعد سورج کے طلوع و غروب کے وقت یا زوال کے وقت یا فجر کی نماز کے بعد سے سورج نکلنے تک۔

وضو کرنے میں یہ بھی خیال رہے کہ پانی زیادہ نہ گرایا جائے اور نہ کوئی عضو تین بار سے زیادہ دھویا جائے۔ بعض لوگ شک کی وجہ سے اور بعض بے احتیاطی میں بہت پانی گراتے ہیں ایسا کرنا گناہ ہے۔ اوپر حدیث نبوی نقل کی جا چکی ہے۔

---

[1] ولا یستعین بغیرہ عند القدرۃ (شرح النقایہ ج ۱ ص۱۹) وعدم الاستعانۃ لغیرہ الا لعذر (ردالمختار) جن لوگوں نے مدد لینے کی مثالیں دی ہیں ان سب کا تعلق عذر کی حالت سے ہے

نواقضِ وضو وضو جن چیزوں سے ٹوٹتا ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ چیزیں جو آدمی کے جسم سے نکلیں اور دوسری وہ جو اس کے اوپر طاری ہو جائیں۔

پہلی صورت آدمی کے جسم سے جن چیزوں کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ یہ ہیں (۱) پاخانہ یا پیشاب کرنا (۲) ریاح خارج ہونا (۳) پاخانے یا پیشاب کے مقام سے کسی اور چیز کا نکلنا، مثلاً کیچوا، کیڑا، کنکری یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز پیشاب یا پاخانے کے مقام سے نکلے تو وضو ٹوٹ جاتے گا[لے] (۴) بدن کے کسی مقام سے خون یا پیپ نکل کر بہنے[ٹے] لگے (۵) بلغم کے علاوہ خون پیپ، کھانے یا پانی کی منھ بھر قے ہو جانا۔ اگر تھوڑی تھوڑی کئی بار ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے (۶) تھوک میں خون کا رنگ غالب ہونا، بعض وقت وضو کرتے وقت مسوڑھوں سے خون نکلنے لگتا ہے۔ اگر خون ذرا سا ہو تو کوئی ہرج نہیں لیکن اتنا زیادہ نکلتا ہو کہ خون کا رنگ تھوک پر غالب آجائے، تو جب تک خون بند نہ ہو وضو نہ کرنا چاہیے (۷) مَنی، مذی اور حیض کے خون سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ پیشاب کے مقام سے دھات وغیرہ نکل جائے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کپڑے پر لگ جائے تو دھونا ضروری ہے۔ اس کا بیان غسل میں آئیگا۔

منی و مذی میں فرق منی اور مذی میں فرق ہے۔ منی تو مباشرت سے یا سونے میں احتلام کے ذریعہ نکلتی ہے اور مذی عضو خاص کی تندی یا عورت کے بوس و کنار یا برے خیالات کے آنے سے پانی کی طرح پیشاب کے مقام سے نکل آتی ہے۔ منی سے غسل ضروری ہو جاتا ہے اور مذی نکلنے سے وضو کرنا ضروری ہے (۸) اگر عورت کی چھاتی سے دُودھ کے علاوہ پانی وغیرہ نکلے اور اس میں درد ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا (۹) اگر آنکھیں اُٹھ آئی ہوں یا آنکھوں میں درد ہو تو اس حالت میں آنکھ سے جو پانی نکلے گا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ لیکن اگر یہ پانی مسلسل نکلتا ہو تو اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ اگر آخرت و قیامت کے ذکر یا کوئی

لے الناقضة من الوضوء كل ما خرج من السبيلين (كبيرى ص۱۲۳)

ٹے واما الدم ونحوه اذا خرج من البدن فاما ان يسيل اولا ان سال بنفسه نقض والا فلا (درمختار ص۱۶ ج ۱)

اور دین کی بات سُن کر آنسو نکل آئے تو یہ بڑی خوبی کی بات ہے، اور اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

دوسری صورت

جو چیزیں آدمی پر طاری ہو جائیں یا وہ خود ان کو اپنے اوپر طاری کر لے تو ان سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) لیٹ کر یا ٹیک لگا کر سو جانا (۲) بے ہوش ہو جانا یعنی کسی مرض کے صدمے کی وجہ سے آدمی اگر بیہوش ہو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا (۳) کسی نشیلی چیز کے کھانے یا پینے سے نشہ آجانا (۴) رکوع اور سجدہ والی نمازمیں قہقہہ لگا کر ہنسنا۔ اگر جنازے کی نماز میں قہقہہ لگایا تو وضو نہیں ٹوٹتا (۵) عورت اور مرد کی شرم گاہوں کا ایک دوسرے میں داخل ہو جانا یا مل جانا اور انزال نہ ہونا۔

مکروہاتِ وضو

حسبِ ذیل چیزیں وضو میں مکروہ ہیں، یعنی ان کے کرنے سے وضو ٹوٹتا تو نہیں، البتہ ایسا کرنے سے یا تو گناہ ہوتا ہے یا ثواب کم ہو جاتا ہے۔

(۱) جس ترتیب سے وضو کرنے کو بتایا گیا ہے اس ترتیب سے وضو نہ کرنا (۲) ناپاک جگہ بیٹھ کر وضو کرنا (۳) پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا (۴) وضو کے درمیان دنیا کی باتیں کرنا، اگر کوئی خاص ضرورت کی بنا پر دو ایک باتیں کرلی گئیں تو کوئی ہرج نہیں ہے (۵) منھ یا دوسرے اعضاء پر زور سے پانی کا چھینٹا ڈالنا یا منھ دھوتے وقت پھُر پھُر کی آواز نکالنا (۶) تین بار سے زیادہ کسی عضو کا دھونا (۷) ایک ایک عضو کو دھو کر اس کو پونچھتے جانا۔ اگر ایسا کسی عذر کی وجہ سے کیا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے، مگر بلا وجہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۸) داہنے ہاتھ سے ناک صاف کرنا یا پہلے بایاں ہاتھ یا بایاں پیر دھونا۔ (۹) نماز میں ہنسنا۔ قہقہہ اور ہنسنے میں فرق ہے۔ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

جن باتوں سے وضو نہیں ٹوٹتا

بعض چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا، مگر عوام میں مشہور ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے (۱) بیٹھے بیٹھے آدمی کو اونگھ آجائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا (۲) اگر نماز کی حالت میں سجدے وغیرہ میں آدمی کو جھپکی آجائے تو اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر ایک تیز جھپکی یا اونگھ آئی جس سے کہ اس کے اعضاء بالکل ڈھیلے ہو کر ایک دوسرے سے مل جائیں، مثلاً کہنی ران سے مل گئی یا ران بالکل پیٹ سے مل گئی تو

وضو ٹوٹ جائے گا[۱] (۳) اگر کسی بات پر نماز میں مسکراہٹ آگئی تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا (۵) وضو کے بعد اگر عورت بچے کو دودھ پلائے یا چھاتی سے دودھ نچوڑے، تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا (۵) اپنی یا دوسرے کی شرمگاہ پر نظر پڑنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن قصداً ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ (۶) مرد اور عورت کے بدن چھونے یا بوسہ لینے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا (۷) اگر وضو کرنے کے بعد شرمگاہ پر ہاتھ پڑ جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (۸) اگر وضو کے بعد ناخن کٹائے یا پیر وغیرہ کی کھال کاٹ دی یا نوچ ڈالی، تو اس سے وضو نہیں[۲] ٹوٹتا۔ دانتوں میں سونا یا چاندی کے دانت لگے ہوں تو ان کو نکالنے کی ضرورت نہیں البتہ مصنوعی دانت جو آسانی سے نکل سکتے ہوں ان کو نکال کر وضو اور غسل کرنا چاہیئے۔ وضو کے سلسلے میں چند ضروری مسائل یاد رکھنا چاہئیں۔

وضو کے بعض ضروری مسائل

وضو کے سلسلے میں چند ضروری مسائل یاد رکھنا چاہیئے (۱) وضو کرنے کے بعد جب تک وہ ٹوٹے نہیں یا اس سے کوئی عبادت نہ کر لی جاتے دوسرا وضو نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہ پانی کا بے جا[۳] اسراف ہے۔

(۲) اگر نہاتے وقت کسی نے وضو کر لیا تو پھر دوسرا وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسی وضو سے نماز پڑھنا چاہیئے۔ (۳) اگر ناخن میں آٹا یا مٹی وغیرہ لگ کر سوکھ جائے اور وضو کا پانی ناخن کے اندر نہ پہنچے تو وضو نہیں ہوگا۔ اگر اس نے اس وضو سے نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہوگی[۴] (۴) اگر کسی کا ہاتھ یا پیر جاڑے کی وجہ سے پھٹ گیا ہو اور اس میں ویسلین یا موم وغیرہ بھر لیا ہو تو اس کے اوپر سے پانی بہا لینا کافی ہے، اس کو نکالنے کی ضرورت نہیں (۵) وضو کے بعد معلوم ہو کہ کوئی عضو سوکھا رہ گیا ہے، تو اس کو دھو لینا چاہیئے، صرف ہاتھ پھیر دینا کافی نہ ہوگا۔

زخم پر مسح کا بیان

مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں اور شریعت میں خاص موقع پر ہاتھ پھیرنے کو

---

[۱] وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکاء السنۃ العینان فمن نام فلیتوضاء (ابو داؤد شریف) [۲] درمختار ج ۱ ص ۱۵۱ [۳] واذ لم یتبدل فھوا سراف (مراقی الفلاح ص ۳) [۴] فتاوی عالمگیری میں ہے اولزق باصل ظفرہ طین یابس او رطب لم یجز (ج ۱ ص ۳)

مسح کہتے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں، ایک مسح تو سر کا ہوتا ہے جو ہر وضو میں فرض ہے، دوسرے زخم یا پٹی کے اوپر کا مسح، تیسرے موزوں کا مسح ہے، ان میں وضو کے مسح کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ زخم اور موزوں کا بیان یہاں کیا جاتا ہے:۔

(۱) اگر جسم میں کوئی زخم ہو جائے یا پھوڑا پھنسی نکل آئے اور اس پر پانی پڑنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو صرف اس پر مسح کر لینا یا ہاتھ پھیر لینا کافی ہے۔ اگر اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہو یا ہاتھ پھیرنے میں شدید تکلیف ہو تو اس کو اسی طرح چھوڑ دینا اور بقیہ حصّے کو دھو لینا چاہیے (۲) اسی طرح اگر زخم یا پھوڑے پر پٹی بندھی ہو اور اس کے کھولنے میں دقّت یا تکلیف ہو، تو اس کے اوپر سے مسح کر لینا چاہیئے یہی حکم پلاسٹر کا ہے یہ سب مسح علی الجبیرہ میں آتے ہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص چمڑے کے موزے یا خوب دبیز کپڑے یا نائیلان کے موزے پہن لے تو گھر پر ایک دن ایک رات تک اور سفر میں تین دن تین رات تک اس کے اوپر مسح کرنے کی اجازت ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرطیں

چمڑے یا کپڑے کے موزوں پر اس وقت مسح جائز ہو گا (۱) جب وہ اتنا موٹا ہو کہ اگر اس کے اندر پانی ڈال دیا جائے تو گرے نہیں (۲) اور موزے پیر میں ایک آدھ میل چلتے وقت ٹکے رہیں اور ان سے دونوں ٹخنے ڈھکے ہوں پھٹے نہ ہوں، (۳) اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موزے طہارت کی حالت میں پہنے گئے ہوں، اگر یہ باتیں نہ ہوں گی تو موزوں پر مسح جائز نہیں ہے۔ موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تین چھوٹی انگلیوں کو پیر کے اوپر کے حصّے پر پھیر لیا جائے۔ وضو کرتے وقت اگر پیر کا اکثر حصّہ کھل جائے اس کے اندر پانی چلا جائے تو مسح کرنے کے بجائے موزوں کو اتار کر پیر دھو لینا چاہیئے[1] ہاتھ کے دستانوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ کتنے ہی موٹے کیوں نہ ہوں اسی طرح اگر تیمم کر کے موزہ پہنا ہو تو جب وہ وضو کرے تو اس موزہ پر مسح نہیں کر سکتا[2] اس لئے کہ تیمم کی طہارت طہارت کاملہ نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر طہارت حاصل

---

[1] ینقض ایضا بغسل اکثر الرجل فیہ لو دخل الماء خفیہ وصححہ غیر واحد (در مختار ص۲۹ ج۱)

[2] لا یجوز المسح للمحدث المتیمم کذا فی خزانۃ المفتین (عالمگیری ص۳۳ ج۱)

کرنے کے لئے تیمّم کیا جاتا ہے۔

نائیلان اور فوم کے موزے نائیلان کے یا کپڑے کے موزوں میں مذکورہ شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں اس لئے ان پر مسح جائز نہیں البتہ اگر فوم کے یا نائیلان کے موزے دبیز ہوں تو ان پر مسح کی گنجائش ہے دبیز ہونے کا مطلب اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اہلحدیث اس میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں۔

معذور کے احکام اگر کسی شخص کے جسم میں کوئی ایسا زخم ہے یا عورت کو استحاضہ ہے اور خون ہر وقت جاری رہتا ہے، یا نکسیر پھوٹ گئی ہے خون بند نہیں ہوتا ہے یا اس کو پیشاب کی بیماری ہے ہر وقت پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں، تو ایسے شخص کو ان باتوں کی وجہ سے نماز نہیں چھوڑنی چاہیئے بلکہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو کچھ موقع ملتا ہے، جب کہ خون یا مواد نہیں بہتا یا پیشاب کا قطرہ نہیں آتا تو اس درمیان میں اس کو وضو کر کے نماز پڑھ لے، خون، مواد یا پیشاب بہتا ہے تو بہنے دے۔

بے وضو آدمی کا حکم (۱) جو آدمی بے وضو ہو اس کو نہ تو ہاتھ سے قرآن چھونا چاہیئے اور نہ نماز پڑھنا چاہیئے اور نہ سجدۂ تلاوت یا سجدۂ شکر وغیرہ کرنا چاہیے۔ ترجمہ والا قرآن بھی نہ چھونا چاہیے۔ البتہ اگر زبانی قرآن پڑھے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ جس طرح بے وضو قرآن کا چھونا منع ہے، اسی طرح اس کا لکھنا بھی منع ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں اگر قرآن کی آیات لکھی ہوں تو ان کو بھی چھونا مکروہ ہے (۲) البتہ چھوٹے بچے بے وضو قرآن چھوئیں یا پڑھیں تو ان کے لئے گنجائش ہے۔

حالت جنابت میں قرآن کی کتابت یا ٹائپ جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت صحیح نہیں ہے اسی طرح اس کی کتابت یا ٹائپ وغیرہ بھی صحیح نہیں ہے [۱]

---

[۱] الجنب لا یکتب القرآن وان کانت الصحیفة علی الارض ولا یضع یده علیها وان کان مادون اٰیة۔ جنبی قرآن کی کتابت نہ کرے خواہ کاغذ زمین پر ہو۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

آج کل ریکارڈ یا کیسٹ میں جو قرآن بھر دیا جاتا ہے اس کے چھونے میں کوئی ہرج نہیں ہے اس کی حیثیت نقش کی سی ہے نجاست کے بیان میں تفصیل آچکی ہے۔

غسل کا بیان

غسل دو مقصد سے کیا جاتا ہے، ایک ثواب حاصل کرنے کے لئے۔ مثلاً جمعہ وعیدین کا غسل، دوسرے بعض ناپاکیاں ایسی ہوتی ہیں جو غسل کے بغیر دور نہیں ہوتیں۔ اس لیے غسل کرنا ضروری ہے۔

غسل کے معنیٰ لغت میں تمام بدن کے دھونے کو غسل کہتے ہیں، لیکن شریعت میں ناپاکی دور کرنے یا ثواب حاصل کرنے کے لئے خاص طریقے سے تمام بدن کے دھونے کو غسل کہا جاتا ہے۔

غسل کب فرض ہوتا ہے حسب ذیل صورتوں میں غسل فرض ہوتا ہے (۱) شہوت کے ساتھ آدمی کے جسم سے منی نکل آنے سے خواہ وہ مباشرت کے ذریعہ ہو یا کسی اور ذریعے سے۔ (۲) رات کو یا دن کو سونے میں احتلام ہو جائے، خواہ اس نے کوئی خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ اگر اس نے خواب دیکھا ہو کہ احتلام ہو گیا، لیکن کپڑے وغیرہ پر کوئی علامت نہ ہو تو غسل ضروری نہیں ہے (۳) اگر مرد کے پیشاب کا مقام عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو جائے تو منی نکلے یا نہ نکلے عورت اور مرد دونوں پر غسل فرض ہو جائے گا۔ موجودہ دور میں نرودھ کا استعمال عام ہو گیا ہے، اس کو لگا کر ہم بستری کرنے سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے، اس لئے کہ غسل کے دلئے دو شرطیں ہیں ایک شہوت کے ساتھ انزال،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور اس کا ہاتھ اس پر نہ پڑے، خواہ ایک آیت سے کم ہی کی کتابت ہو، بعض حضرات نے بے وضو کتابت کے لئے کچھ گنجائش نکالی ہے، مگر بہتر نہ لکھنا ہی ہے، ترجمۂ قرآن مجید کا بھی یہی حکم ہے ولو کان القرآن مکتوبا بالفارسیۃ۔

(عالمگیری ص ۳۰ ج ۱)

دوسرے مرد کے حشفہ (اگلا حصّہ) کا عورت کی شرمگاہ میں داخل ہونا اور یہ دو شرطیں یہاں پائی جاتی ہیں۔ (۴) عورت کو حیض یا نفاس آجائے۔ حیض و نفاس کا بیان اوپر آچکا ہے جس پر غسل فرض ہو اس کو جُنُبی کہتے ہیں۔

دوسرے کے مادۂ منویہ سے غسل

اس مغرب زدہ بے حیا تہذیب نے ایک لعنت یہ شروع کی ہے کہ کسی مرد کا مادۂ منویہ لے کر عورت کے رَحِم میں ٹسٹ ٹیوب کے یا انجکشن کے ذریعہ داخل کرتے ہیں اس سے غسل واجب ہوگا یا نہیں، بعض جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ غسل واجب نہیں ہوگا، مثلاً در مختار میں ہے ولا عند ادخال اصبع او غیرہ کذ اذکر غیر آدمی (ج ۱ ص ۱۵۳) انگلی یا کسی آدمی کے علاوہ کسی کے ذکر کے ادخال سے غسل واجب نہیں۔ اس کی پوری تفصیل معاشرت کے بیان میں آئے گی۔

مصنوعی بالوں کا حکم

مصنوعی بال لگانے یا اس میں تراش خراش پیدا کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اگر کوئی عورت مصنوعی بال لگائے تو اس کو وضو اور غسل کے وقت اسے الگ کر کے اصل بال تک پانی پہنچانا یا مسح کرنا ضروری ہے۔

کب غسل کرنا سُنّت اور مستحب ہے

(۱) جمعہ کی نماز کے لئے (۲) عیدین کی نماز کے لئے (۳) حاجیوں کو احرام باندھتے وقت اور عرفات میں (۴) کوئی کافر مسلمان ہو تو اس وقت بھی غسل کرنا مستحب ہے (۵) مردے کو نہلانے کے بعد (۶) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے لیے بھی غسل مستحب ہے۔

غسل کرنے کا طریقہ

غسل کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹوں سمیت دھوئے پھر اپنی شرم گاہوں کو دھوئے پھر جسم پر یا کپڑے پر جہاں نجاست لگی ہو اسے دھو ڈالے، پھر پورا وضو کرلے۔ اگر کسی تختے یا پختہ زمین پر نہا رہا ہے تو وضو میں پیروں کو بھی دھو ڈالے۔ اور کسی کچی جگہ پر نہا رہا ہے تو پھر پیروں کو آخر میں دھوئے۔ وضو کرنے کے بعد سارے بدن پر تین بار پانی بہائے۔ پہلی بار پانی بہانے کے بعد سارے بدن پر ہاتھ پھیرے تاکہ جسم کا کوئی حصہ سوکھا نہ رہ جائے۔ پھر دوبارہ اور

سہ بارہ بدن پر پانی بہائے۔

وضو کی طرح غسل میں بھی بعض چیزیں فرض، بعض سنت اور بعض مستحب ہیں۔

غسل کے فرائض

غسلِ جنابت میں تین چیزیں فرض ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) سارے بدن پر ایک بار اس طرح پانی بہانا کہ جسم کا کوئی حصہ بال کے برابر بھی سوکھا نہ رہ جائے حتیٰ کہ ناخنوں کے اندر بھی پانی پہنچ جائے[۱]

عورت کے بالوں کا حکم

اگر عورت[۲] کے بال کھلے ہوئے ہوں تو ایک ایک بال کا دھونا اور ان کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔ لیکن اگر بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کی جڑوں میں پہنچ جانا کافی ہے، اگر بے کھولے بال کی جڑ میں پانی نہ پہنچ سکے تو اس کا کھولنا ضروری ہے، اگر کان، ہاتھ یا پیر میں کوئی انگوٹھی یا چھلّا یا کوئی تنگ زیور ہو تو نہاتے وقت اس کو ہلالے تاکہ اس کے اندر کا حصہ خشک نہ رہ جائے۔

غسل میں جتنی چیزیں فرض ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز چھوٹ گئی، تو غسل نہ ہوگا یعنی وہ ناپاک ہی رہے گا۔ مثلاً کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے یا پورے بدن پر پانی نہ پہنچے تو غسل نہ ہوگا۔ دیہاتوں میں بعض مسلمان دھوتی کا پھٹا باندھ کر نہاتے ہیں، اس کو کھول دینا چاہیے ورنہ کمر کے خشک رہ جانے کا اندیشہ ہے۔

غسل کی سنّتیں

غسل میں کئی چیزیں سنت ہیں۔ ان کے چھوٹ جانے سے غسل تو ہو جائے گا مگر ثواب کم ہو جائے گا۔

(۱) خدا کی رضا کے لیے پاک ہونے کی نیت کرنا[۳] (۲) دونوں ہاتھوں کو گٹوں سمیت

---

[۱] وفرض الغسل المضمضۃ والاستنشاق وغسل سائر البدن۔

(ہدایہ ص ۳۴ ج ۱)

[۲] المرأۃ فی الغسل والاغتسال کالرجل ولکن الشعر المسترسل من ذوائبھا غسلہ موضوع فی الغسل اذا بلغ الماء اصول شعرھا بخلاف الرجل (منیۃ المصلی ص۱۶)

[۳] اگر نیت نہ کی گئی تو غسل تو ہو جائے گا مگر ثواب نہیں ہوگا۔ بہشتی زیور ج ۱ ص ۵۵۔

دھونا (۳) جسم یا کپڑے پر اگر نجاست لگی ہو تو اس کو دور کر کے پھر پورا غسل کرنا (۴) شرمگاہ کا دھونا (۵) وضو کرنا۔ (۶) تمام بدن پر تین بار پانی بہانا[1]۔ (۷) غسل خانے میں کپڑا پہن کر نہانا[2]۔

غسل کے آداب

(۱) بیٹھ کر غسل کرنا (۲) اس نیت سے غسل کرنا جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ (۳) زیادہ پانی نہ گرانا (۴) بدن کو ملنا (۵) ایسی جگہ نہانا کہ غیر محرم کی نگاہ نہ پڑے، عورتوں کو نہاتے وقت عورتوں سے بھی پردہ رکھنا چاہیئے۔ اگر غسل کے لیے بند جگہ میسر نہ ہو تو مرد کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے گھٹنے کے اوپر کا حصّہ کھلنے نہ پائے غسل کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ نہ کرنا چاہیے اور نہ زیادہ پانی خرچ کرنا چاہیئے[3] اور وہ جگہ گندی نہ ہو ورنہ ناپاک جگہ پر پانی گرے گا، تو پانی کی چھینٹیں بدن اور کپڑے پر پڑیں گی اور پورے طور پر پاکی حاصل نہ ہوگی۔

ہدایات

اگر کوئی شخص دریا میں یا حوض میں کود پڑے، یا گر جائے یا بارش کے پانی سے اس کا سارا بدن خوب بھیگ جائے یعنی ناک میں اور منہ میں بھی پانی پہنچ جائے تو اس کا غسل ہو گیا۔ اب دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے[4] (۲) اگر کوئی اوپر بتائے ہوئے طریقے کے مطابق غسل کرے تو پھر دوبارہ نماز کے لئے وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو اسی غسل سے نماز پڑھ لینا چاہیے (۳) غسل خانہ یا ندی یا تالاب میں نہائے تو اس میں پیشاب نہ کرنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس سے دل میں وسوسہ اور شبہ پیدا ہوتا ہے (۴) وضو میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں ان کو غسل میں بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ (۵) اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں بیمار ہو جانے یا بیماری کے بڑھ جانے کا گمان غالب ہو اور گرم پانی کا انتظام نہ ہو سکتا ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لینا چاہیئے پھر نماز کو قضا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] وسنتہ البداءة بغسل یدیہ وفرجہ وان لم یکن بہ خبث اتباعاً للحدیث وخبث بدنہ ان کان علیہ خبث لئلا یشیع ثم یتوضأ ثم یفیض الماء علی کل بدنہ ثلاثا (شرح التنویر ص۱۶۱ ج ۱) [2] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳

[3] وان لا یسرف فی الماء منیۃ المصلی ص۱۸ ج ۲۔ [4] ایضاً ص۱۵

جُنُبی کو اِن باتوں سے بچنا چاہیے جب کسی کے اوپر غسل فرض ہو تو اس کو ان باتوں سے بچنا چاہیے (۱) قرآن پاک کا چھونا، اس کا پڑھنا۔ (۲) سجدہ کرنا یا نماز پڑھنا (۳) مسجد میں بغیر شدید ضرورت کے جانا (۴) حیض ونفاس کی حالت میں مباشرت کرنا (۵)، بے وضو آدمی کو زبانی قرآن پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن جُنُبی کو زبانی قرآن بھی نہ پڑھنا چاہیے۔ البتہ اگر قرآن کی کوئی چھوٹی آیت بطورِ دُعا یا کوئی ذکر، مثلاً سبحان اللہ الحمدللہ وغیرہ پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تیمّم کا بیان

اوپر پانی سے پاکی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اب مٹی کے ذریعہ پاکی حاصل کرنے کا طریقہ لکھا جاتا ہے۔ خدا کی یہ بڑی نعمت ہے کہ اگر کسی کو پانی نہ ملے یا پانی تو موجود ہو مگر اس کے استعمال سے نقصان پہنچنے یا بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو اس نے تیمّم کی اجازت دی ہے۔ قرآن میں ہے :-

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النساء)	اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی اپنی ضرورت پوری کر کے آیا ہو یا عورتوں سے مباشرت کی ہو اور اس حالت میں تم کو پانی نہ ملے کہ وضو یا غسل کرو تو پھر پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) اپنے ہاتھوں سے اپنے چہروں اور دونوں ہاتھوں کو مل لو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا انصاف کرنے والا اور رعایت کرنے والا ہے۔

تیمّم کے معنی تیمّم کے لغوی معنی ارادہ اور قصد کرنے کے ہیں اور شریعت میں پاک مٹی یا جو چیز پاک مٹی کے حکم میں ہو اس سے پاکی حاصل کرنے کے ارادے کو تیمم کہتے ہیں جس طرح وضو اور غسل میں کچھ چیزیں فرض اور کچھ چیزیں سنت ہیں اسی طرح تیمم میں بھی ہیں۔

تیمم کے فرائض

تیمم میں تین چیزیں فرض ہیں (۱) نیت کرنا (۲) دونوں ہاتھ پاک مٹی پر مار کر منہ پر اچھی طرح پھیرنا تاکہ بال برابر جگہ باقی نہ رہ جائے (۳) دونوں ہاتھوں کو دوبارہ مٹی پر مار کر کہنیوں سمیت ان کو اس طرح ملنا کہ ذرہ بھر جگہ باقی نہ رہ جائے[۱]

تیمّم کا مسنون طریقہ

تیمم کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تیمم کی نیت کرے، تیمم کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی کے لئے دل میں پاکی حاصل کرنے کی نیت کر لے۔ پھر دونوں ہاتھوں کو ہتھیلی کی طرف سے مٹی پر مارے، اور پھر دونوں ہاتھوں کو منہ پر مل ڈالے ــــ اگر ہاتھ میں مٹی زیادہ لگ گئی ہو تو اس کو جھاڑ ڈالے خواہ مخواہ منھ کو گرد آلود نہ کرے، پھر دوبارہ دونوں ہاتھوں کو ہتھیلی کی طرف سے مٹی پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت خوب اچھی طرح ملے۔ ہاتھ ملتے وقت پہلے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے ملے، پھر بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ سے ملے۔ منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت داڑھی میں خلال کر لینا بھی سنت ہے۔ (عالمگیری ص۲۵-۲۶)

کن چیزوں سے تیمّم جائز ہے

پاک مٹی، پتھر، کنکر[۲]، ریت، چونا، مٹی کی کچی یا پکی اینٹ، گیرو، مٹی، پتھر یا اینٹ کی دیوار، مٹی کے کچے پکے برتن، اگر ان پر روغن نہ چڑھایا گیا ہو۔ اگر کسی لکڑی یا کپڑے یا کسی اور پاک چیز پر گرد پڑ گئی ہو تو اس پر بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔ (درمختار و عالمگیری ۲۵،۲۶)

کن نجاستوں سے تیمم جائز ہے

اوپر نجاستِ حکمیہ کا بیان ہو چکا ہے۔ نجاستِ حکمیہ چھوٹی ہو یا بڑی دونوں سے تیمم کے ذریعہ پاکی حاصل

---

[۱] وصورته (اي صورة التيمم) ان يضرب على الارض ضربة مفرجا فلينفضهما ويمسح بهما وجهه ثم يضرب ضربة اخرى فينفضهما ثم يمسح اليمنى واليسرى اليمنى باليسرى واليسرى باليمنى من رؤس الاصابع الى المرفقين (منية المصلى ص۲۲)

[۲] ويجوز التيمم عند ابى حنيفة ومحمد بكل ما كان من جنس الارض كالتراب، والرمل والحجر والزرنيخ والكحل والنورة والمضرة وما اشبهها (منية المصلى ص۲۳)

کی جا سکتی ہے۔ البتہ نجاستِ حقیقی کے لئے تیمم کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا دھونا ضروری ہے۔

ضروری ہدایات

وضو اور غسل دونوں کے لئے ایک ہی طرح تیمم کیا جائے گا اور ایک ہی تیمم دونوں کے لئے کافی ہے۔

تیمم کب کرنا چاہیئے

تیمم ہر وقت جائز نہیں ہے بلکہ اس کے جائز ہونے کے لیے ان شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) پانی ایک میل یا اس سے زیادہ دور ہو[1] (۲) کنواں موجود ہو لیکن اس سے پانی نکالنے کا کوئی سامان نہ ہو (۳) پانی کے پاس کوئی موذی جانور یا کوئی دشمن ہو کہ قریب جانے پر اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو (۴) اگر ریل یا ہوائی جہاز یا موٹر پر سوار ہو اور اس پر پانی نہ مل سکتا ہو یا وضو کرنے کا موقع نہ ہو یا اتر کر پانی لینے میں سواری کے چھوٹ جانے کا ڈر ہو ٹرین وغیرہ پر اگر پانی میسر نہ ہو تو اگر اس کی دیواروں وغیرہ پر گرد پڑی ہو تو اس پر تیمم کرنا جائز ہے۔

(۵) پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھنے یا پیدا ہو جانے یا صحت پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو، مگر اس سلسلے میں خواہ مخواہ وہم کی بنا پر تیمم نہ کرنا چاہیئے، بلکہ تیمم اس وقت کرنا چاہیے جب مرض بڑھ جانے یا پیدا ہونے کا یقین یا تجربہ ہو۔ مثلاً بعض نزلاوی مزاج کے لوگوں کو جاڑوں میں ٹھنڈے پانی کے استعمال سے نقصان پہنچتا ہے ایسے لوگوں کو گرم پانی سے وضو یا غسل کرنا چاہیئے۔ اگر یہ نہ مل سکے یا اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمم کیا جا سکتا ہے (۶) تھوڑا سا پانی ہو اگر اس سے وضو کر لیتا ہے تو پیاسا رہ جائے گا یا کھانے پکانے میں تکلیف کا اندیشہ ہو (۷) پانی موجود ہو، مگر وہ خود اٹھ کر نہ لے سکتا ہو اور دوسرا دینے والا بھی موجود نہ ہو (۸) وضو یا غسل کرنے میں کسی ایسی نماز کے چلے جانے کا اندیشہ ہو جن کی قضا نہیں ہے، مثلاً عیدین، نمازِ جنازہ، ان تمام صورتوں میں وضو یا غسل کے بجائے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ (علم الفقہ وعالمگیری)

---

[1] وان خرج مسافرا او محتطبا او خرج من قریۃ الی قریۃ یجوز لہ التیمم وان کان بینہ وبین الماء نحو المیل او اکثر (منیۃ المصلی ص۲۳)

ہدایت (۱) اگر کسی شخص کو غسل کی ضرورت ہے اور پانی سے غسل کرنے میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو لیکن اگر وضو کرلے تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، تو اس کو غسل کے لئے تیمم کرلینا چاہیئے، اور ہر نماز کے وقت تیمم کے بجائے تازہ وضو کر کے نماز پڑھنا چاہیے (۲) اگر پانی اتنا کم ہو کہ صرف ایک ایک دفعہ منھ، ہاتھ اور پیر دھویا جا سکے تو ایسی حالت میں تیمم نہ کرنا چاہیئے بلکہ ایک ایک بار ان اعضاء کو دھو لینا چاہیے[۱] اور وضو کی سنّتوں کو یعنی کلی یا ناک میں پانی ڈالنے کو چھوڑ دینا چاہیے (۳) اگر کسی نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے قریب ہی پانی تھا، تو اب نماز دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے[۲]، لیکن یہ حکم اس حالت میں ہے، جب وہ اس سے پہلے پانی حاصل کرنے کی کوشش کر چکا ہو، ورنہ نماز دُہرانی پڑے گی (۴) اگر نماز کے آخری وقت تک پانی مل جانے کا یقین ہو تو نماز کو اخیر وقت پر پڑھنا مستحب ہے، مثلاً ریل یا موٹر پر سوار ہے اور یقین ہو کہ آخر وقت تک اس کا موٹر یا ریل اس جگہ پہنچ جائے گی جہاں پانی مل جائے گا تو نماز میں تاخیر کر سکتا ہے، لیکن اگر شبہ ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لینی چاہیئے (۵) اگر کسی نے پانی تلاش کرنے کے بعد تیمم سے نماز پڑھ لی اور نماز کے وقت میں پانی مل گیا تو اب نماز کو دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے (۶) اگر کوئی شخص ریل پر سوار ہو، اور اس کو کوشش کے باوجود پانی اور مٹی نہ ملے تو وضو اور تیمم کے بغیر نماز پڑھ لینی چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جیل میں ہے اور اس کو پانی اور مٹی نہ مل سکے تو اس کو بھی بغیر طہارت نماز پڑھ لینی چاہیے۔ لیکن دونوں صورتوں میں جب پانی مل جائے تو اس کو نماز دُہرانی چاہیئے[۳] (۶) اگر کوئی عذر ایسا ہو جو کسی انسان نے پیدا کر دیا ہو تو اس

---

[۱] ونا قضہ ناقض الاصل وقدرۃ ماء کاف لطھرہ ولو مرۃ مرۃ۔
(شرح التنویر ج۱ ص۲۶)

[۲] اذا تیمم وصلی والماء قریب منہ ولا یعلم اجزأہ (منیۃ المصلی ص۲۴)

[۳] اگر وہ اس مجبوری میں نماز قضا کر دے اور بعد میں قضا پڑھ لے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔

صورت کا حکم بھی یہی ہے[1] مثلاً کوئی شخص جیل میں ہو اور اس کو وضو کرنے سے روک دیا گیا ہو۔ یا پینے کے علاوہ زیادہ پانی نہ دیا جائے۔

کن باتوں سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے

(۱) جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے (۲) جن باتوں سے غسل فرض ہوتا ہے ان باتوں سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ (۳) جس عذر کی بنا پر تیمم کیا گیا ہو اگر وہ باقی نہ رہے تو تیمم ٹوٹ جائے گا (۴) پانی مل جانے کے بعد تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ (عالمگیری)

نماز کا بیان

کتاب کے شروع میں نماز کی کچھ اہمیت بیان ہو چکی ہے، اب اس کا مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

نماز کو عربی زبان میں صلوٰۃ کہا جاتا ہے، صلوٰۃ کے لفظی معنیٰ دعا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (توبہ) ان کے لیے دعا کیجئے آپ کی دعا ان کے لئے اطمینان کا سبب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:۔ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ۔ فرشتے تمہارے لیے دعا کرتے ہیں۔

نماز کو دُعا اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے ذریعے بندہ اپنے حقیقی آقا و مالک کی عظمت و جلال، اس کی شانِ ربوبیت اور اپنی بندگی اور عاجزی اور بے چارگی کا اظہار کرتا ہے، اس کے

---

[1] ان المانع من الوضوء ان کان من قبل العباد کاسیر منعه الکفار من الوضوء او محبوس فی السجن جاز له التیمم ویعید الصلوٰۃ اذا زال المانع رشامی ص ۲۱۷ ج ۱) والمحبوس الذی لا یجد طهورا لا یصلی عندهما وعند ابی یوسف یصلی بالایماء ثم یعید۔ (بحر الرائق)

ذریعے بندگی پر قائم رہنے کی دعا مانگتا ہے اور سیدھی راہ (اسلام) پر چلنے کی توفیق چاہتا ہے گویا نماز بندے کو آقا تک پہنچانے کا واسطہ ہے اور دُعا کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔

اسلام میں نماز کی اہمیت

یوں تو جتنی عبادتیں اسلام میں فرض کی گئی ہیں وہ سب اپنی جگہ ضروری اور اہم ہیں، مگر نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ اسلام کا ایک ایسا رکن ہے جو ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب اور ہر حالت میں خواہ وہ تندرست ہو یا بیمار، کمزور ہو یا طاقت ور، مقیم ہو یا مسافر، جنگ کی حالت میں ہو یا امن کی، فرض ہے۔ آدمی کا ہوش و حواس جب تک درست ہے مرتے دم تک یہ معاف نہیں ہے۔ اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو لیٹ کر پڑھے، اگر لیٹ کر بدن کو حرکت نہیں دے سکتا تو اشاروں سے پڑھے، غرض کسی وقت معاف نہیں ہے، حتٰی کہ سات برس کے بچّوں کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے اور جب یہ دس برس کے ہو جائیں تو آپؐ نے فرمایا کہ مار پیٹ کر نماز پڑھاؤ (مسلم)

قرآن میں نماز کی تاکید بار بار آئی ہے۔ قرآن میں ہے کہ "نماز مسلمانوں پر وقتِ مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔ نماز میں سستی کرنے والوں کو قرآن نے "منافق" قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل دونوں سے اس کی اہمیت اور عظمت بتائی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا اور خوب دل لگا کر اچھی طرح نماز پڑھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ بخش دے گا اور جنت میں جگہ دے گا[1]

آپؐ نے کبھی بھی نماز ترک نہیں فرمائی۔ فرض نمازوں کے علاوہ آپؐ نفل نمازیں اتنی اتنی دیر تک پڑھتے تھے کہ نماز پڑھتے پڑھتے آپؐ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ "نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"[2]

---

[1] عن عقبہ بن عامرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلم یتوضاء فیحسن وضوءہ ثم یقوم فیصلی رکعتین مقبلاً علیھما بقلبہ و وجھہ الا وجبت لہ الجنۃ (رواہ مسلم)

[2] قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

آپ کی وفات سے ایک سال پہلے بنو ثقیف کا وفد آپؐ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لئے آیا مگر اسلام قبول کرنے سے پہلے ان لوگوں نے آپؐ سے ترکِ نماز کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں"۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز حائل ہے جس نے نماز چھوڑ دی گویا وہ کفر کی حد میں داخل ہو گیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے نماز قصداً ترک کی اس نے کفر کیا۔ (مشکوٰۃ)

آپ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے تھوڑی دیر پہلے صحابہؓ سے فرمایا کہ نماز کا خیال رکھنا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے قصداً نماز ترک کی اس نے کفر کیا۔ (بخاری و مسلم) آپؐ نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو گرایا اس نے دین کو گرادیا۔ ان ہی تاکیدوں کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے ترک کو کفر سمجھتے تھے۔ امام بن حنبلؒ نماز چھوڑنے والے کو کافر کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو قتل کر دینے کا حکم دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کو قید رکھا جائے۔

نماز کس طرح پڑھنی چاہیئے

قرآن مجید میں جہاں نماز کا ذکر آیا ہے وہاں صرف نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے اقامتِ صلوٰۃ اور حفاظتِ صلوٰۃ کا حکم آیا ہے جس کے معنٰی ہیں نماز کو اچھی طرح اور دل لگا کر پڑھنا، اور اس میں کسی طرح کا خلل اور خرابی نہ آنے دینا۔ اب یہ خرابی اور خلل چاہے جسم کے کسی عضو کے ذریعہ پیدا ہو یا دل کی توجہ اور نیت و ارادے کے ذریعہ ہو، ہر خلل سے نماز کو پاک رکھنا چاہیئے۔ اسی لئے نماز میں بلاوجہ ہاتھ پیر ہلانا، بدن کھجلانا، اِدھر اُدھر کنکھیوں سے دیکھنا منع ہے۔ اس سے توجہ بٹتی ہے۔

نمازی کو چاہیے کہ وہ نماز سے پہلے پاک صاف ہولے، پھر اچھی طرح وضو کرے۔ نماز میں کھڑا ہو تو نماز کے ہر رکن کو پورے اطمینان کے ساتھ ادا کرے۔ اس کا دل دنیا کے جھمیلوں کے بجائے خدا کی طرف متوجہ ہو، اگر کوئی دنیاوی خیال آئے تو اس کو دور کر کے خدا کی طرف اپنی توجہ پھیر دے۔ اسی کو شریعت میں خشوع اور حضورِ قلب کہا گیا ہے۔ خدا نے خشوع سے نماز پڑھنے

والوں کی بارہا تعریف کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خشوع اور حضورِ قلب کے بغیر نماز پڑھنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ "بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو نماز سے سوا تکلیف اور مشقت کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ: خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اس لیے کہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو لیکن وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے[1]"۔ یعنی اگر تمہاری کوتاہ نظر اس کی ربوبیت وقدرت پر نہیں پڑتی ہے تو اس کی وسیع نظر سے تو کوئی بات چھپی نہیں ہے۔ یوں تو یہ خیال ایک مسلمان کو ہر وقت رہنا چاہیے، لیکن نماز میں تو یہ انتہائی ضروری ہے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی مگر اس نے نہ تو اس کے ارکان کو اچھی طرح ادا کیا اور نہ دل لگا کر نماز پڑھی، اس شخص سے آپؐ نے تین بار نماز دہرائی اور ہر مرتبہ آپؐ یہی فرماتے جاتے تھے "نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی"۔ (رواہ ابو داود و ترمذی)

نماز کے فائدے

نماز کے بے شمار فائدے ہیں (۱) نماز میں طہارت کی شرط آدمی کو پاک وصاف رہنا سکھاتی ہے (۲) نماز میں بدن کو چھپانے کی شرط آدمی میں شرم وحیا، ادب ولحاظ پیدا کرتی ہے (۳) وضو کی شرط اور مسواک کی تاکید آدمی کی تندرستی پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔ (۴) نماز میں وقت کی پابندی کی شرط آدمی کو ہر کام وقت پر کرنے کا سبق دیتی ہے (۵) صبح کی نماز کی وجہ سے آدمی کو سویرے اٹھنے کی عادت پڑتی ہے (۶) نماز بُرے خیالات سے پاک رکھتی ہے۔ یہ وہ فائدے ہیں جو آدمی کی صحت وجسم سے متعلق ہیں۔ نماز کے اخلاقی و رُوحانی فائدے اس سے بھی زیادہ ہیں:۔

(۱) نماز پڑھنا خدا کی توحید، اس کی ربوبیت کا اقرار اور اس کی عظمت و برتری کا اظہار ہے (۲) نماز میں آدمی جس وقت اللہ اکبر کہتا ہے تو وہ اس بات کا اقرار و اعلان کرتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی ہستی خدا کے علاوہ قابلِ تعظیم اور اس سے بلند تر نہیں ہے۔ اس اقرار کی وجہ سے آدمی کے دل میں یہ یقین بھی پیدا ہوتا ہے، کہ اس کے علاوہ کوئی ذات انسان کی ضرورت پوری نہیں کر سکتی (۳) اسی طرح نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تکرار، نماز کی تمام دعائیں خدا کی بزرگی

---

[1] ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (رواہ مسلم)

اور برتری اور انسان کی عاجزی اور بے چارگی سے لبریز ہیں۔ سوچیے کہ انسان کے لیے اس سے زیادہ مفید چیز اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ خدا کی معبودیت اور اپنی عبدیت کو پہچان لے (۴) پھر قرآن میں بتایا گیا ہے کہ "نماز برائی اور بے شرمی کی باتوں سے روکتی ہے" (۵) "نماز صبر و شکر کی خو پیدا کرتی ہے" (۶) قرآن میں کہا گیا ہے کہ "مصیبت میں نماز سے مدد حاصل کرو" (۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص پانچوں وقت کی نماز ادا کر لیتا ہے، وہ خدا کی حمایت اور امن میں آجاتا ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فائدے کی ایک بہترین مثال بیان فرمائی ہے۔ آپؐ نے ایک دن صحابہؓ سے فرمایا کہ "اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر صاف و شفاف پانی کی نہر بہتی ہو، اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس میں نہائے تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہ جائے گا؟ صحابہؓ نے کہا، نہیں یا رسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا کہ "پانچ وقت کی نمازوں کی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے بہت سے گناہوں کو مٹاتا اور معاف کرتا ہے" (مشکوٰۃ)

غرض یہ کہ نماز کے ذریعہ آدمی کا جسم، اس کی روح، اس کا دماغ اور دل سب کے سب بری باتوں، برے خیالات اور برے کاموں سے پاک ہو جاتے ہیں۔

نماز کن لوگوں پر فرض ہے

نماز ہر مسلمان مرد، عورت، عاقل، بالغ پر فرض ہے۔ اس کا منکر کافر اور اس کو فرض جان کر بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

نماز کب فرض ہوئی

ہجرت سے ڈیڑھ دو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی یعنی خدا نے آپؐ کو اپنی بارگاہِ خاص میں بلایا اور پنجوقتہ نماز کا تحفہ وہیں عطا ہوا۔ معراج کی واپسی کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کی خدمت میں آئے اور آپؐ کو خدا کے حکم کے مطابق نماز کے اوقات بتائے اور نماز پڑھنی سکھائی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

فرض نمازوں کی تعداد

روزانہ دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں (۱) فجر (۲) ظہر (۳) عصر (۴) مغرب (۵) عشاء۔

اسلام میں نماز کے اوقات مقرر ہیں، اگر وقت سے نماز نہ پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوگی، قرآن پاک میں ہے:-

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (نساء)

"بے شک نماز مسلمانوں پر وقتِ مقررہ کے ساتھ فرض ہے۔"

وقت کی اتنی اہمیت ہے کہ نماز فرض ہونے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور دو دن وقت پر نماز پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، پہلے دن اول وقت پر آپ نے نماز پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت پر۔ اب اسی بتائے ہوئے وقت کے مطابق آپ نے اور صحابہ نے نماز پڑھی اور ائمہ نے اسی کی روشنی میں وقت کی تعیین کی ہے اور اس کی پہچان بتائی ہے۔

نماز کے اوقات کا بیان

فجر کی نماز کا وقت صبحِ صادق[1] سے سورج نکلنے کے وقت تک اور ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد سے اس وقت تک ہے جب تک ہر چیز یعنی درخت، دیوار وغیرہ کا سایہ، سایۂ اصلی کے علاوہ دُگنا نہ ہو جائے۔[2] عصر کی نماز کا وقت اس کے بعد سے سورج غروب ہونے تک ہے۔ مغرب کا وقت سورج غروب ہونے کے بعد پچھم کی طرف سُرخی (شفق) غائب ہونے تک ہے۔ اور عشاء کا وقت سُرخی غائب ہونے کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔

ہدایت

صبح صادق کا وقت سورج نکلنے سے ایک گھنٹہ بیس منٹ پہلے ہو جاتا ہے، اسلئے فجر کی نماز سورج نکلنے میں سوا گھنٹہ رہ جائے تو پڑھی جا سکتی ہے اور مغرب کے بعد پچھم کی سُرخی تقریبًا سوا گھنٹہ رہتی ہے اس لئے عشاء کی نماز سورج ڈوبنے کے سوا گھنٹہ بعد پڑھی جا سکتی ہے[3] مگر احتیاطًا ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہی پڑھنی چاہیئے۔

جہاں دن رات چھ ماہ کا ہوتا ہو

دنیا میں اس وقت بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں چھ ماہ کے دن رات ہوتے ہیں اور بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا فصل ہوتا ہے، اس سلسلے میں بعض فقہاء ایسے مقامات پر نماز کو ضروری قرار نہیں دیتے، مگر ایک حدیث نبوی سے

---

[1] صبح صادق کو دیہاتوں میں پو پھٹنا بھی کہتے ہیں اور دیہات کے لوگ اس کو خوب پہچانتے ہیں۔

[2] امام محمد اور امام یوسف حدیث جبریل کی بنا پر ایک مثل کے بعد عصر کے وقت کے داخل ہو جانے کے قائل ہیں امام طحاوی اور دوسرے محققین فقہائے احناف اسی کو مفتی بہ قول کہتے ہیں۔

[3] صاحبین کا یہی مسلک ہے رد المحتار ج اص۱۲۴ ائمہ ثلثہ بھی اسی کے قائل ہیں زیادہ تر حدیثیں اسی کی مؤید ہیں۔

واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ طویل الاوقات مقام پر اندازہ سے نماز وغیرہ ادا کی جائے وہ حدیث دجال کے سلسلے میں حضرت نواس بن سمعانؓ سے ترمذی میں مروی ہے:۔

قلنا یا رسول اللہ ومالبثہ فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنۃ ویوم کشھر وسائر ایامہ کایامکم قلنا یارسول اللہ فذالک الیوم الذی کسنۃ أیکفینا فیہ صلاۃ یوم قال لا اقدروا لہ قدرہ۔ (مشکوٰۃ ذکر دجال)	"آپؐ نے دجال کا ذکر فرمایا تو ہم نے دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ وہ زمین میں اپنی فتنہ سامانیوں کے ساتھ کتنے دن رہے گا، آپؐ نے فرمایا کہ چالیس دن، پھر آپؐ نے شروع کے تین دنوں کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر، ہم نے کہا کہ یارسول اللہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا اس میں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہوگا آپ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اندازہ کرکے پانچوں وقت کی نماز پڑھو۔"

اس حدیث نے اب اس مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ نہیں رکھا بلکہ یہ مسئلہ منصوص ہو گیا، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

قالوا لولا ھذا الحدیث ووکلنا الی الاجتھاد واقتصرنا علی الصلوٰۃ عند الاوقات المعروفۃ فی غیرہ من الایام اذا بعد طلوع الفجر قدر ما یکون بینہ وبین الظھر فی کل یوم فصلوا الظھر ثم اذا مضی بعدہ قدر ما یکون بینھا وبین العصر فصلوا	علماء کی رائے ہے کہ اگر یہ حدیث موجود نہ ہوتی اور ہم اپنے اجتہاد پر اعتماد کرتے تو نماز کو معروف اوقات تک محدود رکھتے جیسا کہ دوسرے دنوں میں ہم کرتے ہیں، تو جب طلوع صبح بہت طویل ہو جائے تو اندازہ کیا جائے کہ صبح کے بعد نماز ظہر کتنی دیر بعد پڑھنی ہے تو اسی اعتبار سے نماز پڑھی جائے گی، اسی طرح ظہر و عصر کے درمیان، اسی طرح پھر مغرب، پھر عشاء، پھر فجر، پھر اسی طرح ظہر و عصر کے درمیان

العصر وكذا العشاء والصبح ثم الظهر، ثم العصر، ثم المغرب وكذا حتى ينقضي ذالك اليوم وقد وقع فيه صلوٰة السنة فرائض مؤداة في وقتها۔ وحاصلها ان الاوقات للصلوٰة اسباب وتقديم المسببات على الاسباب غير جائز الا بشرح مخصوص (ج ۵ ص ۱۹۵)

اسی طرح پھر مغرب، پھر عشاء، پھر فجر، پھر اسی طرح ظہر و عصر وغیرہ، یہاں تک کہ یہ لمبی مدت گذر جائے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے اوقات کی حیثیت سبب کی ہے، اور مسبب یعنی نماز کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ کوئی نص صریح موجود نہ ہو۔ جیسا کہ عرفات میں عصر کو مقدم کر دیتے ہیں، اسی طرح اس نماز کو وقت پر مقدم نہیں کریں گے بلکہ وقت کے اسے تابع رکھیں گے۔

حدیث گو دجال کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے مگر اس کا حکم عام رکھا جائے گا، جیسا کہ ملا علی قاری نے علماء کی رائے نقل کی ہے کہ صرف مورد تک اس کو مخصوص نہیں کیا جائے گا۔ روزہ کا بھی یہی حکم ہوگا کہ وہاں کے لوگ اندازے سے روزہ رکھیں گے، یعنی قریبی جگہوں میں جتنے بڑے دن رات ہوں اسی کے اعتبار سے نماز روزہ کی تعیین ہوگی مگر روزے کو نماز پر قیاس کرنا صحیح ہے یا نہیں اس بارے میں دوسرے علماء سے بھی پوچھنا چاہیے، راقم الحروف نے اس نص کی بنا پر یہ رائے دی ہے کہ، نماز پر روزہ قیاس کرنے میں بظاہر کوئی مانع نہیں معلوم ہوتا

گھڑی اور تقویم کے ذریعہ وقت کی تعیین

گھڑی اور تقویم کا رواج قدیم زمانہ سے ہے مگر نماز کے اوقات میں اس کا استعمال زمانہ قدیم سے نہیں ہے، موجودہ دور میں تقویم یعنی جنتری وغیرہ میں اوقات کی جو تعیین کی جاتی ہے اس کا تعلق علم فلکیات (Sloolmy) سے ہے، یہ علم گو قدیم ہے مگر جدید دوربینوں اور دوسرے آلات کی ایجاد کے بعد اس نے کافی ترقی کی ہے اور اسی کے مطابق ہماری گھڑیاں بنی ہیں اس لئے جن علماء نے رصد گاہوں کی تحقیق کی بنا پر نماز کے اوقات کی تقویم بنائی ہے وہ صحیح ہے اور اس کے استعمال میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بلکہ خدا نے جو سہولت

پیدا کر دی ہے اس کی بنا پر نمازی کے وقت کی بڑی بچت ہوتی ہے۔ ایسے اسباب و ذرائع جو کسی شرعی کام میں معاون ہوں وہ ہر طرح مستحسن ہیں حضر اور سفر دونوں میں اس سے مدد ملتی ہے۔

ریل، ہوائی جہاز اور پانی کے جہاز میں قبلہ کی تعیین

ریل، ہوائی جہاز اور پانی کے جہاز میں بھی استقبالِ قبلہ ضروری ہے، نماز کے شروع ہونے کے وقت بھی اور درمیان نماز بھی، لیکن اگر قبلہ کا سمت نہ معلوم ہو تو قبلہ نما کا استعمال کرنا چاہیئے، بشرطیکہ ایسا قبلہ نما ہو جو صرف سمت نہ بتاتا ہو بلکہ واقعی قبلہ بتاتا ہو اگر قبلہ کا بتانے والا کوئی آدمی یا آلہ نہ ہو تو سورج یا چاند دیکھ کر اس کی تعیین کی کوئی صورت نہ ہو تو تحری یعنی گمان غالب سے قبلہ کی تعیین کر کے نماز پڑھ لینی چاہیئے اگر بعد میں غلطی کا علم ہو جائے تو دہرا لینا بہتر ہے اور نہ دہرائے تو فرض ساقط ہو جائیگا۔ دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی یہ رائے دین کی اس سہولت کے مطابق ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں اختیار کی ہے وہ ریل کے بارے میں لکھتے ہیں "اگر فی الحقیقت ہجوم ایں قدر باشد کہ حرکت رکوع و سجود ممکن نیست و نیز بر صلوٰۃ خارج از ریل قادر نیست بلا استقبال و بلا قیام ادا کند (فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۵۶)

ہوائی جہاز اور جہاز پر نماز پڑھنے کا حکم بھی اسی طرح ہے جس طرح کشتی کا ہے، الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے مرتب شیخ عبد الرحمٰن لکھتے ہیں " ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجويه ونحوها"، یعنی جس طرح کشتی میں اگر کھڑے ہونے ہی گر جانے کا خطرہ ہو یا کھڑے ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنی جائز ہے۔ اسی طرح جہاز اور ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے جس طرح کشتی میں زمین پر پیشانی نہیں پہنچتی اسی طرح ان سواریوں میں بھی گو زمین پر پیشانی نہیں ہوتی مگر جس چیز پر وہ سجدہ کرے گا اس کا حکم زمین کا ہوگا، وضع الجبهة على الارض میں شریعت کا منشا یہ نہیں ہے کہ زمین کی سطح پر آدمی نہ ہو تو وہ نماز پڑھ ہی نہ سکے"۔

پانچوں وقتوں میں فرض و سنّت کی تعداد

فجر کے وقت چار رکعتیں ہیں۔ پہلے دو رکعت سنّت، اس کے بعد دو رکعت

فرض ۔ ظہر کے وقت کل دس رکعتیں ہیں ۔ پہلے چار رکعت سنت پھر چار رکعتیں فرض پھر دو رکعت سنّت ۔ عصر کے وقت چار رکعتیں فرض ہیں اور عصر سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ پڑھ لینا چاہیئے ۔ مغرب کے وقت پہلے تین رکعتیں فرض اس کے بعد دو رکعت سنت ۔ عشاء کے وقت چار رکعت فرض، پھر دو رکعت سنت ضروری ہے ۔ عشاء کی دو رکعت سنت کے بعد تین رکعت وتر بھی بہت ضروری ہے ۔ وتر کی نماز کا وقت بھی عشاء کی فرض نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے ۔ ان پانچوں وقتوں میں کُل ۷ا رکعتیں فرض، ۱۲ رکعتیں سنتِ موکدہ اور تین رکعتیں وتر واجب ہیں ۔

ان کے علاوہ ہر فرض نماز سے پہلے اور بعد میں جتنے نفل آدمی چاہے پڑھ سکتا ہے مثلاً عشاء سے پہلے اور عشاء کی نماز کے بعد وتر سے پہلے، وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے ۔ مغرب کی فرض نماز سے پہلے کوئی سنت نہیں ہے البتہ بعد میں دو رکعت سنتِ مؤکدہ کے علاوہ چھ رکعت نفل پڑھ لینا بہتر ہے، اگر چھ نہ ہوسکے دو ہی نفل پڑھ لینی چاہیئے ۔ اسی طرح ظہر کے وقت بھی سنتِ مؤکدہ سے پہلے اور بعد میں نفل پڑھ سکتا ہے ۔ البتہ عصر کی نمازِ فرض کے بعد کوئی سنت نہ پڑھنی چاہیئے ۔ اسی طرح صبح صادق کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ اور دو رکعت فرض کے علاوہ کوئی نفل نہ پڑھنی چاہیئے ۔ اور فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے بھی کوئی نفل نہیں ہے ۔ بعض نفل نمازوں کا ذکر آگے آئے گا ۔

ہر فرض نماز سے پہلے اذان کہنا ضروری ہے، اس لئے یہاں اذان کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے ۔

اذان کے معنی

اذان کے لفظی معنی اطلاع دینے اور اعلان کرنے کے ہیں ۔ شریعت میں روزانہ فرض نمازوں سے پہلے خاص الفاظ سے نمازیوں کو جو اطلاع دی جاتی ہے یا اعلان کیا جاتا ہے، اس کو اذان کہتے ہیں ۔ قرآن میں نماز کی طرف بلانے کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلاوے کے الفاظ اور اس کے قاعدے بتائے ہیں ۔

اذان کب شروع ہوئی

ابتدا میں مسلمان وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے اور نماز پڑھ لیا کرتے تھے ۔ ۲ھ میں آپؐ نے نماز کے لیے باقاعدہ منادی کا حکم دیا ۔ اس وقت یہ الفاظ کہہ کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا جاتا تھا : اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ ۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد آپؐ نے بعض صحابہؓ کے رویائے صادقہ کی بنا پر اذان کے وہ الفاظ

تجویز فرمائے جو اس وقت اذان میں کہے جاتے ہیں[۱]۔

اذان کی فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤذن کی اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے وہاں تک ہر چیز اس کے لئے قیامت میں گواہی دے گی۔ آپؐ نے دوسرے موقع پر فرمایا کہ قیامت کے دن اذان کہنے والے کی گردن سب سے اونچی ہوگی۔ اذان شعار اسلام میں سے ہے۔ امام محمدؒ فرمایا کرتے تھے اگر کسی بستی کے تمام لوگ اذان دینا چھوڑ دیں تو میں ان سے جہاد کروں گا اور اگر ایک آدمی ایسا کرے تو اس کو سزا دوں گا اور قید کردوں گا۔ (ردالمحتار)

اذان کا حکم مردوں کے لئے ہر فرض نماز سے پہلے اذان کہنا سنّتِ موکدہ ہے[۲]۔ نمازی اکیلا ہو یا بہت سے ہوں، مُسافر ہو یا مقیم، ادا نماز ہو یا قضا، اذان کہنی سنّت ہے۔ البتہ عورتوں کو اذان کہنا مکروہِ تحریمی ہے[۳]۔

ہدایت قضا نماز کے لئے اذان اس وقت کہنی چاہیئے جب دو تین آدمی ہوں۔ اگر مسجد میں قضا نماز پڑھی جائے تو اذان آہستہ کہی جائے ورنہ اس سے لوگوں میں انتشار پیدا ہوگا۔ اگر تنہا آدمی نماز قضا کرے تو اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔ جمعہ کے دن دو اذانیں

۱۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کے رویائے صادقہ کی تفصیل ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے۔ بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ نماز کی اطلاع کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے مشورہ فرمایا تو بعض حضرات ناقوس بجانے کا بعض نے قرنا کا مشورہ دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے بچنے کے لئے فرمایا کہ ایک آدمی کو بھیج کر "اَلصَّلوٰۃُ جَامِعَۃٌ" کے لفظ سے اطلاع دی جائے۔ اِس رائے کو حضورؐ نے پسند فرمایا اور حضرت بلالؓ کو اس کا حکم دیا (مشکوٰۃ ص۶۴) پھر کچھ دنوں کے بعد اذان کے موجودہ الفاظ کا آپؐ نے حکم فرمایا۔

۲۔ ردالمحتار اور درمختار ص۲۹۸ ھی کالواجب فی لحوق الاثم اس کے ترک میں وہی گناہ ہوگا جو واجب کے ترک کا ہوتا ہے۔

۳۔ شرح النقایہ باب الاذان۔

کہنی ضروری ہیں، ایک خطبہ سے پہلے، دوسری خطبہ کے وقت[1]۔ عیدین اور نمازِ جنازہ کے لئے یا دفن کے بعد قبر پر اذان کہنی مکروہِ تحریمی ہے۔

اذان کے الفاظ اور اس کا طریقہ

اذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کسی اونچی جگہ پر مؤذن کھڑا ہو جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈال لے اور خوب بلند آواز سے یہ الفاظ کہے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار بار، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دو بار، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ دو بار حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ دو بار حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ دو بار، پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ دو بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک بار۔ فجر کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دو بار اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنا بھی سنّت ہے۔ اذان کے بعد مؤذن کو اور ہر اذان سننے والے کو درود پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ٥

اقامت

نماز شروع کرنے سے پہلے اذان کے الفاظ ایک بار پھر دہرانے کو اقامت کہتے ہیں۔ اقامت کے معنٰی یہ ہوتے ہیں کہ اب نماز شروع کی جا رہی ہے، نمازیوں کو صف بنا لینی چاہیے۔ اقامت میں وہی الفاظ دہرائے جائیں گے جو اذان میں کہے جاتے ہیں۔

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمعہ کے لئے ایک ہی اذان ہوتی تھی مگر جب آبادی بہت بڑھ گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان خطبہ سے پہلے دینے کا حکم دیا اور تمام اکابر صحابہ نے اسے پسند فرمایا اور اس پر صحابہؓ کا حضور کے ارشاد علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین کے مطابق اجماع ہو گیا جو لوگ اس کے خلاف عمل کرتے ہیں ان کا عمل سنّت سے بھی ہٹا ہوا ہے اور اجماع امت سے بھی اسی لئے پوری امت میں اسی پر عمل آج تک باقی ہے۔

صرف حَيَّ عَلَى الْفَلَاح کے بعد دوبار قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ (نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی) کہنا ضروری ہے۔ اقامت جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو اَقَامَهَا اللّٰہ وَاَدَامَهَا (خدا اس کو قائم اور دائم رکھے) کہنا سنت ہے۔

اذان و اقامت کی زبان

اذان و اقامت کا عربی زبان میں ان خاص الفاظ سے ادا کرنا ہی ضروری ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اگر کسی اور زبان میں یا عربی زبان ہی میں کسی اور الفاظ سے اذان کہی جائے تو صحیح نہیں ہوگی، اگرچہ اس سے اذان کا مقصود حاصل ہو جاتے اور اسے لوگ اذان سمجھ لیں[1]

اذان و اقامت کی سنتیں اور آداب

(۱) اذان کہتے وقت کسی اونچے مقام پر کھڑے ہونا اور قبلہ کی طرف منھ کر کے اذان دینا سنت ہے (۲) اذان کہتے وقت شہادت کی دونوں انگلیاں کانوں پر رکھنا مستحب ہے (۳) اذان کے کلمات بلند آواز سے ٹھہر ٹھہر کر کہنا اور اقامت کے الفاظ جلد جلد کہنا سنت ہے (۴) حی علی الصلوٰۃ کہتے وقت دائیں جانب حی علی الفلاح کہتے وقت بائیں جانب منھ پھیرنا سنت ہے۔ منھ پھیرتے وقت یہ خیال ضرور رہے کہ سینہ نہ پھرے، صرف گردن پھرے (۵) باوضو اذان کہنا مستحب ہے، اگر بے وضو بھی کہہ لے تو اذان ہو جائے گی لیکن بلا وجہ ایسا کرنا اچھا نہیں ہے لیکن اگر غسل کی ضرورت ہے، تو بغیر غسل کے اذان کہنا مکروہ تحریمی ہے[2]۔ (۶) جو اذان کہے اسی کو اقامت کہنی چاہیے، حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو اذان کہے وہی اقامت کہے۔ (ترمذی صـ۲۸ ج۱) لیکن اگر مؤذن کو کوئی اعتراض نہ ہو یا اس کی اجازت ہو تو دوسرے کے

---

[1] الاذان هو اعلام مخصوص بالفاظ مخصوصة فلا يصح بالفارسية وان علم انه اذان وهو الاظهر والاصح كما فى السراج۔

(در مختار صـ۶۲ ج۱)

[2] شرح النقایہ ج ۱ باب الاذان۔

اقامت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

اذان میں کون چیزیں مکروہ یا منع ہیں

(۱) اذان عاقل بالغ مرد کو کہنا چاہیئے۔ پاگلوں یا ناسمجھ بچوں سے اذان کہلانا یا ان کا خود کہنا مکروہ ہے۔ اور عورتوں کا اذان دینا مکروہِ تحریمی ہے[۱] اگر بچے نابالغ ہیں مگر عقل و تمیز والے ہوں تو ان سے اذان کہلائی جاسکتی ہے[۲]۔ اگر کوئی عورت یا ناسمجھ بچہ اذان دے دے تو دوبارہ اذان کہنا ضروری ہے۔ مسجد کے صحن میں جس میں نماز پڑھی جاتی ہے اس میں کھڑے ہوکر اذان نہ کہنی چاہیے بلکہ مسجد کے صحن سے باہر وضو کی منڈیر پر یا اگر اذان کی جگہ بنی ہو تو اس پر یا کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر اذان کہنی چاہیئے لیکن اگر کسی نے صحن میں کھڑے ہوکر اذان کہہ دی تو اس پر توتو میں میں نہ کرنا چاہیے۔ (۳) نماز کے وقت سے پہلے اذان نہ کہنی چاہیئے۔ (۴) بیٹھ کر اذان کہنا مکروہِ تحریمی ہے۔ (۵) جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کوئی دنیاوی کام یا کاروبار کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۶) مسجد کے دائیں یا بائیں جس حصّہ سے چاہے اذان دے صحیح ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ جس طرف مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو اسی طرف اذان دی جائے۔ بعض لوگ مسجد کے بائیں حصّہ سے اذان دینا ضروری سمجھتے ہیں، یہ جہالت کی بات ہے۔

موذن کیسا ہونا چاہیئے

چونکہ اذان پر نماز روزے کا دارومدار ہوتا ہے اسلئے موذن کو ایسا ہونا چاہیے جو اوقات سے واقف ہو، عقلمند، محتاط، متدین، پرہیزگار اور نیک ہو، ساتھ ہی اذان کے آداب و سنن سے واقف ہو[۳] فاسق و فاجر نہ ہو، (یکرہ اذان الفاسق) فاسق، داڑھی منڈانے والے اور گنہگار کی اذان مکروہ ہے۔ (عالمگیری ص۵۳ ج۱)

---

[۱] یعاد اذان امرأۃ ومجنون ومعتوہ وسکران وصبی لایعقل (درمختار ص۲۶۴ ج۱)

[۲] ردالمحتار ج ۱ ص۲۶۰ والمراھق بالغ جوھرۃ نیرہ ج ۱ ص۱۰

[۳] واما الشرط الثانی فھو الطھارۃ من الانجاس یجب علی المصلی ان یزیل النجاستہ عن بدنہ وثوبہ والمکان الذی یصلی فیہ

(منیۃ المصلی ص۶۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

رلیوذن لکم خیارکم[1] (یعنی تم میں سے ایسے لوگ اذان دیں جو اچھے اور نیک ہوں)

اذان کا جواب دینا

اذان جب ہونے لگے تو اذان کا جواب ضرور دینا چاہیئے۔ اذان کا جواب دو طرح سے دینا چاہیئے، ایک عمل سے اور دوسرے زبان سے (۱) عملی جواب تو یہ ہے کہ فوراً نماز کی تیاری شروع کر دے اور مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرے۔ (۲) لیکن اس عملی جواب کے ساتھ زبان سے بھی اذان کے الفاظ دہرانا سنت ہے، یعنی جو جو لفظ موذن کہے وہی دہرایا جائے۔ البتہ جب موذن حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے تو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہیے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں گناہ سے بچنے اور نیک کام کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس فقرہ کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے اسے حضورؐ نے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ فرمایا ہے۔

اسی طرح فجر کی اذان میں جب مؤذن اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہے تو اس کے جواب میں صدقت وبررت کہے[2] اقامت کے الفاظ دہرانا مستحب ہے۔ اقامت میں جب مؤذن قَدْ قامت الصّلوٰۃ کہے تو جواب میں قد اقامہا اللّٰہ وادامہا کہنا چاہیئے۔

ان صورتوں میں اذان کا جواب نہ دینا چاہیئے :- (۱) نماز کی حالت میں (۲) پیشاب پاخانہ کی حالت میں (۳) خطبۂ جمعہ کے وقت میں[3] (۴) اسی طرح اگر کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو (۵) قرآن کی تلاوت کر رہا ہو یا دین کا علم پڑھ رہا ہو، تو اس کو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

---

[1] وینبغی ان یکون المؤذن رجلا عاقلا صالحا تقیا عالما بالسنۃ (عالمگیری ج ۱ ص ۵۳)

[2] بعض فقہاء نے زبان سے جواب دینے کو مستحب لکھا ہے اور عمل سے جواب دینے کو واجب اور بعض لوگوں نے دونوں کو واجب لکھا ہے (ردالمحتار) [3] ملا علی قاری نے شرح النقایہ میں لکھا ہے کہ یہ الفاظ حدیث میں آئے ہیں لیکن کسی کتاب کا حوالہ نہیں لکھا ہے۔ راقم کو کسی متداول حدیث کی کتاب میں یہ الفاظ نہیں ملے شوکانی نے لکھا ہے شافعی فقہ کی کتابوں میں بھی یہ الفاظ درج ہیں، لیکن کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس بنا پر حدیث کے عموم کا لحاظ کرتے ہوئے الصّلوٰۃ خیر من النوم ہی دہرانا بہتر معلوم ہوتا ہے (باقی صفحہ آئندہ پر)

(۶) جو شخص مسجد میں ہو اسے زبان سے جواب دینا مستحب ہے، اگر جواب نہ دے تو ترک سنت کا مرتکب نہیں ہوگا، اس لئے کہ مسجد میں جا کر اس نے عملی جواب دے دیا۔

ایک مؤذن جو دو جگہ اذان دے ایک مؤذن کا دو جگہ اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔ ویکرہ ان یوذن فی مسجدین (فتاوی رحیمیہ ج ۳ ص ۹۵)

وقت سے پہلے اذان وقت سے پہلے اذان دینا صحیح نہیں ہے۔ مگر اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ جن وقتوں میں ائمہ کا اختلاف ہے اس میں اگر اذان پہلے دی جائے تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے مثلاً مثلین سے دس پانچ منٹ پہلے اذان ہوجائے تو اذان دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ صاحبین کے نزدیک ایک مثل کے بعد عصر کا وقت ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں بعض لوگ بے جا شدت برتتے ہیں

اذان ہوجانے کے بعد اذان ہوجانے کے بعد بغیر کسی شرعی عذر یا واپسی کے ارادہ کے بغیر نکلنا مکروہ تحریمی ہے، حدیث میں اسے منافق کہا گیا ہے۔ عن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادرکہ الاذان فی المسجد ثم خرج لحاجۃ وھو لا یرید الرجعۃ فھو منافق۔ (ابن ماجہ ص۵۴) آپ نے فرمایا کہ جو شخص اذان کے بعد واپسی کا ارادہ کئے بغیر مسجد سے نکلتا ہے وہ منافق ہے۔

اذان و اقامت کے بیان کے بعد اب ہم پھر نماز کا بیان شروع کرتے ہیں۔

نماز کے فرائض و واجبات

نماز کے فضائل اور اس کے فائدے اور نماز کے اوقات اور اذان وغیرہ کی تفصیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ؎ عام طور پر فقہائے احناف کا مسلک یہی ہے مگر بخاری میں حضرت امیر معاویہؓ کا جو جواب منقول ہے۔ اس کی بنا پر مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے لکھا ہے کہ خطبۂ جمعہ کے وقت اذان کا جواب دینا چاہیئے۔
؎ فتح القدیر میں تلاوت بند کر کے جواب دینے کو مرجح کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ذکر موقت ہے اور تلاوت قرآن ہر وقت ہو سکتی ہے، البتہ شامی کا رجحان عدم وجوب کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

کے بعد نماز کے فرائض وواجبات اور اس کے مکمل طریقہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نماز میں کیا چیزیں فرض ہیں

نماز میں تیرہ چیزیں فرض ہیں۔ سات نماز سے پہلے اور چھ نماز کے اندر، جو چیزیں نماز سے پہلے فرض ہیں ان کو شرائط نماز کہا جاتا ہے، اور جو نماز کے اندر فرض ہیں ان کو ارکانِ نماز کہا جاتا ہے۔

شرائطِ نماز

شرائطِ نماز ۷ ہیں اگر ان ساتوں چیزوں میں سے کوئی چیز چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوگی۔

(۱) نماز وقت پر پڑھنا۔ اگر وقت سے پہلے یا بعد میں نماز پڑھی گئی تو ادا نماز نہیں ہوگی۔ (۲) بدن کا پاک ہونا یعنی نمازی کے بدن کا نجاستِ حقیقی وحکمی سے پاک ہونا۔ یعنی اگر وضو نہ ہو تو وضو کرلے۔ اگر غسل کی ضرورت ہو تو غسل کرلے۔ اور اگر کوئی نجاست جسم پر لگی ہو تو دھوڈالے (۳) کپڑوں کا پاک ہونا یعنی اگر نمازی کے کپڑے پر نجاستِ غلیظہ یا خفیفہ ہو تو اس کو دھوڈالے۔ (۴) نماز کی جگہ کا پاک ہونا۔ یعنی جس جگہ وہ نماز پڑھے وہ پاک ہونی چاہیئے یا جس چٹائی یا جائے نماز پر نماز پڑھے اس کو پاک ہونا چاہیئے[۱] (۵) ستر عورت یعنی نمازی کے بدن کا کپڑے سے چھپا ہونا، بدن کے چھپے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو کم سے کم ایسا کپڑا پہننا چاہیئے کہ گھٹنے سے لے کر ناف تک کا حصّہ چھپا ہوا ہو اور عورتوں کو ایسا لباس پہننا چاہیئے کہ دونوں ہاتھ کے پہنچوں، دونوں پیروں اور چہرہ کے علاوہ پورا بدن چھپ جائے۔ اگر مرد کے پیر کے ٹخنے چھپ گئے ہوں تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔ (۶) قبلہ کی طرف منھ کرنا (۷) نماز کی نیت کرنا۔ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی نے زبان سے نیت نہ کی بلکہ صرف دل میں ارادہ کرلیا کہ میں فلاں نماز پڑھتا ہوں تو بس اتنا کافی ہے لیکن اگر نیت زبان سے بھی کرلی جائے تو بہتر ہے، اس سے دل کی توجہ میں مدد ملتی ہے۔

---

[۱] واما الشرط الثانی فھو الطھارۃ من الانجاس یجب علی المصلی ان یزیل النجاسۃ عن بدنہ وثوبہ والمکان الذی یصلی فیہ۔

(منیۃ المصلی ص۶۰)

یہ تو وہ چیزیں تھیں جو نماز سے پہلے ضروری ہیں اجن کو شرائطِ نماز کہا جاتا ہے اور جو چیزیں نماز کے اندر ضروری ہیں وہ چھ ہیں۔ ان میں سے بھی اگر کوئی چیز چھوٹ گئی تو نماز نہ ہوگی۔ ان کو ارکانِ نماز کہتے ہیں۔

ارکانِ نماز

(۱) تکبیرِ تحریمہ[۱] یعنی نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ (۲) قیام یعنی اگر کوئی عذر نہ ہو تو سیدھے کھڑے ہونا۔ (۳) قرأت یعنی قرآن کریم کی کم سے کم چھوٹی چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھنا۔ (۴) رکوع کرنا۔ (۵) دونوں سجدے کرنا۔ (۶) قعدہ اخیرہ میں جتنی دیر تشہد پڑھنے میں لگتی ہے[۲] اتنی دیر بیٹھنا۔

واجباتِ نماز

نماز میں جو چھ چیزیں فرض ہیں ان میں سے اگر کوئی چیز چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوگی اس کو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔ مثلاً اس نے اللہ اکبر نہیں کہا، سجدہ نہیں کیا، رکوع بھول گیا تو ان صورتوں میں نماز ہوگی ہی نہیں۔ لیکن نماز میں جو چیزیں واجب ہیں ان کے چھوٹ جانے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز بالکل فاسد تو نہیں ہوتی لیکن چونکہ ایک کمی

۱ے تکبیرِ تحریمہ کو فقہائے احناف رکن کے بجائے شرط قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کا ذکر شرائطِ نماز کے بجائے ارکان نماز ہی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس کا ذکر ارکان نماز ہی کے ساتھ ان وجوہ سے مناسب ہے۔

(الف) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی تین ائمہ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔

(ب) دوسرے یہ کہ ارکان نماز سے یہ بالکل متصل ہے۔ اس لئے اس کا ذکر ارکان ہی کے ساتھ کرنا مناسب تھا۔

(ج) تیسرے جیسا کہ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ حدیث سے اس کا رکن ہی ہونا ثابت ہوتا ہے اس کو تکبیرِ تحریمہ اسلئے کہتے ہیں کہ تمام مباح امور اس کے بعد حرام ہو جاتے ہیں۔ شرح النقایہ ج ا ص ۶۷)

۲ے صاحبین کا مسلک یہی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اپنے ارادے سے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک السلام علیکم کا لفظ کہہ کر نماز سے نکلنا فرض ہے۔ اس اعتبار سے ارکان نماز سات ہو جائیں گے۔

رہ جاتی ہے اس لئے اس کمی کو دور کرنے کے لئے شریعت نے سجدہ سہو رکھا ہے۔ یعنی بھول جانے کا سجدہ۔ سجدۂ سہو واجب ہونے کی صورت میں اگر سجدۂ سہو نہ کیا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یعنی اس کو دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی۔ اسی طرح اگر اس نے قصداً واجب کو ترک کر دیا تب بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اور دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔[1] سجدۂ سہو کا طریقہ اور اس کا پورا بیان آگے آئے گا، یہاں پر نماز میں جو چیزیں واجب ہیں ان کو لکھا جاتا ہے۔ ان کو اچھی طرح یاد کر لینا چاہیے۔ ان چیزوں کے یاد نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نماز خراب ہو جاتی ہے۔ اور ان کو پتہ بھی نہیں چلتا واجبات نماز سولہ ہیں۔ (۱) فرض کی پہلی[2] دونوں رکعتوں میں قراءت کرنا۔ (۲) سورۂ فاتحہ پڑھنا، یعنی فرض نماز کی پہلی دونوں رکعتوں میں اور سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے[3] (۳) نفل اور وتر کی تمام رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی سورہ یا تین آیت کا پڑھنا واجب ہے۔ اور فرض نمازوں میں صرف پہلی دو رکعتوں میں سورہ یا تین آیت پڑھنا واجب ہے۔ تیسری چوتھی رکعتوں میں پڑھنا سنت ہے۔ (۴) سورۂ فاتحہ کا سورہ سے پہلے پڑھنا۔ (۵) تمام ارکان کو پے در پے ادا کرنا[4] یعنی اگر ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کے ادا کرنے میں بے خیالی میں یا بھول کر

---

[1] ردالمحتار ج ۱۔ و عالمگیری ج ۱۔ [2] یہ حکم تین اور چار رکعت والی فرض نمازوں کا ہے۔ دو رکعت والی نماز اور سنت و نفل نمازوں کی ہر رکعت میں قراءت فرض ہے۔ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۶۳

[3] والقراءۃ فی الفرائض واجبۃ فی الرکعتین الاولیین والقراءۃ واجبۃ فی جمیع رکعات النفل وفی جمیع الوتر۔ (جوہرہ نیرہ ص۷۳ ج ۱)

[4] وقال بعض المحققین ان یکون القومۃ والجلسۃ واجبتین للمواظبۃ ویدل علیہ ایجاب سجود السہو فیہ کما ذکر فی فتاوی قاضی خاں فی فصل ما یوجب السہو (شرح النقایہ ج ۱ ص۷)

اور بخاری و مسلم کی وہ حدیث بھی اس سلسلہ میں سامنے رہنی چاہیے جس میں قومہ اور جلسہ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں حتی تعدل قائما ثم تسجد حتی تطمئن ساجدا ثم اجلس حتی تطمئن جالسا۔ آگے ذکر آرہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومہ میں فرض نمازوں میں بھی تسمیع و تحمید دونوں پڑھتے تھے اور جلسہ میں کچھ دعائیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے پڑھتے تھے۔ اس لئے جو لوگ کہ قومہ اور جلسہ میں ایک رکن کے بقدر بیٹھتے نہیں انکو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔

اتنی دیر ہوگئی کہ جتنی دیر ایک سجدہ یا رکوع کرنے میں ہوتی ہے تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا۔ دعا وغیرہ کے پڑھنے میں چاہے کتنی دیر ہو جائے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا (۶) قیام، قرأت، رکوع اور سجدہ میں ترتیب کا قائم رکھنا یعنی رکوع سے پہلے سجدہ یا سجدہ سے پہلے قعدہ کر لیا تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ (۷) رکوع اور سجدہ میں اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی یا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ پڑھا جاتا ہے۔ جو لوگ بہت جلد جلد رکوع اور سجدہ کرتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی (۸) قومہ کرنا یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح سیدھے کھڑا ہونا۔ اس میں بھی لوگ بہت جلدی کرتے ہیں۔ یعنی پورے طور پر کھڑے ہونے سے پہلے سجدہ میں چلے جاتے ہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کرتے ایسا کرنے سے بھی نماز نہیں ہوتی[۱] (۹) جلسہ کرنا یعنی ایک سجدہ کر کے اچھی طرح بیٹھ جانا، پھر دوسرا سجدہ کرنا۔ (۱۰) پہلا قعدہ یعنی تین یا چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعت کے بعد بقدر تشہد پڑھنا۔ (۱۱) دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا، یعنی اگر دو رکعت والی نماز ہو تو دوسری اور چوتھی رکعت میں اور تین رکعت والی نماز ہو تو دوسری اور تیسری میں تشہد پڑھنا۔

(۱۲) تعدیل ارکان یعنی تمام ارکان کو اطمینان و سکون سے ادا کرنا یعنی قومہ، رکوع، سجدہ اور جلسہ وغیرہ کو اطمینان سے ادا کرنا یا جو دعائیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں ان کو اطمینان سے پڑھنا جلدی کرنے میں بہت سی باتیں چھوٹ جاتی ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر قومہ اور جلسہ میں امام صاحبان بہت جلدی کرتے ہیں اس میں کم سے کم اتنی دیر ضرور ٹھہرنا چاہیئے جتنی دیر میں ایک بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کی تسبیح پڑھی جاتی ہے[۲]۔ (۱۳) جن نمازوں میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھنا ضروری ہے۔ مثلاً ظہر و عصر ان میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھنا اور جن نمازوں میں قرآن زور سے پڑھنا ضروری ہے۔ مثلاً مغرب، عشا، فجر، جمعہ اور عید وغیرہ ان میں زور سے پڑھنا۔ (۱۴) السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز ختم کرنا۔ (۱۵) وتر کی تیسری رکعت میں قنوت کے لئے تکبیر کہنا اور دعائے قنوت پڑھنا[۳] (۱۶) عیدین کی نماز میں چھ چھ تکبیریں زائد کہنا۔ لیکن اگر مجمع

---

[۲] قومہ میں امام کو تسمیع اور تحمید پڑھنی چاہیئے اور مقتدی صرف تحمید پڑھے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۳] القنوت معناہ الدعاء وھو ان یقول اللّٰھم انا نستعینک ... الی ملحق۔ ۱۲ (نور الایضاح۔)

زیادہ ہو تو تکبیروں کے چھوٹ جانے یا کسی اور واجب کے ترک ہو جانے سے سجدہ سہو نہ کرنا چاہیئے۔

نماز کی سُنّتیں

یہ تو وہ چیزیں تھیں جو واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز چھوٹ جائے گی تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا۔ اب نماز میں جو چیزیں سنّت ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے اگر ان میں سے کوئی چیز چھوٹ جائے گی تو نماز بالکل ٹوٹے گی نہیں اور نہ سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ لیکن قصدًا ایسا کرنے والا ملامت کا مستحق ہے اور پوری سنّتوں کا لحاظ کر کے نماز پڑھنے سے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح نماز پڑھی ہے۔ نماز کی سنّتیں ۲۲ ہیں۔ (۱) تکبیرِ تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانا یعنی نماز شروع کرتے وقت جو تکبیر کہی جاتی ہے اس وقت مردوں کو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں[1] کے برابر اٹھانا اور عورتوں کو اپنے دونوں کندھوں تک اُٹھانا چاہیئے۔ (۲) ہاتھوں کے اٹھاتے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلی ہوئی اور قبلہ کی طرف رکھنا (۳) امام کو ہر رکن ادا کرتے وقت تکبیر کہنا۔ (۴) پہلی رکعت میں ثنا یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ آہستہ پڑھنا (۵) پہلی رکعت میں تعوذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا۔ (۶) ہر رکعت کی ابتدا میں تسمیہ یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنا (۷) سورۂ فاتحہ ختم کرنے کے بعد آہستہ[2] سے آمین کہنا (۸) مردوں کو داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ کر ناف کے برابر[3] باندھنا

---

[1] آپؐ نے کبھی کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نیت باندھی ہے اور کبھی کندھوں تک یہ دونوں سنّت ہیں لیکن زیادہ بہتر ہے کہ ہاتھ اتنا اٹھایا جائے کہ دونوں انگوٹھے کان کی لو کے برابر رہیں۔

[2] اگر کوئی شخص آواز کے ساتھ آمین کہے تو یہ بھی سنّت کے موافق ہے۔ اس بارے میں کسی کو گمراہ کہنا یا اس کی نماز کو بری نظر سے دیکھنا صحیح نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی آہستہ آمین کہی ہے اور کبھی زور سے لیکن آواز سے آمین کہنے والوں کو بس اتنے زور سے آمین کہنا چاہیئے کہ پاس کے دو تین آدمی سن لیں زیادہ زور سے چیخنا بھی سنّت کے خلاف ہے اس لئے کہ مسجد میں شور کرنا ممنوع ہے پھر آمین دعا ہے اور دعا کے لئے قرآن پاک میں ہے کہ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ہونا چاہیے یعنی دعا آہستہ ہونی چاہیے کاش آمین بالجہر کہنے والے اس پہلو سے اس پر غور کرتے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم اپنی کتاب میں آمین بالجہر کی کوئی مرفوع حدیث نہیں لائے ہیں۔

[3] اگر کوئی مرد بھی سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے تو یہ سنّت کے خلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اور عورتوں کو سینہ کے اوپر باندھنا (۹) رکوع میں جاتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ (۱۰) رکوع میں تین بار سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمُ پڑھنا (۱۲) قومہ یعنی رکوع سے اُٹھتے وقت امام کو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنا اور امام اور مقتدی دونوں کو اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا (۱۳) سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنوں کو پھر دونوں ہاتھوں کو پھر پیشانی کو زمین پر رکھنا۔ (۱۴) سجدہ میں جاتے وقت اور پھر سجدہ سے اُٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ (۱۵) دونوں سجدوں میں تین بار سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعْلیٰ پڑھنا۔ (۱۶) سجدہ کی حالت میں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں کو ناک کے برابر رکھنا اور مردوں کو ران اور پیٹ کو جدا رکھنا اور دونوں کہنیوں کو ران سے ہٹا کر زمین سے اونچا رکھنا اور دونوں پیروں کو کھڑا رکھنا چاہیئے۔ اور عورتوں کو ران اور پیٹ ملا کر سجدہ کرنا اور پیروں کو زمین پر بچھا دینا چاہیئے۔ (۱۷) جلسہ اور قعدہ میں مردوں کو بایاں پیر بچھا کر اس کے اوپر بیٹھنا اور عورتوں کو دونوں پاؤں داہنی جانب نکال کر بیٹھ جانا۔ (۱۸) تشہد میں اشہد ان لاَّ الٰہ الا اللہ پر شہادت کی انگلی اوپر اٹھا کر اشارہ کرنا۔ (۱۹) قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا۔ (۲۰) درود کے بعد کوئی دعا پڑھنا۔ آگے دعا لکھی جائے گی۔ (۲۱) پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔ (۲۲) فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد للہ پڑھنا[۱]۔

ضروری ہدایت

ان نمازوں میں جن میں قرآن آہستہ پڑھا جانا چاہیئے یا نماز کی وہ دعائیں جو ہمیشہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں ان کو بھی ادائے مخارج کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔ عمومًا آہستہ پڑھی جانے والی نمازوں اور دعاؤں کے پڑھنے میں ح۔ ہ، ع اور الف اور ت اور ط کا اتنا لحاظ نہیں کیا جاتا جتنا بلند آواز سے پڑھنے میں کیا جاتا ہے۔

آداب یا مستحبات نماز

نماز میں فرض، واجب اور سنّت کے علاوہ کچھ چیزیں مستحب یا اس کے آداب ہیں۔ ان کے کرنے سے ثواب اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ وہ یہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دونوں باتیں ثابت ہیں۔ لہٰذا ایسا کرنے والے کو بُرا نہ سمجھنا چاہیئے۔ امام شافعی اور امام احمد کا یہی مسلک ہے۔

[۱] درمختار۔

(۱) مرد اگر چادر وغیرہ اوڑھے ہوئے ہو تو اس کو دونوں ہاتھوں کو چادر سے باہر نکال کر نیت باندھنا اور عورتوں کو دوپٹہ کے اندر ہی سے ہاتھ نکالے بغیر نیت باندھنا۔ (۲) اگر اکیلا نمازی ہو تو رکوع اور سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح پڑھنا۔ (۳) کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کی حالت میں دونوں پاؤں پر اور جلسہ اور قعدہ کی حالت میں اپنی گود پر اور سلام پھیرتے وقت اپنے مونڈھوں پر نگاہ رکھنا (۴) کھانسی کو طاقت بھر روکنا (۵) جماہی آئے تو اس کو روکنا، اگر نہ رُکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا۔ (۶) اقامت کہنے والا جب قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کہے اس وقت نماز کے لئے کھڑا ہو جانا۔ (۷) سجدہ سے کھڑے ہوتے وقت پہلے پیشانی پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھانا اور دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ کر اُٹھنا۔

مُفسداتِ نماز یعنی جن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے

اب وہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں جن کے کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اور دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے، وہ یہ ہیں۔

(۱) نماز میں قصداً یا بھول کر بات کر لینا۔ (۲) نماز میں کسی کو سلام کرنا یا زبان سے سلام کا جواب دینا۔ (۳) چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا اس کے جواب میں یَرْحَمُکَ اللہ کہنا[۱]، اگر نماز میں چھینک آگئی اور بھول کر الحمد للہ کہہ دیا تو نماز ہو گئی لیکن قصداً ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ (۴) نماز سے باہر کوئی شخص دعا کر رہا ہے۔ اس پر آمین کہنا۔ (۵) موت، بیماری یا کوئی اور بُری خبر سُن کر انا للہ وانا الیہ راجعون ط یا کوئی اور دعا پڑھنا۔ (۶) کوئی خوشی کی بات سُن کر الحمد للہ یا کوئی اور کلمہ کہنا۔ (۷) تعجب کی بات پر سُبْحَانَ اللہ یا کوئی اور کلمہ کہنا۔ (۸) درد یا تکلیف یا رنج کی وجہ سے ہائے، اُف یا آہ آہ کرنا[۲] اگر دوزخ اور جنت یا عذابِ قبر وغیرہ کے خیال سے اُف یا آہ نکل گئی تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی (۹) نماز سے باہر کسی قرآن پڑھنے والے کو لقمہ دینا (۱۰) دیکھ کر قرآن پڑھنا[۳] (۱۱) کسی کتاب یا کسی لکھی ہوئی چیز پر نگاہ پڑی اس کو زبان سے پڑھ لینا اگر صرف

---

[۱] ویفسد تشمیت عاطس یرحمك اللہ (نور الایضاح)

[۲] ویفسدها التنحنح ان حصل به حرفان فاکثر بلا عذر (مجمع الاطہر)

[۳] وتفسدها قرأة من المصحف الخ

دل میں اس کا مطلب سمجھ لیا تو نماز نہیں ٹوٹتی لیکن ایسا بھی نہ کرنا چاہیئے (۱۲) عمل کثیر کرنا یعنی ایسا کام کرنا جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ مثلاً دونوں ہاتھ سے نماز میں بدن کھجلانا یا ایک ہاتھ سے دیر تک بدن کھجلانا یا کپڑا وغیرہ درست کرتے رہنا (۱۳) بغیر کسی ضرورت کے زور سے کھانسنا یا گلا صاف کرنا (۱۴) قصداً یا بھول کر کوئی چیز کھا لینا یا پی لینا۔ (۱۵) قرآن پڑھنے میں سخت غلطی کرنا[1] یعنی ایسی غلطی کرنا کہ معنی بدل جائیں مثلاً بڑی ح کے بجائے چھوٹی ہ سے پڑھ دیا یا صِرَاطَ الَّذِیْنَ میں ص کو س پڑھ دیا یا ط کو ت پڑھ دیا یا قَتَلَ دَاؤٗدُ جَالُوْتَ کے بجائے جالوت کو پیش اور داود کو زبر سے پڑھ دیا (۱۶) چار پانچ قدم نماز کے اندر چلنا۔ (۱۷) قبلہ کی طرف سے قصداً دوسری طرف پورا منہ پھیر لینا یا بغیر عذر سینہ پھیر لینا مفسد صلوٰۃ ہے[2] (۱۸) اتنی دیر چوتھائی ستر[3] کا کھل جانا جتنی دیر میں ایک سجدہ یا رکوع کیا جاتا ہے۔ (۱۹) خدا سے ایسی چیز مانگنا جو بندوں سے بھی مانگی جاتی ہے۔ مثلاً کھانا پانی وغیرہ (۲۰) درد یا مصیبت یا رنج کی وجہ سے اس طرح رونا کہ آواز میں کوئی حرف پیدا ہو جائے۔ مثلاً ہائے اللہ، اُف اُف کرنا یا ہائے ہائے کرنا۔ (۲۱) نماز جنازہ کے علاوہ کسی اور نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا۔ (۲۲) امام سے پہلے پورا رکوع یا سجدہ کر لینا یا اس سے آگے بڑھ جانا (۲۳) ایک ہی نماز میں مرد کا عورت سے مل کر کھڑا ہو جانا، یہ کھڑا ہونا کم سے کم اتنی دیر ہو جتنی دیر میں ایک سجدہ کیا جاتا ہے[4] (۲۴) تیمم کرنے والے کا پانی پا لینا۔ (۲۵) کوئی عورت نماز میں ہو اور بچے نے آ کر اس کا دودھ پی لیا اور نکل بھی آیا تو نماز فاسد ہو جائے گی[5]

---

[1] یہ متقدمین کا مسلک ہے۔ متاخرین کے یہاں اعراب کی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ردالمحتار۔

[2] والالتفات بوجہ وبصدرہ تفسدہ ردالمختار ج ۱ ص ۴۳۲ ادھر ادھر دیکھنا مکروہ اور سینہ کا پھیر دینا مفسدِ نماز ہے۔ [3] اوپر ذکر آچکا ہے کہ مرد کا ستر گھٹنہ سے ناف تک اور عورت کا ستر پورا بدن ہے۔ صرف ہاتھ کے پنجے دونوں قدم اور چہرہ اس میں شامل نہیں ہیں ستر وہ جگہ ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔

[4] ردالمحتار۔ [5] عن التاتارخانیہ مص صبی ثدیہا وخرج اللبن تفسد صلوتہا ردالمحتار ص ۶۵۳ ج ۱)

ریڈیو، ٹیلی ویژن یا ٹیپ رکارڈر سے اذان و نماز

ریڈیو، ٹیلی ویژن یا ٹیپ رکارڈر سے

اگر اذان کہی جائے یا امامت کی جائے تو نہ اذان صحیح ہے اور نہ نماز، اس لئے کہ یہ بے جان مشین اذان کہنے اور نماز پڑھنے پڑھانے کی اہل نہیں نماز کوئی قواعد پریڈ نہیں ہے کہ کسی طرح اسے پورا کر لیا جائے بلکہ انسان اسمیں اپنے ظاہری جسم کے ساتھ حضور قلب کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے یا اسے ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے ان بے جان مشینوں سے یہ چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ امام جو ریڈیو اسٹیشن سے نماز پڑھا رہا ہو اور وہ امام جو مسجد کے محراب میں کھڑا نماز پڑھا رہا ہو دونوں کے ماحول میں جو فرق ہے اسے ہر صاحب احساس آدمی سمجھ سکتا ہے۔ فقہاء نے تو ان بے جان مشینوں کی تلاوت قرآن پر سجدۂ تلاوت بھی واجب قرار نہیں دیا ہے، نہ کہ نماز

مکروہات نماز

وہ چیزیں[1] جن سے نماز بالکل ٹوٹتی تو نہیں لیکن کراہت پیدا ہو جاتی ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) چادر اوڑھنے کے بجائے اس کے دونوں کناروں کو لٹکتے ہوئے چھوڑ دینا یا کرتے اور شیروانی کی آستینوں میں ہاتھ ڈالے بغیر کندھے پر ڈال لینا اس طرح گلوبند وغیرہ کے دونوں کناروں کو لٹکا کر نماز پڑھنا۔ (۲) کپڑوں یا پیشانی کو مٹی سے بچانے کے لئے کپڑوں کو سمیٹنا یا منہ سے مٹی یا گرد کو بار بار پھونکنا۔ اگر سجدہ کی جگہ کنکری ہو اس کو ہٹانے کے لئے ایک بار ہاتھ ہلا لیا یا منہ سے پھونک دیا تو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ (۳) اپنے بدن[2] یا کپڑے یا داڑھی سے کھیلنا، نماز میں اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں، ان سے بچنے کی ضرورت ہے (۴) ایسے معمولی کپڑوں میں نماز پڑھنا جن کو پہن کر بازار یا مجمع میں جانا وہ پسند نہ کرے[3]۔ (۵) منہ میں کوئی ایسی چیز

---

[1] المکروہ ضد المحبوب وما کان النہی فیہ الخ (نور الایضاح)

[2] وکرہ عبثہ ای لعبہ ثوبا لقولہ علیہ السلام ان اللہ کرہ لکم ثلاثا متوالیا لان العبث خارج الصلوٰۃ حرام فما ظنک فیہا۔ (مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۲۳)

[3] وصلوتہ فی ثیاب بذلۃ ان لہ غیرہا الا لا (در مختار ج ۱ ص ۴۵)

رکھ کر نماز پڑھنا کہ قرآن پڑھنے میں دقت محسوس ہو۔ (۶) سستی یا بے پروائی کی بنا پر ننگے سر[1] یا ناف سے اوپر بدن کھول کر نماز پڑھنا، اگر کوئی شخص عاجزی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہے لیکن مسجد کے اندر ایسا کرنا بہتر نہیں ہے۔ گھر کے اندر وہ کرے تو اچھا ہے۔ مسجد کے ایسا کرنے میں دوسرے لوگ اس کے جذبے کو تو جانیں گے نہیں اور ان میں بے پروائی البتہ پیدا ہوگی۔ (۷) انگلیاں چٹخانا یا ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ میں ڈالنا۔ (۸) کمر یا کوٹھے پر بلا ضرورت ہاتھ رکھنا۔ (۹) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک زمین پر پھیلانا۔ (۱۰) نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھنا (۱۱) کسی ایسے شخص کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جو اس کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہو۔ (۱۲) ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام یا کسی بات کا جواب دینا۔ (۱۳) بغیر کسی عذر کے پلتھی مار کر[2] یا کسی اور طرح بیٹھنا (۱۴) قصداً جماہی لینا یا اس کو روکنے کی کوشش نہ کرنا۔ (۱۵) صف میں جگہ موجود ہو اور تنہا کھڑے ہونا (۱۶) ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جس پر تصویر بنی ہو، اگر یہ تصویر کپڑے کے نچلے حصّہ میں یا پیر کے نیچے ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن قصداً اور بار بار ایسے کپڑے پر نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ کسی بیجان یا مکان کی تصویر ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوگی (۱۸) تنہا امام کا کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہونا۔ اگر ایک بالشت اونچی جگہ ہو تو کچھ ہرج نہیں (۱۹) چادر یا دلائی وغیرہ اس طرح لپیٹ کر نماز پڑھنا کہ ہاتھ نکلنے میں دقت ہو۔ (۲۰) انگڑائی لینا۔ (۲۱) ٹوپی، عمامے، پگڑی یا رومال کے پیچ پر سجدہ کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ ان چیزوں کے باندھنے یا پہننے کے بعد سجدہ کی جگہ کھلی رہنی چاہیئے۔ (۲۲) دوسری رکعت کو پہلی سے زیادہ لمبی کرنا[3] (۲۳) کسی نماز میں کوئی خاص سورۃ مقرر کر کے پڑھنا[4] (۲۴) قرآن کی ترتیب کے خلاف قرآن پڑھنا، یعنی جس ترتیب سے قرآن میں سورتیں لکھی ہوئی ہیں اسی ترتیب سے نہ پڑھنا چاہیے۔ (۲۵) پیشاب پاخانہ معلوم ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا[5] (۲۶) بہت تیز بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو

---

[1] وکرہ حسر راسہ للمصلی (شرح النقایہ ج ۱ ص ۹۵)

[2] الدر المختار مکروہات صلوٰۃ۔ والتربع بلا عذر۔ [3] وتطویل الرکعۃ الثانیۃ علی الرکعۃ الاولی (کبیری ص ۵۶) [4] ویکرہ للمصلی تعیین سورۃ (نور الایضاح)

[5] ویکرہ للمصلی مدافعا لاحد الاخبثین۔

کھانا کھائے بغیر نماز پڑھنا، لیکن اگر نماز کا وقت تنگ ہو اور کھانے میں دیر ہو یا جماعت کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو پہلے نماز پڑھ لینا چاہیے (۲۷) نماز میں کھٹمل، مکھی، چیونٹی وغیرہ کا مارنا، البتہ اگر کھٹمل یا چیونٹی کاٹ لے تو اس کو پکڑ کر چھوڑ دے۔[1] (۲۸) سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اٹھانا بعض فقہاء کے نزدیک یہ فعل مفسدِ نماز ہے (۲۹) رومال یا گلے بند وغیرہ کندھے پر ڈال کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یکرہ للمصلی سدلہ (مجمع الانہر ج ۱) (۳۰) ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں بہت سے لوگ باتیں کر رہے ہوں اور ڈر ہو کہ نماز میں خلل آجائے گا یا ہنسی آجائے گی یا خیال بٹ جائے گا یا کوئی بھول چوک ہو جائے گی (۳۱) دونوں کہنیاں کھلی ہوں تو نماز مکروہ ہوگی (فتاوی رحیمیہ) (۳۲) نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے اگر نماز میں گھڑی پر نگاہ پڑ گئی اور اس نے آنکھ سے دیکھ لیا یا کوئی کتاب سامنے تھی اس کو دیکھ کر پڑھ لیا تو نماز مکروہ نہ ہوگی البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ان صورتوں میں خود سے نماز توڑ دینا چاہئیے

اب وہ صورتیں بتائی جاتی ہیں جن میں خود سے نمازی کو نماز توڑ دینا چاہیئے۔ اگر نماز نہ توڑے گا تو بعض صورتوں میں بہت زیادہ گناہ ہوگا اور بعض صورتوں میں ہلکا گناہ ہوگا۔ وہ یہ ہیں:۔

(۱) کسی موذی جانور کا ڈر ہو۔ مثلاً نماز پڑھتے وقت سانپ سامنے آگیا، نماز توڑ کر اس کو مارنا چاہیئے۔ یا بچھو یا بھڑ اس کے کپڑے میں گھس گئی اور یہ خوف ہو کہ اس کے کاٹنے سے شدید تکلیف ہوگی تو ایسی حالت میں نماز توڑنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر مرغی کو بلی نے پکڑ لیا یا پکڑ لینے کا اندیشہ ہے تو نماز توڑی جا سکتی ہے۔ (۲) کسی ایسی چیز کے نقصان کا اندیشہ ہو جس کی قیمت دو روپئے سے زیادہ ہو، مثلاً چولھے پر ہانڈی چڑھی ہو اور اس کے جل جانے کا اندیشہ ہو اور اس کی قیمت ایک دو روپئے سے زیادہ ہے۔ تو نماز توڑ کر اسے اتار لینا چاہیئے اسی طرح گھر میں کتا، بلی، بندر آگیا اور خوف یہ ہے کہ آٹا دال یا دودھ گھی یا کسی اور چیز کو وہ

---

[1] فان اخذ قملۃ فی الصلوٰۃ کرہ ان یقتلھا لکن یدفعھا تحت الحصی الخ (بحر الرائق)

نقصان پہنچادے گا، تو اس صورت میں نماز توڑی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مسجد میں یا گھر میں نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی سامان یا جوتا وغیرہ ایسی جگہ رکھ دیا ہے یا بھول گیا ہے کہ اس کے چوری ہو جانے کا یقین ہو تو نماز توڑ کر اپنا جوتا یا سامان بچا لیا جائے، لیکن اس کو چاہیئے کہ نماز سے پہلے ہی اپنے جوتے اور سامان کا انتظام کرلے تاکہ اس کی ضرورت[1] پیش نہ آئے۔ (۳) نماز پڑھنے میں ریل یا کسی سواری کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو اور ریل یا سواری پر اس کا سامان یا اس کے بال بچے ہوں یا اس کے چھوٹنے سے کوئی نقصان یا شدید حرج ہو تو نماز توڑ دے۔ (۴) نماز میں پیشاب یا پاخانہ ناقابلِ برداشت معلوم ہو۔ (۵) کسی کو ہلاکت یا تباہی سے بچانے کے لئے نماز توڑ دینا فرض ہے، اگر وہ نہ توڑے گا تو سخت گنہگار ہوگا، مثلاً کوئی اندھا جا رہا ہے اور اس کے آگے کنواں یا بڑا گڈھا ہے، یا موٹر ریل وغیرہ سے اس کے دب جانے کا اندیشہ ہے یا کسی کے کپڑے میں آگ لگ گئی اور اس کے جلکر مرجانے یا بری طرح جل جانے کا اندیشہ ہو یا کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہے[2] یا اگر کسی کو چور یا دشمن شدید طور پر زخمی کر رہا ہے اور وہ مدد کے لئے بلا رہا ہے تو ان صورتوں میں نماز توڑ کر اس کو بچانا ضروری ہے اگر ایسا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ (۶) اگر ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں تو نماز توڑ کر ان کے پاس چلا نا چاہیئے۔ مثلاً وہ گر پڑیں اور ان کو چوٹ لگ گئی، اور انھوں نے بلایا تو اگر کوئی دوسرا اٹھانے والا نہ ہو تو نماز توڑ کر اٹھا لینا چاہیئے۔ اگر وہ پاخانہ یا پیشاب کو جا رہے ہیں اور سہارا دینے کے لئے بلایا اور کوئی دوسرا موجود نہ ہو تو نماز توڑ کر سہارا دینا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ سہارا دیئے بغیر جا سکتے ہوں اور خواہ مخواہ چلائیں تو نماز نہ توڑنی چاہیئے، البتہ اگر نفل یا سنت پڑھ رہا ہو اور ان کو معلوم نہ ہو کہ نماز پڑھ رہا ہے تو چاہے مصیبت کے موقعہ پر بلائیں یا ایسے ہی بلائیں نماز توڑ کر جواب دیا جائیگا۔ لیکن اگر معلوم ہو کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور بلائیں تو اگر یہ بلانا مصیبت کے موقع پر نہ ہو تو نماز نہ توڑنی چاہیے۔ ورنہ توڑ دینا چاہیئے[3]

---

[1] یجوز قطعہا بسرقۃ مایساوی درھما وخوف ذئب علی غنیم (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۸)

[2] ویجب القطع لنحو انجاء غریق او حریق الخ (عالمگیری ص ۱۰۵) ۱۲۔ [3] ان علم احد ابویہ انہ فی الصلوٰۃ وناداہ لا یجیبہ وان لم یعلم یجیبہ (عالمگیری ص ۱۰۵) (باقی صفحہ آئندہ پر)

نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ

اوپر نماز کے فرائض، واجبات اور سنتیں اور اس کو فاسد اور مکروہ کرنے والی چیزوں کا بیان ہوا ہے۔ اب یہاں اکٹھا نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے نماز پڑھنا چاہیئے۔

نماز شروع کرنے سے پہلے نمازی کو چاہیئے کہ جس طرح اس نے اپنے بدن اور کپڑے کو پاک و صاف کیا ہے اسی طرح اپنے دل کو دنیا کے کاموں اور دنیاوی خیالات سے اچھی طرح پاک وصاف کرے۔ اس لئے کہ اگر اس نے خدا کے سامنے حاضری دی اور اس کا دل دنیا کے کاموں میں لگا رہا تو اس کو نماز کا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور نہ وہ مقصد حاصل ہوگا جس کے لئے نماز پڑھی گئی ہے۔ اپنی توجہ کو خدا کی طرف پھیرنے کے لئے یہ دعا پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي	"میں نے اپنی توجہ اس ذات کی طرف کی جس نے
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ	آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں
حَنِيفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ	اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"
الْمُشْرِكِينَ ۝ (انعام)	

اس کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر یہ نیت کرے کہ یہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اور کتنی رکعت پڑھ رہا ہے۔ نیت دل سے کرنا ضروری ہے[1] زبان سے بھی کرلے تو بہتر ہے۔ کھڑے ہوتے میں یہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) لان قطع الصلوٰة لا يجوز الا لضرورة وقال الطحاوی رحمه الله هٰذا في الفرض (فتاوی ہندیہ ج ۱ ص۱۰۱) یعنی نفل اور سنّت میں نیت توڑ کر ان کا جواب دینا چاہیئے۔

[1] نیت ارادۂ قلب کا نام ہے، تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بغیر نیت کے نماز درست نہیں ہے، مگر اس کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ اس نے قلب میں ارادہ کیا کہ ہم خدا کے لئے یہ نماز پڑھتے ہیں، دوسرے اس کے لئے اس کا قلب حاضر ہو اور دنیا کا کوئی خیال نہ ہو، پہلی چیز تو نماز کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے مگر دوسری چیز نماز کے صحیح ہونے کے لئے شرط تو نہیں ہے مگر نماز کی یہ روح ہے۔ اس لئے اس کی کوشش کرنی چاہیے، نیت چونکہ ارادۂ قلب کا نام ہے اس لئے اگر زبان سے ظہر کے بجائے عصر کا لفظ نکل جائے یا چار رکعت کے بجائے [illegible] کا لفظ نکل جائے تو اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں ہوتا فخطاء اللسان لا يضر ما دامت نية القلب صحيحة وهٰذا الحكم متفق عليه عند الشافعية والحنابلة والمالكية والحنفية (الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۲۱۴)

خیال رہے کہ اس کی گردن جھکی ہوئی نہ ہو۔ اور نہ بالکل تنی ہوئی ہو اور دونوں پیروں کے درمیان کم سے کم چار انگل کا فاصلہ ضرور رہو۔ زیادہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور نگاہ سجدہ کی جگہ پر رہے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک لے جائے اور پھر ناف کے قریب باندھ لے۔ یہ خیال رہے کہ ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہتھیلیاں پچھم رخ رہیں اور ہاتھ اس طرح باندھے جائیں کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پڑے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑ لیا جائے اور یہ بھی خیال رہے، کہ دونوں ہاتھ اٹھانے کے بعد پھر سیدھا نیچے کی طرف چھوڑ نہ دیا جائے۔ بلکہ فوراً باندھ لیا جائے۔ ہاتھ باندھنے کے بعد فوراً یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ	تُو پاک ہے اے اللہ! اور تو ہی تعریف
وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى	کے لائق ہے۔ بلند اور برکت والا ہے تیرا
جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ [1]	نام اور بڑی ہے تیری بزرگی اور دین اور
(مسلم، دار قطنی، مسند احمد)	تیرے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے

یہ دعا پڑھنے کے بعد تعوذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور تسمیہ یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے پھر اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہیے اسی طرح سورہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ

---

[1] حدیث میں یہ دعا بھی آئی ہے جس کا جی چاہے اس کو پڑھے یا جو اوپر لکھی گئی ہے اس کو پڑھے یا دونوں کو ملا کر پڑھے۔ لیکن امام کو دونوں میں سے ایک ہی کو پڑھنا چاہیے۔ البتہ سنّت و نفل نمازوں میں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ مِنَ الْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ (بخاری و مسلم)

(ترجمہ) اے میرے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری ڈال دے جتنی پورب اور پچھم میں تونے دوری ڈال رکھی ہے اے اللہ مجھ کو گناہوں سے اس طرح پاک و صاف کر دے جس طرح (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پڑھنا چاہیے[1] سورۂ فاتحہ جب ختم کرلے تو آہستہ سے آمین کہے، پھر قرآن کی کوئی سورۃ یا تین آیتیں پڑھے۔ سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھتے وقت اس کے معنی پر غور کرتا جائے اس کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے رکوع اس طور پر کرے کہ اس کا پچھلا حصہ، پیٹھ اور سر سب تختی کی طرح برابر رہیں۔ سر کو بہت جھکا دینا یا پیٹھ سے اونچا رکھنا صحیح نہیں ہے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا کر دونوں گھٹنوں کی انگلیوں کو پکڑلے اور دونوں بازوں کو خوب پہلو سے ملائے رکھے۔ پھر اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم** تین بار یا پانچ بار یا سات بار پڑھے، اس سے زیادہ بھی پڑھ سکتا ہے مگر عدد ہمیشہ طاق رہے یعنی ۹۔ ۱۱۔ ۱۳ وغیرہ۔ البتہ امام کو تین ہی بار پڑھنا بہتر ہے۔ حدیث میں یہ دعا بھی آئی ہے جس کا جی چاہے اس کو پڑھے۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ[2] (بخاری و مسلم)	"اے اللہ! تو پاک ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے بخش دے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہوتا ہے۔ اے میرے اللہ! میرے گناہوں کو پانی اور برف سے اور اولوں سے دھودے، برف اور اولوں کا ذکر کرکے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نماز کو سکون دماغ اور طمانیت قلب کا ذریعہ بنادے۔ پہلی دعا کے مقابلے میں یہ دعا زیادہ صحیح اسناد سے ثابت ہے۔

[1] سمّی سراً فی اول کل رکعۃ شامی ج ۱ ص ۵۷م۔ ان سمی بین الفاتحۃ والسورۃ المقروءۃ حسن عند ابی حنیفۃ۔

[2] اس کے علاوہ اور دعائیں بھی حدیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ (مسلم) یہ دعا بھی آئی ہے اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ (مسلم) اے اللہ! میں نے تیرے لئے رکوع کیا تیرا ہی فرمانبردار ہوا، تجھ پر ایمان لایا، تیرے لئے میرے کان، میری آنکھیں میری ہڈیاں اور ہڈیوں کے گودے اور میرے اعصاب سب جھک گئے۔

اگر امام ہو تو ان میں سے کوئی ایک دعا پڑھے، اور تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو بہتر ہے کہ دونوں کو پڑھ لے۔
رکوع کے بعد قومہ کرے، یعنی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (خدا نے اس شخص کی بات سُن لی جس نے اس کی تعریف کی) کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر پھر تحمید یعنی[1] رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں) پڑھے، امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور تحمید[2] دونوں کہے اور مقتدی کو صرف تحمید کہنا چاہیئے۔ تحمید پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جائے۔ سجدہ اس طرح کرنا چاہیئے کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر پڑیں، پھر دونوں ہاتھوں کے پنجے کانوں کے برابر رکھے جائیں، پھر پیشانی ٹیکی جائے۔ پیشانی کے ساتھ ناک بھی زمین پر رہنی ضروری ہے۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھنی چاہیئے اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رہیں اور جب تک سجدہ میں رہے زمین سے نہ اُٹھنے پائیں، دونوں ہاتھوں کی کہنیاں اور کلائی زمین کے اوپر اور پیٹ رانوں سے الگ رہنی چاہیئے۔ اور نمازی کے پیٹ کے درمیان اتنی جگہ رہنی چاہیئے کہ ایک بکری کا چھوٹا بچہ اس سے نکل جائے۔
اس طور پر سجدہ میں جانے کے بعد اطمینان سے تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی[3] (میرا بلند

---

[1] دوسری حدیث میں اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ بھی آیا ہے۔ اس موقع کے لئے حضور سے اور بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔ آدمی تنہا فرض یا سنت و نفل پڑھے تو ان سب کو ملا کر پڑھنا بہتر ہے، یا کبھی ان کو اور کبھی ان کو پڑھ لینا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ سب دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں۔ البتہ امام کو مختصر سی دعا پڑھنی چاہیئے۔ دو دعائیں یہاں لکھی جاتی ہیں: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ "اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے لئے بے شمار تعریف اور جس میں برکت دی گئی ہے"۔ دوسری دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ "اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے لئے تعریف ہے آسمانوں بھر اور زمین بھر اور اس کے بعد جو تو چاہے اس کے بقدر، تو تعریف اور بزرگی کا اس سے زیادہ مستحق ہے جتنی بندہ نے کی ہے، ہم سب تیرے بندے ہیں! اے اللہ جس کو تو نے دیا اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو نہیں دیا اس کو کوئی دینے والا نہیں، کسی صاحب حیثیت کی حیثیت تجھ سے ہٹ کر کام نہ دے گی"۔

[2] بخاری شریف میں امام کے لئے بھی دونوں کے پڑھنے کا حکم آیا ہے

(باقی صفحہ آئندہ پر)

پروردگار پاک) پڑھے۔ پھر پہلا سجدہ کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے ہوئے اچھی طرح بیٹھ جائے اور بیٹھ کر یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ	"اے اللہ! مجھے بخش دے، میرے اوپر رحم کر
وَعَافِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ	مجھے معاف کردے اور مجھے ہدایت دے اور
وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ ۔[1]	مجھے حلال رزق دے میری شکستہ حالی کو دُور
ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)	کر اور مجھے بلندی عطا فرما۔"

ہدایت اگر مقتدیوں کے اُکتا جانے کا خیال ہو تو امام کو ان میں سے دو ہی تین جُملے پڑھنا چاہیئے۔ تنہائی میں اس کو اختیار ہے جب یہ دعا پڑھ لے تو اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرا سجدہ اسی طرح کرے جس طرح پہلا سجدہ کیا ہے، اور وہ دعا پڑھے جو پہلے سجدہ میں پڑھی ہے دونوں سجدے کرنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔ کھڑے ہونے میں اِس بات کا خیال رہے کہ پہلے پیشانی اُٹھے، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر ران کے اوپر رکھے، پھر دونوں گھٹنوں کو اٹھائے یعنی سجدہ کرتے وقت جو عضو زمین پر پہلے رکھا گیا تھا وہ بعد میں اور بعد میں جو رکھا گیا تھا وہ پہلے اٹھایا جائے۔

اب ایک رکعت پوری ہوگئی۔ دوسری رکعت میں پہلے بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھے اور آمین کہہ کر پھر کوئی سورۃ یا کم از کم تین آیتیں پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر اسی طرح رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ کرے، پھر دونوں سجدہ کے بعد قعدہ کرے یعنی اِس طرح بیٹھے کہ داہنا پیر کھڑا رہے اور اس کی انگلیاں قبلہ رُخ ہوں اور بایاں پیر موڑ کر اس پر بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر یہ تشہد

(بقیہ صفحہ گذشتہ) عن ابی ھریرۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ قال اللھم ربنا لك الحمد، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد اللھم ربنا لك الحمد کہتے تھے۔ دوسری حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی اور طحاوی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لك الحمد یسمع اللہ لکم، اس دوسری حدیث سے استدلال کرکے امام ابوحنیفہؒ نے استدلال فرمایا ہے کہ اس میں تسبیح کا حکم امام کے لئے ہے اور تحمید کا حکم مقتدی کے لئے ہے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پڑھے[1] :-

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ (بخاری)	"تمام زبان کی عبادتیں اور تمام بدن کی عبادتیں اور تمام پاک مال کی عبادتیں اللہ ہی کے واسطے ہیں، اے نبی آپ پر سلام اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ ہم پر سلام اور تمام خدا کے نیک بندوں پر سلام۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔"

جب اشہد ان لا الٰہ الا اللہ پر پہنچے تو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کو ملا کر حلقہ بنالے اور پھر شہادت کی انگلی لآ اِلٰہَ کہتے وقت اُٹھائے اور الا اللہ کہتے وقت گرادے[2] ۔ اور

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مگر صاحبین اور امام شافعیؒ نے پہلی حدیث سے استدلال کر کے دونوں کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور دوسری حدیث جس سے امام کو تسمیع اور مقتدی کو تحمید پڑھنے کا استدلال کیا گیا ہے اس کا جواب صاحبین یہ دیتے ہیں کہ بالکل یہی الفاظ آمین کے سلسلے میں آتے ہیں اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین۔ تو یہاں جب دونوں کو پڑھنے کا حکم ہے تو یہاں بھی کیوں نہ دونوں کو پڑھنے کا حکم سمجھا جائے، امام طحاوی نے صاحبین کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ شرح نقایہ پر مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم نے جو حاشیہ لکھا ہے اس پر لکھا ہے کہ وجه الاستدلال ان غالب احواله كان هو الامام وان الامام منفرد فی حق نفسه والمنفرد يجمع بين هذين الذكرين فكذا الامام (ج ۱ ص ۷۰) ملا علی قاری نے اس کا جواب دیا ہے مگر امام طحاوی کی رائے ملا علی قاری کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہے۔

[1] حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں بھی اکثر وہ دعا پڑھتے تھے جو رکوع میں بتائی گئی ہے یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ۔ سجدہ میں آپؐ اور بھی دعا پڑھتے تھے (باقی صفحہ آئندہ پر)

اس کے بعد جب تک بیٹھا رہے اسی طرح حلقہ کے ساتھ اپنا داہنا ہاتھ رکھے رہے۔ اگر چار رکعت والی نماز ہو تو تشہد پڑھنے کے بعد فوراً اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے، کھڑے ہونے کے بعد اگر فرض نماز ہو تو دونوں رکعتوں میں تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع کر دے، اور اگر سنّت یا نفل نماز ہے تو سورۂ فاتحہ کے بعد دونوں رکعتوں میں کوئی سورہ پڑھ کر پھر رکوع اور سجدہ کرنا چاہیئے۔ اگر دو رکعت والی نماز ہو تو قعدہ میں تشہد کے بعد اور چار رکعت والی نماز ہو تو چوتھی رکعت میں دوسرے قعدہ میں تشہد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ درود بہت سے ہیں۔ ایک درود یہاں لکھا جاتا ہے، اس درود کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو سکھایا تھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ	"اے اللہ! رحمت بھیج محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد
وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ	پر، جس طرح رحمت بھیجی تو نے ابراہیمؑ پر اور
عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ	ابراہیمؑ کی اولاد پر، بے شک تو ہی تعریف کے
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ	لائق اور بزرگ ہے"۔
مَّجِيْدٌ۔	
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ	اے اللہ! برکت دے تو محمدؐ کو اور محمدؐ کی اولاد
وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ	کو جیسی برکت دی تو نے ابراہیمؑ کو اور ان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مثلاً: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ (مسلم، ابوداؤد) ''اے اللہ! میرے تمام گناہ معاف کر دے۔ خواہ وہ چھوٹے گناہ ہوں یا بڑے، اگلے ہوں یا پچھلے کھلے ہوئے ہوں یا چھپے ہوئے۔ (صفحہ ۲۰۸ کا حاشیہ) لہ متعدد روایتوں میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں یہاں سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۲۰۹) لہ یہ حدیث میں دوتین اور تشہد کا ذکر ہے مگر اس تشہد کی آپؐ نے صحابہ کو تعلیم فرمائی جیسا کہ بخاری و مسلم میں مفصل موجود ہے اسلئے سب سے افضل یہی تشہد ہے۔ اس لئے کہ یہ قولی ہے اور دوسرے تشہد عملی ہیں اور قولی حدیث کو ترجیح [illegible]

۲ے علامہ شامی نے اسی ہیئت پر زیادہ زور دیا ہے۔

عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔	اولاد کو، بے شک توہی تعریف کا مستحق اور بزرگ ہے۔"

(بخاری)

اس درود کو پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے، اس دعا کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو سکھایا تھا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔[۲]	"اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی بخش نہیں سکتا۔ پس تو مجھے اپنی خاص بخشش سے بخش دے اور میرے حال پر رحم کر، بیشک توہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

(مسلم، ترمذی)

اس دعا کے پڑھنے کے بعد داہنی طرف سلام پھیر دے اور سلام پھیرتے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللہِ کہے، پھر اسی طرح بائیں طرف سلام پھیر دے، اور سلام پھیرتے وقت فرشتوں پر سلام بھیجنے کی نیت کرے اور اگر جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے تو تمام مسلمانوں پر سلام بھیجنے کی نیت کرے۔

۱ے حدیث میں بعض اور درودوں کا بھی ذکر ہے۔

۲ے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنی نمازوں میں یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔ اگر تنہا نماز پڑھے تو کبھی کبھی اس کو بھی پڑھ لے یا دونوں کو ملا کر پڑھ لے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتَنِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔ (بخاری)، "اے اللہ! میں عذابِ جہنم سے پناہ مانگتا ہوں اور عذابِ قبر سے پناہ مانگتا ہوں اور دجال کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ میں ہر گناہ اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں۔"

نماز کے بعد کی دعائیں

نماز کے بعد پوری عاجزی کے ساتھ خدا سے دعا مانگنی چاہیئے۔ نماز کے بعد اور دوسرے اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔ ہم ان کو آگے بیان کریں گے، صرف دو دعائیں یہاں لکھی جاتی ہیں:-

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

"اے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی ہر طرح کی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی، اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔"

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (مسلم)

"اے اللہ! تو تمام نقصان اور عیب سے محفوظ اور سلامت ہے اور تیری ہی طرف سے ہر طرح کی سلامتی اور حفاظت ہے۔ اے پروردگار! تیری ذات بابرکت ہے، اور اے احسان اور بڑائی والے توہی بلند اور بالا ہے۔"

فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیتہ الکرسی، اور ۳۳ بار سبحان اللہ، اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھنے کی ترغیب فرماتے تھے۔ آخر میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھنے کے لئے بھی آپ نے فرمایا ہے (مسلم، ابوداؤد)

فرض نماز کے بعد امام کو دیر تک دعا نہ مانگنی چاہیئے۔ البتہ عصر اور فجر میں اگر مصلیوں کو بہت جلدی نہ ہو تو دیر تک دعا پڑھی اور مانگی جا سکتی ہے۔

عورتوں اور مردوں کی نمازوں میں فرق

اوپر نماز کا جو طریقہ لکھا گیا ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں سب کو نماز پڑھنی چاہیے لیکن چند باتوں میں عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق ہے۔ ان کو یہاں لکھا جاتا ہے:-

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کان تک ہاتھ اٹھانا چاہیئے۔ اور عورتوں کو کندھوں تک

(۲) اگر مرد چادر وغیرہ اوڑھے ہوں تو چادر سے ہاتھ باہر نکال کر ہاتھ اٹھانا چاہیئے مگر عورت کو

ہر حال میں دوپٹہ یا چادر کے اندر رہی اندر ہاتھ اٹھانا چاہیئے۔ (۳) مردوں کو ناف کے برابر ہاتھ باندھنا بہتر ہے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا ضروری ہے (۴) مردوں کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لینا چاہیئے اور عورتوں کو صرف دائیں ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ دینا کافی ہے (۵) مردوں کو رکوع میں اپنی پیٹھ اور سر برابر رکھنا چاہیئے اور عورتیں اتنا ہی جھکیں کہ ان کا ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائے اور گھٹنے پر ہاتھ کی اُنگلیاں ملا کر رکھیں، (۶) مردوں کو کہنیاں پہلو سے الگ رکھنی چاہیئے اور عورتوں کو مِلا کر (۷) مردوں کو چاہیئے کہ وہ سجدہ میں اپنے بازوؤں کو بغل، پیٹ اور ران سے الگ رکھیں اور عورتوں کو مِلا کر رکھنا چاہیئے (۸) مردوں کو سجدہ میں دونوں پیروں کو انگلیوں کے بل پر ملا کر کھڑا رکھنا چاہیئے اور عورتوں کو دونوں پیروں کو توڑ کر اور بچھا کر رکھنا چاہیے۔ (۹) مردوں کو قعدہ کی حالت میں بیٹھنے میں اپنے داہنے پیر کو کھڑا رکھنا چاہیئے اور بائیں پیر پر بیٹھنا چاہیئے۔ اور عورتوں کو اپنے دونوں پیر داہنی جانب نکال کر اپنی داہنی ران کو بائیں ران سے ملا کر بیٹھنا چاہیئے۔ (۱۰) عورتوں کو کسی وقت اتنی بلند آواز سے قرآن نہ پڑھنا چاہیئے[ا] کہ غیر مرد سن لے۔

ا؎ اس سلسلے میں ابوداؤد اپنے مراسیل میں کئی روایتیں لاتے ہیں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس کے کئی مراسیل موجود ہیں، اور امام بیہقی نے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے۔

اذا سجدت المرأۃ الصقت بطنها بفخذها (آثار السنن) ”جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے لگالے۔

نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھنا تین طرح ثابت ہے، ان میں ایک تورّک ہے، جسے فقہائے احناف نے دوسری روایتوں کی روشنی میں عورتوں کے لئے خاص کر دیا ہے، اور دوسرا طریقہ بائیں پیر کو بچھا کر اور داہنے پیر کو کھڑا کر کے بیٹھنا، جس کو امام بخاریؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے، اسی کو احناف اور شوافع نے اختیار کیا ہے خالد بن العلاج سے مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت ہے:۔

اذا سجدت المرأۃ فلتنزق بطنها بفخذيها ولا ترفع عجيزتها ولا تجافى كما يتجافى الرجال (ج ا ص ۲۷۰) جو لوگ مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق نہیں کرتے انکو ان روایتوں پر غور کرنا چاہیئے۔

خشوع

اوپر نماز کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے اور اس کے جو فرائض، سنتیں، مفسدات اور مکروہات بیان کئے گئے ہیں، ان سب کا تعلق نماز کی ظاہری درستی سے ہے لیکن نماز کی ظاہری درستی کے ساتھ اس کی باطنی یعنی قلب و دماغ کی دُرستی کی بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ نے نماز کے ظاہری آداب پورے کر دیئے تو ظاہری طور پر آپ کی نماز ہو گئی۔ اب آپ کو بے نمازی نہیں کہا جائے گا لیکن ظاہری آداب کے ساتھ آپ کے دل و دماغ کی توجہ دوسری طرف رہی تو یہ نماز بیجان اور بے رُوح نماز ہو گی اور جس طرح ایک بے رُوح جسم بے قیمت اور بے حقیقت ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کے یہاں بے توجہی سے یعنی بے خشوع پڑھی ہوئی نماز بھی بے قیمت اور بے حقیقت نماز ہو گی۔ مگر اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے ہم کو کوئی حکم لگانے کا حق نہیں ہے۔

خشوع کے معنیٰ

لغت میں خشوع کے معنیٰ جھکنے، پست ہونے اور پُر سکون ہو جانے کے ہیں اور شریعت میں قلب و دماغ کو پورے طور پر خدا کی طرف متوجہ کر دینے جھکا دینے اور اس میں عاجزی اور بندگی کی کیفیت طاری ہو جانے کو خشوع کہتے ہیں۔ جب قلب اور دماغ پورے طور پر خدا کی طرف متوجہ ہوں گے تو جسم پر بھی اس کے آثار ظاہر ہوں گے یعنی اس کے جسم کے سارے اعضا پر ایک سکون اور عاجزی کی کیفیت طاری ہو گی۔ نماز کے ظاہری آداب بھی اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب آدمی کے دل و دماغ میں خشوع کی کیفیت طاری ہو۔ ایک بار ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور نماز ہی میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا۔ آپؐ نے دیکھا تو فرمایا:۔

لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ ۔ (مدارج السالکین)

اگر اس کے قلب میں خشوع و خضوع ہوتا تو اس کے اعضا بھی پُر سکون ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قلب کے خشوع کا اثر اعضاء پر بھی ظاہر ہوتا ہے لیکن اگر ظاہری طور پر آدمی کے اعضاء درست ہوں اور اس سے خشوع کا اظہار ہوتا ہو لیکن اس کے قلب میں کوئی جھکاؤ اور کوئی عاجزی کی کیفیت نہ پیدا ہو تو اس کو آپؐ نے خشوعِ نفاق فرمایا ہے۔ یعنی دکھاوے کا خشوع یا منافقانہ خشوع۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ استعیذوا من خشوع النفاق۔ خشوعِ نفاق سے پناہ مانگو۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خشوعِ نفاق کیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ:۔

خُشُوْعُ الْبَدَنِ وَنِفَاقُ الْقَلْبِ[1] — بدن تو جھکا ہو مگر قلب میں کوئی جھکاؤ نہ ہو۔

اسی بنا پر حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو گردن جھکا کر نماز پڑھتے دیکھتے تو فرماتے تھے گردن اونچی کرو۔

لَيْسَ الْخُشُوْعُ فِي الرِّقَابِ إِنَّمَا الْخُشُوْعُ فِي الْقَلْبِ[2]۔ — خشوع گردنوں میں نہیں ہوتا بلکہ اس کی جگہ قلب ہے۔

اسی بنا پر رکوع میں اکثر یہ دعا بھی آپؐ کی زبان پر ہوتی تھی۔ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ — اے اللہ تیرے لئے میرے جسم کے سارے اعضا جھک گئے۔

اس دعا سے خشوع کے ظاہری و باطنی اثرات کی پوری تصویر کھنچ جاتی ہے۔

قرآن و حدیث میں خشوع کی اہمیت

اسی بنا پر قرآن اور حدیث میں اس کی اہمیت آئی ہے، قرآن میں ہے کہ:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ — خشوع سے نماز پڑھنے والے یقیناً کامیاب ہوئے۔

(مومنون)

اس آیت میں آخرت میں ایک مومن کی کامیابی کو خشوع کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ دوسری آیت ہے:۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ — مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعہ اور بیشک یہ نماز گراں ضرور ہے لیکن ان کے لئے گراں نہیں ہے۔ جن کے دلوں میں خشوع ہے اور خشوع کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے دل میں یہ خیال جما رہتا ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ اور وہ اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

(سورہ بقرہ)

اوپر ایک حدیث آچکی ہے، ایک حدیث یہ ہے:۔

---

[1] مدارج السالکین۔ [2] ایضاً۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا یَتَخَشَّعُ ۔ جو نماز میں خشوع نہ پیدا کرے اس کی نماز نہیں

آپؐ ہمیشہ اپنی دعا میں غیر خاشع قلب سے پناہ مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ ۔ (مسلم) اے اللہ! مَیں ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہؓ اور تمام بزرگانِ دین اس صفت کے پیدا کرنے کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کا دل و دماغ خدا کی طرف اس طرح متوجہ رہتا تھا اور ان کے جسم کے اعضا اس قدر پرسکون رہتے تھے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ ایک لکڑی کا ستون ہے جو بے حس و حرکت کھڑا ہے۔

خشوع پیدا کرنے کا طریقہ

خشوع کے پیدا کرنے کے لئے کوئی مصنوعی یا غیر شرعی طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ یہ صفت تین باتوں کی مزاولت سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

(۱) ایک یہ کہ اپنی بندگی و بیچارگی اور خدا کی عظمت و جلال اور آخرت کی پوچھ گچھ کا یقین اپنے دل میں بٹھایا جائے (۲) دوسرے تمام اسلامی احکام کی مداومت اور مستقل مزاجی یعنی صبر، کے ساتھ پابندی کی جائے (۳) تیسرے یہ کہ پورے اہتمام کے ساتھ نماز اور دُعا کی پابندی و کثرت کی جائے، فرض ہی نہیں، بلکہ سنّت و نفل نمازیں بھی اہتمام کے ساتھ پڑھی جائیں اور جو مختلف اوقات کے لئے حدیث میں دعائیں آئی ہیں ان کو پڑھا جائے اور تنہائی میں خوب گریہ وزاری کے ساتھ آخرت کی کامیابی کے لئے دعا مانگی جائے۔ چنانچہ قرآن کی جو آیت اوپر گزری ہے اس میں یہ تینوں باتیں بیان کردی گئی ہیں۔ سب سے پہلی آیت میں صبر سے مدد کے لئے کہا گیا ہے۔ اور صبر نام ہے کسی ناگوار بات کو برداشت کرنے اور کسی کام کو پابندی اور استقلال سے کرنے کا، پھر نماز کا ذکر کیا گیا ہے یعنی نماز سے مدد لینے کے لئے کہا گیا ہے۔ حدیث میں آپؐ کا اسوہ یہ نقل ہوا ہے۔

اذا حزبہ امر فزع یعنی جب کوئی مشکل امر پیش آتا تو آپؐ

الی الصلوٰۃ۔ (ابوداؤد، احمد) گھبرائے ہوئے نماز شروع فرمادیتے۔

پھر اس کے بعد قیامت میں خدا کے سامنے حاضر ہونے اور ملنے کا تصور ہونا چاہیئے۔ مقصد یہ ہے کہ صبر اور نماز جو مومن کا سب سے بڑا سہارا ہے، مگر دونوں کا حق ادا کرنا آسان نہیں ہے البتہ جن کے دل میں خدا کا خوف ہے اور وہ پورے حضورِ قلب سے نماز ادا کرتے ہیں ان کے لئے آسان ہے۔

نمازِ باجماعت کا بیان

مردوں کے لئے ضروری ہے کہ پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ پڑھیں۔ قرآن و حدیث میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بے حد تاکید آئی ہے اور یہ تاکید خود ہمارے دینی اور دنیاوی فائدے کے لئے آئی ہے۔

وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۝ (البقرہ) نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

قرآن میں یہ بھی ہے کہ نماز وقتِ مقررہ کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ (نساء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس گنا زیادہ بہتر ہے۔" ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ "جو لوگ جماعت میں بغیر کسی عذر کے شریک نہیں ہوتے، میرا جی چاہتا ہے کہ اذان دلوا کر ایک شخص کو امام بنا دوں اور میں خود چند آدمیوں کو لکڑیاں دے کر ساتھ لے جاؤں اور ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔"

فاحرق علیھم بیوتھم بالنار (بخاری و مسلم)

اپنی زندگی کی آخری بیماری میں جب کہ آپ میں چلنے تک کی طاقت نہیں تھی۔ آپ دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔ ایک صحابی رات بھر نماز پڑھتے رہے اور فجر کے وقت ان کو نیند آگئی اور جماعت میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ "اگر یہ رات بھر سوتے اور فجر کی جماعت میں شریک ہوتے تو رات بھر کی نفل سے بہتر تھا۔"

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔ اور احناف کے

نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے[1]

جماعت کے فائدے

اگر جماعت میں کوئی فائدہ نہ بھی ہوتا تو اس کی پابندی ہمارے لئے اس لئے ضروری ہے کہ خدا اور رسولؐ کا حکم ہے لیکن خدا اور رسولؐ نے کوئی حکم فائدے کے بغیر نہیں دیا ہے۔ اس کے چند فائدے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے آپس میں اتحاد و اتفاق اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے، دن رات میں پانچ مرتبہ مسلمان جب آپس میں ملیں گے تو لامحالہ ایک دوسرے کے رنج و خوشی سے واقفیت ہوگی اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ بڑھے گا، جو لوگ دولتمند ہوں گے ان کو غریبوں کی حالت و ضرورت سے واقفیت ہوگی، اور وہ ان کی مدد کر سکیں گے۔ جو لوگ بیمار ہوں گے، دوسرے مسلمانوں کو فوراً اس کی اِطلاع ہوگی اور وہ اُن کی تیمارداری اور عیادت کریں گے جس سے یگانگت اور محبّت پیدا ہوگی۔

(۲) اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جماعت میں جب سب مسلمان آئیں گے تو ان میں کوئی جاہل ہوگا کوئی عالم، کوئی کم پڑھا لکھا اور کوئی زیادہ پڑھا لکھا۔ اس طرح ناواقف اور کم پڑھے لِکھے مسلمانوں کو موقع ملے گا کہ وہ دین کی کوئی بات معلوم کرنا چاہیں تو آسانی سے معلوم کر لیں اور اس سے پڑھے لکھے لوگوں میں اس بات کا احساس پیدا ہوگا کہ جاہلوں اور ناواقفوں کو دین سے آگاہ کرنے کی کوشش کریں۔

(۳) اس کا تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے مساوات کا سبق ملتا ہے۔ مسجد میں پہنچ کر جب امیر و غریب، خادم و مالک، چھوٹے اور بڑے سب ایک ہی صف میں کندھے سے کندھا مِلا کر کھڑے ہوتے ہیں تو اس سے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک

---

[1] فقہ کی بعض کتابوں میں واجب لکھا ہوا ہے اور بعض میں سُنّتِ مؤکدہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت اور ترکِ جماعت پر سخت وعیدوں کی وجہ سے محققین فقہاء نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ای عامۃ مشائخنا۔ ردالمحتار ج ۱ ص۸۰، جو لوگ اسے سنت موکدہ کہتے ہیں وہ بھی اسے واجب کے مانند ہی سمجھتے ہیں۔

اس کے تمام بندے برابر ہیں۔

(۵)۔ پھر اس کے ذریعہ دوسروں کے سامنے اسلام کی اجتماعی شان کا اظہار ہوتا ہے۔
اور اسلامی عبادت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

(۶) پھر تمام مسلمانوں کا مل کر نماز پڑھنا اور مل کر دعا مانگنا خدا کی رحمت کے نزول اور نیکی کے فروغ کا سبب بنتا ہے کیونکہ دیئے سے دیا جلتا ہے۔ نمازیوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں کوئی زیادہ نیک ہوتا ہے کوئی کم نیک، کوئی دین کے کاموں کا زیادہ پابند ہوگا اور کوئی کم۔ تو آپس کے ملنے جلنے سے ایک کی نیکی کا اثر دوسرے پر ضرور پڑتا ہے۔ آدمی جیسے لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور اُن کی صحبت اختیار کرتا ہے اکثر اس پر ویسا ہی اثر پڑتا ہے۔ اس طرح نمازیوں کے برابر ملنے جلنے سے لوگوں کی نیکیاں بڑھیں گی اور جتنی بھی نیکیاں بڑھیں گی برائیاں مٹیں گی اور یہ چیز خدا کی رحمت کے نزول کا سبب ہوگی۔

جماعت کن لوگوں پر ضروری ہے

(۱) نماز باجماعت ہر اس مسلمان مرد پر واجب ہے جو عاقل، بالغ، مقیم اور تندرست ہو اور کوئی عذر نہ ہو[1]

(۲) عورتوں اور بچوں پر جماعت کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر بچے مسجد میں جائیں تو اچھا ہے، ان کی صف علیحدہ بنا دی جائے گی۔ اسی طرح عورتوں پر جماعت تو واجب نہیں ہے لیکن اگر گھر کی عورتیں مل کر نماز پڑھیں تو اس کی اجازت ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

(۳) اسی طرح جو لوگ گھر سے باہر سفر میں ہوں ان پر بھی جماعت واجب نہیں۔ لیکن اگر چند آدمی سفر میں ساتھ ہوں تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بہتر ہے۔

(۴) اسی طرح جو لوگ بیمار ہوں یا اُن کو کوئی دشواری لاحق ہو تو ان پر بھی جماعت واجب نہیں ہے[2]

---

[1] تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰۃ جماعۃ من غیر حرج (فتاویٰ ہندیہ ص۸۱ ج۱)

[2] رد المحتار ج ۱ ص ۵۷۹

کن حالات میں شرکت جماعت ضروری نہیں

کچھ دشواریوں اور عذروں کی موجودگی میں اگر کوئی شخص جماعت ترک کر دے گا تو اس کو تارک جماعت نہیں کہا جائے گا۔ لیکن ان میں سے بعض صورتوں میں اگر وہ جماعت میں شریک ہوگا تو شریک ہونا نہ ہونے سے بہتر ہوگا۔ وہ دشواریاں یہ ہیں:-

(۱) سخت بارش ہو رہی ہو اور اس کے پاس چھتری وغیرہ نہ ہو اور خیال ہو کہ مسجد تک جائے گا تو کپڑے بالکل بھیگ جائیں گے یا کوئی اور بات پیدا ہو جائے گی۔

(۲) راستے میں اتنی زیادہ کیچڑ ہو کہ چلنا دشوار ہو اور جوتے اور چپل کے بالکل لت پت ہو جانے اور پھسل جانے کا خیال ہو۔ یہ صورت زیادہ تر دیہاتوں میں پیش آسکتی ہے۔ شہروں کے راستے تو عموماً صاف ستھرے ہوتے ہیں۔

(۳) سخت سردی پڑ رہی ہو۔ یہ حکم زیادہ تر ان مقامات کے لئے ہے۔ جہاں سردیوں میں برف پڑتی ہے اور چلنا پھرنا دشوار ہوتا ہے یا پھر بیمار اور کمزور لوگوں کے لئے جن کو سردی لگ جانے سے بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

(۴) رات کو نماز کے وقت سخت آندھی آجائے[1]

(۵) مسجد میں جانے کی وجہ سے گھر میں مال و اسباب چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

(۶) سفر کا ارادہ ہو اور سواری کا وقت بالکل ہو چکا ہو اور خدشہ ہو کہ اگر وہ جماعت میں شریک ہوتا ہے تو سواری چھوٹ جائے گی اور اس کے چھوٹ جانے سے نقصان یا حرج ہوگا[2]

(۷) کوئی اندھا یا بہت زیادہ لنگڑا یا سخت بیمار ہو، لیکن اگر اندھا یا لنگڑا آسانی سے مسجد میں پہنچ سکتا ہو تو اس کو جماعت نہ ترک کرنا چاہیئے۔ ایک نابینا صحابی نے نبی صلی اللہ

---

[1] انها تسقط بالمطر والطین والبرد الشدیدة كذا فی التبیین وتسقط بالریح فی اللیلة المظلمة۔ ۱۲۔

[2] او یرید سفرا واقیمت الصلوٰة فیخشی ان یفوته القافلة (فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۹۲)۔

علیہ وسلم سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اذان کی آواز سنتے ہو، بولے۔ ہاں، فرمایا کہ پھر مسجد میں آیا کرو۔ (مشکوٰۃ)

(۸) پاخانہ پیشاب معلوم ہو رہا ہو۔

(۹) کھانا بالکل تیار ہو اور بھوک لگی ہو اور یہ خیال ہو کہ نماز میں جائے گا تو خیال کھانے کی طرف لگا رہے گا۔

(۱۰) کسی مریض کی دیکھ بھال اس کے سپرد ہو اور مریض تنہا ہو اور یہ خیال ہو کہ اگر وہ جماعت میں جائے گا تو مریض کو تکلیف ہو گی یا اُس کو گھبراہٹ ہو گی تو اس صورت میں بھی جماعت ترک کر سکتا ہے[1]

امام اور مقتدی

امام کے معنی سردار اور مقتدی کے معنی پیچھے چلنے والے کے ہیں اس لئے جو شخص امام ہو اس میں سرداری کی صلاحیت بھی ہونا چاہیئے اور مقتدیوں کو چاہیئے کہ اس شخص کو وہ سردار سمجھیں۔ اس زمانے میں امامت بڑی ذلیل چیز ہو گئی ہے۔ امام ایسے شخص کو لوگ بناتے ہیں جو گرا پڑا ہو۔ اور جس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ لیکن اسلام میں یہ اس قدر معزز چیز ہے کہ تمام انبیا اپنی اپنی اُمّتوں کے خود امام ہوتے تھے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود نماز کی اِمامت فرماتے تھے۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ جو تمام اُمّت میں افضل تھے ان کو نماز کی امامت کا حکم آپؐ نے فرمایا اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے بعد جتنے خلفاء ہوئے ان تمام حضرات نے خود نماز کی امامت کی۔ یہی وجہ ہے کہ جس جگہ اسلامی حکومت کا امیر، نائب امیر، یا قاضی موجود ہو اس کے علاوہ کوئی دوسرا امامت نہیں کر سکتا۔

غور کیجئے امامت کتنی ذمہ داری اور اہمیت کی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی نماز کا امام ان ہی لوگوں کو بنایا جائے جو نمازیوں میں زیادہ پڑھے لکھے اور نیک ہوں، اور جن کو امام بنایا جائے ان کو ہر کام میں اپنا راہ نما بنایا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر سب سے

---

[1] ردالمحتار ج ۱ صفحہ ۵۸۰۔

پہلے یہ کہہ کر بیعت کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز (دین) میں ان کو ہمارا امام بنایا، تو پھر ہم اپنی پوری زندگی (دنیا) میں کیوں نہ امام بنائیں۔ اگر ہم اچھے آدمی کو امام نہیں بناتے ہیں تو یہ ہماری اپنی کمزوری کی علامت ہے ایک حدیث میں ہے اذا ام الرّجل القوم وفیھم من ھو خیر منہ لم یزالوا فی مذلۃ (فتاویٰ ابن تیمیہ کتاب الصلوٰۃ) جب کسی قوم کی امامت ایسا شخص کرے جس سے بہتر آدمی اس میں موجود ہو تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی، واقعی ہماری پستی کے اور اسباب جہاں ہیں وہاں یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔

امام کو امامت کی نیت ضروری نہیں ہے مگر مقتدیوں کو امام کی اقتدا کی نیت کرنی چاہیئے۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۹۴)

اِمام کِن لوگوں کو بنایا جائے

اِمام بنانے کا حق مقتدیوں یا عام نمازیوں کو ہے۔ اگر انھوں نے کسی اچھے آدمی کے ہوتے ہوئے کسی جاہل کو اِمام بنا دیا تو وہ گنہگار ہوں گے امام بنانے میں کئی باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) سب سے پہلے اس شخص کو امام بنانا چاہیئے جو قرآن و سنت کا علم رکھتا ہو اور ان پر عمل بھی کرتا ہو۔ اگر علم رکھتا ہو اور عمل نہ کرتا ہو تو اس سے بہتر وہ شخص ہے جو گو علم زیادہ نہ رکھتا ہو۔ مگر تبع سنت ہو۔

(۲) اگر کوئی علمِ دین رکھنے والا موجود نہ ہو تو نمازیوں میں جو سب سے زیادہ صحیح اور اچھا قرآن پڑھتا ہو اس کو امام بنایا جائے۔ صحیح اور اچھا قرآن پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ حروف کو اچھی طرح ادا کرتا ہو مثلاً ح، خ، ق، ع، ض، ش وغیرہ کو اچھی طرح ادا کرتا ہو۔ اور پڑھنے میں ث، س، ز، ظ اور ہ، ح میں اچھی طرح فرق کر کے پڑھتا ہو اگر دو آدمی ایسے ہوں جو صحیح قرآن پڑھتے ہوں تو ان میں جس کی آواز اچھی ہو اس کو امام بنانا بہتر ہے۔[۱]

(۳) اس کے بعد وہ شخص جو کمانے کھانے اور تمام باتوں میں حرام و حلال کا خیال رکھتا ہو

---

[۱] عام طور پر ہم امام اور موذن جس کو چاہتے ہیں بنا دیتے ہیں امام اس شخص کو بنانا چاہیئے جو نماز کے مسائل سے واقف ہو اور قرآن پاک صحیح پڑھ سکتا ہو اور طہارت وغیرہ کا پورا خیال رکھتا ہو۔

امامت کا مستحق ہے اگرچہ کم علم ہی ہو۔

(۴) پھر جس کی عمر زیادہ ہو۔

(۵) پھر جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہو۔

(۶) پھر وہ جو زیادہ باوقار معلوم ہوتا ہو۔[1]

(۷) پھر نسب میں جو زیادہ شریف ہو۔ حدیث و آثار میں امامت کے لئے جو شرائط مذکور ہیں اُنہیں کی روشنی میں فقہائے کرام نے مذکورہ بالا جزئیات مستنبط کئے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے وہ شخص امامت کرے جو قرآن پاک کا علم رکھتا ہو اور قرآن صحیح پڑھ سکتا ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو سنتِ نبوی کا جسے علم زیادہ ہو وہ امامت کرے اگر اس میں بھی برابر ہوں تو وہ امام ہو گا جس نے پہلے ہجرت کی ہو اگر اس میں بھی برابر ہوں تو وہ امام ہو گا جو عمر میں زیادہ بڑا ہو (مسلم)

دار قطنی کی ایک حدیث میں ہے۔

اجعلوا ائمتکم خیارکم	اچھے آدمی کو امام بناؤ اس لئے کہ یہ واسطہ
فانھم وفدکم فیما	ہیں تمہارے رب اور تمہارے درمیان
بینکم وبین ربکم۔	(المنتقیٰ ج صـ۶۲۸)

فقہا نے جن جن شرطوں کا ذکر کیا ہے وہ سب اسی "خیارکم" کی تفسیر ہے۔

کن لوگوں کی امامت مکروہ ہے

(۱) بدعتی، یعنی وہ لوگ جو وہ کام کرنے کو ثواب کہتے یا سمجھتے ہوں جن کا ذکر قرآن و حدیث اور خیر القرون میں نہ ہو، مثلاً تعزیہ دار، قبروں پر پھول اور چادر چڑھانے والے، غیر اللہ سے اپنی حاجت مانگنے والے۔ البتہ اگر کوئی شخص دوسرا نہ ہو یا ان کو امام نہ بنانے میں جنگ و جدال کا خطرہ ہو تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ جھگڑے اور لڑائی کی صورت پیدا نہ کرنی

---

[1] رد المختار ج ۱ صـ۵۸۔

[2] کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اھتمامہ بالدین (نور الایضاح)

چاہیئے۔ (۲) جھوٹی قسم کھانے والے کی امامت مکروہ ہے، قسم کا کفارہ ادا کرنے کے بعد اور توبہ واستغفار کے بعد امامت صحیح ہوسکتی ہے۔

(۳) فاسق[1]، یعنی وہ شخص جو بے عمل ہو، کتاب وسُنّت پر عمل نہ کرتا ہو اور گناہ کے کاموں سے نہ بچتا ہو۔ چاہے عالم ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) جاہل ہو۔ یعنی دین کا علم اسے نہ ہو، ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں امامت کی اور اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا، اور آپؐ دیکھ رہے تھے، آپؐ نے لوگوں سے فرمایا دیکھو آئندہ یہ امامت نہ کرنے پائے۔ چنانچہ اس نے امامت کرنی چاہی تو لوگوں نے اسے روک دیا۔ (ابوداؤد ج ا ص ۶۹) اتنے چھوٹے سے گناہ سے جب آپؐ نے امامت سے روک دیا ہو تو جو دین کا علم نہ رکھتا ہو وہ اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھے گا۔

(۵) اندھا ہو۔ اگر کوئی ایسا ہوشیار اندھا ہو جو پاکی وغیرہ کا خوب خیال رکھتا ہو اس کے امام بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۶) ایسے شخص کی امامت بھی مکروہ ہے جس کو عام مصلی پسند نہ کرتے ہوں البتہ اگر کسی مستحق آدمی کو لوگ پسند نہ کرتے ہوں تو اس کا وبال ان پر پڑے گا۔

(۷) مستقل حرام کھانے والا، مثلاً سودخور یا رشوت خور وغیرہ، اگر ان کے علاوہ کوئی شخص امام بنانے کے لائق نہ ہو یا اُن کے امام نہ بنائے جانے میں جھگڑے کا اندیشہ ہو تو ان کو امام بنا دینا چاہیئے اس لئے کہ جماعت بھی ضروری ہے اور لڑائی جھگڑے سے بچنا بھی ضروری ہے۔

(۸) اگر کسی نے اپنی مرضی سے نس بندی کرالی ہے تو اس کی امامت مکروہ ہوگی جبراً کرائی ہو تو نہیں۔

چند ضروری باتیں

(۱) اگر کوئی تنہا فرض نماز شروع کرے اور کوئی اس سے آکر مل جائے تو اس کو چاہیئے کہ اگر آہستہ نماز پڑھ رہا تھا تو زور سے پڑھنا شروع کردے[2] (۲) اگر امام کسی وجہ سے تیمم سے نماز پڑھ رہا ہے یا مسح کرکے نماز پڑھ رہا ہے یا وہ

---

[1] کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اہتمامہ بالدین۔ (نورالایضاح)

[2] شرع منفردا فی صلوٰۃ جہریۃ فقرأ الفاتحۃ مخافتۃ ثم اقتدی بہ جماعۃ یجہر بالسورۃ (فتاوی رحیمیہ بحوالہ کبیری)

کسی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ اور دوسرا اس سے بہتر آدمی نہیں ہے تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے[1] اگر امام جلسۂ استراحت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح اگر فرض نماز پڑھ چکا ہے پھر امام کے پیچھے بطور نفل وہی نماز پڑھتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن فجر، عصر اور مغرب کی نماز دوبارہ نہیں پڑھ سکتا، ظہر اور عشاء کی نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن جو شخص فرض پڑھ چکا ہے اگر وہ اسی فرض نماز کی امامت کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(۴) بغیر مقتدیوں کی مرضی کے امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح کسی مسجد میں کوئی امام ہو تو اس کی مرضی کے بغیر کسی دوسرے کا امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے[2]۔ (۵) جماعت پانے کے لئے دوڑنا حدیث میں منع ہے البتہ تیز چل کر ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے (بخاری شریف)

جماعت میں کھڑے ہونے کی ترتیب

(۱) اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت ہو جاتی ہے ان کو مل کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ لیکن دو آدمی جب جماعت سے نماز پڑھیں تو آگے پیچھے نہ کھڑے ہوں بلکہ مقتدی امام کے داہنے جانب دو چار اُنگل اس سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو۔ لیکن نماز پڑھنے کی حالت میں اگر تیسرا نمازی آجائے تو اس کو چاہیئے کہ مقتدی کو پیچھے کھینچ کر اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے اگر مقتدی کو پیچھے کھینچنے کی جگہ نہ ہو تو امام کو آگے بڑھا دینا چاہیئے اگر اس کو بھی بڑھانے کی گنجائش نہ ہو تو اس کو امام کے بائیں جانب کھڑے ہو جانا چاہیئے۔ اگر مقتدی کو پیچھے ہٹانا یا امام کو آگے بڑھانا بھول جائے یا اس کو معلوم نہ ہو تو امام کو خود ہی آگے بڑھ جانا چاہیئے یا مقتدی کو پیچھے چلے آنا چاہیئے۔ (۲) دو یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو امام کو شروع نماز ہی سے آگے رہنا چاہیئے[3] ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔

---

[1] ردالمحتار۔ ج ۱ ص ۲۱۶

[2] و امام المسجد احق بالامامۃ من غیرہ الخ (طحطاوی ص ۱۲۴)

[3] وان کثر القوم کرہ قیام الامام وسطھم تحریما لترک الواجب (طحطاوی ص ۱۶۰)

(۳) اگر صف بھر چکی ہو اور کوئی اکیلا آدمی جماعت میں شامل ہونے کے لئے آئے تو اس کو صف کے پیچھے تنہا نہ کھڑے ہونا چاہیئے[1] (۴) جماعت میں مقتدیوں کو خوب مل کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر صف ٹیڑھی ہوگی تو تمہارے دل میں بھی ٹیڑھا پن پیدا ہوگا۔ آپؐ جب امامت کے لئے کھڑے ہوتے تو لوگوں کو صف درست کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ (۵) اگر نماز میں ایک نابالغ بچہ ہو تو اس کو بڑے آدمیوں کی صف میں کھڑا کر لینا چاہیئے۔ لیکن اگر کئی بچے ہوں تو بڑوں کے پیچھے ان کی ایک صف بنا دینی چاہیئے۔ (۶) امام کو مقتدیوں سے ایک ہاتھ اونچی جگہ پر نہ کھڑا ہونا چاہیے اور نہ ایسی جگہ پر کھڑا ہونا چاہیے جہاں سے پہلی صف کے لوگ بھی اسے نہ دیکھ سکیں۔ (۷) امام کو نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی ضرورت اور تکلیف کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اتنی لمبی نماز نہ پڑھانی چاہیئے کہ لوگ اکتا جائیں۔ یا اُن کا بہت زیادہ حرج ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[2]۔ (۸) اگر اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو اس کو پُر کرنے کے لئے بچوں کی صف کے آگے سے گزرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(مراقی الفلاح ۲۱۱)

امام اور مقتدی جماعت میں کب کھڑے ہوں

کچھ دنوں سے ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک طبقہ اس پر زور دیتا ہے کہ مقتدیوں کو اس وقت کھڑا ہونا چاہیئے جب موذن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کہے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ امام صاحب پہلے سے مصلے پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور مقتدی بھی بیٹھے رہتے ہیں اور اقامت میں جب حی علی الصّلوٰۃ مؤذن کہتا ہے تو سب لوگ کھڑے ہوتے ہیں، فقہ کی بعض جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا کرنا بہتر ہے، مگر اس سلسلہ میں چند باتیں

---

[1] لیکن اس میں کوئی دقت ہو یا جس کو وہ کھینچ رہا ہے ناواقفیت کی بنا پر اس کے برا ماننے کا احتمال ہو تو اسے تنہا ہی کھڑا ہو جانا چاہیے والقیام وحدہ اولی فی زماننا لغلبۃ الجھل۔ (مراقی الفلاح ص ۱۶۶-۱۶۸)

[2] وکرہ للامام تطویل الصلوۃ لما فیہ من تنفر الجماعۃ لقولہ علیہ السلام فلیخفف۔

عرض کرنی ضروری ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ کہ کسی حدیث یا فقہ کی کسی جزیہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام پہلے سے مصلے پر بیٹھ جائے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ اس پر اتنا اصرار کہ نہ کرنے والے کو برا بھلا کہا جائے کہاں سے ثابت ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ صفوں کی درستگی کا امام صاحب ذرا بھی موقع نہیں دیتے، حالانکہ یہ سنت نبوی اور سنت خلفائے راشدین ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ شریفہ میں تشریف فرما ہوتے تھے اور حضرت بلال رضؓ کبھی اقامت شروع کر دیتے اور لوگ صفیں درست کرتے، اور کبھی انتظار کرتے جب آپ حجرۂ شریفہ سے باہر آتے تو اقامت شروع کرتے اور صحابہؓ آپؐ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ فیاخذ الناس مصافھم قبل ان یقوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ (صحیح مسلم ج ۱ ابو داؤد ج ۱)	آپؐ کی امامت میں نماز کھڑی کی جاتی تھی اور آپؐ کے مصلے پر کھڑے ہونے سے پہلے لوگ صفوں میں اپنی جگہ بنا لیتے تھے۔

مسلم شریف کی دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار نماز کھڑی ہو گئی اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ سے باہر نکلنے سے پہلے اپنی صفیں درست کر لیں۔ حجرہ سے باہر آکر آپؐ نے فرمایا کہ میں جنبی ہوں۔ پھر آپؐ تشریف لے گئے اور غسل کر کے واپس تشریف لائے اور ہم لوگ کھڑے ہی رہے پھر آپؐ نے امامت فرمائی۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا اور مقتدی کا بیٹھے رہنا اور حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا سنت کے خلاف ہے۔

مقتدیوں کے احکام

امام کے پیچھے جو لوگ نماز پڑھیں ان کو مقتدی کہا جاتا ہے۔

(۱) مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے تابع ہوتی ہے۔ لیکن مقتدیوں کو نماز کے فرائض میں امام کا اتباع کرنا تو فرض ہے لیکن نماز میں جو چیزیں واجب، سُنّت یا مستحب ہیں ان میں امام کا اتباع ضروری نہیں ہے۔ مثلاً مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنا بہتر ہے لیکن اگر وہ پڑھتا ہے تو اس کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ اِسی طرح اگر امام آہستہ سے آمین کہے اور وہ زور سے کہے یا اِمام ناف کے پاس ہاتھ باندھے اور مقتدی سینہ کے پاس یا اس کا اُلٹا تو ان تمام صورتوں میں مقتدی کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ اور نہ مقتدی کو اس میں امام کے اتباع کی ضرورت ہے۔ (۲) اگر امام کی نماز کسی وجہ سے خراب ہو جائے تو سارے مقتدیوں کی نماز خراب ہو جائے گی لیکن اگر امام نے نماز بالکل ٹھیک پڑھی مگر مقتدی نے اپنی نماز میں خرابی پیدا کر دی تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر یہ خرابی نماز کی سُنّتوں اور واجب میں ہوئی ہے تو مقتدی کی نماز ہو گئی، مثلاً وہ تشہد پڑھنا بھول گیا یا امام سے پہلے سجدہ یا رکوع میں چلا گیا تو اس کی نماز تو مکروہ ہو گئی مگر نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی فرض بھول گیا۔ مثلاً رکوع بھول گیا، سجدہ میں سو گیا اور ایک سجدہ چھوٹ گیا، یا نماز میں اس کو ریاح خارج ہو گئی، بدن سے خون نکل آیا، تکبیرِ تحریمہ بھول گیا تو اس کو دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔

مقتدی کی قسمیں

مقتدی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ مُدرِک، مسبوق اور لاحق (۱) مدرِک وہ نمازی ہے جو شروع سے آخر تک امام کے ساتھ نماز میں شریک رہا ہو (۲) مسبوق وہ نمازی ہے جو شروع کی ایک یا دو یا اس سے زیادہ رکعتیں ختم ہو جانے کے بعد جماعت میں شریک ہوا ہو[۱] (۳) لاحق[۲] وہ نمازی ہے جو شروع سے تو جماعت میں

---

[۱] المسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد حتى يثني ويتعوذ ويقرأ (شرح التنویر ج ۱ ص ۸۶)

[۲] واللاحق من فاتته الركعات او بعضها لكن بعد اقتدائه بعذر نحو زحمة الخ (در مختار ج ۱ ص ۸۶)

شریک رہا ہو۔ لیکن درمیان میں وضو ٹوٹ جانے یا سو جانے کی وجہ سے اس کی ایک یا دو رکعتیں چھوٹ گئی ہوں۔

مسبوق نماز کیسے پوری کرے

اوپر مدرک کا بیان ہوا ہے۔ اب مسبوق اور لاحق کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔ مسبوق کو چاہیے کہ اس کو جتنی رکعتیں ملی ہیں پہلے ان کو امام کے ساتھ پوری کر لے۔ پھر جب امام سلام پھیرے تو کھڑا ہو جائے اور کھڑا ہو کر اپنی چھوٹی ہوئی رکعتیں پوری کر لے۔ نماز پوری کرنے میں وہی ترتیب رکھے جس ترتیب سے وہ چھوٹی ہے[1]۔ مثلاً:۔

(۱) دو رکعت والی نماز مثلاً فجر کی نماز ہو اور اس کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو کھڑا ہو کر جس طرح پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھی جاتی ہے، پڑھے اور رکوع و سجدہ وغیرہ کر کے ایک رکعت پوری کرے اور قعدہ کر کے سلام پھیرے اور اگر دو رکعتیں چھوٹی ہیں تو پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر رکوع و سجدہ کر کے پھر قعدہ کرے اور تشہد، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔

(۲) اگر یہ نماز دو رکعت والی نہ ہو بلکہ چار رکعت والی ہو، مثلاً عشاء ظہر یا عصر ہو تو اگر دو رکعت تک چھوٹی ہو تو اسی ترتیب سے ادا کرے جو اُوپر بیان کی گئی ہے۔ لیکن اگر تین رکعتیں چھوٹ گئی ہیں تو کھڑے ہونے کے بعد پہلی رکعت کی سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر پھر رکوع اور سجدہ کرے، اور سجدہ کرنے کے بعد بیٹھ جائے کیونکہ ایک رکعت اس کو امام کے ساتھ مل چکی تھی اب اس کی دوسری رکعت ہوئی اور دوسری رکعت میں بیٹھنا واجب ہے۔ اور دوسری رکعت میں بیٹھ کر تشہد پڑھے، پھر اُٹھ کر تیسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ اور سورۂ پڑھے۔ کیونکہ قرآن پڑھنے کے اعتبار سے یہ اس کی دوسری رکعت ہے اور امام کے ساتھ ملی ہوئی رکعتوں کے اعتبار سے تیسری ہے اس لئے اس میں سجدہ کے بعد نہ بیٹھے بلکہ چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر نماز پوری کرے[2]۔

(۳) اگر یہ نماز تین رکعت والی ہو، مثلاً مغرب کی نماز میں دو رکعتیں چھوٹ گئی ہوں

---

[1] وھو منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ۔ شرح التنویر ج ۱ ص ۸۶

[2] ویقضی اول صلوته فی حق قراءة واٰخرھا فی حق تشھد ایضًا۔

تو کھڑے ہونے کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر رکوع و سجدہ کر کے بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے کیونکہ قرآن پڑھنے کے اعتبار سے یہ اس کی پہلی رکعت تھی اور رکعتوں کے اعتبار سے یہ اس کی دوسری رکعت ہے پھر تشہد پڑھنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھے اور پھر رکوع، سجدہ کر کے بیٹھ جائے اور تشہد اور درود وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ کیونکہ قرآن پڑھنے کے اعتبار سے یہ دوسری رکعت تھی اور رکعتوں کی تعداد کے اعتبار سے تیسری رکعت ہے۔ اور اگر ایک رکعت چھوٹی ہو تو کھڑے ہونے کے بعد اس کو اسی طرح پڑھے جس طرح فرض کی پہلی رکعت پڑھی جاتی ہے۔ یعنی اس میں سورۂ فاتحہ اور سورہ دونوں پڑھے، اور پھر بیٹھ کر تشہد، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ظہر، اور عشاء کی تین یا چار رکعت چھوٹے گی تو اس کو تین دفعہ بیٹھنا پڑے گا ایک دفعہ امام کے ساتھ اور دو بار اپنی نماز پوری کرنے کے درمیان اور اگر مغرب میں ایک یا دو رکعت بھی چھوٹے گی تو اس کو تینوں رکعتوں میں بیٹھنا ہوگا۔ ایک رکعت چھوٹنے کی صورت میں دو دفعہ امام کے ساتھ اور ایک دفعہ خود بیٹھنا ہوگا اور دو رکعت چھوٹنے کی صورت میں ایک دفعہ امام کے ساتھ اور دو دفعہ خود بیٹھنا ہوگا۔

(۴) مسبوق کو چاہیئے کہ وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے۔ اگر اس نے صرف ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ اس کو یاد آ گیا کہ اُس کی نماز چھوٹ گئی ہے تو کھڑا ہو کر نماز پوری کر لے اور اگر اس نے دونوں طرف سلام پھیر دیا یا سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد یاد آیا یا کسی نے یاد دلایا، تو فوراً اُٹھ کر نماز پوری کر لے اور سجدۂ سہو بھی کرے یہ اُس صورت میں ہے کہ اس نے دُنیا کی کوئی بات چیت نہ کی ہو اور اگر بات چیت کر لی تو پھر سے دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔

ضروری ہدایات جب جماعت ہو رہی ہو اور امام رکوع میں ہو اور مقتدی رکوع میں مل جائے تو اس کو پوری رکعت مل گئی [1] لیکن رکوع میں ملنے کا طریقہ

[1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اذا جئت والامام راکع فوضعت یدیك علی رکبتیك قبل ان یرفع راسہ فقد ادرکت۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۴۳)

یہ ہے کہ پہلے نیت کرکے اور اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے۔ بعض لوگ ناواقفیت کی بنا پر فوراً آتے ہی رکوع میں مل جاتے ہیں، ایسا نہ کرنا چاہیئے اوپر بیان ہوچکا ہے کہ پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ یہ چھوٹ جائے گی تو نماز نہیں ہوگی۔

لاحق نماز کیسے پوری کرے

(۱) اگر کوئی امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور درمیان میں اس کا وضو ٹوٹ گیا تو وہ جماعت سے نکل کر چلا جائے اور کسی سے بات چیت نہ کرے اور وضو کرکے پھر امام کے ساتھ مل کر اپنی نماز پوری کرلے۔ اگر تنہا نماز پڑھ رہا تھا تو جہاں سے چھوٹی ہے وہاں سے پھر آکر پڑھے۔ اگر وہ رکوع یا پہلے سجدہ میں تھا اور وضو کی ضرورت ہوگئی تو یہ رکعت تو بیکار ہوگئی اب پھر دوبارہ آکر وہیں سے نماز پوری کرے جہاں سے چھوڑ کر چلا گیا تھا[1] اگر وضو کے لئے آنے جانے میں اتنی دیر ہوگئی کہ جماعت ختم ہوگئی تو پھر پوری نماز تنہا اسی طرح پوری کرے جس طرح امام کے ساتھ پوری کرتا (۲)، امام کو حدث ہوجائے اور وضو ٹوٹ جائے تو اس کو چاہیئے کہ اپنی جگہ پر کسی اور کو امام بنادے اور امام بنا کر خود وضو کرنے کے لئے چلا جائے اور وضو کرکے پھر جماعت میں شریک ہوجائے امام جب کسی دوسرے کو اپنی جگہ امام بنادے اور پھر وہ لوٹ کر آئے تو مقتدی رہے گا جس کو اُس نے امام بنایا ہے اس کو ہٹایا نہیں جاسکتا۔ (۳)، لاحق کی جو نماز وضو وغیرہ کرنے کی وجہ سے رہ گئی ہے وہ اپنی چھوٹی ہوئی نماز اس طرح پڑھے جس طرح امام کے ساتھ پڑھتا[2] یعنی اس میں اس طرح قرآن وغیرہ نہ پڑھے جس طرح مسبوق پڑھتا ہے۔ بلکہ جتنی دیر سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر چپ کھڑا رہ کر رکوع وسجدہ کرلیا کرے البتہ رکوع وسجدہ وغیرہ کی دعائیں پڑھے۔ لاحق کے مسائل ذرا باریک ہیں اس لئے جو لوگ لاحق کے مسائل سے واقف نہ ہوں ان کے لئے بہتر ہے کہ ایسی صورت میں وہ سلام پھیر کر اپنی نماز توڑدیں اور وضو کرکے پھر سے نماز پڑھیں (۴)، اگر نماز میں کسی کو جنون ہوجائے

---

[1] ہدایہ باب الحدث فی الصلوٰۃ۔

[2] فانہ یقضی رکعۃ وحکمہ کمؤتم (درمختار ج ۱ ص ۸۶)

یا بیہوشی طاری ہو جائے یا غسل کی ضرورت پیش آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

عورتوں کی جماعت

عورتوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر کے اندر تنہا نماز پڑھیں لیکن اگر وہ گھر کے اندر جماعت کرنا چاہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں عورتیں ہوں تو اس صورت میں جو عورت امام بنے اس کو آگے نہیں بلکہ عورتوں کے بیچ میں کھڑا ہونا ہونا چاہیئے[1] دوسری صورت یہ ہے کہ امام مرد ہو تو اس کو آگے اور عورتوں کو پیچھے کھڑا ہونا چاہیے لیکن مرد عورتوں کی امامت اسی وقت کر سکتا ہے جب نمازیوں میں کوئی محرم عورت، مثلاً ماں بہن، بیٹی وغیرہ ہو یا وہاں کوئی گھر کا مرد بیٹھا ہو۔

---

[1] عورتوں کے جماعت سے نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ مسجد میں جاکر جماعت کی پچھلی صف میں شریک ہوں، جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا دوسرے وہ گھر کے اندر اپنی جماعت کریں۔ حدیث نبوی سے دونوں کی اجازت معلوم ہوتی ہے مگر عورتوں کے مسجد میں جانے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہؓ اور بعض اکابر صحابہ فتنہ کے خوف سے ناپسند فرماتے تھے، فتنہ کے زمانے میں حضرت عائشہؓ خود فرماتی تھیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیتے اس لئے ہمارے فقہاء اس کو اس زمانے میں مکروہ کہتے ہیں، تنہا عورتوں کی جماعت کو بھی ہمارے فقہاء مکروہ لکھتے ہیں مگر عورتوں کی تنہا جماعت کا ثبوت عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ سے ملتا ہے اور اس پر کسی صحابی سے ناپسندیدگی کا اظہار بھی ثابت نہیں ہے۔ اسی لئے مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے تنہا عورتوں کی جماعت کو جائز لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

ولا یخفی ضعفہ بل ضعف	نہ صرف کراہت بلکہ کراہت کے جو وجوہ
جمیع ما وجھوا بہ الکراھۃ	فقہاء نے بیان کئے ہیں وہ سب کمزور ہیں
کما تحققناہ فی تحفۃ النبلاء	ہم نے مستقل اس پر رسالہ لکھا ہے اس میں
الفناھا فی مسئلۃ جماعۃ	ہم نے لکھا ہے کہ حق بات عدم کراہت ہے
النساء وذکرنا ھناک ان الحق	اور کیوں نہ ہو جبکہ حضرت عائشہ اور حضرت

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مسجد کا بیان

مسجدوں کے بنانے کی سب سے بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور اگر مسجد میں نماز نہ پڑھی جائے تو پھر جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم بے کار ہو جاتا ہے۔ اس لئے جس طرح جماعت ضروری ہے اسی طرح مسجد کا بنانا اور اس میں جاکر نماز پڑھنا بھی ضروری ہے۔ قرآن و حدیث میں مسجد کے بنانے اور اس کے آباد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ۔ (توبہ)	اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

اس آیت سے پہلے یہ حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین کو مسجد کی آبادی کا حق نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں کا خاص کام ہے کہ وہ مسجد کو بنائیں اور ان کو نماز پڑھ کر آباد کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جس نے خدا کو خوش کرنے کے لئے مسجد بنائی اس کے لئے اللہ جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔ (بخاری و مسلم) آپؐ نے فرمایا کہ زمین کے سب سے اچھے حصے خدا کے یہاں مسجدیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جو لوگ اندھیرے میں مسجد جاتے ہیں ان کو قیامت کے دن روشنی کی بشارت دے دو۔ آپؐ نے مسجد کو رِیَاضُ الْجَنَّۃِ (جنت کے باغات) فرمایا ہے۔ (ترمذی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

عدم الکراھۃ کیف لا وقد امت لھن ام سلمۃ وعائشۃ فی تراویح وفی الفرض کما اخرجہ ابن ابی شیبۃ وغیرہ وامت ام ورقۃ فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما اخرجہ ابوداؤد، (حاشیہ شرح وقایہ)	ام سلمہؓ نے تراویح اور فرض کی امامت کی ہے اور حضرت ام ورقہؓ نے خود حضورؐ کے زمانہ میں امامت کی ہے جیسا کہ ابوداؤد اور مصنف ابن شیبہ وغیرہ میں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے المغنی میں ابن قدامہ نے تفصیل کی ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب کوئی سایہ نہ ہوگا تو سات آدمیوں کو رحمتِ باری اپنے سایہ میں لے لے گی۔ ان میں سے ایک تو وہ نوجوان ہے جو خدا کی اطاعت میں پلا بڑھا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں ٹنگا رہتا ہے۔ یعنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے مسجد میں جانے کا انتظار کرتا رہتا ہے (بخاری و مسلم)

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپؐ مرض وفات میں دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے، اور جماعت سے نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ کے مکان مسجد سے دُور تھے ان کو یہ خیال ہوا کہ وہ مسجد سے قریب کہیں مکان بنالیں تاکہ پہنچنے میں آسانی ہو۔ آپؐ نے سُنا تو فرمایا کہ "قریب نہ آؤ جو لوگ جتنی دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں اُن کو ان کے قدم کے اعتبار سے ثواب ملتا ہے۔" (مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک چڑیے کے گھونسلے کے برابر مسجد بنا دے گا تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنادیں گے (مسند احمد)

اس کا مطلب محدثین نے یہ بیان کیا ہے کہ جو مسجد کے بنانے میں تھوڑا حصّہ بھی لے گا اللہ تعالیٰ اسی اعتبار سے اس کے لئے جنت میں جگہ عنایت فرمائیں گے۔

مسجد کے آداب

(۱) مسجد[1] میں بہت زیادہ نقش و نگار اور اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسجد کے حسین و جمیل بنانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اگر چندے سے ایسا کیا جائے تو اور بُرا ہے۔ (۲) مسجد میں کچّی پیاز لہسن یا تمباکو یا کوئی بدبودار چیز کھا کر نہ جانا چاہیئے۔ اگر مُنہ صاف کر لیا گیا ہو اور بدبُو باقی نہ رہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ (۳) مسجد میں داخل ہوتے وقت اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (اے اللہ! میرے اُوپر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔) اور نکلتے وقت اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ (اے اللہ! میں تجھ سے

---

[1] ولا باس بنقش المسجد بالجص والساجوماء الذھب ولنحوہ ولکن ترکہ اولی الخ (کبیری صفحہ ۵۷۰) حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا ما امرت بتشیید المساجد (ابوداؤد)

تیرا فضل چاہتا ہوں) پڑھے :

(۴) مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا، شور کرنا، کوئی چیز خریدنا یا بیچنا یا اس کے بارے میں بات چیت کرنا مکروہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں اپنی کوئی چیز آواز دے کر یا چلا چلا کر ڈھونڈے تو اس کے لئے خدا سے دعا کرو کہ اس کو واپس نہ کرے، مسجد اس لئے نہیں بنائی گئی ہے۔ (مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مسجد میں خالص دنیا کی باتیں کریں گے۔ (بخاری۔ ابوداؤد المنتقی ج ۱، ص۳۳۹)

آپؐ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کی بات چیت میں شریک نہ ہو۔ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کی نماز قبول نہیں کرتا۔ قرآن میں ہے کہ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ (ایسے گھروں میں جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں خدا کا نام لیا جائے) اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے دو حق ہیں ایک یہ کہ اس کا ادب کیا جائے دوسرے یہ کہ اس میں صرف اللہ کا نام لیا جائے اور اس کی یاد کی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی سختی سے مسجد میں لوگوں کو بلند آواز سے بات کرنے سے روکتے تھے۔ ایک مرتبہ مسجد میں دو آدمی باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو۔ بولے طائف کے، فرمایا کہ اگر مدینے کے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا۔ مسجد نبوی میں آواز بلند کرتے ہو۔ آپ نے اس لئے چھوڑ دیا کہ یہ دور کے رہنے والے تھے۔ ممکن ہے کہ ان کو مسجد کے آداب نہ معلوم ہوں۔

البتہ اگر دین وملت کا کوئی معاملہ ہو تو پھر مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرنا بہتر ہے۔

(۵) مسجد میں اگر کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہے تو بلند آواز سے قرآن پڑھنا یا ذکر و دعا کرنا منع ہے۔ بعض لوگ جماعت ختم ہونے کے بعد آتے ہیں اور زور زور سے نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ ان کو آہستہ سے نماز پڑھنا چاہیئے۔ دوسروں کی نماز میں مخل ہونا گناہ ہے۔

(۶) بعض لوگ نماز کے بعد تقریر کرنے لگتے ہیں یا زور زور سے کتاب پڑھنے لگتے ہیں۔ جس سے نماز پڑھنے والوں یا تلاوت اور ذکر کرنے والوں کو خلل ہوتا ہے، ایسا نہ

کرنا چاہیے، ان کو ذرا الگ ہٹ کر تقریر کرنی یا تلاوت کرنی چاہیے، البتہ اگر پہلے سے اعلان ہو چکا ہے تو نمازیوں اور تلاوت کرنے والوں کو الگ ہٹ کر تلاوت اور ذکر کرنا چاہیئے۔

(۷) مسجد میں سونا یا بے کار بیٹھ کر وقت گنوانا مکروہ ہے۔ البتہ مسافروں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے مسجد میں سونے بیٹھنے کی اجازت ہے۔ مگر بے نمازی اور بے ادب مسافرون کو اس سے منع کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں کے لئے بھی مسجد میں سونے کی اجازت ہے جن کا کوئی دوسرا ٹھکانا نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں حضور کے زمانہ میں سوتے تھے اور قیلولہ کرتے تھے حالانکہ ہم لوگ جوان تھے (وَنَحْنُ شَبَابٌ) اسلئے تبلیغی جماعتوں کے ٹھہرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرنی چاہیئے۔

(۸) مسجد میں سوال کرنا یا چندہ وغیرہ کے لئے اپیل کرنا مکروہ ہے۔ قرآن کی آیت وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا (بقرہ) کے تحت مفتی شفیع مرحوم نے لکھا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں۔ مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا بھی ایسے وقت میں ممنوع ہے (معارف القرآن ج۱ ص۲۸۸)

(۹) مسجد کا دروازہ بند نہ کرنا چاہیئے البتہ اگر سامان کی چوری کا خوف ہو تو ان اوقات میں دروازہ بند کیا جا سکتا ہے جب نماز کا وقت نہ ہو[۱]

(۱۰) مسجد کے صحن کے اندر کلی کرنا یا وضو کرنا مکروہ تحریمی ہے[۲]

(۱۱) مسجد کے اندر اس شخص کا جانا گناہ ہے جس کو غسل کی ضرورت ہو۔

(۱۲) مسجد[۳] کو راستہ بنانا ناجائز ہے البتہ اگر کوئی سخت ضرورت پیش آجائے تو گزر جانے

۱؎ ویکرہ ان یغلق باب المسجد اما فی زماننا فقد کثر الفساد فلا باس بہ فی غیر اوان الصلوٰۃ صیانۃ لمتاع المسجد (کبیری ص۵۷۱) ۲؎ ویکرہ المضمضۃ والوضوء فی المسجد ولا یبزق علی حیطان المسجد الخ (فتاوی ہندیہ ج۱ ص۱۰۸)

۳؎ رجل یمر فی المسجد ویتخذ طریقا ان کان بغیر عذر لا یجوز وبعذر یجوز (فتاوی ہندیہ ص۱۰۹)

میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۳) مسجد میں جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جانا چاہیئے کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کودتے پھاندتے لوگوں کو ہٹاتے ہوئے آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا کرنا گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر آسانی سے جا سکے تو چلا جائے۔

(۱۴) اگر پیر میں مٹی وغیرہ لگ جائے تو اس کو دھوئے بغیر مسجد میں نہ جانا چاہیئے۔

(۱۵) دیہاتوں میں جو لوگ دھوتی پہنتے ہیں ان کو مسجد میں داخل ہونے سے پہلے دھوتی کا پچھلا حصّہ کھول لینا چاہیئے۔

(۱۶) مسجد کے اندر اذان کہنی مکروہ ہے۔

(۱۷) مسجد[1] میں درختوں کا لگانا مکروہ ہے، بعض فقہاء نے اس کو تشبہ بالنصاری قرار دیا ہے[2]۔ البتہ اس میں اگر مسجد کا کوئی فائدہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(۱۸) مسجد کے نچلے حصہ میں دوکان یا وضو خانہ، پیشاب خانہ وغیرہ بنا دیا جائے اور اوپر مسجد ہو تو یہ جائز ہے مگر راقم الحروف اس حدیث کی روشنی میں جس میں مسجد کو زمین کا بہترین ٹکڑا اور بازار کو بدترین جگہ بتایا گیا ہے اس خیر و شر کو یکجا کرنا اچھا نہیں سمجھتا، اور پھر موجودہ دور میں دوکاندار جس غیر ذمہ داری سے ریڈیو وغیرہ بجاتے رہتے ہیں یا شور شرابا ہوتا رہتا ہے، اس سے یہ کراہت سے خالی نہیں ہے بلکہ اب ٹیلی ویژن نے مزید کراہت پیدا کر دی ہے۔

(۱۹) مسجد کی دیواروں پر قرآن پاک لکھنے یا نقش و نگار بنانے کو تمام ائمہ نے مکروہ لکھا ہے خاص طور پر قبلہ کی طرف پھر چندے کے پیسے سے یا وقف کے پیسے سے ایسا کرنا اور بُرا ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی پر جرمانہ کرنا چاہیے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

مسجدوں میں پینٹ کا استعمال

مسجد میں بدبودار چیز کھا کر یا پی کر جانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[3] مثلاً کچی پیاز

---

[1] ویکرہ غرس الشجر فی المسجد الا ان یکون لہ منفعۃ للمسجد (فتاوی ہندیہ ص۵ ج۱)

[2] لانہ تشبہ بالبیعۃ (فتاوی ہندیہ ص۵۷ ج۱) [3] پیاز کے بارے میں فرمایا ہے کہ فلا تقربن مسجدنا، اور پھر زیب و زینت کے سلسلے میں فرمایا ما امرت بتشیید المساجد۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کھا کر، یا بیڑی سگریٹ پی کر، آجکل مسجدوں میں پینٹ کرنے کا رواج ہے اور اس میں بدبو ہوتی ہے اس لئے یہ بھی اسی حکم میں ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کو آراستہ کرنے سے منع فرمایا ہے اسی لئے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ :۔

والاولی ان تکون حیطان المسجد الابیض غیر منقوشۃ ولا مکتوب علیہ[۱]

بہتر ہے کہ مسجد کی دیوار سفید اور وہ نقش ونگار سے خالی ہو۔

مگر فتاویٰ عالمگیری میں یہ عبارت بھی ہے۔ ولا یکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب[۲]، چونا وغیرہ سے مسجد میں اگر پھول پتی بنا دی جائے یا سونے کا پانی چڑھا دیا جائے تو مکروہ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں جن فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے راقم الحروف کے خیال میں پختگی اور مضبوطی کے خیال سے ہے اس لئے یہ چیز تشیید مساجد کے حکم میں نہیں آتی، اسی روشنی میں راقم الحروف کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں عام طور پر مسجدوں کے ایک در میں دروازے لگا دیئے جاتے ہیں اور کہیں کہیں ہوا وغیرہ کے خیال سے کھڑکیاں لگا دی جاتی ہیں، اس لئے لکڑی یا لوہے کے دروازوں میں پینٹ نہ کیا جائے تو وہ جلد خراب ہو جائیں گے اس لئے لکڑی یا لوہے کے دروازوں میں پینٹ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ دیواروں میں یہ بے ضرورت ہے

دوسری جماعت کا بیان

(۱) جس کسی مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور باقاعدہ وہاں پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے اس میں اگر جماعت ختم ہو جائے اور جماعت کے بعد اسی مسجد کے نمازیوں میں سے دو تین نمازی آجائیں تو ان کو دوبارہ جماعت نہ کرنی چاہیے بلکہ الگ الگ نماز پڑھنی چاہیئے البتہ اگر جہاں جماعت ہو چکی ہو اس سے ذرا ہٹ کر دوبارہ جماعت سے نماز پڑھی گئی تو کوئی حرج نہیں ہے[۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسجدوں کو سجانے کا حکم مجھے نہیں دیا گیا ہے۔

[۱] فتاوی ہندیہ ج (ص۵۸۷)، [۲] ایضاً

[۳] ردالمحتار ج ا ص ۳۷۱

(۲) اگر کسی مسجد میں اذان اور جماعت پابندی سے نہ ہوتی ہو یا وہ گزر گاہ پر ہو۔ جہاں ہر وقت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں تو اس مسجد میں دوسری یا تیسری جماعت کی جا سکتی ہے۔ ایسی مسجد میں ہر جماعت کا ثواب جماعت کا ہوگا۔

(۳) جس مسجد میں جماعت بھی ہوتی ہو اور امام و مؤذن بھی مقرر ہوں۔ اگر اس میں باہر کے لوگ آجائیں تو وہ دوسری جماعت کر سکتے ہیں۔ دوسری جماعت نہ کرنے کی قید ان لوگوں کے لئے ہے جو اسی محلے یا بستی کے ہوں اور اسی مسجد میں جس میں جماعت اولیٰ ہو چکی ہے دوسری جماعت کرنے کے لئے جو قیدیں فقہائے احناف نے لگائی ہیں ان کے سامنے وہ احادیث نبوی ہیں جن میں جماعت میں شریک ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگر بہت سی جماعتوں کی عام اجازت دے دی جائے تو پھر جماعت اولیٰ کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہے گی جن ائمہ نے اس کی اجازت دی ہے ان کے یہاں یہ اجازت عام نہیں ہے بلکہ عذر یا کسی عارضی صورت میں دی گئی ہے۔

نیت توڑ کر جماعت میں شرکت

اگر کسی نے تنہا نماز شروع کر دی اور اس کے بعد جماعت شروع ہو گئی تو اس کی ۲ دو صورتیں ہیں:

فرض کا حکم

(۱) ایک یہ کہ اگر یہ نماز فرض تھی تو اگر ۲ دو رکعت والی نماز ہے۔ مثلاً فجر کی ہے تو اگر پہلی رکعت میں ہے یا دوسری رکعت کا سجدہ ابھی نہیں کر چکا ہے تو دونوں صورتوں میں نماز توڑ کر جماعت میں مل جائے اور اگر دوسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر اپنی دونوں رکعتیں پوری کر لے اور جماعت میں شریک نہ ہو۔

(۲) اگر تین رکعت والی نماز ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر دوسری رکعت کا سجدہ نہیں کر چکا ہے تو نماز توڑ کر جماعت میں مل جانا چاہیئے اور اگر دوسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو پھر اپنی نماز پوری کر لے اور جماعت میں شریک نہ ہو۔

(۳) اگر یہ نماز چار رکعت والی مثلاً ظہر، عصر یا عشاء کی ہو تو اگر پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہے تو نماز کو توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر پہلی رکعت پوری کر چکا ہے تو ۲ دو رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر تیسری رکعت شروع کر دی ہے اور جماعت ہونے لگی تو اگر تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اگر سجدہ کر لیا ہے تو اپنی نماز پوری کر لے۔ اس کے بعد اگر وہ جماعت میں شریک ہوگا تو اس کی نفل نماز ہو گی اور جو خود پڑھی ہے وہ فرض ہو گی۔[1]

---

[1] اذا شرع فی فرض منفرداً فاقیمت الجماعة قطع واقتدی (مراقی الفلاح)

ہدایت لیکن اس سلسلہ میں یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ تنہا فرض نماز پوری کرنے کے بعد اگر نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہونا چاہے تو وہ، فجر، عصر اور مغرب کا وقت نہ ہو اس لئے کہ فجر اور عصر کے بعد نفل نہ پڑھنی چاہیئے اور مغرب کے وقت اس لئے نہیں کہ تین رکعت نفل پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔

سُنّت مؤکدہ کا حکم یہ تو فرض نماز کے شروع کرنے کا حکم تھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نماز سنّت یا نفل ہو تو اگر اس نے کوئی سُنّت مثلاً ظہر کے فرض سے پہلے والی چار رکعت سُنّت اس نے شروع کی اور ابھی ایک رکعت پوری نہ ہوئی تھی کہ جماعت شروع ہو گئی تو نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اگر ایک رکعت پڑھ لی ہے تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جاتے۔ اگر تین رکعت پڑھ چکا ہے تو پھر چار رکعت پوری کر کے جماعت میں شریک ہو۔ لیکن اگر فجر کی سنّتیں شروع کر چکا ہے تو اس کو اگر ایک رکعت بھی فرض نماز ملنے کی اُمید ہو تو اِس کو نیت نہ توڑنا چاہیئے۔ البتہ اگر دونوں رکعتیں چھوٹ جانے کا خیال ہو تو پھر سُنّت نہ پڑھے بلکہ فرض میں شامل ہو جائے۔

ہدایت مقتدیوں کو چاہیئے کہ جب مسجد میں جائیں تو یہ دریافت کر لیں کہ جماعت شروع تو ہونے والی نہیں ہے۔ اگر شروع ہونے والی ہو تو پھر سُنّت نہ شروع کرنا چاہیئے۔ بعض لوگ اس کا خیال نہیں کرتے اور بے موقع سُنّت شروع کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بعض وقت جماعت کے شروع کرنے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔

سُنّت غیر موکدہ اور نفل کا حکم (۱) ظہر اور فجر کے علاوہ فرض سے پہلے کوئی سُنّت ضروری نہیں ہے۔ اگر ان وقتوں میں کوئی سُنّت یا نفل نماز شروع کر دی ہو تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو سُنّتوں کا ہے۔

(۲) اگر جماعت شروع ہو چکی ہو تو پھر کوئی سُنّت یا نفل شروع کرنا منع ہے۔ البتہ فجر کی سُنّت اس حالت میں شروع کی جا سکتی ہے کہ کم سے کم ایک رکعت فرض ملنے کی اُمید ہو اگر یہ اُمید نہ ہو تو پھر سُنّت شروع کرنا مکروہ ہے۔ اگر جماعت شروع ہو جانے کی حالت میں فجر کی سُنّت شروع کرے تو اس کو مسجد کے ایک کنارے میں پڑھنی چاہیئے، بالکل نمازیوں

کے قریب یا جہاں فرض نماز کی جگہ ہے وہاں نہ پڑھے۔

قراءت کا بیان

قرآن چاہے نماز میں پڑھا جائے یا اس کی تلاوت کی جائے اس کو صحیح صحیح پڑھنا واجب ہے[1] صحیح یا غلط پڑھنے کی کئی صورتیں ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ قرآن کے زیر وزبر پیش وغیرہ کو ٹھیک ٹھیک پڑھا جائے۔ اگر کسی نے زیر زبر میں فرق کر دیا تو اکثر جگہ قرآن کے معنی الٹ جاتے ہیں۔ اگر معنی بالکل بدل گئے تو اس کو بڑا گناہ ہوگا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اگر ایسی تبدیلی ہوئی جس سے معنی میں بہت زیادہ تبدیلی نہیں تو پھر نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(۲) قرآن میں جہاں آیت کا نشان ہو یا ط یا ع بنا ہو وہاں ٹھہرنا ضروری ہے۔ اور جہاں وقف لازم لکھا ہو وہاں ٹھہرنا فرض ہے۔ اگر نہ ٹھہرے گا تو نماز فاسد تو نہ ہوگی۔ لیکن ایسا کرنا بُرا ہے

(۳) اگر قرآن پڑھنے میں بھول کر کوئی لفظ غلط پڑھ گیا، تو اگر اس نے جو لفظ پڑھا ہے وہ لفظ قرآن میں کسی جگہ موجود ہے یا اس سے معنی میں کوئی فتور نہیں آتا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ لیکن اگر کوئی ایسا لفظ پڑھ گیا جو قرآن میں موجود نہ ہو یا اس سے معنی میں فتور آجاتا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۴) جہاں جو حرف ہے اس کو اسی طرح پڑھے۔ مثلاً ہمزہ اور عین، ح، ہ، ز، ذ، ض، ظ، س، ص، ش، ک، ق میں جو فرق ہے اس کو خیال کر کے پڑھے۔ اگر اس سے یہ حرف ادا نہ ہوتے ہوں تو ادا کرنے کی مشق کرنی چاہیئے۔ اگر مشق کے باوجود کوئی حرف نہ ادا ہو تو پھر کوئی ہرج نہیں ہے، لیکن اگر ان حروف کو ادا کر سکتا ہے مگر اس نے لاپروائی میں ک، ق، ہ، ح یا ع وہمزہ وغیرہ میں فرق نہ کیا تو گناہ بھی ہوگا اور اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً کسی نے الحمد للہ میں الحمد کو بڑی ح کے بجائے چھوٹی ہ سے پڑھ دیا تو معنی بدل جائیں گے۔

---

[1] اخبر ان مراعات قواعد التجوید والاخذ لذالك ای العمل به فرض عین لازم لکل من قرأ القران ثم اخبر ان من لم یقرا القرآن بالتجوید عاص (درة الفرید ص[illegible])

حمد کے معنی تعریف کے ہیں، یعنی تمام تعریف اللہ کے لئے ہے اور ہمد (چھوٹی ہ سے) کے معنی بیکار چیز کے ہیں تو اگر چھوٹی ہ سے پڑھا تو معنیٰ ہوں گے کہ نعوذ باللہ تمام بیکار چیزیں اللہ کے لئے ہیں۔

اس سلسلے میں چند باتیں یاد رکھنا بہت ضروری ہیں۔

(۱) جو سورہ پہلی رکعت میں پڑھی جائے اسے دوسری رکعت میں پڑھنا بہتر نہیں ہے لیکن اگر بھول کر پڑھ لیا یا اس کو دوسری سورت یاد نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن دوسری یاد کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

(۲) قرآن میں جس ترتیب سے سورتیں لکھی ہیں۔ اسی ترتیب سے پڑھنی چاہئیں۔ یعنی اگر پہلی رکعت میں اس نے الم ترکیف کی سورہ پڑھی تو پھر دوسری رکعت میں اس کے بعد کی سورتیں مثلاً لایلف یا انا اعطینا یا قل یا ایھا الکفرون وغیرہ وغیرہ پڑھے۔ قرآن کی ترتیب کے خلاف قصداً کسی سورہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن اگر بھول کر پڑھ دیا تو کچھ حرج نہیں ہے۔ عم پارہ میں جس ترتیب سے سورتیں لکھی جاتی ہیں اس ترتیب سے نماز میں نہ پڑھنا چاہیئے[1] اس ترتیب سے عم پارہ صرف بچوں کی آسانی کے لئے لکھا گیا ہے۔

اگر کسی نے دو رکعت یا چار رکعت والی نماز شروع کر دی اور پہلی رکعت میں بھول کر قل اعوذ برب الناس پڑھ گیا تو اب اس کو ہر رکعت میں اسی کو پڑھنا چاہیئے اوپر کی سورتیں نہ پڑھنی چاہئیں۔ اگر پڑھ لیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) جس کو قرآن پڑھنا نہ آتا ہو یا نماز کی دعائیں یاد نہ ہوں تو اُس کو سبحان اللہ الحمد للہ یا کوئی اور کلمہ پڑھ کر نماز پوری کرنی چاہیئے۔ لیکن برابر قرآن یاد کرنے اور دعائیں حفظ کرنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیئے ورنہ گناہ ہوگا۔

امام کے لئے قرأت کا حکم

جن نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا ضروری ہے مثلاً مغرب، عشا، فجر۔ ان میں امام کو بلند آواز سے قرآن پڑھنا چاہیئے اور جن نمازوں میں آہستہ پڑھنا ضروری ہے، مثلاً ظہر، عصر، ان میں آہستہ

---

[1] قال ابن مسعود من قراء القرآن منکوسا فھو منکوس۔ ۱۲۔

قرآن پڑھنا چاہئے[1]۔ اگر قصداً اس کے خلاف کرے گا تو گنہگار ہوگا اور نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی اگر جہری نماز تنہا پڑھے تو اس کو اختیار ہے۔ چاہے آواز سے پڑھے یا آہستہ مگر آواز سے پڑھنا بہتر ہے۔ لیکن آواز اتنی بلند نہ ہو کہ پوری مسجد گونج جائے۔

امام کو لقمہ دینا اگر امام نماز میں قرآن پڑھتے پڑھتے بھول جائے تو اگر تین آیتیں پڑھ چکا ہے تو رکوع کر دینا چاہیئے، بار بار آیت دوہرانا مناسب نہیں ہے، لیکن اگر امام کو تین آیتوں کے بعد بھی کسی نے لقمہ دے دیا اور امام نے قبول کر لیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی[2]۔

مسنون قراءت مسافر کو اختیار ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورہ چاہے پڑھے۔ لیکن جو لوگ گھر پر موجود ہوں ان کے لئے مسنون ہے کہ درجِ ذیل ترتیب سے قرآن پڑھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اسی ترتیب سے قرآن پڑھتے تھے۔

(۱) نماز فجر اور ظہر میں طوال مفصّل (۲) اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل (۳) اور نماز مغرب میں قصار مفصل۔ لیکن اس طریقہ کو لازم پکڑنا بہتر نہیں، کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔ (مالابد منہ)۔

طِوَالِ مفصّل قرآن مجید کے چھبیسویں پارہ کی سورۂ حجرات سے تیسویں پارہ کی سورۂ بروج یعنی والسماء ذات البروج تک پورے چاروں پاروں کے درمیان جو سورتیں ہیں ان کو طوال مفصّل کہا جاتا ہے۔

اوساطِ مفصّل سورۂ طارق یعنی والسّماء والطارق سے سورۂ لم یکن الّذین تک تیرہ سورتوں کو اوساطِ مفصّل کہا جاتا ہے۔

---

[1] ویجب الجهر فیما یجهر والمخافتة فیما یخافت هٰکذا فی التبیین۔
(فتاوی ہندیہ ص۷۱ ج۱)

[2] والصحیح لا تفسد صلوٰة الفاتح بكل حال ولا صلوٰة الامام لو اخذ۔
(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۹)

قصارِ مفصّل سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ سے آخر تک جتنی سورتیں ہیں ان کو قصارِ مفصّل کہا جاتا ہے۔

ہدایت لیکن اس سلسلہ میں امام کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر بڑی سورتوں کے پڑھنے سے مقتدیوں کے گھبرا جانے کا اندیشہ ہو یا ان کے کام میں بہت ہرج ہونے کا خیال ہو یا وہ بُرا مانتے ہوں تو ہلکی نماز پڑھنی چاہیئے۔ خاص طور پر دیہاتوں میں اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خاص خیال فرماتے تھے کہ جب بچوں کے رونے کی آواز آتی تھی تو آپ نمازِ مختصر فرما دیتے تھے۔ لیکن جہاں عام نمازی طویل نماز پڑھنا بہتر سمجھتے ہوں وہاں اسی طریقہ پر نماز پڑھنی چاہیئے۔ البتہ جو لوگ اس کی اہمیت سے واقف نہ ہوں اور اس طریقہ پر نماز پڑھنے سے اُکتاتے ہوں ان کو اس کی اہمیت بتلانے کی ضرورت ہے۔ ہلکی نماز کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں۔ رکوع وغیرہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح نہ پڑھی جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ارکان نماز اطمینان سے نہ ادا کئے جائیں یا دعائیں وغیرہ جلدی جلدی پڑھی جائیں۔ کیونکہ تعدیل ارکان واجب ہے۔ اس کا بیان اوپر آچکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات تو اسی ترتیب سے نماز میں قرآنِ پاک پڑھتے تھے۔ لیکن آپؐ نے قرآن کی بڑی بڑی سورتیں بھی فرض نمازوں میں پڑھی ہیں اور چھوٹی بھی۔ مثلاً آپ نے فجر میں سورۂ حجرات سے پہلے کی سورتیں بھی پڑھی ہیں اور مغرب میں سورۂ وَالطُّورِ اور فجر میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس بھی پڑھی ہیں۔ (مشکوٰۃ)

واجب اور سُنّت نمازوں کا بیان

اب تک جو احکام بیان کئے گئے ہیں ان کا تعلق تمام نمازوں سے تھا۔ جن باتوں کا تعلق صرف فرض نمازوں سے تھا۔ ان کو بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن کچھ احکام صرف واجب سنّت اور نفل نمازوں کے لئے خاص ہیں ان کا بیان اب کیا جاتا ہے فرض نمازوں کے علاوہ جو سنّت اور واجب نمازیں ہیں ان کی تعداد اوپر بتائی جا چکی ہے اب الگ الگ ہر وقت کی سنّت اور واجب نمازوں کا بیان کیا جاتا ہے۔

عشاء عشاء کے وقت فرض نماز سے پہلے کوئی سُنّت نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے پہلے نماز پڑھے تو وہ نفل ہو گی۔ یعنی اس کو نفل نماز کا ثواب ملے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے اس حدیث کے پیش نظر عشاء کے فرض سے پہلے دو یا چار رکعت نماز ضرور پڑھنی چاہیئے۔ فرض نماز کے بعد دو رکعت سنت ضروری ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی نفل نماز پڑھے تو اس کی اجازت ہے۔ دو رکعت موکدہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً چار رکعتیں نفل ادا فرماتے تھے[۱] مگر نفل نمازوں کو بیٹھ کر پڑھنا ضروری سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے[۲]۔ دو رکعت سنت

وتر واجب ہے

کے بعد تین رکعت وتر واجب، یعنی بہت ضروری ہے۔ وتر نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی دو رکعت تو اور نمازوں کی طرح پڑھے لیکن تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑھنے کے بعد رکوع میں جانے کے بجائے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے اور پھر ہاتھ باندھ لے اس کے بعد دعائے قنوت پڑھے دعائے قنوت یہ ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ	اے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے
وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ	بخشش چاہتے ہیں۔ تیرے اوپر ایمان رکھتے
وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ	ہیں اور تیری اچھی سے اچھی تعریف کرتے
عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا	ہیں۔ تیرے شکر گذار ہیں اور تیری نافرمانی
نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ	نہیں کرتے۔ ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔ جو
مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ	تیری نافرمانی کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم تیری
نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ	ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے ہم
وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا	نماز پڑھتے ہیں اور تیرے ہی سامنے ہم
رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ	اپنی پیشانی جھکاتے ہیں اور تیری ہی طرف

[۱] حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ عن عائشۃ ما صلّٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علی الا صلی اربع رکعات او ست رکعات (ابوداؤد ج ۱، باب الصلوٰۃ بعد العشاء)۔

[۲] وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا اسوۂ نبوی سے ثابت ہے۔

اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔	ہم دوڑتے ہیں اور تیز چلتے ہیں اور تیری
(مصنف ابن ابی شیبہ)	رحمت کی امید کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے
	ڈرتے ہیں اور تیرا عذاب ناشکروں کو آنیوالا ہے۔

ایک دعائے قنوت یہاں لکھ دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اور دعائے قنوت ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کے نواسے حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا وتر میں پڑھنے کے لئے سکھائی۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ	اے اللہ! جن لوگوں کو تونے ہدایت دی
هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ	ہے ان کے ضمن میں مجھے بھی ہدایت دے
عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ	اور دنیا و آخرت میں تو مجھے ان لوگوں کے
تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا	ساتھ عافیت دے جن کو تونے عافیت
اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ	دی ہے اور تونے جن لوگوں کی نگہبانی
فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ	وکارسازی کی ہے ان کے زمرہ میں مجھے بھی
اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا	شامل فرما جو تونے دیا ہے اس میں برکت
یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ	دے اور اگر تونے میرے مقدر میں کوئی برائی
رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔	لکھی ہے تو اس سے مجھے محفوظ رکھ، اسلئے
(ترمذی۔ ابوداؤد)	کہ فیصلہ کرنے اور حکم دینے کا حق تجھی کو

ہے۔ تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ شخص کبھی ذلیل نہیں ہوتا جس کا تو نگہبان وکارساز ہوگیا اور وہ شخص عزت نہیں پا سکتا جس سے تیری نگاہ پھر گئی۔ تو سب سے بلند و برتر ہے۔

وتر کا وقت حدیث میں ہے کہ وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ اگر تہجد کی نماز پڑھنی ہے تو اس کے بعد وتر پڑھو۔ حضور کا اسوہ بھی یہی تھا لیکن اگر یہ خوف ہو کہ نیند نہیں ٹوٹے گی اور نماز وتر قضا ہو جائے گی تو عشاء کی سنتوں کے بعد ہی پڑھ لینا بہتر ہے۔ حدیث میں ہے۔ ایکم خاف ان لایقوم من اخر اللیل فلیوتر من آخرہ فان قرأۃ آخر اللیل محضودۃ و ذالك افضل۔ (مسلم، مسند احمد، ترمذی) المنتقی ج ۱ ص ۵۳۳

قنوتِ نازلہ جب کوئی عمومی مصیبت پیش آجائے، مثلاً کوئی وبا آجائے یا مسلمانوں کے جان ومال کو نقصان پہنچ رہا ہے تو قنوت نازلہ پڑھنا سنت ہے، خود حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ میں شہید ہونے والے صحابہ کے لئے قنوت پڑھی تھی اور مسلمانوں کے لئے دعا اور دشمنوں کے لئے بد دعا کی تھی، خلفائے راشدین اور بزرگوں سے بھی قنوتِ نازلہ کا پڑھنا ثابت ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر قنوت پڑھیں، اس میں کوئی دعا مقرر نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کوئی دعا پڑھی جا سکتی ہے مثلاً اَللّٰهُمَّ اهْدِ نَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وتولنا فیمن تولیت الخ۔

اس کے علاوہ ایک اور دعائے قنوت ثابت ہے۔ لیکن طوالت کے خیال سے یہاں لکھی نہیں جاتی۔ بہتر ہے کہ ان دونوں کو ملا کر پڑھا جائے۔ اگر دعائے قنوت یاد نہ ہو تو کوئی اور دعا پڑھے۔ مگر اس کو یاد کرنا ضروری ہے۔ اگر دعائے قنوت یاد ہو مگر پڑھنا بھول جائے تو سجدۂ سہو ضروری ہو جاتا ہے۔ دعائے قنوت پڑھنے کے بعد رکوع اور سجدہ کر کے تیسری رکعت پوری کرے۔ اگر کوئی شخص وتر کی تیسری رکعت میں شریک ہوا تو بقیہ رکعتیں پوری کرے دوبارہ دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں (نور الایضاح ص ۹۹)

تراویح رمضان کے مہینے میں عشا کے فرض اور سنت کے بعد وتر سے پہلے بیس رکعت نماز تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اس کے بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔ اس کا بیان روزے کے بیان میں آئے گا۔

فجر فجر کے وقت نماز سے پہلے دو رکعتیں سنتِ مؤکدہ ہیں[1]۔ اگر اسے پڑھے بغیر نماز پڑھ لی تو اس کے بعد میں پڑھ لینا چاہیئے۔ فجر کے وقت صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک فجر کی دو سنتوں اور دو فرض کے علاوہ کوئی اور نفل نماز نہ پڑھے۔ البتہ عشار کی نماز قضا پڑھ سکتا ہے۔

ظہر ظہر کے وقت چھ رکعتیں سنتِ مؤکدہ ہیں۔ چار رکعت فرض سے پہلے[2] اور دو رکعت فرض کے بعد۔ ابوداؤد اور ترمذی میں اربع رکعات قبل الظہر واربع

---

[1] ومن قبل الفجر وبعد الظہر والمغرب والعشاء رکعتان (شرح وقایہ ص۲)

[2] وقبل الظہر والجمعۃ وبعدھا اربع بتسلیمۃ (شرح وقایہ ص۲)

بعدھا[1] کا ذکر ہے اس لئے فرض کے بعد دو رکعت، سنّت کے علاوہ اور دو رکعت نفل پڑھنا بہتر ہے۔ اگر پہلی والی چار رکعتیں جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں یا نیت باندھنے کے بعد جماعت میں شامل ہونے کے لئے توڑ دی جائیں تو ان کو فرض کے بعد پڑھنا چاہیئے۔ لیکن فرض کے بعد جب یہ چار رکعت پڑھی جائیں تو پہلے دو رکعت پڑھ کر پھر یہ چار پڑھی جائیں۔

عصر عصر کے وقت کوئی سنت ضروری نہیں ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی چار اور کبھی دو رکعت سنّت فرض سے پہلے پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس لئے پڑھ لینا بہتر ہے[1]۔

مغرب مغرب کے وقت تین رکعت فرض سے پہلے کوئی نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ اس کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہے۔ اس دو رکعت کے بعد دو چار یا چھ رکعت نفل پڑھ لینے میں بہت ثواب ہے۔ بعض حدیثوں میں بیس رکعت کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسے عام طور پر صلوٰۃ الاوّابین کہا جاتا ہے[2] اگرچہ حدیث میں صلوٰۃ الاوّابین صلوٰۃ الضحیٰ کو کہا گیا ہے۔

اب پانچوں وقتوں میں کُل ۱۷ رکعتیں فرض اور بارہ[12] رکعتیں سنّت اور تین رکعتیں وتر واجب ہوئیں۔ جو بارہ رکعتیں سنت ہیں ان کو سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے، یعنی حدیث میں جن کے پڑھنے کی تاکید آئی ہے اور آپؐ نے ہمیشہ انھیں ادا فرمایا ہے۔

ان ۳۲ رکعت نمازوں کا پڑھنا تو ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ان کے علاوہ اگر کوئی نفل نماز پڑھنا چاہے تو وہ جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے۔ نفل نمازوں کے پڑھنے کی حدیثوں میں بڑی تاکید آئی ہے۔ نفل نمازوں کو حدیث میں مُجبّرات الصلوٰۃ کہا جاتا ہے یعنی فرض اور

---

[1] ویستحب ا ر بع قبل العصر وقبل العشاء وبعدھا بتسلیمۃ وان شاء رکعتین (درمختار ص۶۳) ابوداؤد اور ترمذی میں آپ کے دونوں معمولوں کا ذکر ہے۔

[2] وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین۔ (درمختار ص۶۳) مغرب کے بعد چھ رکعتوں کا جو ذکر آیا ہے اس میں دو رکعت سنت مؤکدہ شامل کر کے مزید چار رکعت پڑھ لی جائے تو اس ثواب میں شریک ہو جائے گا جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔

و سنت کے ادا کرنے میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ ان سے پوری ہو جاتی ہے پھر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ نوافل ہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول	حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرے
ان اللہ قال من عادی لی ولیا	کسی محبوب بندے سے دشمنی کرتا ہے میں
فقد اٰذنتہٗ بالحرب وما	اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں میری فرض
تقرب الیّ عبدی بشیئٍ احبّ	کی ہوئی چیزوں کے ساتھ یعنی ان پر عمل کر
الیّ مما افترضت علیہ ولا	کے بندہ قرب جو حاصل کرتا ہے وہ مجھے سب
یزال عبدی یتقرب الیّ	سے زیادہ پسند ہے اور فرض کے بعد نفل
بالنوافل حتی احببتہ فکنت	کاموں اور نمازوں کے ذریعہ برابر میرے
سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہٗ	قریب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اتنا محبوب
الذی یبصر بہ ویدہ التی	بنا لیتا ہوں کہ اس کا کان بن جاتا ہوں
یبطش بہا ورجلہ التی	جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا
یمشی بہا وان سألنی لاعطینّہٗ	ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا پیر
ولئن استعاذنی لاعیذنّہ	بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اس کا
وما ترددت عن شیئٍ انا فاعلہ	ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے
ترددی عن نفس المومن	اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے دیتا ہوں
یکرہ الموت وانا اکرہ مساءتہٗ	اور اگر میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے
ولابدلہ۔ (بخاری ج۲ ص۹۶۳ باب التواضع)	پناہ دیتا ہوں کسی کام کے کرنے میں مجھے

اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کسی بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے بھی اس کی ناپسندیدگی سے تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہونا ہے۔

ایک حدیث میں نفل نمازوں کو مُجبَرَاتُ الصَّلوٰۃ کہا گیا ہے یعنی فرض اور سنت نمازوں میں، جو کمی رہ جاتی ہے وہ نفل نمازوں سے پوری ہو جاتی ہے۔ مگر اُمّت کی آسانی کے لئے

اسے ضروری نہیں قرار دیا گیا۔ دو تین نفل نمازوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے جو حضورؐ سے ثابت ہیں۔

ہدایت دن میں اگر نفل نماز پڑھی جائے تو دو یا چار رکعت سے زیادہ کی نیت نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن رات میں دو چار آٹھ رکعت تک ایک ساتھ کی نیت کر سکتا ہے لیکن دو رکعت کی نیت بہتر ہے۔ اسی طرح دن میں نفل نماز آہستہ پڑھنا بہتر ہے اور رات میں اختیار ہے چاہے آہستہ پڑھے یا آواز کے ساتھ۔ لیکن اگر قریب میں کوئی سو رہا ہے تو اتنے زور سے نہ پڑھنا چاہیئے کہ سونے والے کی نیند میں خلل ہو۔

نمازِ تہجد اس نماز کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ اس نماز کا ذکر قرآن و حدیث دونوں میں آیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رات کو دو چار گھنٹے سو کر پھر تہجد کے لئے اُٹھ جاتے تھے اور بسا اوقات آپؐ رات بھر تہجد کی نماز پڑھتے رہ جاتے تھے۔ اکثر رات کو کھڑے کھڑے آپؐ کے پائے مبارک بھر جاتے تھے۔ آپؐ کی نمازِ تہجد کی ایک ایک کیفیت کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آیا ہے۔ مثلاً آپؐ نماز پڑھتے تھے تو رقت کی وجہ سے آپؐ کی وہی کیفیت ہوتی تھی جو ہانڈی کی ابال کے وقت ہوتی ہے لَہٗ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ جب تک نماز پنجگانہ فرض نہیں ہوئی تھی۔ یہ نماز آپؐ پر فرض تھی۔ نماز فرض ہو جانے کے بعد پھر یہ نفل ہو گئی۔ صحابۂ کرامؓ میں بھی اکثر لوگ اس کو پڑھتے تھے۔ صحابہؓ کے بارے میں یہ آیا ہے کہ:۔

فِي اللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَّفِي النَّهَارِ فُرْسَانٌ۔	رات میں راہبوں کی طرح عبادت کرتے تھے اور دن میں میدان جہاد میں شہسوار بن کر شریک ہوتے تھے۔

صحابہؓ کے بعد تمام بزرگانِ دین نے اس نماز کو پڑھا ہے۔ اس نماز کا نام ہی دأب الصالحین صالحین کی نماز پڑ گیا ہے۔

تعداد رکعات اس نماز کی رکعتیں متعین نہیں ہیں، بلکہ دو، چار، چھ، آٹھ جو بھی ہو سکے پڑھ لینی چاہیئے۔ عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۸ رکعات ادا فرماتے تھے۔

وقت اس کا وقت عشاء سے لے کر صبح صادق تک ہے مگر بہتر یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد اس کو پڑھا جائے۔ اگر کوئی تہجد پڑھنے کا عادی ہے لیکن کسی دن طبیعت میں سستی محسوس ہو

توعشاء کے فرض و سنت کے بعد وتر سے پہلے ہی دو، چار رکعت نفل پڑھ لینی چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عموماً دو دو رکعتیں کر کے چار رکعتیں نفل عشاء کی سنت مؤکدہ کے بعد ادا فرماتے تھے۔ جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے اس لیئے اس کو پڑھنے میں سنت کا ثواب بھی ملے گا اور تہجد کا بھی۔ اگر تہجد کا اہتمام نہ ہو سکے تو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ نماز خدا سے تعلق جوڑنے، دین پر قائم رہنے اور دعوتِ دین کی راہ میں جو مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ ان کو برداشت کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔ اس کے ذریعہ نفس کی جس قدر اصلاح ہوتی ہے زبان و بیان میں جتنی تاثیر، فکر و خیال میں جتنی یکسوئی اور قلب میں طمانیت پیدا ہوتی ہے وہ کسی دوسری نفل نماز یا ذکر سے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ قرآن نے دو لفظوں میں ان کیفیات اور تاثیرات کا ذکر کیا ہے:۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ (مزمل)	رات کو سو کر عبادت کے لئے اٹھنے میں نفس کی پامالی جمعیت خاطر اور استقامت خوب پیدا ہوتی ہے اور بات بالکل سیدھی اور درست نکلتی ہے۔ (کشاف)

حدیث میں بھی اس کی چند خاصیتوں کا ذکر ہے کہ:۔

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصّٰلِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَّكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرَةٌ لِّلسَّيِّاٰتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔ (ترمذی)	تم رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ یہی طریقہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا تھا یہ نماز خدا سے تم کو قریب کردے گی، تمہارے گناہوں کو مٹائے گی اور برائی سے روکے گی۔

اگر کسی سے تہجد کی نماز نہ ہو سکے تو اس کو دن میں یا رات میں کسی وقت دو چار رکعت نفل ضرور پڑھ لینی چاہئیے۔

تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد

اگر کوئی شخص وضو کرنے کے فوراً بعد دو رکعت نماز پڑھ لیا کرے تو اس کو بڑا ثواب حاصل ہوگا، اس کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسی طرح مسجد میں پہونچنے کے

بعد فوراً دو رکعت نفل پڑھ لی جائے تو اس کا ثواب بھی بہت ہے اس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں بعض ائمہ تحیۃ المسجد کو واجب کہتے ہیں۔

نمازِ اشراق اس کے علاوہ نمازِ اشراق یعنی سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد دو رکعت نفل نماز پڑھنے کا حدیث میں بڑا ثواب بتایا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پڑھنا ثابت ہے۔

صلوٰۃ الضحیٰ یعنی سورج جب کافی بلند ہو جائے تو دو دو رکعت کرکے چار رکعت نماز پڑھنے کا بھی ذکر حدیث میں آیا ہے اور آٹھ رکعت کا بھی اس کو نمازِ چاشت بھی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے (بخاری ومسلم) عام طور پر مغرب کے بعد جو چھ رکعتیں نفل پڑھی جاتی ہیں اس کو لوگ صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں مگر حدیث میں صلوٰۃ الضحیٰ کو صلوٰۃ الاوّابین کہا گیا ہے صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصال (مسلم) صلوٰۃ الاوابین وہ ہے جب دھوپ کی شدت کی وجہ سے اونٹ کے بچوں کے پیر جلنے لگیں۔

ان کے علاوہ بھی بعض اور نفل نمازوں کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ مثلاً (۱) صلوٰۃ التسبیح (۲) صلوٰۃ الاستخارہ۔ (۳) صلوٰۃ الحاجہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی خوشی یا رنج کی بات آپؐ سنتے تھے تو نماز اور سجدۂ شکر کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ خوشی میں خدا کا شکر ادا کرنے اور رنج میں خدا کی مدد طلب کرنے کے لئے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر صلی (ابوداؤد) جب کوئی پریشان کن بات پیش آتی تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

صلوٰۃ التسبیح حدیث میں اس کی فضیلت آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسے روز پڑھ لیا کرو اگر نہ ہو سکے تو ہفتہ میں ایک دن اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک دن اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم عمر میں ایک دن پڑھ لیا کرو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت کی جائے اور ثنا اور سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد پندرہ مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس دس مرتبہ اسی تسبیح کو پڑھے پھر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد پڑھ کر پھر دس مرتبہ پڑھے پھر سجدہ کی تسبیح

پڑھ کر پھر یہ دس دس مرتبہ پڑھے پھر سجدہ سے اٹھ کر پھر دس مرتبہ پڑھے پھر دوسرے سجدہ میں دس مرتبہ پڑھے پھر دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر پھر دس مرتبہ پڑھ کر دوسری رکعت کے لئے اٹھے اور اسی ترتیب سے پڑھے۔ اس طرح ہر رکعت میں ۷۵ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے اور چار رکعتوں میں تین سو مرتبہ، اگر کسی رکن میں پڑھنا بھول جائے تو دوسری رکعت میں بیس مرتبہ پڑھ لے، بعض روایتوں میں اس تسبیح کے ساتھ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمُ کا لفظ بھی آیا ہے (ابوداؤد) احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۱۴) اگر ہر رکعت میں ایک بار بھی یہ جملہ کہہ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائے گی۔

صلوٰۃ الحاجہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ سے یا کسی آدمی سے کوئی حاجت ہو تو وہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ کی حمد و تعریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔

لا الٰه الا الله الحليم الكريم	اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو بڑا تحمل
سبحان رب العرش العظيم	والا اور کریم ہے وہ تمام عیبوں سے پاک ہے
الحمد لله رب العٰلمين اسئلك	سب تعریفیں اسی کے لئے زیبا ہیں جو سارے
موجبات رحمتك وعزائم	عالم کا پروردگار ہے اے اللہ میں تیری رحمت
مغفرتك والعصمة من	لانے والی اور تیری مغفرت لازم کرنے
كل ذنب والغنيمة من كل	والی چیزیں طلب کرتا ہوں اور ہر گناہ سے
بر والسلامة من كل اثم	پناہ چاہتا ہوں اور ہر برائی سے حفاظت
لا تدع لي ذنبا الا غفرته	کا طالب ہوں میرے ہر گناہ کو تو بخش دے
ولا هما الا فرجته ولا	اور میرے ہر غم اور میری ہر پریشانی کو دور
حاجة هي لك رضا	کر دے اور میری جس حاجت میں تیری رضا
قضيتها يا ارحم الراحمين۔	ہو اسے تو پوری کر دے اے ارحم الراحمین۔

(ترمذی ابن ماجہ حاکم وغیرہ)

اس کے بعد جو چاہے مانگے انشاء اللہ اس کی جائز حاجت پوری ہوگی۔

ایک ضروری بات سنت اور نفل نمازوں کا گھر کے اندر پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں ہمیشہ گھر ہی پر ادا فرماتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ یعنی جس طرح قبر ذکر و نماز کی جگہ نہیں ہوتی، اور قبرستان میں نماز وغیرہ نہیں پڑھی جاتی اس طرح گھر کو نہ کرو[1] موجودہ غفلت کے زمانہ میں سنتوں کا مسجد میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے اس سے دوسروں کو ترغیب ہوگی۔

نماز کے مکروہ اوقات کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں فرض، سنت، نفل کوئی نماز نہیں پڑھی جا سکتی اور کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں فرض، سنت، تو پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن نفل نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ دونوں کا بیان ہم الگ الگ لکھتے ہیں۔

جن وقتوں میں ہر نماز مکروہ ہے (۱) آفتاب نکلتے وقت۔ اگر سورج ایک دو گز اوپر آجائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) ٹھیک زوال کے وقت، زوال کا وقت سایہ ڈھلنے سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے اور سایہ ڈھلنے کے کچھ دیر بعد تک رہتا ہے۔ (۳) جب شام کے وقت سورج بالکل زرد ہو جائے اس وقت سے سورج کے ڈوبنے تک۔ لیکن اگر اس دن کی عصر کی نماز نہ پڑھی ہو تو اس وقت میں پڑھ لینا چاہیئے اگرچہ نماز مکروہ ہوگی (۴) جمعہ کا خطبہ شروع ہو جانے کے بعد۔ قضا نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

جن وقتوں میں صرف نماز نفل مکروہ ہے (۱) صبح صادق ہونے کے بعد یعنی سورج نکلنے میں ڈیڑھ گھنٹہ رہ جائے تو اس وقت سے اور سورج نکلنے تک فجر کی سنت اور فرض نماز کے علاوہ کوئی دوسری

---

[1] ردالمحتار ج ۱ صـ۱۳۷۔ لیکن اگر گھر میں زیادہ یک سوئی کا موقع نہ ہو یا گھر میں جا کر اسے بھول جانے کا خطرہ ہو تو مؤکدہ سنتوں کا مسجد ہی میں پڑھنا بہتر ہے۔ موجودہ پُر غفلت دَور میں تو سنت کا مسجد میں پڑھنا ہی ضروری ہے۔

نفل نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ البتہ عشاء کی نماز قضا ہوگئی ہو تو فرض اور وتر کی قضا پڑھی جا سکتی ہے (۲) عصر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد غروب آفتاب تک اور فجر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد آفتاب نکلنے تک کوئی نفل نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ البتہ اگر فجر کی سنت چھوٹ گئی ہو اور سورج نکلنے کے بعد موقع نہ ہو تو پڑھ لینا چاہیے (۳) غروب آفتاب کے بعد مغرب کی فرض نماز سے پہلے (۴) عیدین کی نماز سے پہلے گھر کے اندر یا عید گاہ میں یا کسی اور جگہ نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے لیکن ان وقتوں میں فرض اور واجب نماز کی قضا، نماز جنازہ وغیرہ پڑھ لینی چاہیئے اور سجدۂ تلاوت بھی کر لینا چاہیئے[۱]

قضا نماز پڑھنے کا طریقہ

اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی نماز قضا ہو جائے یا وہ بھول جائے یا سو جائے تو جب اس کو یاد آ جائے یا سو کر اُٹھے فوراً قضا پڑھ لینی چاہیئے[۲] قضا نماز کے پڑھنے میں قصداً دیر لگانا گناہ ہے۔ البتہ اگر وقت مکروہ ہے تو پھر مکروہ وقت نکل جانے کے بعد پڑھنا چاہیئے۔

(۱) قضا نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً نماز ظہر کسی کی قضا ہوگئی ہے تو بہتر ہے کہ عصر کی نماز پڑھنے سے پہلے اس کی قضا کرے۔ لیکن اگر عصر کی قضا ہوگئی ہو تو پھر مغرب میں فرض نماز سے پہلے قضا نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ فرض اور سُنت کے بعد۔ اسی طرح دوسرے وقتوں میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ وہ مکروہ وقت نہ ہو۔

(۲) اگر کئی وقتوں کی نماز قضا ہوگئی ہے تو جب موقع ملے اور وہ وقت مکروہ وقت نہ ہو تو فوراً انہیں پڑھ لینا چاہیئے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ظہر کی قضا ہوئی ہے تو دوسرے دن ظہر کے وقت قضا کریں گے یا عصر کی قضا ہوئی ہے تو عصر کے وقت قضا کریں گے۔ بلکہ موقع ملتے ہی قضا پڑھ لینی چاہیئے ایک وقت کی قضا ہو یا کئی وقتوں کی دیر کرنا گناہ ہے۔

(۳) اگر کسی کی بہت سی نمازیں قضا ہوگئی ہیں جن کا ایک وقت میں پڑھنا مشکل ہے تو

---

[۱] ومنع عن النفل بعد صلوٰۃ الفجر والعصر لا عن قضاء فائتۃ وسجدۃ تلاوتہ وصلوٰۃ جنازۃ (بحر ج ۱ ص ۲۵۱)

[۲] ومن فاتتہ صلوٰۃ وجب علیہ قضاءھا اذا ذکرھا۔ فتح القدیر ص ۳۴۶ ج ۱)

حدیث شریف میں ہے من نسی صلوٰۃً اونام عنھا فانما کفارتھا ان یصلیھا اذا ذکرھا۔

(مسند احمد بن حنبل الفتح الربانی ج ۲ ص ۳۰۱)

اس کو چاہیئے کہ ہر نماز کے وقت ایک یا دو وقت کی نماز قضا پڑھ لیا کرے۔

(۴) کوئی خدا کا بندہ ایسا ہے کہ وہ جب سے بالغ ہوا ہے اور اِس وقت تک اس کی پانچ نمازوں سے زیادہ قضا نہیں ہوئی ہیں یا اس نے اپنی تمام قضا نمازیں پوری کر لی ہوں تو اس کو شریعت میں صاحبِ ترتیب کہا جاتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنی قضا نماز پڑھ لے تب فرض پڑھے۔ لیکن جو آدمی صاحبِ ترتیب نہ ہو اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قضا پڑھ ہی لے تب دوسری فرض نماز پڑھے۔ لیکن اس کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ قضا نماز پڑھنے کے بعد پھر ادا نماز پڑھے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶)

(۵) اگر کسی بے نمازی نے توبہ کیا کہ وہ اب نماز پابندی سے پڑھے گا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں اُن کا اندازہ لگا کر ہر نماز کے وقت ایک ایک دو دو نمازیں قضا پڑھ ڈالے، ایسا کرنا واجب ہے، توبہ سے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس نے جو اعمال چھوڑ دیئے ہیں وہ معاف نہیں ہوں گے۔

(۶) اگر تمام قضا نمازیں پوری نہیں کر سکا تھا اور مرنے کے قریب آگیا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وصیت کر دے کہ اس کے مال سے بقیہ نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ فدیہ کا بیان آگے آئے گا۔ یہاں اتنا یاد کر لینا چاہیئے کہ ایک وقت کی نماز کا فدیہ بھی اتنا ہی ہے جتنا ایک روزے کا ہے[1]

کن نمازوں کی قضا ضروری ہے

صرف فرض نمازوں اور وتر کی قضا واجب ہے۔ سنتوں کی قضا واجب نہیں ہے۔ لیکن فجر کی سنت کی حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے۔ اس لئے اگر اسی دن کی فجر کی سنت چھوٹ گئی ہے تو اس کی قضا دوپہر سے پہلے پڑھ لینی چاہیئے[2] لیکن دو چار دن پہلے اگر قضا ہوئی تو اسکی قضا کی ضرورت

---

[1] بعوض ہر نماز نصف صاع از گندم، فرض واجب برابر است ویک روزہ در حکم یک نماز است پس اگر میت وصیت ادائے کفارہ ساختہ است ادائے آں از ثلث مال او واجب است (مجموعہ فتاویٰ ج ۳)

[2] ان فاتت سنۃ الفجر فان فاتت بدون الفرض لا یقضی قبل طلوع الشمس (شرح وقایہ ص ۲۱۲ ج ۱)

نہیں ہے۔

ضروری ہدایتیں اگر کسی نے نماز پڑھ لی اور اس کے کچھ دیر بعد یا ایک دو دن بعد یاد آئے کہ اس نے فلاں نماز طہارت سے نہیں پڑھی ہے یا کوئی اور فرض چھوٹ گیا ہے تو اس کو فوراً اس کی قضا پڑھ لینی چاہیے اگر امام ہے تو اس کو سارے مقتدیوں کو یہ اطلاع دے دینی چاہیئے کہ میری فلاں نماز خراب ہو گئی تھی آپ لوگ اپنی اپنی نمازیں دہرالیں اگر امام دوسری جگہ چلا گیا ہے تو خط کے ذریعہ اطلاع دے دے۔ اس میں کسی طرح کی شرم یا سستی نہ کرنی چاہیئے۔ اگر مکروہ وقت نہ ہو تو بہتر ہے کہ امام با جماعت اس نماز کی قضا کرے۔ اگر دن میں ان نمازوں کی قضا کرے جن میں قرآن آواز سے پڑھا جاتا ہے تو آہستہ پڑھے۔ لیکن رات میں اس کو اختیار ہے۔

سجدۂ سہو کا بیان

سہو کے معنیٰ بھول جانے کے ہیں۔ اگر نمازی سے کوئی واجب بھولے سے چھوٹ جائے، اس کے لئے شریعت میں سجدۂ سہو واجب کیا گیا ہے۔ شیطان آدمی کو اچھا کام کرتے نہیں دیکھ سکتا اس لئے وہ اس کو ہمیشہ بھلاوے اور غفلت میں ڈالتا رہتا ہے۔ نماز میں وہ اور زیادہ خرابی اور بھلاوے میں ڈالتا ہے اور چاہتا ہے کہ بندے کی توجہ اپنے اللہ کی طرف سے ہٹ جائے۔ اس لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ جب نماز میں شیطان تمہاری توجہ خدا کی طرف سے ہٹا کر کوئی بھلاوا دے دے تو تم نماز کے آخر میں دو سجدے کر لیا کرو۔ اس سے شیطان کو ذلت اور رسوائی ہوگی کہ اس نے ذرا سی توجہ ہٹائی اور بندے نے اس سے زیادہ اس کی طرف توجہ کی۔ سجدۂ سہو کے لئے حدیث میں آیا ہے۔

كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ (مسلم) — یہ دونوں سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں۔ (مسلم)

سجدۂ سہو کب واجب ہوتا ہے نماز میں جو چیزیں واجب ہیں ان میں سے ایک واجب یا کئی واجب چھوٹ جائیں تو اس وقت سجدۂ سہو کرنا واجب ہے[1] اگر سجدۂ سہو کرنا بھی بھول گیا تو پھر دوبارہ نماز پڑھنی چاہیئے۔ اس لئے نماز میں جو چیزیں واجب ہیں انھیں ہر نمازی کو یاد رکھنا چاہیئے ورنہ اپنی نماز بھی خراب کرے گا اور مقتدیوں کی بھی خراب کرے گا۔

سجدۂ سہو کا طریقہ نماز کے آخری قعدے میں تشہد پڑھنے کے بعد پہلے دائیں طرف سلام پھیرے پھر فوراً دو سجدے کرے[2] اس کے بعد پھر تشہد درود اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرے۔ ایک واجب چھوٹا ہو یا کئی، سب کے لئے ایک ہی بار سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے کئی بار نہیں۔

مقتدی اور مسبوق کے سجدہ کا حکم (۱) مقتدی کی نماز میں اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو امام کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز میں سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر امام کی نماز میں کوئی واجب چھوٹ جائے اور نماز میں وہ سجدہ کرے تو مقتدی کو اس کے ساتھ سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔

(۲) مسبوق یعنی جس کی ایک یا کئی رکعتیں چھوٹ گئی ہوں اس کے نماز میں شرکت سے پہلے امام سے کوئی سہو ہوا تھا اور وہ سجدۂ سہو کرے تو مسبوق کو بھی اس کے ساتھ سجدۂ سہو کرنا چاہیئے، لیکن اگر اس کی جو رکعتیں چھوٹی ہوں اس میں کوئی سہو ہو جائے تو اس کے لئے الگ سے سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے۔[3]

---

[1] سجدة السهو واجبة لا يجب الا بترك الواجب او بتاخير ركن عن محله منية المصلى ص۱۲۴) [2] ويكتفى بتسليمة واحدة عن يمينه فى الاصح۔ (نور الایضاح ص۹۴)

[3] والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ (بہشتی زیور ج۱۱ ص۶)

سجدۂ سہو واجب ہونے کی صورتیں

اوپر ذکر آچکا ہے کہ کسی فرض کے چھوٹ جانے کی وجہ سے نماز تو خراب ہو جاتی ہے لیکن کسی واجب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو ضروری ہو جاتا ہے نماز خراب نہیں ہوتی یہاں اب وہ تمام صورتیں بتائی جاتی ہیں جن سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے:۔

(۱) کوئی واجب چھوٹ جائے، مثلاً سورۂ فاتحہ یا سورۃ پڑھنا، تشہد یعنی التحیات یا دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا یا رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑا ہونا بھول کر سجدہ میں چلا جائے یا سجدہ سے اٹھنے کے بعد سیدھا بیٹھنے سے پہلے پھر سجدہ کرے تو ان صورتوں میں سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے۔

(۲) کسی واجب کے ادا کرنے میں تاخیر ہو جائے، مثلاً ثنا کے بعد الحمد للہ پڑھنے میں یا الحمد للہ کے بعد[1] سورۃ کے ملانے یا تشہد پڑھ کر درود پڑھنے میں تاخیر ہوگئی تو سجدہ سہو واجب ہے۔ لیکن ذرا سی تاخیر سے سجدۂ سہو ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ اتنی تاخیر ہو جتنی دیر میں ایک سجدہ یا ایک رکوع میں ایک بار سبحان ربی الاعلی یا سبحان ربی العظیم پڑھا جاتا ہے۔ تاخیر چاہے بھول کر ہو یا کسی بات کے سوچنے میں دونوں صورتیں برابر ہیں۔

(۳) فرض میں تاخیر ہو جائے مثلاً ثنا پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک سوچتا رہ جائے اور قرآن کی کوئی آیت نہ پڑھے یا سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھنے کے بعد رکوع کرنے میں تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔

(۴) جو چیزیں نماز میں فرض ہیں اُن کو دو بار کر دے یا اُن کو آگے پیچھے کر دے، مثلاً تین سجدے[2] کر دے یا دو رکوع کر لے یا رکوع سے پہلے سجدہ میں چلا جائے، ان صورتوں میں

---

[1] ومن شك فى القيام انه كبر الافتتاح ام لا فتفكر وطال تفكره فعليه ان يسجد لزوم تاخير الواجب (منية المصلى ص۱۲۷) [2] لو ركع ركوعين او سجد ثلاثا فى ركعة لزمه السجود (بحر الرائق ج ۲ ص۹۷)

سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ لیکن یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ فرض میں اگر کوئی چیز بالکل چھوٹ گئی تو نماز دوبارہ پڑھنی پڑھے گی۔ نماز کے فرائض اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔

(۵) کسی واجب کی کیفیت بدل جائے، مثلاً (الف) جن نمازوں میں بلند آواز سے قرأت کرنا ضروری ہے ان میں امام آہستہ پڑھ جائے یا آہستہ پڑھنی ہے اُس میں بلند آواز سے پڑھ جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ پوری قرأت کر جائے یا اتنی دیر قرأت کرے جتنی دیر میں ایک سجدہ یا رکوع کیا جاتا ہے دونوں صورتیں برابر ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے (ب) پہلی دونوں رکعتوں یا ایک رکعت میں سورۃ پہلے پڑھ لے اس کے بعد الحمد پڑھے تو ترتیب بدل جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ (ج) اسی طرح فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں یا ایک رکعت میں الحمد کے بعد سورۃ پڑھنا بھول جائے تو اگر چار رکعت والی نماز ہے تو اس کو آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملا لینا چاہیے اور اس ترتیب کے بدل جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے۔ (د) اگر سنت یا نفل کی کسی رکعت میں سورۃ ملانا بھول جائے تو صرف سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

سجدۂ سہو کے ضروری مسائل

اوپر سجدۂ سہو کے اصول بتا دیئے گئے ہیں۔ اب اس کے چند ضروری مسائل لکھے جاتے ہیں۔

(۱) سنت اور نفل کی ہر رکعت میں اور فرض میں صرف پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی کم از کم تین آیتیں پڑھنا ضروری ہیں۔ اگر ان میں تین آیتیں پڑھنا بھول جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔

(۲) سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھنے کے بعد ایک تسبیح پڑھنے کے بقدر کچھ سوچنے لگے اور رکوع میں جانے میں اتنی دیر ہو جائے جتنی دیر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔ اسی طرح تشہد، درود اور دُعا پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک سوچتا رہ جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں یا کوئی اور بات سوچنے لگے اور سوچ بچار میں اتنی دیر ہو جائے جتنی دیر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تو سجدہ سہو واجب ہو گیا۔

(۳) کسی کو سجدۂ سہو کرنا ضروری تھا مگر سجدہ کرنا بھول گیا اور سلام پھیر دیا تو سلام

پھیرنے کے بعد اگر اس نے بات چیت نہیں کی ہے تو پھر فوراً سجدۂ سہو کرے اور پھر تشہد، درود اور دعا پڑھ کر دوبارہ سلام پھیرے[1]۔ اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز دھرانی چاہیئے۔

(۴) اگر چار رکعت والی نماز ہو اور پہلے قعدہ میں یا دوسری رکعت کے بعد تشہد پڑھنا بھول جائے اور پورا کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کے قریب ہو جائے اور اس کے بعد یاد آجائے تو کھڑا ہو کر پھر نہ بیٹھے بلکہ اپنی نماز پوری کرلے اور پھر آخری رکعت کے بعد سجدۂ سہو کرلے لیکن اگر پورا کھڑا نہ ہوا تھا۔ یعنی بیٹھنے کے قریب ہی تھا کہ اس کو یاد آگیا، یا مقتدیوں نے امام کو لقمہ دیا تو پھر بیٹھ جانا چاہیئے۔ اس صورت میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت میں دوبارہ تشہد پڑھ لیا یا تشہد کے بعد تھوڑا سا درود بھی پڑھ لیا پھر یاد آگیا کہ یہ دوسری رکعت ہے تو فوراً کھڑا ہو کر بقیہ دو رکعتیں پوری کرلے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ لیکن اگر نفل نماز ہے تو اس میں دوسری رکعت میں درود پڑھ لینے سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔ البتہ تشہد دوبارہ پڑھے گا تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

(۶) اگر دو یا چار رکعت والی نماز کی آخری رکعت میں بیٹھنا بھول جائے تو اگر سجدہ سے پہلے یاد آجائے کہ اس نے غلطی کی ہے تو فوراً بیٹھ جانا چاہیئے۔ اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرلینی چاہیے لیکن اگر تیسری یا پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو پھر اس کو ایک رکعت ملا کر چھ رکعت پڑھ لینی چاہیئے۔ یہ چھ رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ چھٹی رکعت میں سجدۂ سہو نہ کرے اور فرض نماز کو دوبارہ پڑھنا چاہیئے۔

(۷) اگر فرض کی آخری رکعت میں تشہد پڑھنے کے بعد پھر خیال کر کے کہ دو رکعت ہوئی ہے کھڑا ہو جائے اور سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے اور سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرلینی چاہیئے۔ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا ہے تو پھر بیٹھنا نہ چاہیئے بلکہ ایک رکعت پڑھ کر پوری کرلینی چاہیئے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا ہے تو پھر

---

[1] ولو نسی السهو لا یسقط مالم یخرج من المسجد ولو سلم من علیه السهو بنیة ان لا یسجد بطلت نیته (مجمع الانہر ص۱۲۵ ج ۱)

بیٹھنا نہ چاہیئے بلکہ ایک رکعت پڑھ کر پوری چھ کرلے اور آخر میں سجدۂ سہو کرلے۔ یہ آخری دو رکعتیں تو نفل ہو جائیں گی اور چار رکعت فرض ہو جائے گی۔ دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اس صورت میں پانچ رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو بھی فرض نماز ہو جائے گی دونوں صورتوں میں فرق اس لئے ہو گیا کہ پہلی صورت میں بقدر تشہد بیٹھنا بھول گیا اور تشہد کے بقدر بیٹھنا فرض تھا اس لئے فرض نماز نہیں ہوئی اور دوسری صورت میں بقدر تشہد بیٹھ کر پھر اُٹھا اس لئے فرض ادا ہو گیا۔ فقط ایک فرض میں تاخیر ہوئی اور ایک واجب ترک ہوا اس لئے سجدۂ سہو واجب ہوا۔

(۸) یہ حکم فرض نماز کا تھا۔ اگر سنت یا نفل نماز میں پہلا قعدہ بھول جائے اور سجدہ سے پہلے تک یاد آجائے تو بیٹھ جانا چاہیئے اور سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔

(۹) اگر نماز کی رکعتوں میں شک ہو جائے کہ ایک پڑھی یا دو یا تین یا چار تو جس طرف گمان زیادہ ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی طرف گمان غالب نہ ہو تو پھر کم ہی کا اعتبار کرنا چاہیے یعنی اگر تین یا چار میں شک ہو اور کسی طرف گمان غالب نہ ہو تو پھر تین ہی سمجھنا چاہیے لیکن اس صورت میں تیسری رکعت میں بیٹھ کر تشہد پڑھ لینا چاہیئے اس لئے کہ ممکن ہے یہ چوتھی رکعت ہو اور چوتھی رکعت میں بقدرِ تشہد بیٹھنا فرض ہے اور آخر میں سجدۂ سہو اس لئے کرلے کہ ممکن ہو کہ یہ تیسری رکعت ہو اور تیسری رکعت میں بیٹھ کر اس نے ایک زیادہ کام کیا۔ اسی طرح اس میں بھی کرنا چاہیئے۔

(۱۰) اگر نماز ختم کرنے کے بعد شک ہو کہ تین پڑھی یا چار پڑھی اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ اگر یقین کے ساتھ یاد آجائے کہ کوئی رکعت چھوٹ گئی ہے اور اس نے اب تک بات چیت نہیں کی ہے اور وضو بھی باقی ہے تو پھر ایک رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کرلے۔ لیکن اگر بات چیت کرلی یا وضو ٹوٹ گیا تو پھر سے نماز پڑھنی چاہیئے۔

(۱۱) اگر ایک نماز میں کئی غلطیاں ہو جائیں تب بھی ایک ہی بار سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے[۱]

---

[۱] بقوله علیه الصلوٰة والسلام سجدتان بعد السلام تجزیان من کل زیادة ونقصان۔ (مجمع الانہر ص۱۴۹ ج۱)

(۱۲) چار یا تین رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بھول کر سلام پھیر دیا تو جب تک بات چیت نہیں کی ہے اس وقت تک اُٹھ کر نماز پوری کر لینے کا اختیار ہے اور آخر میں سجدۂ سہو ضروری ہے۔ اگر بات چیت کر لی تو پھر سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔

(۱۳) وتر میں دُعائے قنوت کی جگہ بھول کر نماز کی کوئی اور دُعا پڑھ لی، یا تشہد پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر قرآن کی کوئی سورۃ یا تین آیتیں پڑھ لیں تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے کیونکہ وتر میں ہاتھ اٹھانے کے بعد قرآن کے علاوہ کوئی دعا پڑھنی ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہیں ہے اور اس کے بجائے کوئی آیت پڑھے تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔

(۱۴) سورۂ فاتحہ کے بعد اگر ایک ہی رکعت میں دو تین سورتیں پڑھ لیں تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں[1]۔ بلکہ نفل نمازوں میں ایسا کرنا چاہیئے۔

(۱۵) فرض نمازوں میں پچھلی دونوں رکعتوں میں اگر سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورۃ یا قرآن کی کوئی اور آیت پڑھ لی تو سجدۂ سہو نہیں ہے۔

(۱۶) نماز کے شروع میں ثنا پڑھنا یاد نہ رہا یا رکوع اور سجدہ میں تسبیح پڑھنا بھول گیا یا درود اور دُعا پڑھنا بھول گیا تو ان تمام صورتوں میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔

(۱۷) فرض کی پچھلی رکعتوں میں امام یا اکیلا نمازی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول گیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ فرض کی آخری رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اگر سنت و نفل نمازوں میں بھول جائے تو سجدۂ سہو ضروری ہے۔

(۱۸) جن باتوں سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اگر ان کو قصداً کرے گا تو گنہگار بھی ہوگا۔ اور اس کی نماز سجدۂ سہو سے پوری بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کو پھر سے نماز پڑھنی چاہیئے[2]۔ (۱۹) اوپر ذکر آچکا ہے کہ نماز میں جو چیزیں سنّت یا مستحب ہیں ان کو چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اس کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیئے۔

---

[1] ولو جمع سورۃ اور سورتین بعد الفاتحۃ لم یمتنع۔ (بحر الرائق ص۱۰۲ ج ۲)

[2] ولو ترکہ عامداً یاثم و تجب اعادۃ الصلوٰۃ و قیل تفسد صلوٰتہ۔ (بہشتی زیور ج ۲ ص۴۲)

سجدۂ تلاوت

تلاوت کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ قرآن مجید کی کسی سجدہ کی آیت کو پڑھنے یا سننے سے ایک سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔

سجدۂ تلاوت کا حکم

سجدہ کی آیت پڑھنے اور سننے دونوں صورتوں میں سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ قصداً سجدۂ تلاوت چھوڑنے میں گناہ ہے۔
لیکن اگر کوئی شخص نماز میں ہو اور نماز سے باہر کوئی شخص تلاوت کر رہا ہے تو سننے والے نمازی پر نماز کی حالت میں سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرے۔

سجدوں کی تعداد

قرآن میں کل چودہ (۱۴) مقام ایسے ہیں جن کو پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے[۱] جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نویں پارہ میں سورۂ اعراف کے ختم پر، تیرھویں پارہ میں سورۂ رعد کے دوسرے رکوع میں، چودھویں پارہ میں سورۂ نحل کے چھٹے رکوع کے آخر میں، پندرھویں پارہ میں سورۂ بنی اسرائیل کے اختتام پر، سولھویں پارے میں سورۂ مریم کے چوتھے رکوع میں سترھویں پارہ میں سورۂ حج کے رکوع ۲ میں ایک سجدہ آخری رکوع میں بھی ہے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ واجب نہیں ہے لیکن اگر کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ انیسویں پارہ میں دو سجدے ہیں ایک سورۂ فرقان کے پانچویں رکوع کے آخر میں اور دوسرا سورۂ نمل کے دوسرے رکوع میں اکیسویں پارہ میں سورۂ سجدہ کے رکوع دو میں تیئیسویں پارے میں سورۂ ص کے رکوع ۲ میں، چوبیسویں پارہ میں سورۂ حم السجدہ کے رکوع ۵ میں ستائیسویں پارہ میں سورہ النجم کے آخر میں، اس کے بعد تیسویں پارہ میں دو سجدے ہیں ایک سورۂ انشقاق میں دوسرا سورۂ علق کے آخر میں۔

سجدۂ تلاوت اور اس کا طریقہ

(۱) اگر نماز کے اندر کوئی سجدہ کی آیت پڑھی جائے تو فوراً اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جانا چاہیے اور پھر تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور جہاں سے قرأت چھوڑی تھی

---

[۱] تجب سجدة التلاوة بسبب اٰیة من اربع عشرة اٰیة۔ (بحر الرائق ص ۱۲۸ ج ۲)

وہاں سے پھر شروع کر دے۔ اگر سجدہ نہ کیا تو گناہ ہوگا۔ امام کے ساتھ تمام نمازیوں کو سجدہ کرنا چاہیئے۔

(۲) اگر نماز سے باہر سجدہ کی آیت پڑھی گئی تو بہتر ہے کہ فوراً کھڑے ہو کر اور اللہ اکبر کہتا ہوا سجدے میں جائے اور پھر سجدہ کر کے تلاوت شروع کرے۔ لیکن اگر تلاوت ختم کرنے کے بعد سجدہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ چھوڑنا گناہ ہے۔ بیٹھے بیٹھے بھی سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے۔ اگر پورے قرآن کی تلاوت ختم کر کے ایک ساتھ تمام سجدے کر لئے جائیں تو یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن تراویح یا فرض نماز میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

سجدۂ تلاوت کی شرط

سجدہ تلاوت کرنے کے لئے وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لئے ہیں۔ اور سجدۂ تلاوت بھی ان باتوں سے فاسد ہو جاتا ہے جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(۱) اگر سجدہ کی ایک ہی آیت ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے ٹہل کر کئی بار پڑھی گئی جیسے حافظ قرآن یاد کرتے وقت پڑھتے ہیں تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ لیکن اگر وقت یا جگہ بدل گئی تو پھر جتنی بار پڑھی گئی ہے اتنی ہی بار سجدہ بھی کرنا ہوگا۔

(۲) اسی طرح اگر ایک جگہ بیٹھے بیٹھے سجدہ کی کئی آیتیں پڑھی گئیں تو جتنی پڑھی جائیں گی اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

(۳) بعض مرد اور عورتیں قرآن کے اوپر ہی سجدہ کر لیا کرتے ہیں اس سے سجدہ ادا نہیں ہوتا سجدہ اسی طرح کرنا چاہیئے جس طرح نماز کے لئے کیا جاتا ہے۔

(۴) اگر کسی مرد نے ناپاکی کی حالت میں یا عورت نے حیض کی یا نفاس کی حالت میں آیتِ سجدہ سُنی تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔

قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت

دنیا میں ہم نہ جانے کتنی کتابیں پڑھتے پڑھاتے ہیں اور بسا اوقات اپنی پوری زندگی اس میں گذار دیتے ہیں اور اسے اپنی سب سے بڑی کامیابی تصور کرتے ہیں مگر ایک مومن کو اگر کلامِ الٰہی کے پڑھنے پڑھانے اور اس کو یاد کرنے اور سمجھنے سمجھانے کا موقع نہ مل پائے

یا اس کے دل میں اس کی عظمت نہ ہو جو اس کا تقاضا ہے تو پھر اس کے لئے اس سے بڑی کوئی محرومی نہیں ہے خواہ وہ اپنی علمی صلاحیت میں افلاطونِ وقت اور مادی وسائل و ذرائع میں ساری دنیا کا مالک ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی مومن کو قرآنِ پاک کے پڑھنے پڑھانے یا سمجھنے سمجھانے کا موقع عنایت کر دیں تو اس کے لئے اس سے بڑی کوئی دوسری سعادت اور کامیابی نہیں ہے خواہ وہ دنیا کی تمام مادی نعمتوں سے محروم ہی کیوں نہ ہو، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ۔ (مشکوٰۃ)

تم میں سب سے بہتر وہ مسلمان ہے جو قرآن پڑھنا سیکھے اور دوسرے کو قرآن پڑھائے۔

اس حدیث میں سب سے اچھے مسلمان کا معیار اور کسوٹی قرآنِ پاک کے پڑھنے پڑھانے کو بتایا جاتا ہے۔ اگر کسی کو اسکے پڑھنے پڑھانے اور یاد کرنے کی سعادت مل جائے تو اس سے زیادہ کوئی خوش قسمت نہیں ہے اور اگر وہ اس سے محروم ہے تو اس سے زیادہ کوئی بدقسمت نہیں ہے۔ قرآن پاک کے سیکھنے اور سکھانے کی چار صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی شخص ناظرہ قرآن پڑھنا سیکھے جیسا کہ ہمارے مکاتیب میں بچے ناظرہ قرآنِ پاک پڑھتے ہیں یا جو بچے قرآنِ پاک حفظ کرتے ہیں یا جو لوگ بڑے ہو کر قرآن پاک پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں یہ سب لوگ اس فضیلت میں داخل ہیں، دوسرے وہ لوگ جو قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس کے معانی کو عربی زبان یا کسی اور زبان کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ عربی درسگاہ کے طلباء ہوتے ہیں، یا جو لوگ کسی ترجمہ کے ذریعہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو قرآن پاک کے الفاظ کو بچوں کو صحیح طریقہ سے پڑھتے پڑھاتے ہیں جیسا کہ مکتب اور درجہ حفظ کے اساتذہ کرتے ہیں۔ چوتھے وہ لوگ جو قرآن پاک کے معانی اور اس کی تفسیر پڑھانے کا کام کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے عربی مدارس کے اساتذہ کرتے ہیں۔

یہ چاروں صورتیں اس خیر و بھلائی میں داخل ہیں جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔

عام طور پر ہمارے معاشرہ میں ان لوگوں کو کوئی مقام نہیں دیا جاتا جو قرآنِ پاک پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں بلکہ ان کو ایک ناکام آدمی تصور کیا جاتا ہے خاص طور پر جو لوگ ہمارے مکاتب میں بچوں کو ناظرہ قرآن پاک پڑھاتے ہیں ان کو معاشرہ کا سب سے کمتر درجہ کا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تصور سے ہم نہ صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی توہین کرتے ہیں بلکہ قرآن پاک کی عظمت کو بھی داغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں ہمارے عوام و خواص قرآن پاک کے پڑھنے اور پڑھانے کی جو ناقدری کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ پر ہے مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کے پڑھنے پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ بھی اس بہترین کام میں لگے ہونے کے باوجود اول الذکر لوگوں سے کم ناقدری نہیں کرتے ہیں۔

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں اور ہماری دینی درسگاہوں میں قرآن پاک کی تعلیم کو وہ بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے جو اس کی عظمت کا تقاضا ہے بلکہ ان میں دوسرے علوم نے زیادہ بنیادی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ قرآن پاک کے لئے مشکل سے روزانہ ایک گھنٹہ وقت دیا جاتا ہے وہ بھی سات سالہ مدت میں ایک سال یا دو سال جب کہ دوسرے علوم کئی کئی سال اور کئی گھنٹے پڑھائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان درسگاہوں کے فضلاء سے بات کیجئے تو وہ مختلف فنون سے اپنی دلچسپی کا اظہار کریں گے مگر ہزار میں ایک طالب علم بھی قرآن پاک سے کسی خاص شغف کا اظہار کرتا نظر نہیں آئیگا حتیٰ کہ ہم نے کسی نئے فاضل کے پاس قرآن پاک کا اپنا ذاتی نسخہ نہیں دیکھا جس کو اپنی تلاوت میں برابر رکھتا ہو یا اس پر کوئی نوٹ لکھا ہو الاماشاء اللہ اس وقت دارالحدیث اور دارالافتا بنانے کا جتنا زور و شور دکھائی دیتا ہے، دارالقرآن یا دارالتفسیر بنانے کے سلسلہ میں اتنی ہی سرد مہری دکھائی دیتی ہے قرآن پاک کے لئے ہماری درس گاہوں نے صرف درجہ حفظ کو کافی سمجھ لیا ہے یا جلالین کے دورہ کو یا قرآن پاک کی کچھ منتخب سورتوں کے پڑھانے کو مگر اس کو بنیاد بنا کر سارے علوم اس کی روشنی میں پڑھائے جائیں اور قلب و دماغ پر اس کے مضامین چھائے رہیں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

ہم یہاں چند آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہ اور کچھ بزرگوں کے اقوال نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرہ اور مدارس میں عملاً کتابِ الٰہی کتنی مظلوم ہو کر رہ گئی ہے۔

یہاں سورۂ زمر اور سورہ انفال کی دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں ان آیتوں کے آئینۂ ہدایت میں ہم اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا۔ (انفال)

حقیقی مومن وہ لوگ ہیں جب خدا کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب اللہ کی نازل کردہ آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔

(زمر)

اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ کلام نازل فرمایا، یعنی جو اس کتاب میں ہے جس کے مضامین ملتے جلتے ہیں اور جو بار بار دہرائی جاتی ہے، جس کے پڑھنے سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے بدن اور دل نرم ہو کر خدا کی یاد میں لگ جاتے ہیں۔

ان آیات میں مومن کی دو علامتیں بیان کی گئی ہیں ایک تو اللہ کا خوف جس سے دل نہ صرف کانپ اٹھیں بلکہ اس کا اثر انسان کے پورے وجود پر نمایاں ہو دوسرے یہ کہ قرآن پڑھنے یا سننے کے بعد ایمان کی کیفیت میں زیادتی محسوس ہو اگر قرآن پڑھنے کے بعد ایسا نہ ہو تو یہ بہت ہی بری علامت ہے سورۂ توبہ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝

واقعی جو لوگ مومن ہیں جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان کے ایمان میں اس سے

وَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ۔ (توبہ)

اضافہ ہو جاتا ہے اور اس ترقی سے خوش ہوتے ہیں اور جس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا ہے تو اس کے بعد ان کی دل کی گندگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے مال سے جو تجارت شروع کی تھی اس سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اچھی خاصی خوش حالی نصیب فرمادی تھی، مگر نبوت کے بعد کار نبوت کی گراں بار ذمہ داریوں نے آپ کو کاروبار کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں دیا جس سے سارا کاروبارِ تجارت ٹھپ ہو گیا یہی حال صحابہ کرام کا بھی تھا، حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ بڑے بڑے کاروبار کے مالک تھے، مگر اسلام لانے کے بعد سب کا کاروبار متاثر ہوا دوسری طرف آپ کو اور صحابہ کو جو اذیتیں کفار قریش کی طرف سے پہنچ رہی تھیں وہ مزید برآں تھیں اسی حالت میں تسلی کے لئے قرآن کی یہ آیت نازل ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ o لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ (حجر)

ہم نے آپ کو سات آیتوں والی سورت اور قرآنِ عظیم دیا تو آپ آنکھ اٹھا کر بھی دنیا کے اس مال ومتاع کو نہ دیکھے جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو دے رکھے ہیں اور نہ اس کا غم کیجئے۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن جیسی عظیم نعمت کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اس لئے آپ اس نعمت کے بعد کسی دوسری نعمت یا تکلیف کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے یہ خطاب آپ کے واسطے سے اصلاً عام مسلمانوں سے کیا گیا ہے ورنہ آپؐ کی ذاتِ گرامی کی نگاہوں میں دنیا کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں تھی۔ ایک حدیث میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

من قرأ القرآن ثم رأى

جس نے قرآن پڑھا اور پھر اس نے کسی کے

ان احدًا اوتی افضل بما اوتی فقد استصغر ما عظّم اللّٰہ۔ (احیاء العلوم)

بارے میں یہ سمجھا کہ اس کو اس سے زیادہ افضل کوئی چیز دی گئی ہے تو اس نے اللہ کی اس نعمت کی تحقیر کی جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم بتایا ہے۔"

اسی مفہوم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

من اوتی القرآن فریٰ ان احدًا اوتی من الدنیا افضل بما اوتی لقد صغّر ما عظّم اللّٰہ (روح المعانی)

جس شخص کو قرآن جیسی نعمت (علم وعمل کے لحاظ سے) ملی اور اس نے یہ خیال کیا کہ فلاں شخص اس سے بہتر نعمتوں سے نوازا گیا ہے تو اس عظیم نعمت کو کمتر سمجھا اور حقیر چیز کو بڑا سمجھا۔"

یہ حدیث نبوی اور اثر صدیقی تفسیر ہے قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کی۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝ (یونس)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور لوگوں کے امراض کی شفا اور اہل ایمان کے لئے ہدایت ورحمت آگئی ہے، تو چاہیے کہ اس نعمت عظیم پر خوش ہو جاؤ یہ قرآن کی دولت اس سے بہتر ہے جو دنیا کے ساز و سامان لوگ جمع کر رہے ہیں۔"

یہاں قرآن پاک کی چار صفتیں بیان ہوئی ہیں، ایک یہ کہ یہ سراپا نصیحت ہے، یعنی جو چیزیں انسان کے لئے دنیا و آخرت میں مفید ہیں وہ انھیں بتاتی ہے اور جو اس کے لئے مضر ہیں ان سے متنبہ کرتی ہے، دوسرے یہ کہ "شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ" ہے جس طرح جسم میں روگ لگتے ہیں اسی طرح دل میں بھی روگ لگتا ہے، جسم کے مرض سے آدمی کو دنیا میں کچھ دیر یا کچھ دنوں کے لئے تکلیف پہنچتی ہے لیکن اگر کسی کا دل مریض ہو جائے تو اس سے آخرت تو اس کی خراب ہوتی ہی ہے۔

دنیا میں بھی اسے سکون نہیں ملتا۔ دل کا سب سے بڑا روگ تو کفر و شرک و نفاق ہے مگر ان روگوں کے علاوہ دل کے کچھ اور روگ بھی ہیں، اگر وہ موجود ہوں تو اس بڑے روگ سے اگر اللہ تعالیٰ نکال بھی دے جب بھی وہ آدمی کی دنیا و آخرت کو خراب کر دیتے ہیں، مثلاً حسد، کبر و غرور، دنیا کی حرص عہدہ و مرتبہ کی خواہش وغیرہ گویا کہ کفر و نفاق کے ساتھ تو یہ دوہری مصیبت ہیں۔ اور ایمان کے ساتھ بھی ان سے کم درجہ کا نقصان نہیں پہنچتا یہ دل کے ایسے امراض ہیں کہ ان کی موجودگی میں اللہ کی بڑی سے بڑی نعمت پاکر بھی وہ خوش نہیں ہوتا، اور نہ اس میں جذبۂ شکر پیدا ہوتا ہے بلکہ ہر وقت "ھل من مزید" کی آواز بلند کرتا رہتا ہے، اور جو اس کے پاس ہے اس سے زیادہ کی حرص کو قرآن نے "تکاثر" کہا ہے خواہش اسے بے چین کرتی رہتی ہے، اور اسی ادھیڑ بن میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے آگے ایک حدیث میں دل کے اس مرض کی مزید تفصیل آئے گی۔

قرآن کی تیسری اور چوتھی صفت ہدایت و رحمت ہے، یعنی یہ قرآن دنیا میں بھی انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے، اور جو لوگ دنیا میں اس ہدایت کو اپنے سینہ و دل سے لگا لیتے ہیں ان پر اس دنیا میں بھی اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور آخرت میں تو وہ خدا کی ابدی رحمت سے سرفراز ہوں گے ہی۔

اس آیت میں اس نعمت پر خوش ہونے کا ذکر آیا ہے قرآن پاک میں دوسری جگہ اس سے منع کیا گیا ہے لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ دونوں میں فرق یہ ہے کہ دنیاوی ترقی اور خوش حالی میں آدمی کو بدمست نہ ہونا چاہیئے منع اسی قسم کی خوشی ہے ورنہ اللہ کی کوئی نعمت پاکر خوش ہونا ایک فطری بات ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ اللہ کی اس بڑی نعمت کے پانے پر خوش ہونا چاہیئے چنانچہ آخری جملہ میں خود اس کی وضاحت موجود ہے کہ خوش ہونے کی چیز یہ ہے نہ کہ دنیا کا وہ مال و متاع جو تم سمیٹ سمیٹ کر رکھ رہے ہو فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

ان آیات ربانی اور ارشادات نبوی کی روشنی میں اگر ہم اپنے طرزِ عمل پر غور کریں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فریاد کے کسی حد تک ہم بھی مصداق نظر آئیں گے جو آپ نے بارگاہ رب العزت میں کی تھی۔

يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (الفرقان)

اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن پاک کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔

قرآنِ پاک کی تلاوت اور حفظ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اس عالم آب وگل میں پروردگار عالم نے انسانوں کو جو بے شمار نعمتیں دی ہیں ان میں ایک عظیم نعمت قرآنِ پاک ہے یہ عظیم نعمت بھی ہے اور عظیم بار امانت بھی۔ اس بار امانت کا امین اس نے ارض وسماء اور دشت وجبل کو نہیں بلکہ قلب مومن کو بنایا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (احزاب)

ہم نے اس امانت (قرآن پاک) کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر وہ اس ذمہ داری کو نہ اٹھا سکے اور ڈر گئے اور انسان نے اس بار امانت کو اٹھا لیا اور وہ اس کے سلسلہ میں ظلوم وجہول ثابت ہوا یعنی اس کا علمی وعملی کوئی حق ادا نہ کرسکا)

اگر اس بار امانت کو ہمالیہ کی چوٹی پر بھی اتار دیا جاتا تو اس کی گراں باری سے اس کا جگر شق ہوجاتا اور وہ پاش پاش ہوجاتا۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ خشیتِ الٰہی سے دب کر پھٹ جاتا۔

اس نعمتِ خداوندی اور امانتِ الٰہی کے بے شمار تقاضے ہیں جس میں ایک تقاضا یہ ہے کہ اسے اپنی آنکھوں اور سینۂ جسم ودل سے لگایا جائے، اس کی روزانہ تلاوت کی جائے اس کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا جائے اس کے حفظ وتلاوت کا پورا لطف وفائدہ اور لذت وحلاوت تو سمجھ کر پڑھنے ہی سے حاصل ہوتی ہے لیکن اگر ہدایت وبرکت کی نیت سے بے سمجھے بوجھے بھی اس کی تلاوت کی جائے تو اس سے بھی خدا سے تعلق اور دین سے لگاؤ پیدا ہوتا ہے ہدایت

بھی ملتی ہے اور ثواب بھی استقامت کی دولت بھی نصیب ہوتی ہے اور نیک عمل کی توفیق بھی"
یہ کتابِ الٰہی شفا و رحمت ذکر و نصیحت اور ہدایت و سکینت معنوی اعتبار سے بھی ہے اور لفظی
اعتبار سے بھی خود اس نے اپنے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے ایک حدیث میں بھی اس کی ان تمام حیثیتوں کا بڑے جامع
الفاظ میں ذکر آیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ :۔

اما انی سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
یقول انہا ستکون فتنۃ
قلت ما المخرج منہا یا
رسول اللہ ؟ قال کتاب
اللہ فیہ نباء ما قبلکم وخبر
ما بعدکم وحکم ما بینکم
ھو الفصل لیس بالھزل
من ترکہ من جبار قصمہ
اللہ ومن ابتغی الھدیٰ
فی غیرہ اضلہ اللہ ھو
حبل اللہ المتین وھو
الذکر الحکیم وھو الصراط
المستقیم ھو الذی لا
یزیغ بہ الاھواء ولا
تلتبس بہ الالسنۃ ولا
یشبع منہ العلماء ولا
یخلق عن کثرۃ الرد ولا

بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ لوگو! سنو عنقریب
فتنہ عظیم ہونے والا ہے میں نے عرض کیا
یارسول اللہ اس وقت فتنہ سے نجات کا کیا
ذریعہ ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب اس
لئے کہ اس کے اندر پہلے لوگوں کے احوال کا
ذکر ہے اور آئندہ ہونے والے امور کی
خبریں ہیں وہ تمہارے آپس کے اختلاف
کا حل و فیصلہ ہے وہ حق و باطل کے درمیان
فرق کرتی ہے وہ کوئی ہزل (مذاق) نہیں
(بلکہ وہ سب حق ہے) جو کبر و غرور سے
اس کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو توڑ
کر رکھ دیں گے اور جو شخص ہدایت کو
قرآن کے علاوہ کسی کتاب میں تلاش کریگا
اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کردیں گے ۔ وہ
اللہ تعالیٰ کی ایک مستحکم رسی ہے اور ذکر
حکیم ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے اور
ایسی چیز ہے کہ خواہشات اس میں کوئی

تنقضی عجائبہ ھوالذی	کبھی پیدا نہیں کرسکتیں اور (اس کی قرآت میں)
لم تنتہ الجن اذا سمعتہ	زبانوں کو دشواری نہیں ہوتی اور علماء
حتیٰ قالوا انا سمعنا قراٰنا	کو سیری نہیں ہوتی اور یہ قرآن بار بار
عجبا یھدی الی الرشد	پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا (یعنی کبھی پڑھنے
فاٰمنا بہ من قال بہ صدق	یا سننے سے جی اکتاتا نہیں) اور اس کے
ومن عمل بہ اجر ومن حکم	معنوی عجائبات کبھی ختم نہیں ہونے والے
بہ عدل ومن دعا الیہ	ہیں۔ یہی وہ کلام ہے جس کو سن کر جنات
ھدی الی صراط مستقیم	بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک
(مشکوٰۃ شریف)	عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی ہدایت

کرتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور جس نے قرآن کے واسطے سے کوئی بات کہی تو سچی بات کہی اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہوا اور جس نے اس کے ذریعہ کوئی فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی جانب مخلوق کو دعوت دی وہ لوگ اس سیدھے راستے کی طرف ہدایت کئے گئے۔

ایک دوسری حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب	اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ کتنی قوموں
اقواما ویضع بہ اخرین۔	کو عروج اور بلندی بخشیں گے اور کتنی قوموں
(مشکوٰۃ)	کو زوال وپستی میں لے جائیں گے۔

ہمیں اپنی بلندی وپستی کو اس حدیث کی روشنی میں غور سے دیکھنا چاہیئے کہ ہماری موجودہ پستی کا سبب قرآن پاک کا حق نہ ادا کرنا تو نہیں ہے؟

قرآن کی تلاوت کا ایک بڑا فائدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ ہے کہ اس سے قلب کا زنگ دور ہوتا ہے۔

إِنَّ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ	جس طرح پانی پڑ جانے سے لوہا زنگ آلودہ

الحدید اذا اصابہ الماء قیل یارسول اللہ وما جلاؤھا قال تلاوۃ القرآن وکثرۃ ذکر الموت۔ (بیہقی)

ہو جاتا ہے اسی طرح دل بھی دگناہوں سے) زنگ آلودہ ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا، یارسول اللہ اس کی صفائی کیسے ہوگی، فرمایا، تلاوت قرآن اور زیادہ سے زیادہ موت کی یاد سے۔

قرآنِ پاک کی تلاوت اور اس کا حفظ نہ صرف تلاوت کرنے اور اس کے یاد کرنے والے کے مرتبہ کو بلند کرتا ہے بلکہ اس کے والدین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نواز دیتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ :۔

من قرأ القرآن وعمل بما فیہ البس والداہٗ تاجًا یوم القیمۃ ضوءہ احسن من ضوءہ ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت فیکم فما ظنکم بالذی عمل بھذا۔ (ابوداؤد)

جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک تاج پہنائے گا جس کی روشنی سورج اگر تمہارے گھر میں آجائے تو اس سے بھی زیادہ حسین روشنی ہوگی تو پھر تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو اس پر عمل بھی کرے۔"

آپ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ سوچو جب اس کے والدین کا یہ مرتبہ ہے تو پھر خود اس کا مرتبہ کیا ہوگا۔ ایک دوسری حدیث بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

من قرأ القرآن فاستظھرہ فاحل حلالہ وحرم حرامہ ادخلہ اللہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ من اھل بیتہ کلھم قد وجبت لہ النار (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

جس نے قرآن پڑھا اور پھر اسے یاد کیا، اور اس کے حلال کو حلال سمجھا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا تو اس کے گھر کے دس دوزخی افراد کو اللہ تعالیٰ اس کی سفارش سے جنت میں داخل کرے گا۔

افسوس ہے کہ قرآن پاک سے پوری زندگی میں راہنمائی لینے کے لئے بجائے ہم نے اپنی زندگی میں اس کو برکت، فاتحہ خوانی اور جھاڑ پھونک تک محدود کر دیا ہے، علامہ اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا ہے۔

ترا حاصل زیٰسینش جز یں نیست که از ہم خواندنش آساں بمیری

(تم نے سورۂ یٰسین سے بس یہی حاصل کیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے تمہاری جان آسانی سے نکل جائے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت سے سکینت اور طمانیت کا نزول ہوتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت خدا سے تعلق کو بڑھاتی ہے (مشکوٰۃ) خود اسوۂ نبوی یہ تھا کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، رنج کی حالت ہو یا خوشی کی سفر میں ہوں یا حضر میں دوسرے اذکار و اوراد کے ساتھ قرآن کے خاص خاص حصے بھی آپؐ تلاوت فرمایا کرتے تھے، مثلاً سوتے وقت آپؐ معوذتین، آیت الکرسی اور بعض دوسری سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے آپؐ کی تلاوت کا خاص موقع و محل نماز تہجد اور دوسری نفل نمازیں ہوتی تھیں۔ آپؐ نفل نمازوں میں دو چار رکوع نہیں بلکہ کئی کئی پارے تلاوت فرما ڈالتے تھے، قرآن کا جتنا حصہ نازل ہوتا جاتا تھا آپؐ اسے جلد سے جلد سفینوں کے ساتھ سینۂ مبارک میں محفوظ کر لیتے تھے۔

قرآن پاک سے غفلت قرآن پاک جتنی آسانی سے یاد ہو جاتا ہے اتنی آسانی سے کوئی دوسری کتاب یاد نہیں ہوتی مگر چونکہ یہ خدائے رب العالمین کا کلام ہے اس لئے جہاں اس کی تلاوت کی طرف سے ذرا بھی غفلت ہوئی یا اس کے ادب و احترام میں فرق آیا تو کلام الٰہی کی غیرت اسے برداشت نہیں کرتی کہ اس سے بے پروا ہی برتی جائے، اور وہ جتنی آسانی سے یاد ہوتا ہے اسی آسانی سے بھول بھی جاتا ہے، اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار صحابہ کی توجہ اس طرف مبذول فرمایا کرتے تھے کئی بار مختلف انداز سے آپؐ نے فرمایا کہ:۔

تعاھدوا القرآن ھوالذی قرآن پاک کی تلاوت برابر کرتے رہو اور اسکا

نفسی بیدہٖ لھو اشد تفصیلا من الابل فی عقلھا۔ (بخاری ومسلم)

پورا خیال رکھو اگر اس کی طرف سے غفلت برتو گے تو وہ تمہارے ذہن ودماغ سے اتنی ہی تیزی سے بھاگ جائے گا جتنی تیزی سے بندھا ہوا اونٹ جب کھلتا ہے تو بھاگتا ہے۔

اوپر اس سلسلہ میں اسوۂ نبی کا ذکر آچکا ہے اس کے ساتھ آپ کو قرآن پاک کے یاد کرنے کا اتنا اہتمام تھا کہ قرآن کا جتنا حصہ نازل ہو چکا ہوتا تھا آپ اسے رمضان میں حضرت جبریلؑ سے دوہرالیا کرتے تھے جس سال آپ کا وصال ہوا آپ نے دوبار اس کا دور فرمایا آپ دوسرے صحابہ سے بھی کلام پاک پڑھوا کر سماعت فرمایا کرتے تھے (مشکوٰۃ)

آپؐ نے فرمایا کہ جس کے سینے میں قرآن پاک کا کوئی حصہ محفوظ نہ ہو تو وہ ویران گھر کے مثل ہے۔

ان الذی لیس فی جوفہٖ شیئ من القرآن کالبیت الخرب (ترمذی)

جس شخص کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ محفوظ نہ ہو وہ ویرانے گھر کے مانند ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی انتہائی معنی خیز ہے، ہر مکان کی رونق مکین سے ہوتی ہے کتنا ہی حسین اور سامانوں سے بھرا پڑا مکان ہو، مگر وہ انسانی آبادی سے خالی ہو تو پھر ساری خوبصورتی کے باوجود وہ ویرانہ محسوس ہوگا یہی حال قلب مومن کا ہے یہ خدا کا گھر ہے اور اس کی آبادی اس کی یاد اور اس کا ذکر ہے خدا کی یاد بندہ جس طرح چاہے کرے مگر اس سے بڑی اس کی یاد کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے پاکیزہ کلام کی تلاوت کی جائے اس کو سمجھا جائے اور زبان سے اس کی اتنی زمزمہ سنجی کی جائے کہ قلب ودماغ میں اس کا ایک ایک حرف نقش ہو جائے اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس خانۂ خدا کو ویران کرنے کے ہم مجرم ٹھہریں گے جس سے بڑا کوئی جرم نہیں ایک اور جامع حدیث ملاحظہ ہو:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے قرآن کا علم رکھنے والو اس کی بے حرمتی نہ کرو

لا تتوسّدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہٗ من آناء اللیل والنہار وافشوہ وتغنوہ[۲] وتدبروا مافیہ لعلکم تفلحون۔ ولا تعجلوا ثوابہٗ فان لہ ثوابا (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

اور نہ اس سے غفلت برتو اس کی تلاوت کا جو حق ہے اسی طرح دن میں رات میں اس کی تلاوت کرتے رہو اور اس کے الفاظ و معانی اور احکام کو پھیلاؤ اور اسے اچھی آواز کے ساتھ پڑھو اور اس کے مضامین میں غور و فکر کرتے رہو اور دنیا میں اس کا اجر نہ چاہو آخرت میں اس کا ثواب بے انتہا ہے۔

قرآن کی تلاوت کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی کیفیت

قرآن کی تلاوت کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیا کیفیت ہوتی تھی اس کا اندازہ ان دو چار واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آپؐ منبر پر تشریف رکھتے تھے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ پر قرآن کا نزول ہوتا ہے اور میں آپؐ کو قرآن سناؤں، آپؐ نے فرمایا کہ مجھے دوسروں سے قرآن سننا بہت زیادہ پسند ہے انھوں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی جب اس آیت

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا (مشکوٰۃ)

اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو گواہ بنائیں گے۔

۱؎ توسد وسادہ سے نکلا ہے جس کی معنی تکیہ کے ہیں یعنی جس طرح تکیہ لگانے کے بعد آدمی پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اس طرح قرآن سے غفلت نہ ہونی چاہیے اور اسی سے بے حرمتی کا مفہوم بھی نکلتا ہے۔

۲؎ بعض حضرات نے اس کو استغنا کے مفہوم میں لیا ہے یعنی قرآن کی نعمت پانے کے بعد ساری نعمتوں سے مومن کو مستغنی ہو جانا چاہیے۔

پر وہ پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ اب بس کرو۔

فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان۔ (مشکوٰۃ) — میں نے آپؐ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپؐ نے رات کو نماز پڑھنی شروع کی اور پوری رات ایک ہی آیت کی تکرار میں ختم ہو گئی اور وہ آیت یہ تھی:۔

اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (مائدہ) — اے اللہ اگر تو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو غالب اور حکمت والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بڑے اہتمام اور ادب سے تلاوت قرآن پاک فرماتے تھے، ایک روز صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تلاوت کر رہے تھے۔ آپؐ نے دیکھا تو فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ خدا کی کتاب ایک ہے اور تم میں (یعنی پڑھنے والوں میں) سیاہ سرخ و سفید اور ہر قسم کے لوگ ہیں۔ (ابوداؤد باب مایجزی لامتی من القرأۃ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو تلاوت قرآن کا بیحد شوق تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شوق دیکھ کر فرمایا کہ پورے مہینے میں قرآن ختم کر لیا کرو۔ حضرت ابن العاص نے عرض کیا مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اچھا پندرہ دن میں ختم کیا کرو۔ انھوں نے پھر اصرار کیا تو پھر آپؐ نے دس دن میں ختم کرنے کی اجازت دے دی پھر مزید اصرار کیا تو سات دن میں قرآن ختم کرنے کا حکم دیا، اس کے بعد فرمایا کہ اب اس سے زیادہ کی اجازت نہیں[1] ہے۔

(ابوداؤد کتاب الصوم)

صحابہ کے تلاوت قرآن کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ سخت سے مصیبت میں بھی اس میں

---

[1] تین دن سے کم میں قرآن پاک ختم نہ کرنا چاہیئے ایک دن میں قرآن پاک ختم کرنا سنت کے خلاف ہے ایک دن میں عصر و مغرب کے درمیان ختم کرنے کی جو روایتیں بعض بزرگوں کی طرف منسوب ہیں ان کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے۔

کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی تو آپ کلامِ الٰہی کی تلاوت ہی میں مصروف تھے چنانچہ ان کے خون شہادت کے چند چھینٹے اس آیت پر پڑے تھے۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝
اللہ تعالیٰ ان کے لئے کافی ہے وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب خدمت فاروقی میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے کہ قرآن سنا کر خدا کا شوق دلاؤ۔

ایک صحابی ایک بار یہ آیت رات بھر پڑھتے رہے اور دہراتے رہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ (الجاثیہ)
سب برائیاں کرتے جارہے ہیں کیا ان لوگوں کو گمان ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک کام کئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سائبؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میرے پاس حضرت سعد بن وقاصؓ آئے۔ اور بولے کہ سنا ہے کہ تم قرآن بہت اچھا پڑھتے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قرآن غم کے لئے نازل ہوا ہے، اس لئے جب پڑھو تو روؤ اگر روتے نہیں تو رونی صورت بناؤ اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو[1]۔

مصعب بن سعد کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے قرآن لئے ہوئے بدن کھجلایا تو حضرت سعد بن وقاصؓ نے فرمایا کہ شاید تم نے اپنی شرمگاہ کا مس کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں بولے کہ جاؤ وضو کر و[2]۔

حضرت عبداللہ بن عمر تلاوت فرماتے تھے تو جب تک فارغ نہیں ہو جاتے تھے اسوقت تک کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ (بخاری)

---

[1] ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ۔

[2] مؤطا غایت احتیاط اور ادب کی بنا پر ایسا فرمایا ورنہ اس سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو علم دیا گیا وہ علم اس کے اندر رقت نہ پیدا کرے اور اس کو سن کر اس کی آنکھیں نم نہ ہو جائیں تو قد اوتی من لا ینفع لان اللہ تعالیٰ نعت اھل العلم فقال یخرون للاذقان یبکون۔ اسے علم ضرور دیا گیا مگر اس کے لئے وہ مفید نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل خدا کے سامنے گر پڑتے ہیں"

حفظ قرآن کا بھی صحابہ کرامؓ کو بہت شوق تھا اس شوق کا اندازہ اس سے ملاحظہ فرمائیں کہ بیرِ معونہ میں جن صحابہ کو مشرکین نے دھوکہ سے شہید کیا تھا ان میں ستر حفاظ صحابہ تھے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلافت کے زمانہ میں یمامہ کی ایک جنگ میں ستر حفاظ صحابہ شہید ہوئے تھے اسی حادثہ کے بعد حضرت عمرؓ کو جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا اور انھوں نے حضرت صدیقؓ کو اس پر آمادہ کیا۔ اور انھوں نے حضرت زید بن ثابت کو یہ خدمت سپرد کی۔ اور قرآن پاک پورے طور پر مرتب ہو گیا۔

تلاوت قرآن کے آداب

قرآن کی تلاوت خواہ نماز میں کی جائے یا نماز سے باہر اس کے کچھ ضروری آداب ہیں۔ چند باتیں لکھی جاتی ہیں۔

جب قرآن پڑھے تو باوضو پڑھے اور پورے خشوع و خضوع اور تدبر کے ساتھ اس کی تلاوت کرے اس بات کا دل میں خیال رہے کہ یہ باعظمت کلام اس باعظمت ہستی کا ہے جس کے قبضہ میں اس دنیا کا ہر ذرہ ہے، اس لئے تلاوت کا مقصد صرف خدا کی خوشنودی ہو کسی دنیاوی غرض کا شائبہ بھی دل میں نہ لانا چاہیئے۔ قرآن کی عظمت کا ذکر خود قرآن میں بھی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی عظمت کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، انھیں آیات واحادیث کی روشنی میں امام غزالی نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے۔

فالقاری عند البدایۃ	قرآن پڑھنے والے کو چاہیئے کہ قرآن کی
بتلاوۃ القرآن ینبغی ان یحضر	تلاوت کرنے سے پہلے اپنے قلب میں متکلم
فی قلبہ عظمۃ المتکلم	یعنی خدا تعالیٰ کی عظمت کا خوب استحضار
ویعلم ان مایقرأہ لیس	کرے اور یہ سمجھے کہ وہ جس کلام کی تلاوت

من کلام البشر وان فی تلاوۃ کلام اللہ عز وجل غایۃ الحضر فانہ تعالیٰ قال لا یمسہٗ الا المطہرون وکما ان ظاہر جلد المصحف وورقۃٗ محروس من ظاہر بشرۃ اللامس الا اذا کان مطہرا فباطن معناہ ایضًا بحکم عزہ وجلالہ محجوب عن باطن القلب الا اذا کان مطہرا عن کل رجس مستنیرًا بنور التعظیم والتوقیر کما لا یصلح للمس جلد المصحف کل ید فلا یصلح لتلاوۃ حروفہ کل لسان ولا لنیل معانیہ کل قلب۔

جا رہا ہے وہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کی تلاوت کی خصوصی اہمیت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود (کلام اللہ کے بارے میں) ارشاد فرمایا ہے کہ اس کو وہی لوگ چھو سکتے ہیں جو خود پاک ہوتے ہیں تو جس طرح قرآن شریف کی ظاہری جلد اور اس کے ورق کو بے وضو انسان کے ظاہری جسم سے بچایا گیا ہے۔ اسی طرح اس کی باطنی اور معنوی خوبیاں اس کی عزت اور جلالت کے پیشِ نظر اسی قلب میں پیدا ہو سکتی ہے جو قلب ہر باطنی نجاست سے پاک ہو اور اس کی عظمت و توقیر سے منور ہو۔ تو جس طرح جلد قرآن کو چھونے کی ہر ہاتھ صلاحیت نہیں رکھتا ویسے ہی اس کے حروف کی تلاوت کے لئے ہر زبان اہلیت نہیں رکھتی۔ اور نہ ہر قلب اس کے معانی و معارف کو پانے کے لائق ہوتا ہے۔

عالم ربانی امام محی الدین نوویؒ اپنی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں کہ:۔

ینبغی للقاری الاعتناء بہا وھی کثیرۃ جدًا نذکر منہا اطرافا فاول ما یومر بہ الاخلاص فی قرأتہ ان یرید

(یہ فصل ان مسائل و آداب میں ہے) جن کی طرف قاری کو اعتناء کرنا چاہیئے اور یہ بہت زیادہ ہیں ان کے بعض کو ہم ذکر کرتے ہیں پس اول شے جس کا قاری قرآن مامور ہے

بها اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ وان لا یقصد بہا توصلا الی شیئٍ سوی ذالک وان یتأدب مع القراٰن واستحضر فی ذھنہٖ وان یناجی اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ ویتلوا کتابہ فیقرأ علیٰ حال من یری اللّٰہ فانہ ان لم یراہ فان اللّٰہ تعالیٰ یراہ (الاذکار للنوویۃ)

وہ قرأت میں اخلاص ہے اور یہ کہ اس سے (خالص، اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری شے کے حاصل کرنے کا قصد نہ کرے اور یہ کہ قرآن پاک کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کرے اور (قرأت قرآن کے وقت) اس بات کا اپنے ذہن میں استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوں اور اللہ کی کتاب کی تلاوت کر رہا ہوں اور قرآت کے وقت ایسا حال پیدا کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو وہ دیکھ رہا ہے جب یہ حال نہ پیدا ہو تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ سمجھے، کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں۔"

(۲) اس کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور اس کے معانی پر غور کیا جائے۔ قرآن نے سوچ سمجھ کر پڑھنے کی بار بار تاکید کی ہے۔ حدیث میں بھی اس کی تاکید آئی ہے۔ قرآن کے نازل کئے جانے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کو سمجھیں اور سمجھ کر اس پر عمل کریں۔ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی سمجھے گا نہیں عمل کیسے کرے گا۔ امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں تورات کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے تجھے شرم نہیں آتی کہ جب تیرے بھائی کا خط سفر میں بھی مل جاتا ہے تو تو ٹھہر جاتا ہے اور راستہ سے الگ ہو کر اس کو پڑھنے کے لئے بیٹھ جاتا ہے اور اس کے حروف کو غور سے پڑھتا ہے۔ یہ کتاب تورات میرا ایک فرمان ہے جو میں نے تجھے لکھ کر دیا ہے اور حکم کیا ہے کہ اس میں اپنی طاقت بھر غور و تامل کرو، اس کے قوانین پر عمل کرو۔ تو اس سے انکار کرتا ہے اور عمل کرنے سے جی چراتا ہے اور پڑھتا ہے تو جی لگا کر غور و تامل سے نہیں پڑھتا۔"

لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر سمجھے بوجھے قرآن کی تلاوت کرنا بے فائدہ ہے وہ سخت

غلطی پر ہیں اوپر جو حدیث گزری ہے اس میں بھی تلاوت کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بہت سی حدیثوں میں غور و فکر کے بغیر تلاوت کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً:-

من قرء حرفا من کتاب	جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے
اللہ فلہ حسنۃ والحسنۃ	ایک نیکی ہے اور نیکی دس گنے تک بڑھتی ہے
بعشر امثالھا لا اقول	میں نہیں کہتا کہ الٓمّ ایک حرف ہے بلکہ الف
الٓمّ حرف ولکن الف حرف	ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک
ولام حرف ومیم حرف	حرف ہے"
(مشکوٰۃ)	

ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے، جو قرآن پوری روانی سے پڑھتا ہے وہ فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور:-

ومن یتتعتع وھو علیہ شاق	جو قرآن اٹک اٹک کر دقت سے پڑھتا ہے
فلہ اجران۔	اس کو دوہرا اجر ملے گا ایک تلاوت کا دوسرے
(ترمذی)	مشقت سے پڑھنے کا"

اسی بنا پر قرآن کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ قلب پر اس کا بھی اثر پڑتا ہے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش آواز صحابہؓ سے قرآن پڑھوا کر سنا کرتے تھے اور دوسروں کے بارے میں فرمایا کہ:-

حسّنوا القراٰن باصواتکم	قرآن خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرو اس لئے
فانّ الصوت الحسن یزید	کہ اچھی آواز سے قرآن کا حسن بڑھتا ہے"
القراٰن حسنا (دارمی)	

(۳) قرآن اونچی جگہ رکھ کر خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا چاہیئے اور ہر لفظ کو صحیح پڑھنا چاہیئے اور ہر آیت پر جہاں ٹھہرنا ضروری ہو ٹھہر جانا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کا حکم دیا ہے اور خود قرآن میں بھی قرآن کو ترتیل سے یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم آیا ہے،

(۴) قرآن کی کوئی آیت یاد کر کے بھلا دینے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین آدمی آدمی فرمایا ہے جب ایک آیت کو بھلا دینے کو آپؐ نے برا فرمایا تو جو لوگ قرآن حفظ کر کے بھلا دیتے ہیں ان کو کتنا گناہ ہوگا۔

(۵) جب تک قرآن پڑھنے میں دل لگے اس وقت تک پڑھا جائے اور جب دل نہ لگے تو بند کر دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدلی کے ساتھ قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن کسی کا دل قرآن پڑھنے میں لگتا ہی نہ ہو تو اس کا جی لگے یا نہ لگے پڑھنا ضروری ہے۔ جیسے طلبہ ہیں ان کو ہر صورت میں پڑھنا ہے چاہے ان کا دل لگے یا نہ لگے۔

(۶) دن میں کسی نہ کسی وقت روزانہ قرآن کی تھوڑی سی تلاوت کرنا ضروری ہے۔ سب سے اچھا وقت نماز فجر کے بعد ہے۔

(۷) قرآن دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے، بعض لوگ نماز کے بعد مختلف قسم کے اذکار اور وظیفے تو گھنٹے آدھ گھنٹے پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کی تلاوت میں دو چار منٹ بھی صرف نہیں کرتے ایسا کرنا بہت برا ہے۔ خدا کے کلام سے بڑھ کر کون سا ذکر اور کون سا وظیفہ بہتر اور بڑا ہے۔ جو اس کو چھوڑ کر دوسرا وظیفہ کر لیا جائے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ بات تشویش کی ہے کہ بعض اہلِ اصلاح اپنے متوسلین کو قرآن کی تلاوت سے روک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ان وظیفوں سے دل کی صفائی ہو جائے گی تو پھر قرآن کی تلاوت کرنا۔ غور کیجئے کہ قرآن سے بڑھ کر اور کس کلام یا ذکر سے دل کی صفائی ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ ایسا حکم دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان باتوں سے محفوظ رکھے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

قرأة القرآن فی الصلوة افضل من قرأة القرآن فی غیر الصلوٰة وقرأة القرآن فی غیر الصلوٰة افضل من التسبیح والتکبیر (مشکوٰۃ)	نماز کے اندر قرآن کی قرآت نماز سے باہر کی قرأت سے افضل ہے۔ اور نماز کے باہر کی قرأت تسبیح اور تکبیر سے بہتر ہے۔

قرآن پاک کی کچھ اور خصوصیات

قرآن پاک کی بیشمار خصوصیات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

دنیا میں قرآن پاک جتنی تعداد میں چھپتا ہے اور جس

کثرت سے وہ پڑھا جاتا ہے دنیا کی کوئی کتاب نہ تو اس مقدار میں چھپتی ہے اور نہ پڑھی جاتی ہے پھر قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جو بے سمجھے پڑھی اور یاد کی جا سکتی ہے اور جتنی تعداد میں قرآن کے حافظ دنیا میں آپ کو ملیں گے اس کی ہزارویں تعداد بھی دوسری کتاب کے حافظوں کی نہیں ملے گی، پھر قرآن پاک کی اس خصوصیت میں بھی دنیا کی کوئی کتاب اس کی شریک نہیں ہے کہ اس کو جتنی بار بھی پڑھا جائے اس سے طبیعت اکتاتی نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ لَا یَخْلُقُ بِکَثْرَۃِ الرَّدِّ یہ بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ اسے سمجھتے ہیں اور اس پر غور و فکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نئے نئے اسرار و رموز سے آگاہ فرماتا ہے اور ان کے قلب پر نئے نئے حقائق و معانی کے دروازے وہ کھولتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

ولا یشبع منہ العلماء ولا تنقضی عجائبہ ... "علماء کبھی اس سے سیر نہیں ہوتے اور اس کے معنوی عجائب و غرائب کبھی ختم نہیں ہونگے"۔

تراویح کی نماز

تراویح کی نماز کا بیان رمضان کے بیان میں آئے گا۔

مسافر کی نماز

شریعت میں مسافر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے گھر سے ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرے جو اس کے گھر سے ۴۸ میل دور ہے۔ اگر اس سے کم سفر کرے گا تو مسافر نہیں ہوا بلکہ مقیم کہا جائے گا اب اتنے سفر کے ارادہ کے بعد جوں ہی کوئی اپنی بستی سے باہر ہوا وہ مسافر ہو جائے گا۔ اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو اس کا حکم آبادی کا ہے اور اگر وہ آبادی سے باہر ہے تو پھر وہ اسٹیشن پر اپنے آپ کو مسافر سمجھے۔

(ردالمحتار ج ص ۸۱۸، ۸۱۹)

تیز سواریوں سے سفر کا حکم

اگر کوئی شخص ہوائی جہاز، ریل، موٹر، پانی کے جہاز سے سفر کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اس کو ۴۸ میل سے زیادہ جانا ہے تو مسافر ہو گا، خواہ وہ چند گھنٹے ہی میں پہنچ جائے اور اگر اتنی مسافت نہیں ہے تو مسافر نہیں ہو گا۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۸۹)

مسافر کی نماز کا حکم

مسافر کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ نے یہ سہولت دی ہے کہ جن وقتوں میں چار رکعتیں فرض پڑھی جاتی ہیں۔ مثلاً ظہر، عصر، عشاء ان میں دو رکعت فرض پڑھے۔ سنتوں کے پڑھنے میں کوئی پابندی نہیں ہے اگر موقع ملے تو پڑھ لے ورنہ چھوڑ دے البتہ وتر اور فجر کی سنت کی تاکید حدیث میں زیادہ آئی ہے اسلئے ان کو پڑھ لینا بہتر ہے۔ شریعت میں اس نماز کو قصر نماز کہتے ہیں۔ نمازِ قصر کا حکم ۴ھ میں نازل ہوا۔

چند ضروری ہدایتیں

(۱) سفر میں مغرب اور فجر کی نماز ویسے ہی پوری پڑھنی چاہیئے۔ جیسے گھر پر پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر سنتیں اور نفل پڑھے تو پوری پڑھے۔ ان میں قصر نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی مسافر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

(۳) اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہوں تو امام کو سلام پھیرنے کے بعد یہ کہہ دینا چاہیئے کہ میں مسافر ہوں آپ لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔

(۴) اگر امام مسافر ہو اور مقتدیوں میں کچھ مسافر اور کچھ مقیم ہوں تو مقیم اپنی نماز پوری کریں اور مسافر امام کے ساتھ سلام پھیر دیں۔

(۵) اگر مسافر نے بھولے سے چار رکعتیں پڑھ لیں تو اگر دوسری رکعت میں اس نے قعدہ کر لیا ہے تو پھر دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر قعدہ اول بھول گیا ہے تو پھر سے نماز پڑھے سجدۂ سہو دونوں صورتوں میں کرے یہ چار رکعتیں نفل ہو گئیں۔[۱]

(۶) جو ملازم ہمیشہ دورے پر رہتے ہیں وہ کسی ایک جگہ پندرہ دن مسلسل ٹھہرتے نہیں ان کو بھی قصر کرنے کی اجازت ہے۔

(۷) اگر کہیں راستے میں یا منزل پر دو چار دن ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ مگر دو چار دن کے بعد نہ جا سکے اور دو چار دن پھر رک گئے اس طرح اگر یکبارگی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت

---

[۱] رد المختار ج ۱ صـ ۸۲۱۔

نہ ہو تو چاہے جتنے دن ٹھہرے وہ مسافر رہے گا۔ اور قصر نماز کرے گا۔ (۸) اگر کسی نے اپنا وطن بالکل چھوڑ دیا ہے اور دوسری جگہ گھر وغیرہ بنالیا ہے اور وہیں مستقل بال بچوں کے ساتھ رہتا ہے تو اب اس کا وطن یہی ہے۔ اپنے پرانے وطن میں جائے گا تو مسافر رہے گا۔[۵۱] (۹) شادی ہوجانے کے بعد عورت جب اپنی سسرال میں رہنے لگے تو اب اس کا وطن یہی ہے۔ (۱۰) عورتوں کو بغیر کسی محرم کے سفر نہ کرنا چاہئے۔ محرم وہی لوگ ہیں جن سے کبھی شادی نہیں ہوسکتی، باپ، بھائی، بھتیجے وغیرہ یا شوہر۔ (۱۱) عورتوں کو سفر میں نماز پڑھنے میں شرم نہ کرنا چاہئے۔ (۱۲) اگر کسی کی نماز سفر میں قضا ہوجائے تو گھر پر جب اس کی قضا کرے تو قصر ہی نماز پڑھے پوری نہ پڑھے اسی طرح گھر پر قضا ہوگئی ہو اور سفر میں پڑھے تو پوری پڑھے۔[۵۲]

مسافر کب مقیم ہوجاتا ہے

مسافر پوری نماز اُس وقت پڑھے جب وہ گھر واپس آجائے یا پھر کسی مقام پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے۔ پندرہ دن سے کم اس کو ٹھہرنا ہو تو برابر قصر کرنا چاہئے۔

سواری پر نماز پڑھنے کا طریقہ

اگر کوئی ریل، موٹر یا ہوائی جہاز پر سفر کر رہا ہو اور اس کو اُتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو یا اُترنے میں اسباب کے چوری ہوجانے یا سواری چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو سواری کے اندر ہی پڑھ لینا چاہئے۔

(۲) اگر بغیر کسی دقت کے سواری میں جگہ مل جائے تو یہ سب سے بہتر ہے۔
(۳) اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے۔[۵۳] اگر بیٹھ کر پڑھنے میں سجدے کی جگہ نہ ہو تو رکوع وسجدہ اشارے سے کرے۔

(۴) اسی طرح اگر کھڑے ہوئے میں سواری کی حرکت کی وجہ سے گر پڑنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا چاہئے۔ لیکن اگر یہ امید ہو کہ نماز کے آخر وقت تک سواری ایسی جگہ پہنچ جائے گی جہاں اطمینان سے نماز پڑھی جاسکتی ہے تو انتظار کرنا بہتر ہے۔ اور اگر پڑھے تو بھی جائز ہے۔ کچھ باتیں تیمم کے بیان میں بتائی گئی ہیں وہاں دیکھ لی جائیں۔[۵۴]

---

[۵۱] شرح وقایہ ج ا صـ۲۳۷ (۲۳۸) [۵۲] وفائتۃ فی الحضر تقضی فی السفر اربعاً لان القضاء علی حسب الاداء (مجمع الانہر صـ۱۶۳) [۵۳] والعذر کدوران الراس وعدم القدرۃ علی الخروج۔ (نور الایضاح صـ۸۲) [۵۴] علم الفقہ ج صـ۱۴۲ بحوالہ عمدۃ الرعایہ۔

بیمار کی نماز کا بیان

جب تک آدمی کے ہوش وحواس باقی ہیں اس وقت تک نماز کسی وقت اور کسی حالت میں معاف نہیں ہے۔

(۲) اگر بیمار ہونے یا کسی اور وجہ سے کسی کو کھڑا ہونے کی طاقت نہیں ہے یا کھڑا ہونے میں سخت تکلیف یا گر جانے کا اندیشہ ہو یا سر میں چکر آتا ہو یا کھڑا تو ہو سکتا ہو لیکن کھڑے ہونے میں رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو تو ان صورتوں میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے[1]

(۳) اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع وسجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارہ سے رکوع وسجدہ کرنا چاہیئے[2]

(۴) اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔ لیٹ کر نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بیٹھ کے پیچھے اونچا تکیہ وغیرہ لگا کر قبلہ رُخ بیٹھ جائے اور سر کے اشارے سے رکوع اور سجدہ کرے لیکن اس صورت میں پیر کو قبلہ رُخ نہ پھیلائے بلکہ سمیٹے رہے دوسری صورت یہ ہے کہ بستر پر چت لیٹ جائے اور اپنا منہ قبلہ رُخ کر کے اشارے سے نماز پڑھے۔ اگر کروٹ سے لیٹ کر پڑھ لی جائے تو یہ بھی جائز ہے اگر طاقت ہو تو اس طرح نماز پڑھتے وقت اپنے دونوں پیروں کو کھڑا رکھے ورنہ جس حالت میں آرام ہو۔

(۵) اگر لیٹ کر نماز پڑھنے اور اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو نماز معاف ہے۔ اشارہ میں سر کو ذرا سی حرکت دے دینا کافی ہے۔ سجدہ کا اشارہ رکوع سے کچھ زیادہ سر کو حرکت دے کر کرنا چاہیئے۔

(۶) اگر امام قرأت لمبی کر دے اور مقتدی کھڑے کھڑے اتنا تھک جائے کہ کھڑا رہے گا

---

[1] عجز عن القیام او خاف زیادۃ المرض صلی قاعدا (مجمع الانہر)

[2] وان قدر علی القیام وعجز عن الرکوع والسجود یومی قاعدا۔ (مجمع الانہر ص۱۵۲ ج۱)

نو گر پڑے گا تو اس کو بیٹھ جانا چاہیئے۔ اگر دیوار یا کسی لکڑی وغیرہ کی ٹیک لگا سکتا ہو تو لگالے خاص طور پر تراویح کی نماز میں اس کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ یا کمزور آدمی کے لئے عام نمازوں میں کبھی کبھی ایسا کرنے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔

(۷) اگر کسی کو فالج وغیرہ کا اثر ہو گیا ہو یا کوئی اور شدید بیماری ہو گئی ہو یا پانی کا استعمال اس کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ تیمم سے نماز پڑھے۔ اگر استنجا وغیرہ لینے میں پانی نقصان کرتا ہے تو کپڑے یا مٹی سے استنجے کا مقام پونچھ لے اور نماز پڑھے، اگر کپڑے اور مٹی وغیرہ سے بھی پونچھنے کی طاقت نہیں ہے تو اسی طرح نماز پڑھے اور اگر بیوی موجود ہو تو اس سے استنجے وغیرہ کے مقام کو صاف کرالے، مگر بیوی کے علاوہ کسی بالغ آدمی کو اپنی شرمگاہ دکھانا جائز نہیں ہے چاہے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا کوئی ہو۔

(۸) تندرستی کے زمانے میں کسی کی نماز قضا ہو گئی تھی کہ بیمار ہو گیا، تو بیماری کی حالت میں اسے پڑھ لینا چاہیئے۔ جس طرح بھی پڑھ سکے۔ دوبارہ اچھے ہونے کا انتظار نہ کرنا چاہیئے موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے[1]

جمعہ کی نماز

جمعہ کی نماز جمعہ کے دن ظہر کی جگہ جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو جمعہ کی نماز کہتے ہیں لیکن ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی جاتی ہے اور یہ دو رکعت پڑھی جاتی ہے۔

جمعہ کی اہمیت جمعہ کی نماز کی تاکید قرآن میں بھی آئی ہے اور حدیث میں بھی قرآن پاک میں ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ

جب جمعہ کے لئے اذان کہی جائے تو نماز کے لئے تیزی کرو اور سارا کاروبار چھوڑ دو۔ اگر

---

[1] واذا مرض یقضی بالایماء فائتۃ الصحۃ لسقوط الرکوع والسجود بالعذر ولزومھا بالمقدرۃ حال القضاء (مراقی الفلاح ص۲۳۳)

وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (جمعہ) تم جانو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

(۱) حدیث میں ہے کہ ہفتہ کے تمام دنوں سے بہتر ہے جمعہ کا دن، اسی دن حضرت آدم پیدا کئے گئے تھے۔ اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے تھے اور اسی دن قیامت آئے گی (مسلم)

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن اگلی اُمتوں میں مشترک تھا۔ مگر اُنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ یہود نے سنیچر کو متبرک بنا لیا۔ اور نصاریٰ نے اتوار کو، خدا نے ہم کو ہدایت دی کہ ہم نے اس کی عظمت باقی رکھی۔ (بخاری ومسلم)

(۳) آپؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے جس میں اگر دعا کی جائے تو ضرور قبول ہوگی۔ حضرت عبد اللہ بن سلام سے کسی نے پوچھا کہ وہ کونسی ساعت ہے تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ وقت عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے۔ (مشکوٰۃ)

نماز جمعہ کا حکم نماز جمعہ فرض عین ہے۔ یعنی ہر شخص کو اس کا پڑھنا ضروری ہے اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور قصداً چھوڑنے والا فاسق ہے۔ یہ اسلام کے شعائر میں ہے یعنی ان چیزوں میں ہے جس سے اسلام پہچانا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان جمعہ کی نماز نہ چھوڑا کریں ورنہ خدائے تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا اور پھر وہ سخت غفلت میں پڑ جائیں گے (مسلم) آپؐ نے جمعہ کی نماز چھوڑنے والوں کے بارے میں بھی فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو لوگ نماز جمعہ بغیر عذر چھوڑ دیتے ہیں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔

جمعہ کن لوگوں پر فرض ہے جمعہ کی نماز ہر عاقل، بالغ، آزاد، مقیم، اور تندرست مسلمان پر فرض ہے، جمعہ کی نماز نابالغ بچوں، بیماروں، اندھوں، مسافروں اور عورتوں پر فرض نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ پڑھ لیں تو ان کی نماز جمعہ ہو جائے گی اور ان کو اس دن ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نماز جمعہ کے متعلق ضروری باتیں نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے چند اور باتوں کی ضرورت

ہے[1]۔ (۱) جس جگہ پندرہ بیس مسلمانوں کی آبادی ہو اور ان میں کم سے کم بارہ[2] آدمی نماز پڑھنے کے قابل اور بالغ ہوں اور وہاں روزمرہ کے استعمال کی چیزیں مل جاتی ہوں اس جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی جائز ہے اگرچہ نماز میں امام کے علاوہ تین ہی چار آدمی کیوں نہ شریک ہوں۔ تین آدمی سے کم ہوں تو جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنی چاہیئے۔

(۲) ظہر کے وقت کا ہونا، اگر ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے[3]۔

(۳) خطبہ یعنی نماز سے پہلے دو خطبے پڑھنا چاہئیں، پہلے خطبہ میں خدا کی تعریف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کر قرآن مجید کی چند آیتیں یا حدیث کے ٹکڑے بیان کر کے موقع کے لحاظ سے مسلمانوں کو نصیحت کرنی چاہیئے۔ اور دوسرے خطبے میں خدا کی حمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج کر صحابہؓ، بزرگانِ دین اور مسلمانوں کے لئے دعا کرنی

---

[1] ثم لوجوبها شرائط فی المصلی وهی الحریة والذکورة والاقامة والصحة کذا فی الکافی والقدرة علی المشی والبصر حتی لا تجب الجمعة علی العبد والنساء والمسافرین والمریض ولا علی المقعد بالاجماع ولا علی الاعمیٰ وان وجد قائدا او الشیخ الکبیر الذی ضعف ملحق بالمریض فلا تجب علیه والمطر الشدید والاختفاء من السلطان الظالم سقط کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ ہندیہ)

[2] اس سلسلہ میں راقم نے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ان کی یہی رائے ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ زمانہ کی غفلت بھی اس کی متقاضی ہے کہ جاہل سے جاہل اور غافل سے غافل مسلمان کے دل میں بھی ابھی جمعہ کی اہمیت باقی ہے اور وہ جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اگر اس سے منع کر دیا جائے گا تو نماز کی جو یہ تھوڑی سی اہمیت ان کے دلوں میں رہ گئی ہے وہ بھی جاتی رہے گی راقم نے اپنے گاؤں میں جمعہ بند کرا کے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ بعض ہندو وغیرہ ۱۹۷۴ء میں کہنے لگے کہ ہندو ہو جانے میں کیا حرج ہے آٹھ دن میں ہم جمعہ پڑھتے تھے وہ بھی بند ہو گیا اسی مصلحت کے تحت دوبارہ پھر جمعہ قائم کرنا پڑا۔ [3] ومنها وقت الظهر حتی لو خرج وقت الظهر فی خلال الصلوٰة تفسد الجمعة - (فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۴۲)

چاہیئے خطبہ عربی ہی میں پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اردو میں اگر اس کی مختصر تشریح کر دی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ کم پڑھے لوگوں کے سامنے اور دیہاتوں میں کسی آیت یا حدیث کو پڑھ کر اردو میں اس کی تشریح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مگر اس بات کا پورا پورا خیال رکھا جائے کہ یہ خطبہ نہ تقریر ہو جائے نہ نماز سے لمبا ہو[1]

(۴) پہلا خطبہ پڑھ کر بیچ میں تھوڑی دیر بیٹھ جانا چاہیئے، پھر اُٹھ کر دوسرا خطبہ پڑھنا چاہیئے۔

(۵) خطبہ نماز سے لمبا نہ ہونا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[2]

---

[1] جو لوگ اردو میں خطبہ کا ترجمہ یا اس کی تشریح کرتے ہیں ان کو خاص طور پر ان دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ایک یہ کہ خطبہ تقریر نہ ہو جائے، دوسرے یہ کہ خطبہ نماز سے لمبا نہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی ضرور ملحوظ رہنی چاہیئے کہ اس جگہ اردو خطبہ ہرگز نہ پڑھنا چاہیئے جہاں لوگ اس کو پسند نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ ایک اختلاف رونما ہوگا اور کسی غیر اصولی مسئلہ میں اختلاف پیدا کرنے سے زیادہ ثواب کی بات یہ ہے کہ وہ صورت اختیار کی جائے جس میں اختلاف نہ ہو۔ خاص طور پر خطبہ کے سلسلے میں تو یہ بات سبھی کے یہاں مسلّم ہے کہ عربی میں خطبہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ عہد نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ میں کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے کی کوئی مثال نہیں ملتی اس لئے اردو میں پڑھنا ضروری نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ احتیاط اسی میں ہے کہ جو کچھ خطبہ کی حالت میں کہنا ہے اُسے خطبہ سے پہلے یا نماز کے بعد کہہ دیا جائے اور دونوں خطبے صرف عربی ہی میں پڑھے جائیں۔ کیونکہ عام فقہائے احناف کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں اور جن فقہاء نے فارسی میں پڑھنے کی اجازت دی ہے وہ اس معنی میں کہ کراہت کے ساتھ خطبہ کی شرط پوری ہو جائے گی اور اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس سے ان کا مطلب اس کا جواز نہیں ہے۔ [2] اردو میں خطبہ دینے میں ایک طرف اس سنتِ نبوی کی مخالفت ہوتی ہے کہ خطبہ بڑا ہو جاتا ہے دوسرے تقریر میں بعض ایسی غیر ذمہ دارانہ بات زبان سے نکل جاتی ہے جو منبر پر کسی طرح زیب نہیں دیتی خاص طور پر اس سطحی سیاست کے زمانے میں۔

(۶) خطبہ ہو رہا ہو تو کوئی نماز وغیرہ نہ شروع کرنی چاہیئے۔ البتہ اگر پہلے سے پڑھ رہا ہے تو اس کو پوری کرلے لیکن بات کرنا، کسی بات کا جواب دینا قرآن کی تلاوت کرنا یا سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا منع ہے [۱]

جمعہ کی دوسری اذان کا جواب

(۷) جمعہ کے دو اذانیں دینا چاہئیں ایک خطبہ سے پہلے اور ایک خطبہ کے لیے امام منبر پر بیٹھے، تو مؤذن کو اس کے سامنے کچھ دور ہٹ کر اذان دینی چاہیے۔ مگر دوسری اذان کی آواز پہلی اذان سے آہستہ ہونی چاہیئے۔ بعض فقہاء نے دوسری اذان کے جواب دینے کو مکروہ لکھا ہے مگر حضرت معاویہ کا اسوہ جو بخاری شریف میں منقول ہے اس کی بناء پر متاخرین فقہاء نے اس کو جائز رکھا ہے، مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ الرعایہ میں اس کی تصویب کی ہے وہ لکھتے ہیں فلا تکرہ اجابۃ الاذان الذی یؤذن بین یدی الخطیب فقد ثبت ذالک من فعل معاویۃ فی صحیح البخاری خطیب کے سامنے والی اذان کا جواب دینا مکروہ نہیں ہے [۲] حضرت معاویہ سے ثابت ہے۔

(۸) جمعہ کے دن اذان کے بعد سے جب تک نماز ختم نہ ہو جائے دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ دینا چاہیئے۔ اذان کے بعد کاروبار میں لگا رہنا حرام ہے۔ [۳]

(۹) جمعہ کا خطبہ لاؤڈ اسپیکر سے دیا جا سکتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

جمعہ کے آداب

(۱) جمعہ کے دن نہانا دھونا اور صاف کپڑے بدلنا خوشبو لگانا سنت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دن ان باتوں کا اہتمام فرماتے تھے اور آپؐ کی اسی سنت کی وجہ سے صحابہؓ اور بزرگانِ دین اس کا اہتمام کرتے تھے۔

(۲) جمعہ کے دن بال بنوانا، ناخن کٹانا اور اپنی ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا بھی سنت ہے۔

(۳) خطبہ پورے وقار اور بلند آواز سے دینا چاہیئے۔ ایسا معلوم ہو کہ گویا بڑی اہم

---

[۱] یکرہ الکلام حال الخطبۃ وکذا کل عمل یشغلہ عن سماعھا من قراءۃ قرآن اوصلوۃ اوتسبیح اوکتابۃ ونحوھا بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت (طحطاوی ص۲۸۲)

[۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۵ عمدۃ الرعایہ ج ۱ ص ۲۴۴

[۳] اس کی حرمت قرآن کریم کی آیت فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع سے ثابت ہے مگر فقہائے کرام نے اذان جمعہ کے بعد تجارت یا تجارتی گفتگو کی بعض صورتوں کو جائز قرار دیا ہے۔ ان صورتوں کی بنیاد دراصل اس اصل پر ہے کہ جو تجارت یا جو مشغولیت سعی الی ذکر اللہ کے لیے حارج ہو وہ حرام ہے لیکن جو سعی الی ذکر اللہ کے ضمن میں ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بات کہی جا رہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فوج کے حملے کی خبر دے رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

(۴) جمعہ کے دن مسجد میں پہنچنے کے بعد جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جانا چاہیے۔ بعض لوگ کود پھاند کر اگلی صف میں جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر جگہ ہو اور آسانی سے اگلی صف میں پہنچ سکے تو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۵) جمعہ کے دن جس قدر پہلے مسجد میں پہنچے گا اس کو اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

حالت خطبہ میں تنبیہ

امام حالت خطبہ میں کسی بات کرنے والے کو چپ کر سکتا ہے کوئی کھڑا ہے تو بیٹھنے کے لیے کہہ سکتا ہے[1]

لاؤڈ اسپیکر سے نماز

لاؤڈ اسپیکر سے نماز کے جواز کے سلسلے میں سارے عرب ملکوں کے علماء کی رائے ہے کہ نماز جائز ہے مگر ہندوستان کے بعض علماء اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے نماز کے خشوع اور خضوع میں فرق پڑتا ہے پہلے بحث یہ تھی کہ یہ آواز بازگشت ہے یا نہیں، مگر جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اصلی آواز ہے تو اس سے نماز کے عدم جواز کی بات سمجھ میں نہیں آتی خاص طور سے جب ایسے لاؤڈ اسپیکر بن گئے ہیں جو مشین کی طرح دیوار یا کسی اور چیز میں لگا دیئے جاتے ہیں اور امام یا مقتدی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ لاؤڈ اسپیکر سے نماز پڑھ رہا ہے اور فیل ہونے کی بات تو عشاء اور فجر کی نماز پڑھنے کے وقت بجلی فیل ہو جاتی ہے تو کیا تشویش نہیں پیدا ہوتی؟ پھر جہاں باقاعدہ بجلی کے ساتھ بیٹری وغیرہ کا انتظام ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ خاص طور پر جب مجمع زیادہ ہو۔ چھوٹے مجمع میں ضرورت نہیں ہے۔

عیدین کی نماز

عیدین کے معنی دونوں عیدوں کے ہیں۔ ایک عید شوال کی پہلی تاریخ کو پڑتی ہے اسے عید الفطر (یعنی روزہ توڑنے کی عید) کہا جاتا ہے اور دوسری ذی الحجہ کی دس تاریخ کو پڑتی ہے۔ اس کو عید اضحیٰ یعنی قربانی کی عید کہا جاتا ہے۔

---

[1] ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان یکون امراً بالمعروف کذا فی الفتح القدیر۔ فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۷

دونوں عیدوں کی اہمیت

یہ دونوں دن اسلام میں تہوار اور خوشی منانے کے دن ہیں ان دونوں دنوں کے علاوہ کسی دن کو اسلام میں تہوار کا دن نہیں بنایا گیا ہے۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لے گئے تو مدینہ کے مسلمان دو دن خوشی منایا کرتے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ ہم اسلام سے پہلے سے ان[1] دونوں دنوں میں خوشی مناتے چلے آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے ان دونوں دنوں کے بجائے تم لوگوں کے لئے دو دن اس سے بہتر مقرر کئے ہیں۔ ایک عید الفطر دوسرا عید اضحیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں دنوں کے علاوہ کسی دن کو تہوار منانا اور اس میں کھانا پکانا اور خوشی منانا یا غم کا اظہار کرنا سب منع ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کو ان تہواروں کو بھی نہ منانا چاہیئے جو غیر مسلموں کے یہاں مقرر ہیں اور جن میں وہ خوشی مناتے ہیں۔

نمازِ عیدین کا حکم

ان دونوں عیدوں میں ہر مسلمان کے اوپر دو رکعت نماز واجب ہے[2]۔ ان دونوں نمازوں کے لئے وہی باتیں ضروری ہیں جو جمعہ کی نماز کے لئے ضروری ہیں۔ جو باتیں ان میں کم یا زیادہ ہیں ان کو لکھا جاتا ہے۔

جمعہ اور عیدین میں فرق

(۱) عیدین کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں کہی جائے گی۔
(۲) جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور ان میں نماز کے بعد، جمعہ کے دن خطبہ پڑھنا واجب ہے اور عیدین میں سنّت ہے[3] اور اس کا نہ پڑھنا برا ہے۔

---

[1] ان دونوں دنوں کو مہرجان اور نوروز کہا کرتے تھے۔ [2] تجب صلوٰتھما فی الاصح علیٰ من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا۔ (شرح التنویر ص۱۱۳ ج ۱)

[3] فانھا سنۃ بعدھا فال فی البحر حتی لو لم یخطب اصلا صح واساء لترک السنۃ۔ (شرح التنویر ص۱۱۳ ج ۱)

(۳) جمعہ کی نماز میں کوئی تکبیر زیادہ نہیں ہے۔ عیدین کی نمازوں میں ہر رکعت میں تین تکبیریں زیادہ کہی جاتی ہیں۔

(۴) جمعہ کی نماز قضا ہو جائے تو ظہر پڑھنی چاہیئے اور عیدین کی نماز قضا ہو جائے تو کچھ نہیں ہے۔ البتہ اگر بہت سے لوگوں کی نماز چھوٹ گئی ہے اور وہ لوگ نماز پڑھنا چاہیں تو کسی دوسری جگہ جماعت کر سکتے ہیں۔

نماز عیدین کا وقت عیدین کی نماز کا وقت آفتاب نکل جانے کے بعد سے دوپہر سے کچھ پہلے تک ہے۔ اگر کسی وجہ سے عید الفطر کی نماز شوال کی پہلی تاریخ کو نہ پڑھی گئی تو پھر اس کو دوسرے دن پڑھا جا سکتا ہے اور عید اضحیٰ کی نماز ۱۱، اور ۱۲، تاریخ تک پڑھی جا سکتی ہے۔[1]

طریقہ نماز عیدین دونوں نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے:۔ امام اور مقتدی دونوں پہلے اس کی نیت کریں کہ میں عید الفطر یا عید الضحیٰ کی دو رکعت نماز واجب ساتھ چھ تکبیروں کے قبلہ رو ہو کر پڑھتا ہوں۔ مقتدیوں کو اتنا اور کہہ لینا چاہیے کہ اس امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔ نیت کے بعد امام بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور مقتدی آہستہ سے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور دونوں ثنا آہستہ پڑھیں۔ ثنا کے بعد امام پھر بلند آواز سے تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک لے جائے اور پھر چھوڑ دے۔ تمام مقتدی بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ پھر دوسری بار امام تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک لے جائے اور پھر چھوڑ دے۔ مقتدی بھی ایسا ہی کریں۔ پھر تیسری بار امام اور تمام مقتدی تکبیر کہہ کر ہاتھ اُٹھائیں اور اس بار ہاتھ چھوڑیں نہیں بلکہ باندھ لیں اب امام آہستہ سے تعوذ اور تسمیہ پڑھے اور بلند آواز سے سورۂ فاتحہ اور قرآن کی کوئی سورۃ پڑھے پھر رکوع اور سجدہ کرکے ایک رکعت پوری

---

[1] وتوخر بعذر الی الزوال فقط لکن ھھنا ای فی الاضحیٰ یجوز تاخیرھا الی ثالث ایام النحر بلا عذر مع الکراھتہ۔ (در مختار ص۸۴، ج ۱)

کرے۔ دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر پہلے سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے، اور سورۃ ختم کرلے تو رکوع میں نہ جائے بلکہ پھر تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک لے جائے اور چھوڑ دے اور مقتدی بھی ایسا ہی کریں پھر دوسری بار تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھائے اور چھوڑ دے اور تمام مقتدی بھی ایسا ہی کریں۔ پھر تیسری بار امام تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھائے اور چھوڑ دے مقتدی بھی ایسا ہی کریں پھر چوتھی بار امام تکبیر کہکر رکوع میں چلا جائے اور اسکے ساتھ تمام مقتدی بھی رکوع میں جائیں اور جیسے عام طور پر نماز پوری کیجاتی ہے پوری کریں۔ نماز ختم کرنیکے بعد امام دعا مانگ کر منبر پر چلا جائے اور کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے تمام مقتدی خاموشی سے سنیں۔ اگر خطبہ کے بعد امام دُعا مانگ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

عیدین میں بھی جمعہ کی طرح دو خطبے ہوتے ہیں اور دونوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔

عیدین کے خطبے میں بہتر ہے کہ خطبہ کی ابتدا میں اور درمیان میں بار بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھے اور خطبہ میں عیدین کے ضروری مسائل بیان کرے۔

عیدین کی نماز میں سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ میں سے دو کا پڑھنا سنّت ہے۔

شافعی امام اگر کوئی حنفی شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ پہلی رکعت میں سات تکبیر کہے اور دوسری میں پانچ تو حنفی مقتدی کو اس کی اقتدا کرنی چاہیئے اسلئے کہ حدیث سے یہ بھی ثابت ہے درمختار میں ہے ولو زاد تابعہ الی ستۃ عشر لانہ ماثور (ج ۱ ص ۵۷۰)

دونوں عیدوں کے دن کی سُنّت اور مستحبات

(۱) غسل کرنا اور مسواک کرنا (۲) جو اچھے سے اچھا لباس میسّر ہو اسے پہننا۔ (۳) خوشبو لگانا (۴) عید گاہ میں نماز پڑھنا۔ یعنی عیدین کی نماز ہر مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن عید گاہ میں پڑھنا سنّت ہے۔ آپؐ نے اور تمام صحابہؓ نے ایسا ہی کیا ہے۔ (۵) عید گاہ تک پیدل جانا، اگر کوئی معذوری ہو یا عید گاہ بہت دُور ہو تو سواری پر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۶) ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے

واپس آنا۔

ہدایت عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر فجر کی نماز قضا ہو تو اس کو گھر ہی میں پڑھ لینا چاہیئے۔ عیدگاہ میں نہ پڑھنا چاہیئے۔

عیدالفطر کے خاص کام عیدالفطر کے دن نماز سے پہلے کھجوریں یا چھوہارے یا کوئی اور میٹھی چیز کھانا سنّت ہے (۲) صدقۂ فطر ادا کر کے نماز کے لئے جانا چاہیئے، صدقۂ فطر کا ذکر روزہ کے بیان میں آئے گا (۳) عیدگاہ کے راستہ میں آہستہ آہستہ تکبیر کہتے جانا [1]

عیداضحیٰ کے خاص کام عیداضحیٰ کے دن عیدگاہ جاتے وقت آواز کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے جانا [2] (۲) نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا اور نماز کے بعد اپنی قربانی کے گوشت میں سے کھانا۔ اگر قربانی کے گوشت میں دیر ہو تو جو چیز چاہے کھالے۔ بعض لوگ قربانی کے گوشت سے کھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور جو قربانی نہ کر رہا ہو تو اُس کو نماز کے فوراً بعد کھا پی لینا چاہیئے (۳) قربانی کرنا، عیداضحیٰ کا سب سے ضروری کام یہی ہے (۴) جس کے اوپر صدقۂ فطر واجب ہے اس کے اوپر قربانی بھی واجب ہے۔ اگر وہ قربانی نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔ قربانی کا پورا بیان حج کے بعد آئے گا۔ (۵) تکبیرات تشریق کہنا۔

ایام تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نماز فجر کے بعد سے اور تیرہویں تاریخ تک کے پانچوں دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں [3]

---

[1] وسن ان یغتسل و استاک و یتطیب و یلبس احسن ثیابہ التی یباح بسھا و یودی صدقۃ الفطر ان وجبت علیہ قبل خروج الناس و نظہر الفرح والبشاشۃ والتکبیر الخ (شرح التنویر ص۱۱۳ ج۱) [2] واحکام الاضحیٰ کالفطر لکنہ فی الاضحیٰ یوخر الاکل ویکبر فی الطریق جہرا۔ (نورالایضاح ص۱۲۰)

[3] من فجر عرفۃ الی عصر الیوم الخامس آخر یوم التشریق وعلیہ الاعتماد والعمل والفتوی فی عامۃ الامصار (شرح التنویر ص۱۱۷ ج۱)

تکبیراتِ تشریق نویں ذوالحجہ سے پانچ دنوں تک جو تکبیریں فرض نماز کے بعد کہی جاتی ہیں ان کو تکبیراتِ تشریق کہتے ہیں۔

تکبیراتِ تشریق کب سے کب تک ضروری ہیں عرفہ کے دن یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی نمازِ فجر کے بعد سے تیرھویں تاریخ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد تکبیرِ تشریق ایک بار کہنا واجب ہے۔ یہ تکبیر مردوں کو بلند آواز سے کہنا چاہیئے اور عورتوں کو آہستہ آواز سے۔

(ردالمحتار)

تکبیرِ تشریق تکبیرِ تشریق یہ ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا	اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا
اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ	ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے
اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ط	بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے اور تمام تعریف اللہ
	ہی کے لئے ہے۔

یہی تکبیر عیدگاہ جاتے وقت راستہ میں بھی کہنی چاہیئے۔ عید الفطر میں آہستہ آہستہ اور عید اضحیٰ میں کچھ بلند آواز سے۔

چند ضروری مسائل (۱) مردوں کی طرح عورتیں اور وہ لوگ جن پر عیدین کی نماز واجب نہیں ہے۔ نماز عید سے پہلے کوئی نفل نماز نہ پڑھیں۔ عید کی نماز سے پہلے نفل سب کے لئے مکروہ ہے۔ البتہ فجر کی نماز قضا پڑھی جاسکتی ہے۔

(۲) جن عذروں کی وجہ سے نماز عید الفطر کو دوسرے دن اور نماز عید اضحیٰ کو دوسرے یا تیسرے دن پڑھا جاسکتا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔

(۱) تیز بارش ہورہی ہو (۲) چاند کی تحقیق نہ ہوسکی ہو (۳) کوئی نماز پڑھانے والا نہ ہو (۴) بدلی میں نماز پڑھی گئی اور بدلی کھلنے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز بے وقت ہوگئی ہے۔

ہدایت عید الفطر کی نماز دوسرے دن اور عید اضحیٰ کی نماز اگر تیسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکے تو اس کے بعد نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔

(۲) اگر عیدین کی نماز ہوچکی ہے اور ایک دو آدمیوں کو نماز نہیں ملی تو ان کو دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھنی چاہیئے۔ اگر کہیں نماز نہ ملے تو اس کے بجائے چار رکعت صلوٰۃ الضحیٰ پڑھ لینی چاہیئے البتہ اگر چار چھ آدمیوں کو کہیں جماعت نہ ملے تو وہ دوسری جماعت کرسکتے ہیں (علم الفقہ صہ ۱۷۳)

(۳) عیدین کی نماز کی قضا نہیں ہے۔ اگر کسی کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہوجائے تو اس پر قضا نہیں ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص نماز میں اُس وقت شریک ہوا جب امام تکبیر کہہ چکا ہے تو اس کو شریک ہوکر فوراً تکبیریں کہہ لینی چاہئیں۔ اگر وہ رکوع میں ملا ہے تو رکوع میں تسبیح کے بجائے تین تکبیریں بغیر ہاتھ اٹھائے کہہ لینا چاہیئے۔ اگر پوری نہ ہوسکیں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی نماز ہوجائے گی۔

(۵) اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ جائے تو اس کو سلام کے بعد کھڑے ہوکر ایک رکعت پوری کرنی چاہیے اور اس رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیریں کہنی چاہئیں۔ فوراً کھڑے ہوتے ہی تکبیر نہ کہنی چاہیئے۔ اس لئے کہ اگر فوراً تکبیر کہے گا تو دوسری رکعت کی تکبیر اور یہ تکبیریں پے درپے ہوجائیں گی اور یہ ثابت نہیں ہے۔ اس لئے قرأت کے بعد تکبیر کہے[۱]

(۶) اگر امام پہلی یا دوسری رکعت میں تکبیر کہنا بھول جائے تو اس کو رکوع میں کہہ لینا چاہیئے پھر دوبارہ تکبیر کے لئے کھڑے نہ ہونا چاہیئے[۲] اگر کھڑا ہوجائے تب بھی جائز ہے۔ اگر تکبیر بالکل بھول جائے تو بھی نماز ہوگئی۔ نہ دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت ہے

---

[۱] ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیرات (شامی صہ ۷۸۱ ج ۱)

[۲] لو ترکہ الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر فی ظاہر الروایات۔ (درمختار ص ۱۱۶ ج ۱)

نہ سجدۂ سہو کی۔

(۷) عام نمازوں میں واجب کے ترک سے سجدۂ سہو ضروری ہوتا ہے۔ لیکن عیدین کی نماز میں اگر مجمع بہت زیادہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیئے۔ اسکی وجہ سے جماعت میں گڑبڑ ہوگی۔ البتہ اگر چھوٹی ۲۲ یا ۹ آدمی کی جماعت ہو تو سجدۂ سہو کر لینا چاہئے۔

نماز کسوف سورج گرہن لگنے کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کو شریعت میں نمازِ کسوف کہا جاتا ہے۔ جب بھی سورج گرہن لگتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو لے کر جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

یہ اللہ کی نشانی ہے سورج گرہن کیوں لگتا ہے اسلامی شریعت اس سے بحث نہیں کرتی۔ اسلامی شریعت گرہن کی اہمیت صرف اس لئے دیتی ہے کہ وہ اٰیَۃٌ مِّنْ اٰیَاتِ اللہِ یعنی خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اب اگر اس روشنی میں کوئی اس کی وجہ دریافت کرتا ہے تو اس سے اسلامی شریعت روکتی نہیں، بلکہ اُس پر ابھارتی ہے۔ اور اگر کوئی اس حیثیت سے اس پر غور کرے گا تو واقعی سورج گرہن اُس کو اللہ کی قدرت کی کرشمہ سازی اور اس کی غیر معمولی نشانی ہی معلوم ہوگا۔ سورج گرہن کے بارے میں یہ تصور اسلامی تصور سے میل نہیں کھاتا کہ یہ کوئی گرہ یا مصیبت ہے۔ جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اُسی سال سورج گرہن لگا تو بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم کی موت کی وجہ سے لگا ہے۔ آپؐ نے سُنا تو فرمایا۔ کسی کی موت و زندگی کی وجہ سے سورج گرہن نہیں لگتا۔ یہ خدا کی ایک نشانی ہے۔

قیامت کی یاد اس دنیا کا نظام جس طرح چل رہا ہے۔ اس میں جب مکمل خلل آجائیگا تو قیامت آجائے گی لیکن قیامت سے پہلے جب بھی کوئی چھوٹا بڑا خلل واقع ہوتا ہے۔ تو ایک مومن کے دل میں قیامت کا خوف سما جاتا ہے اور وہ فوراً اس کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی یہی کیفیت تھی کہ بارش زیادہ ہونے لگی، بجلی کڑکی، تیز ہوا چلی، سورج یا چاند میں گرہن لگا، بے وقت بدلی کا ٹکڑا دکھائی دیا۔ ہر حالت میں ان کے اوپر اس خیال سے یہ کیفیت طاری ہوجاتی

تھی کہ یہ چیزیں کہیں قیامت کا پیش خیمہ نہ بن جائیں سورج گرہن کے وقت آپؐ پر جو کیفیت طاری رہتی تھی اُس کو حضرت ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں۔

"ایک بار سورج گرہن لگا تو آپؐ اس خوف سے گھبرائے گھر سے باہر تشریف لائے کہ کہیں قیامت نہ آجائے اور فوراً مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت لمبی نماز پڑھی۔" اس سے پہلے آپ نے اتنی لمبی نماز نہیں پڑھی تھی۔ (بخاری ومسلم)

نماز کسوف کا طریقہ

نماز کسوف کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان مسجد میں جمع ہو کر دو رکعت نماز باجماعت پڑھیں۔ ان دونوں رکعتوں میں بڑی سے بڑی سورۃ پڑھنی چاہیئے[1] مثلاً سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران وغیرہ۔ اسی طرح رکوع وسجدے میں بھی دیر کرنا چاہیئے۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت اتنی لمبی نماز پڑھی کہ اتنی لمبی نماز پڑھتے ہوئے ہم نے آپؐ کو اس سے پہلے نہیں دیکھا پھر جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے امام کو بلند آواز سے دعا مانگنی چاہیئے اور مقتدیوں کو آمین کہنی چاہیئے۔ (مشکوٰۃ)

ضروری ہدایتیں

(۱) بہتر تو یہ ہے کہ نماز کسوف میں قرأت آہستہ کی جائے۔ لیکن اگر کوئی آواز سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) نماز کسوف میں اذان واقامت نہیں ہے۔ البتہ اگر لوگوں کو جمع کرنا ہو تو اس کا اعلان کرایا جا سکتا ہے[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کا اعلان کرایا تھا۔

(۳) اگر کسی فرض نماز کا وقت آجائے یا مکروہ وقت آجائے تو نماز و دُعا موقوف کر دینا چاہیئے۔

---

[1] والافضل ان یطول القرأۃ فیھما کذا فی الکافی۔
(فتاویٰ ہندیہ صـ۱۵۰)

[2] بلا اذان ولا اقامۃ ولا جھر ولا خطبۃ وینادی الصلوٰۃ جامعۃ لیجتمعوا (شرح التنویر صـ۱۱۷) (بخاری ومسلم)

نمازِ خسوف

چاند گرہن کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اُس کو نماز خسوف کہتے ہیں اس میں بھی دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔ لیکن اس کے لئے نہ تو جماعت ضروری ہے نہ مسجد میں جانا بلکہ اپنے اپنے گھروں میں الگ الگ پڑھنا سنت ہے[1]۔ نماز خسوف آہستہ بھی پڑھی جا سکتی ہے اور آواز سے بھی۔ مگر آواز سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

نمازِ استسقاء

استسقا کے معنی ہیں، پانی طلب کرنا۔ یعنی جب پانی کی ضرورت ہو اور پانی نہ برس رہا ہو تو ایسے وقت میں دو رکعت نماز پڑھ کر خدا سے پانی کے لئے دُعا کرنا سُنّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ استسقا باواز بلند ادا فرمائی ہے (بخاری ومسلم) شریعت میں اسی کو نماز استسقا کہتے ہیں۔

نمازِ استسقاء کا طریقہ

نماز استسقا جب پڑھنے کی ضرورت ہو تو اس کا اعلان کرا دیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ تمام لوگ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر نہایت ہی عاجزی وانکساری کے ساتھ کسی میدان یا عیدگاہ میں جائیں وہاں پہنچ کر شہر کا امام دو رکعت نماز بلند آواز سے پڑھائے اور اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے جس طرح جمعہ وعیدین میں دیئے جاتے ہیں دے اور کھڑے ہی کھڑے بلند آواز سے دعا کرے اور تمام مقتدی آمین کہیں۔ اگر صرف دعا پر اکتفا کی جائے تو یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

دُعا کیسے کرنی چاہیئے

دعا پورے خشوع اور عاجزی کے ساتھ مانگنی چاہیئے پہلے اپنے گناہوں کی معافی کی، اس کے بعد پھر پانی کے لئے درخواست کرنی چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دعا فرماتے تھے۔ آپؐ کی دُعا کے الفاظ یہ ہوتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا غَیْثًا مُّغِیْثًا	اے اللہ ہمیں ایسی بارش سے سیراب
مَّرِیْئًا مَّرِیْعًا نَّافِعًا	کر جو ہماری ضرورت بھر ہو جو خشک
غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ	زمین کو سیراب کر دے اور سوکھی کھیتی کو

---

[1] ولیس فی خسوف القمر جماعۃ لتعذر الاجتماع فی اللیل او لخوف الفتنۃ وانما یصلی کل واحد بنفسہ۔ (ہدایہ ج۱ ص۱۵۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ o	شاداب کردے جو نفع دینے والی ہو
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ	نقصان پہنچانے والی نہ ہو یہ بہت جلد
يَوْمِ الدِّيْنِ o لَآ اِلٰهَ اِلَّا	ہو اس کے ہونے میں دیر نہ ہو۔ اے اللہ
اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ o اَللّٰهُمَّ	تیرے علاوہ کوئی مالک نہیں تو غنی ہے
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْغَنِيُّ وَ	اور ہم تیرے محتاج ہیں، ہمارے اوپر
نَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا	بارش برسا اور جو بارش تو برسائے وہ
الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَآ اَنْزَلْتَ	ہماری روزی کا سبب ہو اور کچھ دنوں
لَنَا قُوَّةً وَّ بَلَاغًا اِلٰى	کی ہماری ضروریات کے لئے
حِيْنٍ ۔[1]	کافی ہو۔

اگر یہ الفاظ خطبہ میں بھی پڑھ لئے جائیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔ آپؐ خطبہ میں بھی یہ الفاظ ادا فرماتے تھے۔ جب بارش ہونے لگے تو یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا ۔[2]	اے اللہ! خوب بارش ہو مگر ایسی جو نفع دینے والی ہو۔

چادر پلٹنا اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی جو قرآن و حدیث کا علم رکھتا ہو نماز پڑھائے تو اس کو چاہیئے کہ خطبہ سے پہلے یا خطبہ کے بعد اپنی چادر پلٹ لے۔ چادر پلٹنے میں عملاً خدا سے یہ درخواست ہوتی ہے کہ تو اسی طرح موجودہ حالت کو پلٹ دے۔[3]

بیماری اور موت کا بیان

اسلامی شریعت میں جس طرح زندگی کے تمام مواقع کے لئے ہدایتیں دی گئی ہیں اسی طرح

---

[1] سنن ابی داود ص۱۶۵ مطبع مجیدی کانپور۔ [2] بخاری شریف
[3] بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ۔

بیماری اور موت کے لئے بھی تفصیل سے ہدایتیں دی گئی ہیں۔

عیادت

بیمار کو دیکھنے کے لئے جانے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کو اسلامی شریعت میں عیادت کہا جاتا ہے۔ دُنیا میں کوئی آدمی ایسا نہ ہوگا جو کبھی بیمار نہ پڑتا ہو اسی لئے اسلام میں تاکید کے ساتھ یہ ہدایت دی گئی ہے کہ بیمار کی عیادت ضرور کی جائے۔ ایک مسلمان کو صرف اپنے بھائی مسلمان ہی کی عیادت نہ کرنی چاہیئے بلکہ اس کے محلہ، پڑوس یا بستی میں جو انسان بھی بیمار پڑے۔ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، غریب ہو یا امیر اس کی عیادت کے لئے جانا چاہیئے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں اور یہودیوں کی عیادت کے لئے بھی جایا کرتے تھے، حالانکہ یہ لوگ آپؐ کے پکّے دشمن تھے۔ البتہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی عیادت کرنا تو بہت ضروری ہے آپؐ نے فرمایا ہے، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ جن میں سے دو یہ ہیں:۔

ایک یہ کہ جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کی جائے دوسرے یہ کہ جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کی جائے [۱] حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی بیمار پڑتا تھا تو آپؐ اپنا داہنا ہاتھ مریض کے بدن پر پھیرتے تھے اور اس کے لئے یہ دعا فرماتے تھے۔

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا [۲]	پروردگارِ عالم اس درد اور تکلیف کو دُور کر اور شفا عنایت کر، تو ہی شفا دینے والا ہے اور شفا بھی ایسی عنایت کر جو کسی بیماری کو باقی نہ رکھے۔

آپؐ کبھی کبھی یہ دُعا فرماتے تھے:۔

لَا بَاْسَ عَلَيْكَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ [۳]	گھبراؤ نہیں، انشاءاللہ یہ بیماری تمہیں گناہوں سے پاک وصاف کر دے گی۔

---

[۱] بخاری و مسلم [۲] بخاری و مسلم [۳] بخاری

مریض خود اپنے لئے دعا کرے تو یہ الفاظ استعمال کرے :۔

اَللّٰھُمَّ اشْفِنِیْ شِفَآءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا۔ — اے اللہ! مجھے ایسی شفاء دے کہ مرض کا کوئی حصّہ باقی نہ رہے۔

عیادت صرف مریض کو دیکھنے کو جانے کو ہی نہیں کہتے بلکہ اس میں اس کی ہر طرح کی دیکھ بھال بھی شامل ہے۔ مثلاً اس کی دوا لانا، اس کی خدمت کرنا اور اس کے قریب بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کرنا، تسلّی دینا وغیرہ۔

آداب عیادت

۱۔ جب مریض کے پاس جائے تو اُس کے قریب بیٹھے اور اس کے سر پر یا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھ کر اس کی مزاج پُرسی کرے

۲۔ حتی الامکان رات کے وقت عیادت کو نہ جائے۔

۳۔ مریض کے پاس جب تک وہ خود نہ کہے دیر تک نہ بیٹھے۔

۴۔ عیادت کے وقت مریض کے گھر میں اِدھر اُدھر نگاہ نہ ڈالے[1]

موت کی بیماری

یہ تو عام بیماری کا حکم تھا، لیکن اگر کوئی مسلمان مرض الموت میں مبتلا ہو تو اس کی عیادت کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ضروری ہیں۔

جان کنی

جب موت کی علامتیں معلوم ہونے لگیں تو مرنے والے کے پاس بیٹھ کر قرآن وغیرہ پڑھنا چاہیئے۔ اگر سورۂ یٰسین زبانی یا دیکھ کر پڑھی جائے تو بہتر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرنے والوں کے پاس سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔ مرنے والوں کے قریب بیٹھنے والوں کو چاہیئے کہ اس کے کان کے قریب برابر کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ پڑھتے رہیں۔ تاکہ وہ سُن کر وہ خود بھی کلمہ پڑھے اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ اگر وہ خود کلمہ پڑھ رہا ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے۔ کیونکہ جاں کنی میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس وقت وہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے انکار کر دے اور اس کا خاتمہ اسی انکار کے اوپر ہو۔ اسی طرح اس کے

---

[1] الادب المفرد، دوسری صحاح کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

پاس بیٹھنے والے اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ آپؐ نے کہا ہے کہ اس وقت جو لوگ دعا کرتے ہیں فرشتے ان کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

جان نکلنے کے بعد جب مرنے والے کی جان نکل جائے تو فوراً اس کے اعضا درست کر دینا چاہیے۔ یعنی ہاتھ پیر سیدھے کر دو۔ آنکھ بند کر دو، اس کے بعد آنکھ بند کرتے وقت میت کا نام لے کر یہ دعا پڑھنی چاہیئے اللھم اغفر لفلان وارفع درجته فی المھتدین وافسح له فی قبرہ ونور له فیه (مسلم وابوداؤد) اور ایک کپڑے کی چٹ لے کر پیر کے دونوں انگوٹھوں کو ملا کر باندھ دو اور ایک چٹ لے کر اس کو اس کی داڑھی کے نیچے سے نکال کر سر کے اوپر لے جا کر باندھ دو تاکہ اس کی دونوں ٹانگیں برابر رہیں، پھیلنے یا کھڑی ہونے نہ پائیں اور منہ بند رہے۔ اس کے بعد ایک چادر سے اس کا پورا بدن ڈھک دیا جائے۔

چند اور ضروری باتیں (۱) مرنے کے بعد اس کے قریب کوئی خوشبودار چیز جلا دی جائے۔ مثلاً لوبان، اگربتی وغیرہ[۱] (۲) ناپاک مرد اور حیض و نفاس والی عورتیں مردے کے قریب نہ جائیں (۳) مرنے کے بعد سے مردے کو جب تک غسل نہ دے دیا جائے اس وقت تک اس کے پاس بیٹھ کر قرآن وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے[۲]

غسل و کفن جان نکلنے کے بعد فوراً اس کے دفن کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ دفن کرنے میں اس لئے دیر کرنا اچھا نہیں ہے کہ اس کے جنازہ میں زیادہ لوگ شریک ہوں البتہ کوئی بہت قریبی عزیز ہو تو اس کا تھوڑا بہت انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

غسل کا پانی بہتر یہ ہے کہ مردہ کو نیم گرم پانی سے نہلایا جائے اور اس میں اگر بیری کی پتی ڈال کر کچھ دیر پکا لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ بہت

---

[۱] ویحضر عندہ من الطیب (بحر الرائق ص۱۸۴ ج۲)

[۲] لان قرأۃ القرآن مکروہ عندہ حتی یغسل (بحر الرائق ص۱۸۵ ج۲)

گرم پانی سے غسل نہ دیا جائے بلکہ ہلکا گرم ہونا چاہیئے۔

غسل کا طریقہ پہلے مردہ کو کسی سخت چیز پر مثلاً تخت یا تختہ یا صاف پختہ زمین پر لٹا دو، اور اس کا کپڑا اُتار کر تہبند باندھ دو، پھر اس کو استنجا کراؤ استنجا کراتے وقت اس کی شرمگاہ پر نگاہ نہ پڑنے پائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک کپڑا لپیٹ لو اور تہبند کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کے پیشاب اور پاخانے کا مقام دھودو، پھر اس کو وضو کراؤ۔ وضو کرانے میں نہ تو کلی کراؤ اور نہ ناک میں پانی ڈالو بلکہ اس کی ناک، کان اور مُنہ میں صاف روئی ڈال دو تاکہ نہلاتے وقت ان کے اندر پانی نہ جانے پائے۔ اگر کسی مردے کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ ناپاکی کی حالت میں مرا ہے یا عورت حیض و نفاس کی حالت میں مری ہے تو وضو کے وقت اس کے منہ اور ناک میں ہلکے ہلکے پانی پہنچا دینا چاہیئے۔ وضو کے بعد اس کے سر کو خوب صابن وغیرہ سے مل کر دھونا چاہیئے۔ پھر اس کو بائیں کروٹ لٹا کر داہنے پہلو پر تین بار سر سے پیر تک پانی ڈالنا چاہیئے۔ پھر داہنی کروٹ لٹا کر بائیں پہلو سے پیر تک تین بار پانی ڈالنا چاہیئے۔ پانی ڈالتے وقت ہلکے ہلکے بدن ملنا چاہیئے۔ اب غسل ہو گیا۔ اب اس کا تہبند اتار کر دوسرا تہبند باندھ دینا چاہیئے اور وہاں سے اُٹھا کر دوسری جگہ لے جا کر کفن دینا چاہیئے اور اس کا بدن کفن دینے سے پہلے پونچھ دینا چاہیئے۔ اگر کوئی مرد مر جائے اور مردوں میں سے اس کو نہلانے والا کوئی نہ ہو تو اس کو اس کی بیوی غسل دے سکتی ہے اس کی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کو غسل دینا درست نہیں، خواہ وہ محرم ہی کیوں نہ ہو اور اگر بیوی بھی موجود نہ ہو تو اس کو تیمم کرا دینا چاہیئے، اس میں بھی یہ خیال رہے کہ اس کے جسم میں ہاتھ نہ لگنے پائے بلکہ ہاتھ میں دستانہ وغیرہ پہن لینا چاہیئے اور اگر کسی کی بیوی مر جائے تو شوہر کو اس کا غسل دینا جائز نہیں البتہ اس کو دیکھنا اور کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگانا جائز ہے[1] دوسرے ائمہ کے یہاں جائز ہے۔

---

[1] ولا یغسل الرجل زوجتہ والزوجۃ تغسل زوجھا (بحر الرائق ص ۲۸۹ ج ۲)

مُردوں کا کفن

مُردوں کے لئے تین کفن ہونے چاہئیں۔ ایک چادر، دوسرے تہبند، تیسرے کرتا۔ چادر کو لفافہ اور تہبند کو ازار اور کرتے کو قمیص اور کفنی بھی کہتے ہیں۔ چادر کی لمبائی آدمی کے قد سے ایک ہاتھ زیادہ ہو اور چوڑائی اتنی ہو کہ اس کا پورا جسم اس میں لپیٹ جائے۔ اسی طرح ازار کی چوڑائی تو چادر کے برابر ہو مگر لمبائی چادر سے ایک بالشت کم ہو اور کُرتے کیلئے جو چادر پھاڑی جائے اسکی چوڑائی تو اتنی ہو جتنی چادر اور ازار کی ہو۔ لیکن اس کی لمبائی گردن سے دونوں شرمگاہوں تک ہو۔ اس چادر کو بیچ سے اتنا پھاڑ دیں کہ اس میں سے سر چلا جائے بس اسی کا نام کرتا ہے۔

یہ تو کفن کا کپڑا ہوا۔ غسل دینے کے لئے تہبند اور دستانہ جس سے استنجا وغیرہ کرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہیں۔ اس طرح مُردوں کے کفن کے لئے زیادہ سے زیادہ بارہ گز کپڑا کافی ہے۔

عورتوں کا کفن

عورتوں کے کفن میں ان تین کپڑوں کے علاوہ دو کپڑے اور ہونے چاہئیں ایک سربند دوسرے سینہ بند، سینہ بند کی چوڑائی تو اتنی ہونی چاہیئے جتنی ازار وغیرہ کی ہوتی ہے، مگر لمبائی بغل سے لے کر گھٹنہ تک اور سربند ایک گز سے کم چوڑا اور ایک گز سے کچھ زیادہ لمبا ہونا چاہیئے۔

عورت کے کفن میں غسل دینے کے لئے تہبند اور دستانہ کے علاوہ پردہ کے لئے ایک چادر بھی ہونا چاہیئے اگرچہ اس کا نیا ہونا ضروری نہیں ہے۔

عورتوں کے کفن کے لئے اگر پردہ کی چادر اس میں سے نہ لی جائے تو ۱۸، ۱۹ گز کپڑا کافی ہوگا اور اگر پردہ کی چادر بھی اسی میں سے لی جائے تو ۲۱، ۲۲ گز کپڑا چاہیئے۔

ہدایت

اگر مُردوں کو دو کپڑوں اور عورتوں کو تین کپڑوں میں بھی دفن کر دیا جائے تو جائز ہے لیکن اس سے کم میں بغیر کسی مجبوری کے دفن کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

کفن دینے کا طریقہ

کفن دینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے کسی صاف چارپائی یا تخت یا چٹائی وغیرہ پر کفن والی چادر بچھا دی جائے پھر اس کے اوپر ازار

---

[1] ولا یقتصر علیہ ای علی الواحد بلاضرورۃ فانہ مکروہ بلاضرورۃ (مجمع الانہر)

والی چادر بچھا دی جائے اور اس کے اوپر کرتے کا نصف حصہ بچھا دیا جائے اور نصف لپیٹ کر سرہانے کیطرف کر دیا جائے اسکے بعد مردہ کو غسل کے تختہ سے اٹھا کر لے آئیں اور اسکے اوپر رکھدیں۔ اسکے بعد کرتے کے لپیٹے ہوئے حصّہ کو سر میں ڈال کر اسکی شرمگاہ تک پھیلا دیں۔ اس کے بعد تہبند اتار کر ازار کی چادر کو پہلے بایاں حصّہ پھر داہنا حصّہ لپیٹ دیں۔ اسی طرح چادر کو بھی لپیٹ دیں۔ اور چادر کے دونوں سروں کو ایک چٹ سے باندھ دیں۔ تاکہ کھُلنے نہ پائے۔ عورتوں کے کفن میں کرتا پہنانے کے بعد اُس کے سَر کے بالوں کو دو حِصّوں میں کر کے اس کے سینے کے اوپر ڈال دیں۔ پھر سربند کو اس کے اوپر ڈال دیں۔ اس کے بعد ازار کو لپیٹ دیں۔ پھر سینہ بند کو لپیٹ کر باندھ دیں پھر چادر لپیٹ دیں۔

بعض اور ضروری باتیں

(۱) کفن کے اوپر اور مردہ کی پیشانی اور سجدہ کی جگھوں پر کافور وغیرہ ملنا بہتر ہے۔ (۲) اگر مردہ کو غسل دینے کے لئے گھر کا کوئی صاف برتن یا کپڑا استعمال کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے (۳) کفن کا کپڑا بہت قیمتی نہ ہونا چاہیئے۔

نماز جنازہ کا بیان

جَنازہ ج پر زبر کے ساتھ مُردہ کو کہتے ہیں اور ج پر زیر کے ساتھ جِنازہ اس تختہ کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو لٹا کر غسل دیتے ہیں یا لے جاتے ہیں۔ مردہ کی دعائے مغفرت کے لئے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو نمازِ جنازہ کہتے ہیں [۱]

نمازِ جنازہ کا حکم

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی بستی کے بعض لوگوں نے پڑھ لی اور بعض نے نہیں پڑھی تو سب کے ذمہ سے فرض ادا ہو گیا لیکن اگر بستی کے کسی آدمی نے نہیں پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے۔ لیکن علم ہو جانے کے بعد ہر مسلمان کو اگر کوئی عذر نہ ہو تو شریک ہونا چاہیئے۔ اگر علم نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

نماز جنازہ کی شرطیں

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی دو طرح کی شرطیں ہیں۔ ایک تو وہ جنکا تعلق نماز پڑھنے والوں سے ہے۔ دوسری وہ جن کا تعلق

---

[۱] ان صلوٰۃ الجنائز ھی الدعاء للمیت اذ ھو المقصود (شامی ص ۸۱۴ ج ۱)

میت سے ہے۔

(۱) نماز پڑھنے[1] والوں کے لئے وہی تمام شرطیں موجود ہونی چاہئیں۔ جو عام نمازوں کے لئے ضروری ہیں۔ صرف دو باتوں میں فرق ہے۔ عام نمازوں کی جماعت کے چھوٹ جانے کا خوف ہو تو اس کے لئے تیمم نہیں کر سکتا اور نماز جنازہ کے چھوٹ جانے کا ڈر ہو تو اس کے لئے تیمم کر لینے کی اجازت ہے۔ دوسرے عام نمازوں میں رکوع اور سجدہ ہے اور اس میں رکوع اور سجدہ نہیں ہے۔

(۲) جو شرطیں میت سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں (۱) مردہ کا مسلمان ہونا (۲) مُردہ کا پاک ہونا[2]۔ (۳) کفن کا پاک ہونا۔ (۴) مُردہ کے ستر کا ڈھکا ہونا۔ (۵) مردہ کا نماز جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے زمین پر خواہ چارپائی پر رکھا ہونا۔ اگر وہ گاڑی یا سواری پر رکھا ہو تو جائز نہیں ہے[3]؟۔

نماز جنازہ کا طریقہ

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے۔ سب سے پہلے صفیں درست کی جائیں۔ اگر دو چار دس آدمی ہوں تو ایک صف بنائی جائے لیکن آدمی زیادہ ہوں تو پھر تین یا پانچ یا سات صفیں بنائی جائیں۔ بہتر یہ ہے کہ طاق صفیں بنائی جائیں۔ اس کے بعد امام یہ نیت کرے کہ خدا کے لئے اس جنازہ کی نماز پڑھتا ہوں اور یہ نماز اس میت کے لئے دعائے مغفرت ہے۔ تمام مقتدی بھی یہی نیت کریں۔ پھر امام بلند آواز سے تکبیرِ تحریمہ کہے اور مقتدی آہستہ سے تکبیرِ تحریمہ کہیں اور پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اس طرح باندھ لیں جس طرح عام نمازوں میں باندھتے ہیں پھر امام اور مقتدی

---

[1] وکل ما یعتبر شرطا لصحۃ سائر الصلوٰت من الطہارۃ الحقیقیۃ واستقبال القبلۃ وستر العورۃ والنیۃ یعتبر شرطا لصحۃ صلوٰۃ الجنائز۔

(عالمگیری ص ۱۴۶ ج ۱)

[2] وشرطہا اسلام المیت وطہارتہ مادام الغسل حکما۔ (فتاوی ہندیہ ص ۱۶۰ ج ۱)

[3] وکون المیت موضوعاً علی الارض فان علی دابتہ او ایدی الناس لم تجز الصلوٰۃ (بہشتی زیور ج ۱ ص ۹۲)

دونوں ثنا پڑھیں۔ اس نماز کی ثنا میں وَتَعَالٰی جَدُّكَ کے بعد وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ بھی پڑھنا چاہیئے۔ ثنا پڑھنے کے بعد بغیر ہاتھ اٹھاتے ہوئے امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے اللہ اکبر کہیں پھر وہ درود آہستہ سے سب لوگ پڑھیں جو عام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کے بعد امام اور مقتدی بغیر ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہیں۔ اگر مردہ بالغ مرد، یا بالغ عورت ہو تو امام اور مقتدی دونوں یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ [1]

اے اللہ! ہمارے زندوں، ہمارے مُردوں ہمارے حاضروں، ہمارے غائبوں، ہمارے چھوٹوں، ہمارے بڑوں، ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو تو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے اس کو تو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے اس کو ایمان کے ساتھ موت دے۔ اے اللہ تو اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہم کو گمراہ نہ کرنا۔

احادیث میں یہ دعا بھی آئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ

اے اللہ! تو اسے بخش دے، اس کے اوپر رحم کر، اس کو معاف کر دے، اور اس کو اپنی حفاظت میں لے لے، اور اس کو اچھا ٹھکانا دے، اور اس کی قبر وسیع کر، اور اس کو پانی، برف اور اولے سے دھو دے اور اس کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہوتا ہے اور اس کو اس دنیا کے گھر سے اچھا گھر اور اس کے خاندان سے اچھا خاندان اور یہاں کی شریک زندگی سے

---

[1] احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ ونسائی۔

الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ [۱]	اچھی شریک زندگی نصیب کر، اس کو جنت میں داخل کر، اور قبر اور دوزخ کے عذاب سے اسے بچا۔

بہتر یہ ہے کہ دونوں دعاؤں کو ملا کر پڑھ لیا جائے یا اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں۔ وہ پڑھے۔

یہ تو بالغ مردوں اور عورتوں کی دعا تھی۔ نابالغ لڑکے کے لئے یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا [۲]	اے اللہ! اس لڑکے کو ہماری مغفرت کا پیش خیمہ اور ذریعہ بنا اور اس کو ہمارے لئے اجر اور آخرت کا سامان بنا اور اس کو ہمارا سفارشی بنا۔ اور اس کو ایسا سفارشی بنا جس کی سفارش قبول کی جائے۔

اگر نابالغ لڑکی ہو تو یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْهَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّ اجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً [۳]	اے اللہ اس لڑکی کو ہماری بخشش کا ذریعے بنا اور اس کو ہمارے لئے اجر اور ذخیرۂ آخرت بنا اور اس کو ہمارا سفارشی بنا اور ایسا سفارشی بنا جس کی سفارش ٹھکرائی نہ جائے۔

---

[۱] مسلم۔ [۲] حدیث میں آتا ہے کہ جس کے چھوٹے معصوم بچے مر جاتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنے ماں باپ کے حق میں سفارش کریں گے۔ بشرطیکہ والدین نے اس موت پر صبر کیا ہو۔

[۳] بچے اور بچی کے جنازے کے لئے فقہ کی کتابوں میں عام طور پر دعا کے یہی الفاظ درج ہیں، مگر حدیث کی کتابوں میں یہ الفاظ نظر سے نہیں گذرے البتہ بچوں کی موت اور ان کے اجر کے سلسلہ میں اس دعا کے مختلف الفاظ وارد ہوتے ہیں، انہی کی روشنی میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کا ذکر کیا ہے جس کا ذکر تعلیقاً

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

یہ دعا پڑھنے کے بعد بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے امام بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ سے پھر تکبیر کہیں، اور تکبیر کہہ کر دونوں اسی طرح سلام پھیریں جس طرح نماز میں سلام پھیرا جاتا ہے۔ اس نماز کے بعد دعا نہ کرنی چاہیئے۔ اگر امام بھولے سے تیسری تکبیر پر سلام پھیر دے تو فوراً چوتھی تکبیر کہہ کر دوبارہ سلام پھیر دے (مراقی الفلاح صـ۱۱۵) نماز جنازہ میں دو چیزیں فرض ہیں (۱) ایک کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا (۲) دوسرے چار تکبیروں کا کہنا۔

نماز جنازہ اور قبر کے بارے میں چند ضروری باتیں

(۱) قبر پر ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مردہ کی مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بہتر ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کرنا ثابت ہے مسلم شریف میں ہے۔

حتی جاء البقیع فقام فاطال القیام، ثم رفع یدیہ ثلث مرات ۔ (ج ۱ صـ۳۱۳)

(۲) جو بچہ زندہ پیدا ہو جانے کے بعد مر جائے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھنا ضروری ہے اور اس کا نام بھی رکھ دینا چاہیئے۔

(۳) نماز جنازہ مسجد کے اندر یا قبر کو آگے کر کے پڑھنا مکروہ ہے، مسجد کے اندر اسلئے کہ وہ زندوں کی نماز کی جگہ ہے اور قبر کو سامنے کرنے کی ممانعت اس لئے آئی ہے کہ عوام کے دلوں میں قبروں کی عظمت اور تعظیم کا خیال نہ پیدا ہو۔ اب سوچئے کہ جب قبر کو سامنے کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے تو پھر وہ لوگ جو قبروں کو چومتے ان پر چادر چڑھاتے اور ان کے سامنے بیٹھ کر دعا کرتے ہیں۔ وہ کتنا بڑا گناہ کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کے سب سے محبوب بندے تھے۔ انہوں نے اپنی قبر پر بھی یہ سب کرنے سے منع فرمایا ہے تو دوسری قبروں کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امام بخاری نے کیا ہے۔ بہتر ہے کہ اس دعا کے ساتھ وہ دعا بھی پڑھ لی جائے جو بڑوں کے لئے لکھی گئی ہے اور جنازہ کی ثنا کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا بھی بعض صحابہ سے ثابت ہے اس لئے دعا کی نیت سے پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(عینی شرح بخاری)

کیا شمار وقطار۔

(۴) جنازہ لے کر چلنے والے اگر کلمہ وغیرہ پڑھیں تو آہستہ آہستہ پڑھیں۔ آواز کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔

خودکشی خودکشی کرنا حرام ہے مگر خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے دفن کیا جائے گا۔ خودکشی حرام ہے اس لئے ممتاز علماء کو ایسے آدمی کی نماز جنازہ عبرت کے خیال سے نہ پڑھنی چاہیئے (شامی ج ا کتاب الجنائز)

(۵) میت کو قبر میں رکھ کر داہنے پہلو پر پورب کی دیوار سے لگا کر قبلہ رو لٹانا مناسب ہے، عام طور پر لوگ چت لٹا دیتے ہیں۔ اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ یہ سنت کے خلاف ہے مگر گناہ نہیں ہے۔ اور میت[1] کو قبر میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیئے' بسم اللہ وعلیٰ ملّۃ رسول اللہ۔

(۶) مٹی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مٹی اٹھا کر تین دفعہ قبر پر ڈالیں اور پہلی بار مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور دوسری بار وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری بار وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى پڑھیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ہم نے تم کو اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں پھر لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ قیامت میں اٹھائیں گے۔

(۷) دفن کرنے کے بعد کچھ دیر کھڑے ہو کر میّت کے لئے دعائے مغفرت کرنا سنت ہے آپؐ نے فرمایا ہے کہ دفن کرنے کے بعد اس کے سرہانے سورۂ بقر کی ابتدائی آیتیں اور پینتانے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھی جائیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ سب لوگ انتظار کریں اور جب قبر برابر ہو جائے تو سب ایک ساتھ مل کر دعا کریں۔ بلکہ ہر شخص کو الگ الگ دعائے مغفرت کرنی چاہیئے۔ اگر ایک ساتھ کریں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

(۸) قبرستان پہنچکر گپ شپ اور اِدھر اُدھر کی باتیں نہ کریں۔ بلکہ خود اپنی موت کا خیال

---

[1] ویستحب ان یقول واضعه بسم اللہ وعلی ملّۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شرح تنویر ص۱۲۵ ج ۱)

رکھیں اور موت کو اپنی نظر کے سامنے لائیں کہ ایک دن ان کو بھی لوگ اسی طرح سنسان مقام پر لاکر دفن کر دیں گے پھر ان کا عمل ہو گا، اور وہ ہوں گے۔

(۹) جنازہ کے ساتھ عورتوں کا جانا مکروہِ تحریمی ہے[۱]

(۱۰) نمازِ جنازہ میں اس لئے دیر کرنا کہ آدمی زیادہ ہو جائیں مکروہ ہے۔[۲]

(۱۱) جنازہ کے آگے سواری پر چلنا مکروہ ہے۔

(۱۲) قبر کو بہت زیادہ اونچی نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اُونٹ کی پیٹھ کی طرح ایک بالشت اونچی بنانا چاہیئے۔ اور چبوترے کی طرح نہ بنانا چاہیئے۔ اسی طرح قبر کو پختہ بنانا یا اس کے اُوپر قبہ وغیرہ بنانا حرام ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک بہت سی شرعی مصلحتوں کے سبب سے اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۱۳) اگر ایک ہی وقت میں کئی جنازے ہوں تو ہر ایک کی الگ الگ نماز پڑھنا چاہیئے۔[۳] اگر ایک ساتھ ہی پڑھ لی گئی تو بھی جائز ہے۔

(۱۴) کوئی شخص نمازِ جنازہ میں اُس وقت شریک ہوا جب پہلی تکبیر ہو چکی ہے تو جب نماز ختم ہو جائے تو وہ سلام پھیرنے سے پہلے اپنی چھوٹی ہوئی تکبیر کہہ کے پھر سلام پھیرے۔ چھوٹی ہوئی دعا پڑھنی ضروری نہیں ہے اس لئے کہ تکبیر کہنا فرض ہے اور دُعا پڑھنا سنت ہے۔

(۱۵) جنازہ کی نماز پڑھانے کا حق سب سے پہلے اسلامی حکومت کے اعلیٰ ذمہ دار کو ہے پھر اس کے نائب کو، پھر جامع مسجد کے امام کو پھر محلہ کے امام کو پھر ولی کو ہے[۴]

(۱۶) ولی کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو نماز نہ پڑھانی چاہیئے۔ اگر کسی نے پڑھادی تو اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اوپر جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کو ولی کی اجازت

---

[۱] لعن اللہ زوارات القبور (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

[۲] وکرہ تاخیر صلوٰتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوٰۃ الجمعۃ (شرح التنویر ص ۱۲۴ ج ۱)

[۳] اذا اجتمعت الجنائز فالافراد بالصلوٰۃ لکل منہا اولیٰ (نور الایضاح ص ۱۲۹)

[۴] السلطان احق بصلوٰتہ ثم القاضی ثم امام الحی ثم الولی (نور الایضاح ص ۱۳۸)

کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان کی حیثیت خود ولی کی ہے[1]

(۱۷) امام نے یا کسی مقتدی نے غلطی سے تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیا تو نماز ہوگئی دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۸) اگر کوئی شخص پانی کے جہاز پر انتقال کر جائے اور خشک زمین وہاں سے اتنی دور ہو کہ وہاں تک پہنچنے میں نعش کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو غسل و کفن دے کر اور نماز پڑھ کر دریا یا سمندر میں ڈال دینا چاہیئے۔

(۱۹) دفن کر دینے کے بعد قبر کھود کر مردہ کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ہے۔

(۲۰) میت کا جہاں انتقال ہو وہیں دفن کرنا چاہیئے لیکن اس کا گھر یا اعزہ بالکل قریب ایک دو میل پر رہتے ہوں تو وہاں لے جا سکتے ہیں زیادہ دُور ہو تو جائز نہیں ہے۔

(۲۱) زندگی ہی میں اپنے لئے کفن تیار رکھنا تو جائز ہے لیکن قبر بنا رکھنا مکروہ ہے اس کو کیا معلوم ہو کہ وہ کہاں مرے گا۔

نماز جنازہ عصر اور فجر کے بعد

(۲۲) عصر کی نماز کے بعد جب تک آفتاب بالکل زرد نہ ہو جائے نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور سجدۂ تلاوت بھی زرد ہونے کے بعد مکروہ ہے، اسی طرح فجر کی نماز کے بعد بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اور سجدۂ تلاوت بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۲۳) مرنے کے بعد مسلمان مُردوں کا ذکر بُرے الفاظ سے نہ کیا جائے۔ اگر اس میں کوئی بُرائی ہو تو اس کی تعریف نہ کی جائے، لیکن خواہ مخواہ بُرائی نہ کرنا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مُردوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو۔ لیکن اگر اس کے غلط طرزِ عمل کو لوگ مثال بنائیں تو اس کی غلطی کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بتا دینا بھی ضروری ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔

تعزیت

(۱) جس گھر میں موت ہو جائے اس گھر کے لوگوں کو تسکین دینا اور ان کو صبر و شکر

---

[1] ولا یعید الولی ان صلی الامام الاعظم او السلطان او القاضی او امام الحی لان هؤلاء اولی منه (فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۱۶۱)

کی تلقین کرنا سنت ہے۔ اسی کو شریعت میں تعزیت کہتے ہیں۔ آپؐ خود بھی لوگوں کے یہاں جاکر تعزیت فرمایا کرتے تھے اور ان کو صبر کی تلقین کرتے تھے۔

(۲) تعزیت میں یہ بھی شامل ہے کہ جس گھر میں موت ہوگئی ہے اس کے یہاں کھانا وغیرہ بھیجدیں۔ مگر تین وقت سے زیادہ کھانا نہ بھیجنا چاہیئے۔

(۳) تین دن کے بعد تعزیت کے لئے جانا مکروہ ہے۔ البتہ باہر سے آنے والوں کے لئے تین دن کی قید نہیں ہے۔

(۴) بعض عورتیں میت کے گھر میں تین دن تک چولھے میں آگ جلانے کو بُرا سمجھتی ہیں یہ بالکل جاہلانہ خیال ہے۔ اس خیال سے آگ نہ جلانا گناہ ہے۔

ذِکر و دُعَا

اسلام نے دو طرح کی عبادات ضروری قرار دی ہیں۔ ایک وہ عبادات جو ایک خاص وقت، خاص مقام، خاص ہیئت اور خاص شرائط کے ساتھ فرض کی گئی ہیں، جیسے نماز، روزہ حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ۔ نماز کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا ہے:۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا (نساء)	بے شک نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔

روزے کے بارے میں ہے۔

فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ (بقرہ)	جو رمضان کے مہینہ میں موجود ہو۔ وہ اس میں روزے رکھے۔

حج کے بارے میں فرمایا گیا ہے

اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (بقرہ)	حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ اور جہاد کے لئے بھی مخصوص شرائط اور اوقات ہیں۔

دوسری وہ عبادات ہیں جن کی ادائیگی کے لئے نہ تو وقت کی قید ہے نہ مقام کی، نہ ان کے

لئے خاص شرطیں ہیں نہ مخصوص ہیئت۔ آدمی گھر میں ہو یا گھر سے باہر، سفر میں ہو یا حضر میں، بیٹھا ہوا ہو یا لیٹا ہوا، کاروبار کی تگ ودو میں ہو، یا میدان جہاد کی ہماہمی میں، وہ ہر وقت ہر آن اور ہر موقع ومحل میں اس کو ادا کر سکتا ہے۔ خواہ زبان سے ادا کرے یا دل سے، انہی عبادتوں کو کتاب وسنت میں ذکر ودعا، تسبیح وتہلیل، تحمید وتکبیر، استعاذہ واستغفار کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَّ	اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام
سَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ٥ (احزاب)	اس کی پاکی بیان کرو۔
اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا	اہل عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے
وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔	بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

(آل عمران)

ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے بے شمار احکام ہیں مجھ کو ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ جسے زیادہ مضبوطی سے تھام لوں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ	خدا کے ذکر سے ہر وقت تمہاری زبان
ذِكْرِ اللّٰهِ[1]	تر رہے۔

خود آپؐ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:۔

يَذْكُرُ كُلَّ أَحْيَانِهِ[2]	ہر آن آپؐ خدا کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

پہلی قسم کی عبادات فرض قرار دی گئی ہیں اور دوسری قسم کی عبادات فرض تو نہیں قرار دی گئی ہیں مگر اپنے روحانی اثر ونتیجہ کے اعتبار سے ان کی حیثیت اور اہمیت فرض سے کم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں زندگی کے ہر پہلو ہر موڑ اور ہر موقع پر ذکر ودعا، استعاذہ اور استغفار اور تحمید وتکبیر کی ترغیب ہی نہیں بلکہ تاکید بھی کی گئی ہے۔ پہلی قسم کی عبادات میں نماز کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بیان آگے آتا ہے۔ اس بیچ میں دوسری قسم

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ [2] شمائل ترمذی

کی عبادات کا ذکر نماز کے بعد ہی اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ان کو سب سے زیادہ مناسبت نماز ہی سے ہے۔

دعا انسان کی فطرت کی پکار ہے

عبادت کی طرح دُعا مانگنا بھی انسان کی فطرت کا تقاضا ہے جب ہم مبتلائے آلام ہوتے ہیں اور مصیبتیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں تو ہمارے ہاتھ دُعا کے لئے بے اختیار اُٹھ جاتے ہیں۔ اس حال میں دل مضطرب سے جو الفاظ بے ساختہ نکلتے ہیں اور بیچارگی کے عالم میں جو آواز دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے اسی کا نام دُعا ہے۔ قرآن انسان کی اسی فطرت کی پکار کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا۔ (یونس)	جب انسان کو کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کو لیٹے بیٹھے۔ کھڑے ہر حالت میں بلاتا ہے۔

لیکن انسان کی اس جبلت میں اعتدال قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ دُعا صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے۔ کیونکہ اللہ کا تصوّر ایک کامل، بلند اور عظیم تر ہستی کا تصور ہے۔ اور صرف اسی ذات کو پکارنے سے انسان کا شرفِ انسانیت محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور اپنے جیسوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کفار و مشرکین نے یوں بہت سے خدا بنا رکھے تھے مگر مصیبت و تکلیف کے وقت صرف خدائے واحد کو یاد کرتے اور اسی سے دعا کرتے تھے اور صرف اس سے دعا کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ توحید انسان کی فطرت کے اندر داخل ہے اور شرک سے اس کی فطرت ابا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ مصیبت کے وقت جب انسان اپنی فطرت کے قریب ہوتا ہے تو سارے خدا اس سے غائب ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدا کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔

ذکر و دُعا کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں خدا کی یاد اس طرح بس جائے کہ دوسری تمام یادیں اس میں ضم ہو جائیں۔ اس کی محبت اور عظمت کا ایسا قوی اور متحرک احساس پیدا ہو جائے کہ دوسری تمام محبتیں اور عظمتیں ماند پڑ جائیں۔ قلب و دماغ اور

برتاؤ میں عاجزی اور درماندگی، بے چارگی اور شکستگی اور ذل و افتقار کی وہ کیفیت پیدا ہوجائے جو ایمان و اسلام کی رُوح اور اطاعت و عبادت کا حاصل ہے۔ آدمی جو کہے اسی سے کہے، جو چاہے اور مانگے اسی سے چاہے اور مانگے۔ تکلیف ہو یا آرام، بدحالی ہو یا خوشحالی ہر صورت اور ہر حالت میں وہ صابر اور شاکر رہے، اس کی نظر سبب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہو۔ جو عبادتیں مخصوص ہیئت اور مخصوص وقت و مقام کے ساتھ فرض کی گئی ہیں ان کا مقصود بھی یہی کیفیات پیدا کرنا ہے نماز ہی کو لیجئے۔ اُس کے ایک ایک رُکن اور اس کی ایک ایک ہیئت اور اس میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے ایک ایک جُزو سے ان کیفیات کا اظہار ہوتا ہے خاص طور پر سجدہ کی ہیئت اور سورۂ فاتحہ کی قرأت سے یہ کیفیتیں سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔ غالباً اسی لئے سورۂ فاتحہ کی قرأت کو ہر رکعت میں ضروری قرار دیا گیا ہے اور ایک رکعت میں دو سجدے فرض کئے گئے ہیں جب کہ دوسرے ارکان رکوع اور قومہ وغیرہ ایک ہی بار فرض کئے گئے ہیں اور ایک نماز کی ہر رکعت میں کسی ایک ہی سورت یا آیت کا دہرانا پسند نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد قدسی سے ہوتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سعادت نواز کے ذریعہ سامعہ نواز ہوئی ہے۔

قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ فَاِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَكَرَّةً فَوَّضَ اِلَيَّ عَبْدِيْ فَاِذَا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔ اور میرے بندہ نے جو مانگا وہ اسے ملے گا۔ جب نمازی الحمدللہ رب العلمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری حمد بیان کی جب وہ اپنی زبان سے الرحمٰن الرحیم کی صدا لگاتا ہے تو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف کی جب اس کی زبان سے مالک یوم الدین کا کلمۂ اقرار نکلتا ہے تو فرماتا ہے کہ

قَالَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ○ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی اور ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ میرے بندہ نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا۔ جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا پر طاعت کلمہ زبان سے کہتا ہے تو (بندہ کی اس ادا سے خوش ہو کر) فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ دونوں کے لئے ہے اور میرے بندہ نے جو مانگا اُسے وہ ملا پھر جب وہ کہتا ہے، اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ، تو خدا نے فرمایا ہے کہ یہ سارا میرے بندہ کا حصہ ہے اور اس نے جو مانگا اسے مل گیا۔

بندے کی عاجزی و خاکساری کا اظہار سب سے زیادہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے یہ حالت قربِ خداوندی کا سب سے مؤثر ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔

بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے تو اس حالت میں کثرت سے دُعا کیا کرو۔

(المنتقی بحوالہ مسلم، ابوداؤد)

اسی طرح دوسری عبادتوں روزہ، حج، زکوٰۃ میں یہ کیفیات جتنی زیادہ پیدا ہوتی ہیں ان کا اجر اسی اعتبار سے زیادہ ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ اگر ایمان و اطاعت اور عبادت و ریاضت کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کو اپنے رب سے گہرا تعلق ہو اور اس میں رغبت و رہبت، ذل و افتقار آخرت کی باز پرس کا قوی جذبہ پیدا ہو حاجت مندیوں اور نیاز مندیوں کا تعلق مخلوق سے ٹوٹ کر خالق سے جُڑ

جائے۔ اس کے ضمیر میں عبدیت کا یہ احساس پیدا ہو کہ وہ اس دنیا میں آزاد نہیں ہے۔ بلکہ خدا کا خلیفہ اور اس کی تمام نعمتوں کا امین ہے۔ وہ نہ تو اپنی بڑائی جتلانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور نہ دوسروں کی بڑائی اور عظمت کے آگے سرنگوں ہونے کے لئے، تو یہ تمام باتیں ذکر و دُعا سے بدرجہ اتم پیدا ہوتی ہیں۔ اور اگر ذکر و دعا پورے شعور اور جذبہ محبت سے کی جائے تو اس سے ایمان میں جلاء اور حلاوت اور اطاعت و عبادت میں استقامت اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن میں ذکر و دُعا کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اور حدیث کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پُر سعادت سے ذکر و دعا کے جو الفاظ منقول ہیں۔ ان کو جب آپ حضورِ قلب کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کریں گے تو ان کے ایک ایک لفظ میں آپ کو اپنے دل کی ترجمانی، اپنے حالات کی نمائندگی اور پریشانی اور بے چینی کی حالت میں اطمینانِ قلب کا سامان ملے گا۔ ان میں آپ کو بہت سی ایسی داخلی و خارجی ضرورتوں کا ذکر ملے گا جن کی طرف بہ آسانی ہر انسان کا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ ان معصوم الفاظ کے ذریعہ خدا کے حضور میں جب آپ اپنی کوئی التجا پیش کریں گے تو آپ کو ایسا محسوس ہو گا کہ آپ کے اور خدا کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹ گئے ہیں واسطوں کی تمام زنجیروں کو توڑ کر آپ براہِ راست بارگاہِ قدس میں پہنچ کر اپنی عرضداشت پیش کر رہے ہیں اور خود آپ کی شخصیت آپ کے آئینۂ ضمیر میں بے نقاب ہو کر سامنے آجائے گی۔ بندہ کی غلطی ہے کہ وہ خدا کو اپنے سے دُور سمجھتا ہے۔ وہ تو خود اس کی شخصیت سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق) — میں بندے سے اس کے رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

وَاِذَا سَئَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (بقرہ) — جب کوئی بندہ تم سے میرے بارے میں پوچھتا ہے تو بتا دو میں قریب ہی ہوں دعا کرنے والا جب بھی پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔

ان ہی وجوہ کی بنا پر قرآن و حدیث میں ذکر و دعا کی بار بار تاکید آئی ہے۔ گذشتہ تمام

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں اس کو خصوصیت سے اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں ان کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے وہاں ان کی مخصوص دعاؤں کا بھی ذکر ہے۔ یہ عبدیت کا سب سے بڑا مظہر اور مرقع ہے اسی لئے ترکِ دُعا پر خالقِ کائنات نے وعید فرمائی ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ٥ (مومن)

تمہارے رب نے کہا اے لوگو! مجھ سے دعائیں مانگتے رہو۔ میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ جو لوگ میری اس عبادت سے سرتابی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:-

مَنْ لَمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ (ترمذی)

جو اللہ سے مانگتا نہیں اللہ تعالیٰ اس سے غضبناک ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار آپؐ نے فرمایا۔

اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔[1]

دُعا ہی عبادت کی رُوح ہے۔

یہ فرمانے کے بعد بطور استدلال پھر قرآن کی مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:-

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔

دعا عبادت کا مغز ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:-

لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ[2]

بارگاہِ خداوندی میں دعا سے زیادہ قابلِ عزوشرف کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

ذکر و دعا کی یہ حیثیت بھی بہت ہی اہم اور قابلِ اتباع ہے کہ آپؐ سے جو اذکار اور

---

[1] احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ [2] ترمذی، ابن ماجہ

ادعیہ ثابت ہیں وہ آپؐ کے پیغام کا عملی مرقع اور آپؐ کی سیرت و اسوہ کی بہترین مثال و ترجمان ہیں آپؐ کے پیغام کی ہمہ گیری کا صحیح سراغ اگر آپؐ کی سیرت اور اسوہ سے لگانا چاہتے ہیں۔ تو جلوت کے واقعات کے ساتھ آپؐ کی خلوت کی ان التجاؤں اور دعاؤں کے ایک ایک لفظ کا مطالعہ کیجئے اور ان کیفیتوں کو محسوس کرنے کی کوشش کیجئے جو آپؐ کے دلِ مضطرب میں پیدا ہوتی تھیں آپ کو ان دعاؤں میں توحید کا اعلیٰ تصور، اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا جذبۂ بے پایاں اور آخرت کی باز پرس کا پرشور احساس ملے گا۔ حاجت روائیوں اور نیازمندیوں کے سارے رشتے مخلوق کے بجائے خالق کے دامنِ رحمت سے بندھے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان میں آپ عبادت کا ذوق و شوق اور اس کی لذت و حلاوت کی طلب پائیں گے۔ حسنِ خلق، حُسنِ عمل اور حسنِ سلوک کی توفیق کی عاجزانہ درخواست اور منکرات و منہیات سے بچنے کی سچی اور بے تابانہ خواہش ملے گی، ان سے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انسان دوستی، بھائی چارگی اور سارے انسانوں کی ان ضروریات تک پورا کرنے کا دردمندانہ جذبہ ملے گا۔ جن تک عام انسانوں کی نظریں مشکل سے پہنچتی ہیں۔ منبر و محراب اور جلوت کی اچھی اور عمدہ باتوں کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں اس لئے کہ اس میں مصلحت اندیشی اور حالات کے دباؤ کا امکان ہوتا ہے (یہ بات بفرضِ محال کہی گئی ہے ورنہ نبی کی ذات اور خاص طور پر ختم المرسلین کی ذات اس سے بہت بلند ہے) لیکن خلوت کی باتوں میں آدمی بے حجاب ہوتا ہے، یہاں واقعی وہ جو کچھ ہوتا ہے وہی نظر آتا ہے، اس کے احساسات اور جذبات کا اظہار یہاں بغیر کسی تصنع اور بناوٹ کے ہوتا ہے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے، وہ مفروضات نہیں ہیں، بلکہ حقائق ہیں۔ ہم یہاں قرآن کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند جامع دعائیں نقل کرتے ہیں۔ ان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک مومن کی زندگی میں دُعا کا کیا مقام ہے۔ اور کیا ہونا چاہیئے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا	اے ہمارے پروردگار تو ہمیں اس دُنیا
حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ	میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی کامیاب
حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ	کر، اور دوزخ کے عذاب سے

النَّارِ (بقرہ) — بچا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ	اے ہمارے پروردگار تو ہماری گرفت
اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ	نہ کرنا اگر بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں۔
عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ	اے ہمارے پروردگار! ہم پر کوئی ایسا
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا	بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے اگلوں
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا	پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ	کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالنا۔ جسے ہم سہار نہ
عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَآ	سکیں ہم کو معاف کر، ہم کو بخش دے، ہم پر
اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا	رحم کر، تو ہمارا کارساز ہے، ہم کو کافروں
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝	پر غالب کر۔

(بقرہ)

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ	اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ	بڑا ظلم کیا ہے، اگر تو ہم کو معاف نہ کرے
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ (اعراف)	گا تو ہم بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔

ان دونوں دعاؤں کو پڑھتے ہوئے اپنے نفس کا احتساب کیجئے اور چشم نم کے ساتھ اپنی دانستہ غلطیوں اور نادانستہ بھول چوک کو یاد کرنے کی کوشش کیجئے پھر دیکھئے کہ آپ کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ	اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو کج
اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ	نہ کرنا، بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی
لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ	ہے، اور ہم کو اپنی رحمت خاص عنایت کر،
اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔ (آلِ عمران)	بلاشبہ تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔

اس دعا کو پڑھتے ہوئے اپنے ذہن میں اس بات کو اچھی طرح تازہ رکھیے کہ ہدایت کے بعد بھی قلب مومن کو کجی اور زیغ کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اس خطرہ سے تحفظ کا صرف ایک ہی

راستہ ہے کہ رحمتِ الٰہی اور توفیق ایزدی شاملِ حال رہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ:۔

لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ (مسلم)

میرے دل پر بھی کبھی گرد و غبار آجایا کرتا تھا اور (اس کے علاج کے لئے) میں دن میں سو سو بار استغفار کرتا رہتا ہوں۔

اسی مفہوم کی ایک دعا اور ہے:۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (آل عمران)

اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو اور اپنے کاموں میں ہم سے جو زیادتی ہو گئی ہو اسے تو معاف کر دیجئے ہم کو ثابت قدم رکھیے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کیجئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی چند جامع دعائیں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضور سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسی جامع دعا مجھے سکھا دیں جسے میں ہر روز صبح و شام پڑھتا رہوں۔ آپؐ نے ان کو یہ دعا تلقین فرمائی:۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ[۱]

اے اللہ! جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جو غائب و حاضر کو جانتا ہے جو ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں اپنے نفس اور شیطان کے شر اور اس کے شرک سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

⁂

۱؎ حدیث میں شرکہ کا لفظ ش کے زیر اور زبر دونوں کے ساتھ آیا ہے زبر جب ہوگا تو اس کے معنی جال اور پھندے کے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِی الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ۔ (مسلم)	اے اللہ! میرے لئے میرے دین کو درست رکھ کہ وہ میری زندگی کے ہر کام کا سہارا اور بچاؤ ہے اور میرے لئے میری دنیا کو درست کر دے کہ اس میں مجھے زندگی گزارنی ہے اور میرے لئے میری آخرت کو سنوار دے کہ وہیں مجھے پلٹ کر جانا ہے اور اس مستعار زندگی کو نیکی اور بھلائی میں زیادتی کا سبب بنا اور موت کو تمام تکلیفوں اور فتنوں سے نجات و راحت کا ذریعہ بنا۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں آپؐ یہ بھی دُعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی	اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری پاکدامنی اور فارغ البالی مانگتا ہوں۔

(مسلم، ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہ رضؓ کو یہ دعا بہ تاکید تلقین فرمائی ہے۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ شَاْنِیْ کُلَّهٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ (مستدرک، حاکم، نسائی)	اے حی و قیوم (ہمیشہ زندہ اور کائنات کو تھامنے والے) میں تیری رحمت کے واسطے سے فریاد کرتا ہوں کہ میری ہر حالت اور ہر کام کو درست کر دے اور مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔

ان دعاؤں کو پڑھتے وقت یہ بات ذہن میں رکھیے کہ نفس کی شرارت سے زیادہ کوئی اور چیز پناہ مانگنے کی نہیں، دین و دنیا کی ساری تباہی اور فساد کا سبب یہی "شریر نفس" ہے

آپؐ نے ایک بار فرمایا کہ دو کلمے ہیں جو رحمٰن کو پیارے ہیں اور زبان پر ہلکے ہیں اور میزانِ قیامت میں بھاری ہوں گے۔ وہ یہ ہیں:۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (بخاری، مسلم)	خدا کی پاکی بیان کرتا ہوں، اور اُس کی ثنا و تعریف کرتا ہوں۔ اللہ جو بڑا ہے۔

ایک اور جامع دعا ملاحظہ ہو۔ اس میں انسان کی بعض ایسی ضرورتوں کا اظہار ہے جس کی طرف عام انسانوں کا ذہن مشکل سے منتقل ہوگا:۔

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ	اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں،
مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ	ناپسندیدہ اخلاق، اعمال اور نفسانی خواہشوں
وَالْاَهْوَآءِ وَالْاَدْوَاءِ نَعُوْذُبِكَ مِنْ	اور بیماریوں سے اور ہم تیری پناہ میں
شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ	آتے ہیں، ہر اس چیز سے جس سے تیرے نبی
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے
وَسَلَّمَ وَمِنْ جَارِ السُّوْءِ	اور مستقل قیامگاہ میں برے پڑوسی سے
فِيْ دَارِ الْمُقَامَةِ فَاِنَّ	(اس لئے کہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا
جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ	ہے) اور دشمن کے غلبہ سے اور دشمن کے
وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ	طعنہ سے اور بھوک سے کہ وہ بری ہم خواب
الْاَعْدَآءِ وَمِنَ الْجُوْعِ	ہے اور خیانت سے کہ وہ بری ہمراز ہے
فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ	اور اس سے کہ اُلٹے پیروں لوٹ جائیں
وَمِنَ الْخِيَانَةِ فَبِئْسَتِ	یا فتنہ میں پڑ کر دین سے الگ ہو جائیں
الْبِطَانَةُ وَاَنْ نَرْجِعَ	اور ان سارے فتنوں سے جو ظاہری ہوں
عَلٰٓى اَعْقَابِنَا اَوْ نُفْتَنَ	یا باطنی اور بُرے دن سے اور بُری رات
عَنْ دِيْنِنَا وَمِنَ الْفِتَنِ	سے اور بری گھڑی اور بُرے ساتھی

ل یہ جملہ امت کے ان افراد کی طرف سے ہے جو دعا کریں۔

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَمِنْ يَوْمِ السُّوْءِ وَمِنْ لَيْلَةِ السُّوْءِ وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْءِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْءِ ۔ سے۔

(ترمذی عن ابی امامہ)

کسی نعمت کا ملنا اور کسی خوشی کا حاصل ہونا ایک عطیۂ خداوندی ہے لیکن جو نعمت و مسرّت بے سان وگمان اور اچانک ملے اس کی مسرّت ہی کچھ اور ہے، اسی طرح مصیبت اگر ایک بار پناہ مانگنے کی چیز ہے تو وہ مصیبت جو اچانک اور ناگہانی پیش آئے اس سے سو بار پناہ مانگنے کی ضرورت ہے جن لوگوں کو اس سے سابقہ پڑا ہے وہ اس کی چوٹ کو جانتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک دُعا میں اول الذکر کی دُعا مانگی ہے اور ثانی الذکر سے پناہ مانگی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَجَاءَةِ الْخَيْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فَجَاءَةِ الشَّرِّ۔ اے اللہ! میں تجھ سے چاہتا ہوں بھلائی غیر متوقع اور اے اللہ! ناگہانی برائی اور مصیبت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(کتاب الاذکار نووی)

تمام شرور و معاصی کا سرچشمہ اور ان کا سب سے بڑا اور قوی سبب دُنیا کی محبت اور اس کا مقصود اعظم بنا لینا ہے "حُبُّ الدُّنْيَا رَاسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ"۔ مزاج اور مذاق نبوی یہ ہے اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ ۔ آپؐ کے قلب مبارک میں دنیا کی محبت کی کوئی قیمت نہیں تھی، لیکن پھر بھی آپؐ دُعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔ اے اللہ! نہ دنیا کو ہمارا مقصود اعظم بنا اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود اور نہ ہم پر ایسے لوگوں کو حاکم بنا جو ہم پر رحم نہ کریں۔

(ترمذی و نسائی)

دنیا کے استعمال کو جو چیز مباح، مرغوب اور محبوب بناتی ہے، معصیتوں سے نفرت دلاتی ہے۔ دنیا کی محبت کو رگ وریشہ سے نکالتی ہے اور اس کی بڑی سے بڑی عظمت کو دل ونگاہ سے گراتی ہے، بڑے بڑے امتحانوں میں قدم کو جماتی اور دل کو تھامتی ہے وہ حقیقی محبتِ الٰہی ہے، جس کا دل اس محبت کا لذت آشنا ہو گیا اس کے دل کو نہ کوئی جلال مرعوب کر سکا ہے نہ کوئی جمال مسحور کر سکا۔

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

خدائے تعالیٰ سے ضابطہ کا تعلق اور اس کی قانونی اطاعت اس حقیقی محبت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ ضابطہ اور قانون چور دروازہ بھی پیدا کر لیتا ہے۔ تاویلیں اور قانونی موشگافیاں بھی جانتا ہے اور تھک بھی جاتا ہے لیکن محبت تاویل سے ناآشنا اور تکان و اُکتاہٹ سے بیگانہ ہے کہ وہ زخم بھی ہے اور مرہم بھی۔ راہ بھی ہے اور منزل بھی۔

سرورِ کائنات ﷺ بڑے اہتمام سے اس محبت الٰہی کی دُعا کرتے تھے۔ ایک دُعا کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَاَھْلِيْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ (ترمذی)	اے اللہ! اپنی محبت مجھے پیاری کر دے میری جان سے اور میرے گھر والوں سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی۔

ایک دوسری دُعا کے یہ الفاظ ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَآءِ اِلَيَّ وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَآءِ عِنْدِيْ وَ اَقْطَعْ عَنِّيْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰى لِقَآئِكَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَھْلِ الدُّنْيَا	اے اللہ! اپنی محبت کو تمام چیزوں سے محبوب تر اور اپنے ڈر کو میرے لئے تمام چیزوں سے خوفناک تر بنا دے، اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق دے کر دُنیا کی حاجتیں مجھ سے قطع کر دے، اور جہاں تو نے دُنیا والوں کی آنکھیں ان کی دُنیا کی

مِنْ دُنْیَاھُمْ فَاَقِرَّ عَیْنِیْ مِنْ عِبَادَتِکَ۔ (کنز الاعمال)

چیزوں سے ٹھنڈی کر دی ہیں، میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کر دے۔

لیکن یہ محبت، یہ اطاعت، یہ توفیقِ عبادت، ذکر و شکر کی دولت سب اس کی اعانت پر منحصر ہے۔ اس لئے محبوب خدا نے اپنے ایک محبوب صحابی کو پر محبت الفاظ میں یہ تاکید فرمائی۔

یَا مُعَاذُ لَاُحِبُّکَ اُوْصِیْکَ یَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ اَنْ تَقُوْلَ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔ (مشکوٰۃ)

اے معاذ! واللہ! مجھے تم سے محبت ہے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ یہ دُعا کسی نماز میں بھی ترک نہ ہو۔ اے اللہ امیری اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر مدد فرما۔

دُعا تقدیر اور توکُّل کے منافی نہیں ہے

بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دُعا مانگنا تقدیر اور توکُّل کے منافی ہے، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ دُعا توکل سے روکتی نہیں بلکہ اس کی ترغیب دیتی ہے حالات کی ناسازگاری کے باوجود خدا کی مدد پر بھروسہ رکھنے کا نام توکل ہے۔ قرآن مجید میں جن برگزیدہ بزرگوں کی دعائیں وارد ہوئی ہیں۔ وہی دینِ حق کے دست و بازو ہیں۔ اور توکل میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لئے توکل یعنی اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ ایک بنیادی شرط ہے چنانچہ اصحاب موسیٰ نے پہلے توکل کا اظہار کیا۔ اس کے بعد دُعا کی۔

عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ہ (یونس)

ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ خدایا تو ہمیں ظالم لوگوں کے لئے آزمائش نہ بنانا۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں

ایک تقدیر مبرم نہ ٹلنے والی دوسری تقدیر معلق جو کچھ اعمال کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے۔ تقدیر مبرم میں تغیر و تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، مگر تقدیر معلق مشروط ہے کہ اگر صدقہ، خیرات، دوا دارو یا کوئی کارِ خیر

کر لیا جائے تو وہ بدل جائے گی۔ اور جس عمل کے ساتھ وہ مشروط ہوگی اگر اسے پورا کر دیا گیا تو بیماری ٹل سکتی ہے۔ عمر بڑھ سکتی ہے اور بھی بہت سی تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح طور پر یہ فرمادیا ہے کہ:۔

یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ ۔ (رعد)	اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹادیتا ہے، جس چیز کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اس کے خزانۂ غیب میں ہر چیز لکھی جاتی ہے۔

قبولیتِ دُعا کے شرائط

لیکن دُعا کے سلسلہ میں چند آداب اور شرطوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ان میں بعض شرطیں ایسی ہیں کہ اگر وہ نہ پائی گئیں تو کسی حال میں دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ آداب اور شرطیں یہ ہیں:۔

(۱) اپنی معمولی سے معمولی جائز ضرورت کے لئے بھی خدا سے دُعا کرنی چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ:۔

لِیَسْئَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ (ترمذی)	تم کو اپنی تمام ضرورتوں کو خدا سے مانگنا چاہیئے، یہاں تک کہ اگر تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے، تو اس کے لئے بھی خدا سے کہنا چاہیئے۔

لیکن کسی ایسی چیز کے لئے دعا نہ کرنی چاہیے جسے شریعت نے معصیت قرار دیا ہے یا اس سے کسی کی حق تلفی، کسی پر ظلم، یا کسی سے تعلق قطع ہوتا ہو۔ قرآن و حدیث میں صراحتہً اس سے روکا گیا ہے۔

یُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِیْعَۃِ رَحِمٍ (مسلم)	بندہ کی ہر دعا قبول کی جاتی ہے جب تک اس دعا میں کوئی گناہ کی اور قطع رحم کی بات نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والے کا ذریعہ معاش حلال ہو، حرام کی آمیزش

اس میں قصد وارادہ سے نہ کی گئی ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کی تمثیل بیان فرمائی ہے جو حرام خوری میں ڈوبا ہوا اور پھر خدا سے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ ایک دن کسبِ حلال کی ترغیب دے رہے تھے اور اس اثنا میں :-

ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَآءِ یَارَبِّ یَارَبِّ وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ (مسلم)

آپؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر میں نہایت ہی پریشان حال ہو، اور خدا سے گڑگڑا کر دعا کر رہا ہو کہ اے میرے پروردگار! میری یہ عرضداشت سُن لے (گو سفر قبولیت دُعا کا وقت ہے) لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی حرام ہے، اس کا پینا بھی حرام ہے اور حرام ہی سے اس کی پرورش بھی ہوئی ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

علماء نے ان ہی حدیثوں کی روشنی میں فرمایا ہے کہ :-

اِنَّ لِلدُّعَآءِ جَنَاحَیْنِ اَکْلُ الْحَلَالِ وَصِدْقُ الْمَقَالِ۔

دعا کے دو بازو ہیں، ایک حلال غذا اور دوسرے سچ بولنا۔

(۳) تیسری ضروری بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ اگر دعا سے اس کی حاجت برآری نہ ہو رہی ہو، یا اس کے نتیجہ میں تاخیر ہو رہی ہو تو اُکتا کر دُعا ترک نہ کر دینی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے اس کی کسی کوتاہی کی وجہ سے یہ تاخیر ہو رہی ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِیْعَۃِ رَحِمٍ مَا لَمْ یَسْتَعْجِلْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا

بندہ کی دعا اُس وقت تک قبول کی جاتی ہے۔ جب تک وہ کسی گناہ کی بات یا قطعِ رحم کے لئے دُعا نہ کرے، بشرطیکہ وہ تعجیل سے کام نہ لے۔ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ تعجیل

اِلَّا يُسْتَعْجَلُ قَالَ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَ يُسْتَجَابُ لِیْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَالِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ (مسلم)

سے کام نہ لے۔ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ تعجیل سے کام لینے کا کیا مطلب ہے آپؐ نے فرمایا کہ تعجیل یہ ہے کہ دعا کرنے والا یہ کہنے لگ جائے کہ میں نے اس طرح دعا کی مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب میری دعا قبول نہ ہوگی، پس مایوس ہو کر اور تھک کر دُعا کرنا چھوڑ دے۔

آگے ذکر آرہا ہے کہ دعا کسی حال میں فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔

آداب دُعا

(۱) دعا کرنے والے کو پورے عزم و یقین کے ساتھ دُعا کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ جس سے دعا کر رہا ہے، اس کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات ہے، دعا کرتے وقت دل میں کسی طرح کا ریب و شک و تذبذب نہ ہونا چاہیئے، اور نہ غفلت و بے پروائی ہونی چاہیئے، بلکہ حضورِ قلب کے ساتھ دُعا ہونی چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ۔ (ترمذی)

جب تم اللہ تعالیٰ سے کسی بات کے لئے دُعا کرو تو تم کو اُس کی قبولیت کا پورا یقین رکھنا چاہیئے، اللہ قلبِ غافل کی دُعا قبول نہیں کرتا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی دُعا کرے تو یہ نہ کہے کہ اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھے روزی دے، بلکہ:

وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (بخاری)

پورے عزم و یقین کے ساتھ دعا کرنی چاہیئے اس لئے کہ جس سے وہ دعا کر رہا ہے وہ جو چاہتا ہے وہ تو کرتا ہی ہے وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔

(۲) حتی الامکان دعا، اچھے اور دلجمعی کے اوقات میں کرنا چاہیئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم،

جن اوقات میں اکثر دعا فرماتے تھے، اور جن اوقات میں دعا کی تلقین فرمائی ہے وہ بیشمار ہیں چند خاص اوقات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) فرض نمازوں کے بعد (۲) پچھلے پہر یعنی تہجدؒ کے وقت (۳) سفر کی حالت میں (۴) اذان واقامت کے درمیان (۵) جمعہ کے دن عصر کے بعد سے مغرب تک (۶) شب قدر میں خاص طور پر رمضان کی ۲۷ ویں شب کو حدیث میں ان تمام اوقات کا ذکر ہے۔ (۷) حج کے مختلف اوقات اور مقامات میں۔ (۸) رمضان المبارک میں۔ (۹) سجدہ کی حالت میں۔ (۱۰) جمعہ کی رات میں یعنی جمعرات کا دن گزار کر جو رات آتی ہے

(۲) دعا ہاتھ اٹھا کر کرنا چاہیے اور دُعا کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو منہ پر مل لینا چاہیئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا پروردگار بڑا صاحب حیا اور کریم ہے، جب کوئی بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اُسے خالی واپس کرتے ہوئے حیا معلوم ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وارد ہے کہ دُعا کے بعد اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ مل لیا کرتے تھے، اور یہ حکم بھی فرمایا کہ فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ، جب دعا سے فارغ ہو جاؤ، تو اپنے ہاتھوں کو

لے حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس وقت کی دعا بارگاہ خداوندی میں جلد سنی جاتی ہے آپؐ نے فرمایا۔

جوف اللیل الاٰخر ودبر الصلوٰة المکتوبة۔ — رات کے پچھلے وقت کی دعا اور فرض نماز کے بعد کی دعا۔

(ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

فرض نمازوں کے بعد دعا کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے، حکیم الاسلام علامہ اقبالؒ نے شاعرانہ زبان میں آہ سحر گاہی کی بہت عمدہ ترجمانی کی ہے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اپنے چہرے پر پھیر لیا کرو۔

(۴) جہاں تک ممکن ہو ایسی دعائیں کرنی چاہئیں جو دُنیا و آخرت دونوں کی بھلائیوں کو جامع ہوں اور ان کے الفاظ کم ہوں اور معانی زیادہ ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں۔

يَسْتَحِبُّ جَوَامِعَ مِنَ الدُّعَآءِ — آپ جامع دعائیں پسند فرماتے تھے۔

(ابوداؤد)

(۵) امام کو صرف اپنی ذات کے لئے یعنی صیغۂ واحد سے دُعا نہ کرنی چاہیئے بلکہ ہمیشہ دعا میں جمع کا صیغہ استعمال کرنا چاہیئے۔ مثلاً اَللّٰھم اغفر لی کے بجائے اَللّٰھم اغفر لنا کہنا چاہیئے۔

(۶) دُعا حال اور مستقبل دونوں کی مصیبتوں اور تکلیفوں کے لئے کرنی چاہیئے۔ حال کی مصیبت میں اس سے صبر پیدا ہوتا ہے، اور مستقبل کی مصیبت کے دور ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ:-

ان الدعاء ینتفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباداللہ بالدعاء (ترمذی) — دعا حال اور مستقبل دونوں کی ضرورتوں اور مصیبتوں میں مفید ہوتی ہے۔ تو دعا کو لازم پکڑلو۔

(۷) اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ دے کر دُعا کرنا بہتر ہے (مسلم ترمذی)۔

(۸) پاک صاف ہو کر اور قبلہ رو ہو کر دعا کرنا (ابوداؤد)

(۹) خدا کی حمد و ثنا اور درود شریف پڑھ کر دعا کرنا چاہیئے (بخاری و مسلم)

فرض نماز کے بعد دعا

کچھ حضرات فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کا یہی نہیں کہ اہتمام نہیں کرتے بلکہ اس اہتمام پر نکیر کرتے ہیں، فرض نمازوں کے بعد دعاء جب مقبول ہوتی ہے تو پھر اس سعادت کو حاصل کرنے کے بجائے اس سے محروم رہنے کی کوشش کرنا سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اتباع سنت کی کونسی قسم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض نمازوں کے بعد دعا کے لئے دائیں بائیں مڑنا ثابت ہے، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے اور منہ پر مل لینے کا آپ نے حکم فرمایا ہے، عام طور پر آپ دعاء میں سینے کے برابر

ہاتھ اٹھاتے تھے، مگر کبھی کبھی اتنا زیادہ اٹھاتے تھے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے بغل کی سپیدی نظر آجاتی تھی، اگر اسے استسقاء کی نماز پر بھی محمول کیا جائے تو بھی نماز کے بعد دعا کا ثبوت موجود ہی ہے، ان سب سے صریح حدیث یہ ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔

عن الفضل بن عباس قال	حضرت فضل ابن عباس سے روایت ہے
قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم الصلوۃ مثنیٰ	ارشاد فرمایا کہ نماز دو رکعت ہے ہر
مثنیٰ تشہد فی کل رکعتین	دو رکعت میں تشہد ہے، اور خشوع اور
وتخشع وتضرع وتمسکن	عاجزی اور مسکینی ہے اور دونوں ہاتھوں
وتقنع یدیک، یقول یرفعھما	کا اپنے رب کی طرف اٹھانا اس حالت
الی ربک مستقبلا ببطونھا	میں کہ ان ہاتھوں کی ہتھیلیاں اپنے منھ کی
وجھک وتقول یارب یارب	طرف ہوں اور کہے تو اے میرے رب اے
ومن لم یفعل ذالک فھو	مرے رب اے مرے رب اور جس نے اسطرح
کذا وکذ قال ابو عیسیٰ	نہیں کہا وہ ایسا ویسا ہے، ابو عیسیٰ ترمذی
وقال غیر ابن مبارک فی	نے کہا کہ ابنِ مبارک کے علاوہ بعض لوگوں
ھذا الحدیث من لم	نے اس حدیث میں کہا ہے کہ جس شخص نے
یفعل ذالک فھو خداج	اس طرح نہیں کیا تو وہ نماز ناقص ہے۔

(جامع الترمذی، باب ماجاء فی التخشع فی الصلوۃ ص ۵۰)

(دفع الھفوات ص ۴۲)

مجلس البحوث الاسلامیہ سعودی عربیہ کے علماء کی اکثریت نے ۱۳۹۷ھ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ بیشمار احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنی چاہیے اور یہ کہ امت میں متواترًا نماز کے بعد دعا کرنے کا عمل چلا آرہا ہے اس لئے اس سے انحراف صحیح نہیں ہے۔

کن لوگوں کی دُعا مقبول ہوتی ہے

مذکورہ بالا شرائط اور آداب کے ساتھ جو شخص بھی دعا کرے گا انشاء اللہ اس کی

(اقبولیت) دولیت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن خاص طور پر مندرجہ ذیل آدمیوں کی دعا کی مقبولیت کی خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دی ہے۔

(۱) وہ شخص جس نے اپنی خوش حالی، فارغ البالی، صحت اور آرام وسکون کے زمانے میں خدا کو یاد رکھا ہو۔ اور اس کے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کیا ہو۔ وہ جب بدحالی اور تکلیف میں دُعا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کی دُعا ضرور قبول فرماتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَ الشَّدَآئِدِ فَلْیُکْثِرِ الدُّعَآءَ عِنْدَ الرَّخَآءِ (ترمذی)	جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں اس کی دُعا اللہ تعالیٰ قبول کرے تو اسے خوشحالی میں کثرت سے دُعا کرنی چاہیئے۔

(۲) والدین کی دُعا اپنی اولاد کے حق میں (۳) مسافر کی دُعا (۴) امام عادل کی دعا (۵) مظلوم کی دُعا جب تک وہ انتقام نہ لے (۶) حاجی کی دعا جب تک وہ گھر واپس نہ ہو جائے۔ (۷) مجاہد کی دعا (۸) مریض کی دعا (۹) اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا۔ ان تمام لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا۔

وَاَسْرَعُ ھٰذِہِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَۃً دَعْوَۃُ الْاَخِ بِظَھْرِ الْغَیْبِ۔ (بیہقی)	ان میں سب سے جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ کرتا ہے۔

دعا سے پہلے خدا کی حمد وثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر دعا کرنی چاہیئے۔ خود آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تلقین فرمائی تھی۔ ایک شخص نے یوں ہی دعا کرنی شروع کر دی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے جلدی کی، پھر فرمایا کہ:۔

اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ اِذَا صَلَّیْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰہَ بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَصَلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادْعُہٗ	اے نمازی جب تو دعا کیلئے بیٹھے تو پہلے خدا کی حمد وثنا کرو پھر مجھ پر درود پڑھو۔ پھر دعا کرو۔

۱؎ ترمذی، ابو داود، نسائی۔

دوسرے سے دعا کی درخواست کرنا

اپنے چھوٹے یا بڑے سے دعا کی درخواست کرنا مسنون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ:۔

اَشْرِکْنَا یَا اَخِیْ فِیْ دُعَائِکَ وَلَا تَنْسَانَا۔[1]

اے میرے بھائی اپنی دعا میں ہم کو بھی شریک کرنا اور ہم کو اس وقت بھولنا نہیں۔

زبان سعادت نواز سے یہ کلمہ سُن کر حضرت عمرؓ مسرت میں ڈوب گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا۔

کَلِمَۃٌ مَا یَسُرُّنِیْ اِنَّ لِیْ بِھَا الدُّنْیَا۔

(ابوداؤد، ترمذی)

میرے لئے زبان مبارک سے ایسی بات نکلی ہے کہ اگر ساری دُنیا بھی اس کے بدلہ مل جائے تو مجھ کو کوئی خوشی نہ ہوگی۔

جائز دعا فائدہ سے خالی نہیں

پروردگار عالم کے دربار میں جب بندہ اپنی کسی حاجت کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو اس کی دعا فائدہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر اس نے اپنے آقا سے کوئی جائز مادی چیز طلب کی مگر خدا کی نگاہ کرم اس کی بھلائی اس کے نہ پورا ہونے میں دیکھتی ہے تو اسے پورا نہیں کرتا مگر جب بھی یہ فائدہ کیا کم ہے کہ اسے اپنی بے چارگی اور عبدیت کے اظہار کا موقع ملا۔ لیکن اس سے زیادہ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی اور مصیبت دور کردی جاتی ہے یا وہ دعا اسکے لئے ذخیرۂ آخرت کردی جاتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ:۔

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَدْعُوْا بِدَعْوَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا اِثْمٌ[2] وَلَا قَطِیْعَۃُ

مسلمان کی ہر دعا جس میں معصیت یا قطع رحم نہ ہو اللہ تعالیٰ تین صورتوں میں سے کسی نہ کسی

---

[1] ابوداؤد، ترمذی۔

[2] اوپر ذکر آچکا ہے کہ حرام روزی کھا کر یا حرام مال سے جو کار خیر کیا جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں، معصیت وگناہ بھی اسی میں شامل ہے۔

رَحِمٍ اِلَّآ اَعْطَاہُ اللّٰہُ بِھَا اِحْدٰی ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ یُّعَجِّلَ لَہٗ دَعْوَتَہٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَھَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَاِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْہُ مِنَ السُّوْٓءِ مِثْلَھَا۔ (احمد)

صورت میں اسے ضرور پوری کرتا ہے، یا تو جلد سے جلد اس کی وہ طلب ہی پوری کر دیتا ہے یا پھر اس دعا کو ذخیرۂ آخرت بنا دیتا ہے، یا اس سے اس کی طلب کے بقدر کسی برائی اور ناخوشگواری کو دور کر دیتا ہے۔

یہ خوش خبری سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بول اُٹھے، کہ پھر تو ہم خوب کثرت سے دعائیں کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ تم جتنی بھی دعائیں کرو خدا کا فضل اور اس کا دامنِ رحمت اس سے زیادہ وسیع ہوگا۔ (مسند امام احمد)

بد دعا نہ کرنی چاہیئے جہاں تک ممکن ہو کسی پر لعن طعن یا کسی کو برا بھلا نہ کہنا چاہیئے اور نہ حتی الامکان کسی کے حق میں بد دعا کرنی چاہیئے۔ یہود آپؐ کی مجلس میں آتے تھے تو اَلسَّام علیکم، تم پر موت ہو، کہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سُنا تو بڑی برہم ہوئیں اور ان کو سخت وسُست کہنا شروع کیا۔ آپؐ نے ان کو اس سے روکا۔ آپؐ نے انتہائی مجبوری میں دشمنانِ اسلام کے حق میں بد دُعائیں ضرور کی ہیں، مگر اس میں اپنے کسی ذاتی انتقام، غصہ، یا نفسانی جذبہ کا کوئی شائبہ بھی نہیں آنے پایا ہے۔ والدین کی دعا جہاں بچہ کے لئے فال نیک ہے وہیں انکی بد دعا اسکے مستقبل کیلئے برا شگون بھی ہے۔ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر اپنے اور اپنے بال بچوں کے حق میں بد دُعا کے الفاظ نکال دیتے ہیں۔ مثلاً، خدا موت بھی نہیں دیتا، خدا غارت کرے، کمبخت مر بھی نہیں جاتا، خدا کسی کو ایسی اولاد نہ دے۔ یہ الفاظ خاص طور سے عورتوں کی زبان سے زیادہ نکلتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا تَدْعُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓی اَوْلَادِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓی اَمْوَالِکُمْ[1]

نہ تم اپنے حق میں بد دعا کرو، اور نہ اپنی اولاد کو بد دعا دو، اور نہ اپنے مال و متاع اور ماتحتوں کے بارے میں بُرے الفاظ نکالو۔

(حاشیہ لے صفحہ آئندہ پر)

یہ فرمانے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ تم کو کیا معلوم کہ تم جس وقت بددعا کر رہے ہو، وہ قبولیت دُعا کا وقت ہو اور تمہاری بددعا سُن لی جائے اور غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد تم کو پشیمانی ہو۔

ذکر و دُعا میں کس کو زیادہ فضیلت ہے

اوپر جو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں کچھ باتیں تو دُعا کے لئے مخصوص ہیں مگر زیادہ تر باتوں کا تعلق ذکر و دعا دونوں سے ہے۔ ذکر و دعا ہو یا تسبیح و تہلیل سب کا مقصد اپنی عبدیت کا اظہار اور رضا و قرب الٰہی ہے۔ لیکن راقم اپنے مطالعہ کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ دُعا کے مقابلہ میں ذکر و تسبیح کا درجہ بعض حیثیتوں سے کچھ بلند ہے۔ دعا میں ذُلّ و افتقار کی کیفیت ضرور زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کے اخلاص میں مطلب برآری اور ذاتی غرض و حاجت کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ برخلاف ذکر کے کہ اس میں خوف و رجا کا بے غرضانہ جذبہ شامل ہوتا ہے عشق و محبت کا بے غل و غش اِظہار ہوتا ہے۔ اس سے غیر معمولی روحانی حظ و سکون بھی حاصل ہوتا ہے اور وہ قربِ خداوندی کا قریب تر راستہ بھی ہے۔ اس سے دل میں سوز و گداز کی کیفیت بھی آسانی سے پیدا ہوتی ہے اور وہ لذت آشنائی بھی ملتی ہے۔ جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے ؎

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذّت آشنائی

امام ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے اس موضوع پر بڑی لمبی بحث کی ہے کہ دعا و ذکر میں کون زیادہ افضل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

الذکر افضل من الدعاء الذکر	ذکر دعا سے افضل ہے، ذکر اللہ تعالیٰ کی
ثناء علی اللہ عز و جل بجمیع	تمام صفتوں اور نعمتوں کی تعریف کا نام ہے
اوصافہ و آلائہ والدعاء	اور دعا میں بندہ اپنی حاجت کا سوال کرتا ہے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ اموالکم سے محدثین نے مال و متاع اور ماتحت دونوں مراد لئے ہیں اس لئے ترجمہ میں دونوں کو شامل کر لیا گیا ہے۔

سوال العبد حاجته فاین
هذا من هذا ولهذا جاء
فی الحدیث من شغله ذکری
عن مسئلتی اعطیته افضل
ما اعطی السائلین ولهذا
کان المستحب فی الدعاء
ان یبدأ الداعی بحمد الله
تعالیٰ والثناء علیه بین
یدی حاجته (الوابل الصیب)

تو دونوں کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے اسی
بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص میرے
ذکر کی وجہ سے دعا نہ کر سکے تو اس کو ہم
مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیں گے؛
اور اسی بنا پر دعا کے لئے ضروری قرار دیا
گیا ہے کہ اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد
وثنا سے کی جائے۔

پھر بے شمار حدیثوں کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ کوئی دعا بغیر ذکر کے مقبول نہیں ہوتی۔ اس لئے دعا کے مقابلے میں ذکر افضل ہے۔ کچھ حضرات دعا کو ذکر سے افضل سمجھتے ہیں اسلئے کہ اس میں بھی اپنی کمزوری بے چارگی اور محتاجی کا ذکر ہوتا ہے، اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی یہ کیفیت انتہائی پسندیدہ ہوتی ہے چنانچہ سجدہ کی حالت اس کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے اسی لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ بندہ سب سے زیادہ قریب مجھ سے سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے بہر حال یہ ایک ذوقی بحث ہے ورنہ ذکر اور تسبیح وتحلیل یا دعا دونوں اللہ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔

ذکر، حلقۂ ذکر اور مجلس ذکر

خدا کی یاد جس صورت، جس طریقہ اور نہج سے بھی ہو سکے، مومن کے قلب میں تازہ رہنی چاہیے۔ اسلئے کہ ایک مومن کا سب سے بڑا اسلحہ، اس کی سب سے بڑی قوت اور اس کے جسم وجان کی اصلی غذا یہی ہے۔ شریعت نے ذکر الٰہی کی کچھ انفرادی واجتماعی صورتیں، طریقے اور اوقات مقرر بھی کر دیئے ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ لیکن ان کے علاوہ ذکر وتسبیح، تحمید وتہلیل کی بیشمار ایسی انفرادی واجتماعی صورتیں ہیں جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا۔

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

وعظ و پند کی مجلس بھی ذکر ہے اور دینی تعلیم و تدریس کا مشغلہ بھی ذکر ہے دینی تعلیم کی ترویج و ترقی بھی ذکر ہے اور اقامتِ دین و اشاعت دین کی کوششیں بھی ذکر میں داخل ہیں۔ اس کی تعریف میں صوفیہ کے مروجہ حلقہائے ذکر بھی شامل ہیں اور مدرسہ و خانقاہ کی زندگی بھی ذکر کی ایک صورت ہے، بشرطیکہ ان میں اخلاص اور رضائے الٰہی اور للٰہیت کی پوری روح موجود ہو محض رسمی پابندی نہ ہو۔ ذیل میں چند احادیث نبوی نقل کی جاتی ہیں جن سے ذکر کے وسیع مفہوم کی توضیح ہوتی ہے:۔

حضرت معاویہؓ ایک بار کسی مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے خدا کو یاد دلانے والی اور نیک باتیں کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ لوگ یہاں کیسے بیٹھے ہیں، لوگوں نے بتایا کہ نذکر اللہ (اللہ کی یاد کر رہے ہیں) انھوں نے تاکیداً پوچھا کہ یہ اجتماع محض اسی مقصد سے ہوا ہے۔ لوگ بولے۔ ہاں محض یہی مقصد ہے۔ اس کے بعد انھوں نے یہ حدیث نبوی بیان فرمائی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن
علیہ وسلم خرج علی	صحابہ کی ایک مجلس سے گذرے۔ آپؐ
حلقۃ من اصحابہ فقال	نے شرکاء سے دریافت کیا، کس مقصد
ما اجلسکم ھھنا قالوا	سے تم جمع ہوتے ہو، بولے خدا کی یاد کے
جلسنا نذکر اللہ ونحمدہٗ	لئے اور اس کے سامنے اس بات کا شکریہ
علیٰ ما ھدانا للاسلام ومنّ	پیش کرنے کے لئے کہ اس نے ہمیں اسلام
بہ علینا آللّٰہ ما	کی ہدایت دی اور اس نے اس کے ذریعہ
اجلسکم الّا ذالک قالوا	ہم پر احسان کیا۔ آپؐ نے قسم دے کر
آللّٰہ ما اجلسنا الّا ذالک	پوچھا کہ کیا واقعی تم محض اس مقصد سے
قال اما انی لم استحلفکم	یہاں جمع ہوتے ہو۔ بولے خدا کی قسم
تہمتہ لکم ولکنہ اتنی	اس کے علاوہ دوسرا کوئی مقصد نہیں
جبرئیل فاخبرنی انّ	ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تم سے یہ قسم کسی

اللہ عزّ وجلّ یباھی بکم الملٰئکۃ (مسلم)	بے اطمینانی کی وجہ سے نہیں لی بلکہ تمہاری زبان سے اس کی تصدیق چاہتا تھا۔ ابھی جبرئیل میرے پاس آئے اور یہ

خوش خبری دی کہ خدائے قدوس فرشتوں کے سامنے تمہاری حق پرستی کی تعریف فرما رہا ہے۔

اس واقعہ میں اس مذاکرہ کا ذکر کیا گیا ہے جو صحابۂ کرام اسلام کی ہدایت پا جانے کے سلسلہ میں کر رہے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الاّ حفّتھم الملٰئکۃ وَ غشیتھم الرّحمۃ ونزلت علیھم السّکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہٗ۔ (مسلم)	کوئی گروہ جب بھی خدا کی یاد کے لئے بیٹھتا ہے تو فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ خداوندی اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور طمانیت وسکینیت کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو فرشتے ہوتے ہیں ان سے اُن کا ذکر فرماتا ہے۔

ان دو حدیثوں کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر کا مقصد اور مُراد کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ، اللہ نے کچھ فرشتے اس لئے مقرر فرما رکھے ہیں کہ وہ ہر وقت ذکر کی مجلسوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جہاں بھی ذکر کی کوئی محفل ہوتی ہے وہ بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں اور تمام شرکائے مجلس کو اپنے پروں سے ڈھک لیتے ہیں۔ جب وہ مجلس برخاست ہو جاتی ہے اور وہ بارگاہِ مقدس میں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے باوجود ان سے دریافت فرماتا ہے، کہ کہاں سے آئے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ خدایا ہم تیری زمین میں تیرے ان بندوں کے پاس سے آ رہے ہیں جو تیری تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کر رہے ہیں۔ خدائے قدوس دریافت کرتا ہے کہ

وہ کیا مانگ رہے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ تجھ سے تیری جنت کے طلبگار تھے، اللہ تعالیٰ پھر دریافت فرماتا ہے کہ کیا انھوں نے میری جنت دیکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں ہے، تو اللہ ربّ العزت فرماتا ہے، اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے فرشتے کہتے ہیں کہ پھر تو وہ اور زیادہ حریص ہو جاتے پھر فرشتے کہتے ہیں کہ اے پروردگار وہ تیری پناہ ڈھونڈھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے کہتے ہیں کہ تیری دوزخ سے، پروردگار عالم پوچھتا ہے کہ انھوں نے دوزخ کی ہولناکی دیکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ نہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ دیکھ لیتے تو اُن کی کیا کیفیت ہوتی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں، پھر تو وہ اور زیادہ اس سے پناہ مانگتے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تجھ سے استغفار بھی کر رہے تھے۔ رحمتِ خداوندی جوش میں آتی ہے، اور حکم ہوتا ہے کہ میں نے ان سب کو بخش دیا، اور جو مانگا وہ دیا اور ان کو دوزخ سے پناہ دی۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو بڑا خطاکار تھا۔ اتفاق سے اس طرف سے گزر رہا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، بارگاہِ قدس سے اعلان ہوتا ہے کہ :۔

وَلَہٗ غَفَرْتُ ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقیٰ لَھُمْ جَلِیْسُھُمْ
(بخاری و مسلم)

میں نے اس کو بھی بخش دیا، یہ ایسے لوگوں کا ہم نشین تھا جن کا ہم نشین محروم نہیں ہو سکتا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

اِعْلَمْ اَنَّ فَضِیْلَۃَ الذِّکْرِ غَیْرُ مُنْحَصِرَۃٍ فِی التَّسْبِیْحِ وَالتَّھْلِیْلِ وَالتَّحْمِیْدِ وَالتَّکْبِیْرِ وَنَحْوِھَا بَلْ کُلُّ عَامِلٍ لِلّٰہِ تَعَالیٰ بِطَاعَۃٍ فَھُوَ ذَاکِرُ اللّٰہِ تَعَالیٰ۔

جان لو! کہ ذکر کی فضیلت تسبیح و تہلیل اور تکبیر و تحمید تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی کوئی نیک کام خدا کے لئے کرے گا وہ ذاکر کہا جائے گا۔
(کتاب الاذکار)

اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ذکر کی جتنی قسمیں ہیں ان میں کوئی ذکر

ہمیشہ افضل نہیں ہوتا۔ بلکہ موقع محل کے لحاظ سے کوئی ذکر افضل اور کوئی مفضول ہو جاتا ہے مثلاً قرآن کی تلاوت افضل ذکر ہے۔ مگر آپ اگر رکوع یا سجدے میں تسبیحات کے بجائے قرآن کی تلاوت کریں تو یہ مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز سے باہر قرآن کی تلاوت یا نماز میں قیام کی صورت میں قرآن کی تلاوت تسبیح و تہلیل سے زیادہ افضل ہے۔

لیکن ان غیر موقت اجتماعی اذکار کے علاوہ کچھ موقت انفرادی اذکار بھی ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنا وظیفۂ زندگی بنا لیا تھا اور یہاں ان ہی کی نشاندہی مقصود ہے۔ ان اذکار کا تعلق زندگی کے ہر گوشے اور ہر موقع سے ہے اگر ان اذکار اور ادعیہ کو اپنی زندگی کا معمول بنا لینے کا اہتمام کیا جائے تو اس سے ایمان و عمل میں پختگی بھی پیدا ہوگی اور ان شاء اللہ یہ قربت خداوندی اور آخرت میں فلاح کا سبب بھی بنیں گے اور مذکورہ بالا اجتماعی اذکار میں بھی ان سے غیر معمولی مدد ملے گی۔

ذکر شعور کے ساتھ کرنا چاہیئے

ذکر خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی شعور و تدبر کے ساتھ ہونا چاہیئے، محض سبحہ گردانی نہ ہو۔ امام نووی فرماتے ہیں فالتدبر فی الذکر مطلوب ذکر میں فکر و شعور مطلوب ہے۔

انفرادی اذکار کو کب چھوڑ دینا بہتر ہے

بسا اوقات بہت سے دینی اور اجتماعی کام ایسے بھی پیش آجاتے ہیں۔ جن میں انفرادی اذکار کا ترک کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ اور کبھی اس کا چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر جو لوگ ذکر و تسبیح کو نہیں ترک کرتے وہ برا کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ چیز معصیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ بہت سے ذکر کرنے والے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ضروری سے ضروری کام بلکہ فرض نماز کی پہلی تکبیر تک تسبیح کی تعداد پوری کرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا قطعی نہ کرنا چاہیئے۔ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جائے ایک اندھے کو ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہو، کوئی زخمی تڑپ رہا ہو تو ایسی صورت میں ذکر و دعا یہی ہے کہ آگ بجھائی جائے، اندھے کو راستہ بتایا جائے اور زخمی کی مرہم پٹی کی جائے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فی احوال تعرض للذاکر یستحب قطع الذکر بسببها ثم یعود بعد زوالها منها اذا سلم علیہ رد السلام ثم عاد الی الذکر وکذا اذا عطس عندہ عاطس شمتہ وکذا سمع المؤذن اجابہ وکذا اذا رای منکرا ازالہ او معروفا ارشدہ الیہ او مسترشدا اجابہ ثم عاد الی الذکر۔	کچھ حالتیں اور صورتیں ایسی ہیں جو ذاکر کو پیش آتی ہیں، جن کے پیش آنے کے بعد ذکر منقطع کر دینا بہتر ہے، اور پھر وہ صورت اور حالت باقی نہ رہے، تو ذکر کرنا چاہیئے، مثلاً ذکر کی حالت میں کوئی سلام کرے تو اس کو ذکر چھوڑ کر پہلے جواب دینا چاہیئے۔ پھر ذکر کرنا چاہیئے، اسی طرح کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمدللہ کہے تو اس کا جواب دینا چاہیئے، اگر موذن اذان دے، تو پہلے اس کا جواب دینا چاہیئے، اسی طرح اگر کوئی برائی دیکھے تو پہلے اسے دُور کرنا چاہیئے، یا کوئی اچھی بات کی ہدایت کرنی ہو تو ہدایت کرنی چاہیئے۔ یا اُس سے کوئی بات دریافت کی جائے، تو پہلے جواب دینا چاہیئے، پھر ذکر کرنا چاہیئے۔

(کتاب الاذکار ص۔)

اب ہم مختلف اوقات کے چند اذکار کا تذکرہ کرتے ہیں کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ وظیفۂ زندگی بن جائیں۔ نماز اور اس سے متعلق، مثلاً مسجد میں آنے جانے، استنجا کرنے اور وضو وغیرہ کے بارے میں جو اذکار احادیث میں وارد ہیں۔ ان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

صبح وشام کے اذکار صبح وشام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔ دو تین مختصر دعائیں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس دعاء کو جو صبح وشام تین

با پڑھ لیا کرے تو کوئی چیز اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ	اللہ کا نام ایسا ہے کہ اس کے نام کے ساتھ
مَعَ اِسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ	کوئی چیز زمین و یا آسمان میں نقصان نہیں
وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ	پہنچا سکتی وہ سننے والا اور جاننے والا
الْعَلِیْمُ ۝ (مسند احمد ترمذی)	ہے۔

(۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر شام کے وقت یہ دُعا ہوتی تھی۔

اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ	یہ شام اس حالت میں ہوئی کہ ہم اور ساری
لِلّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ	کائنات اللہ کی سلطنت ہے، تمام شکرانے
لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ	اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اللہ کے سوا
وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی	کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہی معبود ہے اس
کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ	میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی کا سارا
اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ	ملک اور اقتدار ہے، اسی کے لئے ساری تعریفیں
ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ وَخَیْرِ	ہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ ہمیں تجھ سے
مَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ	اس رات کی اور جو چیزیں اس رات میں ہیں۔
اَعُوْذُبِکَ	ان سب کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات
مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا	کے شر سے اور اس رات کے اندر جو کچھ ہے
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ	اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے
مِنَ الْکَسَلِ وَالْھَرَمِ	اللہ! میں سستی اور کاہلی سے اور بہت
وَسُوْءِ الْکِبَرِ وَفِتْنَۃِ	زیادہ بڑھاپے اور بڑھاپے کی تکلیفوں سے
الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ	تیری پناہ چاہتا ہوں۔
(مُسْلِمْ)	

اور صبح کو بھی یہی دعا چند الفاظ کے تغیر سے زبانِ سعادت نواز سے گوں سامعہ نواز ہوتی تھی:-

اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرِ مَا فِيْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا فِيْهِ۔ (مسلم۔ ج ۲)	یہ صبح اس حال میں ہوئی کہ ہم اور یہ ساری کائنات خدا کی مملکت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کا سارا ملک ہے اور اس کے لئے ساری تعریف زیبا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! ہم تجھ سے اس دن کی اور اس دن کے اندر جو کچھ ہے اس کی بھلائی چاہتے ہیں اور اس دن کے شر اور فتنہ سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر و فتنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد تمام الفاظ مذکورہ بالا دعا کے ہیں۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح و شام تین بار یہ کلمات اپنی زبان سے کہہ لیا کرے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو قیامت کے دن راضی فرمادے۔ وہ کلمات جاں افروز یہ ہیں:۔

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا	میں راضی ہوں خدا کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے پر۔

(ابوداؤد، احمد)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوسرے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ آپؐ نے سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت فرمائی کہ صبح و شام یہ الفاظ ورد زبان رکھا کرو۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ	اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اور کائنات

اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ۔
(نسائی، حاکم)

کو تھامنے والی اور اس کی تدبیر کرنے والے تیری رحمت کے واسطہ سے فریاد کرتا ہوں کہ میری ہر حالت اور ہر کام کو تو درست فرما دے ایک لمحہ کے لئے مجھ کو میرے نفس کے حوالے نہ کر۔

سونے کے وقت کی دعا

جیسا کہ قرآن میں ہے کہ نیند بھی ایک ہلکی سی موت ہے دونوں میں فرق صرف یہ ہے:۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا۔ (زمر)

اللہ تعالیٰ موت کے وقت جانوں کو قبض کر لیتا ہے اور نیند میں جانیں نہیں مرتیں۔

اس لئے ہر روز جب آدمی سوتا ہے تو گویا اپنی زندگی کا ایک مرحلہ ختم کر کے موت کی سرحد میں قدم رکھتا ہے اور جب وہ سو کر اٹھتا ہے تو گویا اسے خدا کی طرف سے دوبارہ زندگی ملتی ہے۔ پھر نیند اس حیثیت سے بھی بڑی قدر و قیمت کی چیز ہے کہ آدمی رات میں چند گھنٹے سو کر دن بھر کی تھکن دُور کرتا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے بہت سی ذہنی اُلجھنوں سے نجات پا جاتا ہے۔ جو اس دنیا کی سب سے نایاب چیز ہے۔ نیند کے بعد جو سکون و اطمینان اور دوبارہ زندگی ملتی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں بے خوابی سے واسطہ پڑا ہے یا پڑتا رہتا ہے یا کوئی تکلیف اُنھیں نیند سے محروم رکھتی ہے۔ اس لئے ایک بندہ کی بندگی کا لازمی تقاضا ہے کہ اس مرحلۂ زندگی میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت خدا کے اس فضل و کرم کا شکریہ ادا کر لیا کرے۔ اور اس کی یاد کے سہارے اس میں داخل ہو اور اسی کے سہارے اس سے باہر قدم رکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سوتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم کر لیا کرتے تھے۔ اور پھر ان کو پورے بدن پر مل لیا کرتے تھے۔ (بخاری، ابوداؤد)

ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے تو حضرت عائشہ رضی نے یہ سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے جسم اطہر پر پھیرا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی خواب گاہ میں تشریف لاتے، تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور پھر داہنے کروٹ لیٹ کر یہ دعا ورد فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى[1] (مسلم) — اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے پھر زندہ ہوں گا۔

سو کر اُٹھنے کی دُعا

اور جب بیدار ہوتے تو فوراً ہی شکر گزاری کے یہ کلمات زبانِ سعادت نواز سے نکلتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔ (مسلم) — خدا کا شکر ہے جس نے موت کے بعد پھر زندگی دی اور مرنے کے بعد اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے

کھانا شروع کرنے اور ختم کرنے کی دعائیں

پیٹ بھر کھانا مل جانا، خدا کی ان بڑی نعمتوں میں سے ہے جن کے نہ ملنے کی صورت میں عام آدمی کے دین و ایمان کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اسلئے یہ موقع بھی حد درجہ حمد و شکر کا متقاضی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے لئے کچھ ایسے اذکار بتائے ہیں جن کے ورد سے یہ جذبہ تازہ رہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، کہ جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ کر کے کھاؤ۔ اگر شروع میں بسم اللہ بھول جاؤ تو جب یاد آئے تو بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ کہہ لیا کرو۔ اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَنَا — اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا اور

---

[1] بعض روایتوں میں بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى بھی آیا ہے۔

وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (ابوداؤد۔ مسند احمد)	اور پلایا، اور اس بات پر بھی اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا۔

دعوت کی دُعا

اگر آپ اپنے کسی عزیز یا دوست کے یہاں کھانا کھائیں تو اس کا صرف رسمی شکریہ ادا نہ کریں بلکہ اس کے لئے خدا سے دعا کریں کہ جس طرح اس نے دعوت دے کر آپ کا اعزاز کیا ہے دوسرے بھی اس کا اسی طرح اعزاز کریں۔ آپؐ کا معمول تھا، کہ جب آپؐ کسی کے یہاں کھانا تناول فرماتے تو اس کے حق میں یہ دعا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ	اے اللہ جس نے مجھے کھلایا اُس کو تو کھلا
وَاَسْقِ مَنْ سَقَانِیْ (مسلم)	اور جس نے مجھے پانی پلایا، اُسے تو پلا۔

حدیث کی کتابوں میں اور بھی دعائیں اس موقع کے لئے آتی ہیں۔

رفع حاجت کی دعا

انسانی صحت کا مدار اس کے معدہ کے فعل کی صحت پر ہے اگر وہ ایک دن کے لئے بھی خراب ہو جائے تو آدمی جسمانی اذیت، ذہنی الجھن محسوس کرنے لگتا ہے جن لوگوں کو اس سے سابقہ پڑتا ہوگا اس کی اہمیت کو وہی محسوس کر سکتے ہیں اس لئے اس سے بچنے کے لئے ہر شخص کو مادّی تدبیروں کے ساتھ خدا سے بھی مدد کی درخواست کرنی چاہیئے۔ کیونکہ صحت وشفا اسی کے یدِ قدرت میں ہے۔ رفعِ حاجت کے وقت اور اس سے فراغت کے بعد کی دعا استنجا کے بیان میں مذکور ہو چکی ہے۔ دیکھ لی جائے۔

مجلس کی دعا

عام طور پر آدمی جب مجلس میں بیٹھتا ہے تو اس سے اگر کوئی غلط بات نہیں بھی ہوتی تو کم از کم بے مقصد لایعنی بات اس کی زبان سے ضرور نکل جاتی ہے۔ اس کی تلافی یہ ہے کہ مجلس سے اُٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھ کر خدا سے معافی مانگنا چاہیئے۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ	تمام عیبوں سے تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا	تیری تعریف کرتا ہوں، میں گواہی دیتا
اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ	ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں

اِلَیْکَ۔ تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور

(ابوداؤد و ترمذی) تیری طرف پلٹتا ہوں۔

بازار جانے کی دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا کی بہترین جگہ مسجد اور بدترین جگہ بازار ہے۔ اس کی بُرائی سے آدمی اُس وقت محفوظ رہ سکتا ہے جب ان حدود کا خیال رکھے، جو شریعت نے خرید و فروخت کے لئے مقرر کئے ہیں اور یہ سمجھتا رہے کہ بازار صرف ضرورت پوری کرنے کی جگہ ہے۔ تفریح اور گلگشت کے لئے نہیں ہے، یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب وہ اپنے دماغ کو خدا کی یاد سے غافل نہ ہونے دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپؐ بازار میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ خَیْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْهَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اُصِیْبَ فِیْهَا یَمِیْنًا فَاجِرَۃً اَوْ صَفْقَۃً خَاسِرَۃً۔ (طبرانی، حاکم)

اے اللہ! تجھ سے مانگتا ہوں اس بازار کی بھلی باتیں اور ان چیزوں کی بھلائی جو اس بازار میں ہے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس بازار کی برائیوں سے اور اس میں جو برائیاں ہیں اے اللہ! میں اس سے بھی پناہ چاہتا ہوں کہ میں جھوٹی قسم کھاؤں اور ایسا معاملہ کروں جس میں گھاٹا ہو۔

آدمی کتنے اچھے حال میں کیوں نہ ہو وہ اپنی حالت سے مطمئن کم ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کے معاملہ میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو اور دین کے معاملے میں اپنے سے برتر لوگوں پر نگاہ رکھو۔" واقعہ یہ ہے کہ اگر آدمی ان ہزاروں بے سہاروں فاقہ مستوں، بیماروں، مفلوجوں، مبروصوں اور اندھوں کو اپنی نظر میں رکھے جو خود اسی کے ملک میں پھیلے ہوتے ہیں تو اس کی زبان سے ناشکری کے بجائے کلمۂ شکر ہی نکلے گا۔

مبتلائے مصیبت کو دیکھنے کی دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو مبتلائے

مصیبت دیکھو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اس سے جذبۂ شکر بھی تازہ رہے گا اور انشاء اللہ آدمی اس بلا سے بھی محفوظ رہے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ	اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس مصیبت
مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ	سے محفوظ رکھا، اور اپنی بہت مخلوق میں
عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔	اس نے مجھے فضیلت دی۔

(ترمذی، نسائی)

لڑکوں کی حفاظت اور نظرِ بد کی دعا

نظر بد ایک واقعہ ہے۔ جس کا اثر بچوں پر زیادہ ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی حفاظت کے لئے یہ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ	اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعہ شیطان اور
کُلِّ شَیْطٰنٍ وَّ ھَامَّۃٍ	زہریلے ہلاک کرنے والے جانور اور نظر بد
وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ۔	لگانے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

(بخاری، ترمذی)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب معوذتین یعنی سورۃ فلق اور سورۃ ناس نازل ہوگئی تو پھر اور دعائیں آپؐ نے چھوڑ دیں اور اس کے ذریعہ پناہ طلب کرنے لگے اگر کسی بچہ کو نظر لگ جائے تو یہ سورتیں پڑھ کر دم کر دینا از حد مفید ہے، اگر اس کے ساتھ سورۃ فاتحہ ملالی جائے تو اس کی افادیت بہت بڑھ جاتی ہے، سورۃ فاتحہ کو بعض صحابہ نے بعض دوسرے مرض میں بھی بطورِ دعا استعمال فرمایا ہے، آپؐ نے سنا تو تصویب فرمائی۔

ادائے قرض کی دعا

انسان کی زندگی کی بڑی بڑی مصیبتوں میں ایک مصیبت قرض بھی ہے، قرض آدمی کو ذلیل کرتا ہے، اس کو دوسروں کی

اور خود اپنی نگاہوں سے گرا دیتا ہے، اس مصیبت سے جتنی جلد چھٹکارا پایا جائے، اچھا ہے۔ اس کی ادائیگی کی تدبیر کے ساتھ خدا سے اس کے لئے مدد مانگنی چاہیئے۔ اس کے لئے سورۃ آل عمران کی یہ آیت:۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ آخر تک پڑھ کر پھر ان الفاظ میں دعا کرنی چاہیے۔ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس دعا کی تاکید فرمائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ	اے اللہ! حلال رزق دے کر تو حرام سے
حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ	بچالے، اور اپنے سوا ہر شخص سے بے نیاز
عَنْ مَّنْ سِوَاكَ۔ (مسند احمد، ترمذی)	کر دے۔

کپڑا پہننے کی دعاء

کپڑا پہننے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی آستین میں ہاتھ ڈالا جائے، پھر بائیں میں اسی طرح پائجامہ کی داہنی مہری میں پہلے پیر ڈالا جائے، اور پھر بایاں اور اتارتے وقت پہلے بائیں آستین اور مہری نکالی جائے اور پھر دائیں، جوتے کے پہننے میں بھی پہلے داہنا پہنا جائے اور پھر بایاں۔ نیا کپڑا پہننے کی دعا یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ	خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا
هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِيْهِ	اس میں میری تدبیر اور حیلہ کو کوئی دخل
مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ	نہیں۔ (ابوداؤد)

چھینک کی دعاء

جب کسی کو چھینک آئے تو الحمد للہ کہنا چاہیئے اور جو اسے سنے اسے اپنے بھائی کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہنا چاہیئے اور چھینکنے والے کو پھر اس کے جواب میں يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہنا چاہیئے۔ (بخاری)

سفر کی دعا

سفر زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے مسلمانوں کا کوئی اقدام اور حرکت بھی دعا اور خیر طلبی سے خالی نہیں ہونا چاہیئے، سفر تو ایسا اقدام ہے جس کے لئے بہت زیادہ خیر طلبی اور دعا کی ضرورت ہوتی ہے، مسافر گھر اور گھر والوں کو چھوڑتا ہے، طویل سفر میں نئے مقامات اور نئے لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ ایک مدّت تک اپنے گھر اور گھر والوں سے جدا رہتا ہے۔ اس کا دل فکروں اور تمناؤں سے معمور ہوتا ہے، پیچھے کی فکر، آگے کی تمنا، سفر کا اہتمام، راستہ کی تکان، منزل کی دوری،

مقاصد کی فکر، اس کے دل اور دماغ کو مشغول رکھتی ہے۔ اس مرحلہ میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی اعانت اور حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے دیکھئے اس مختصر سی دعا میں کس طرح ان سب ضروریات اور احساسات کا لحاظ رکھا گیا ہے بڑے غور و فکر اور اعلیٰ ذہانت سے بھی اس سے زیادہ جامع دعا ترتیب دینی مشکل ہے۔

عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپؐ سواری پر بیٹھ جاتے، تو پہلے تین بار اللہ اکبر کہتے، اس کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا	پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے
هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ۝	لئے مطیع کر دیا ہے، اور ہم اس کی طاقت
وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۝	نہیں رکھتے، اور انجام کار اسی کی طرف
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا	لوٹ کر جانا ہے، اے اللہ! ہم تجھ سے
هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ	اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ اور تیری
الْعَمَلِ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی	خوشنودی کے کام چاہتے ہیں، اے اللہ!
اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا	ہم پر یہ سفر آسان کر دے، اور زمین کا
هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ	فاصلہ طے کر دے، اے اللہ! تو ہی سفر
اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ	میں رفیق اور گھر والوں میں نائب ہے اے
فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی	اللہ! میں سفر کی مشقت ناگوار منظر اور
الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ	مال و اہل میں بُری واپسی سے پناہ چاہتا
بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ	ہوں۔
وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ	(مسلم و احمد)
الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ	
وَالْاَهْلِ۔ (مسلم و احمد)	

جب سفر سے واپسی ہوتی تو بھی یہی دعا فرماتے اور اس میں ان چند الفاظ کا اضافہ فرما دیتے۔

آئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ○ (مسلم)

ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتے ہیں۔

جب آپؐ کسی کو سفر کے لئے رخصت فرماتے تو دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ بھی فرماتے:

اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکُمْ وَ اَمَانَتَکُمْ وَخَوَاتِیْمَ اَعْمَالِکُمْ (کتاب الاذکار)

میں تیرے دین، تیری امانت اور خاتمۂ عمل کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

استغفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا عصمت تھے، لیکن استغفار کے کلمات ہر وقت زبان پر ہوتے تھے۔ یہ کلمات خدا سے تعلق کا بڑا ذریعہ ہیں۔ اس لئے اس کا اہتمام بھی بہت ضروری ہے۔ آپؐ کی زبان مبارک سے بہت سے استغفار کے بے شمار الفاظ ادا ہوتے ہیں جن میں ایک استغفار جسے سید الاستغفار کہا گیا ہے وہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔

یہ کلمات بھی بہت جامع ہیں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ان کلمات کو دن میں دس بیس بار ضرور وردِ زبان رکھنا چاہیئے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں سو سو بار روزانہ استغفار کرتا رہتا ہوں۔ یہ استغفار دل کے میل صاف کرنے کا بڑا آلہ ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے دل پر گردو غبار آجاتا ہے تو میں استغفار کرتا ہوں

توبہ توبہ نام ہے اُس احساس ندامت کا جو گناہ کے بعد آدمی میں پیدا ہوتا ہے اَلتَّوْبَۃُ النَّدَامَۃُ اور استغفار اس احساس گناہ کا زبانی اظہار ہے۔ اور یہ جب بغیر

محسوس گناہ کے محض احساس عبدیت کی بنا پر ہوتا ہے، تو رفع درجات کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی حیثیت ہے۔

توبہ کا مفہوم توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں جب بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ خدا کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور پھر جب توبہ کرتا ہے تو گویا وہ خدا کی رحمت کی طرف پلٹ آتا ہے اسی لئے حدیث میں کہا گیا ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ۔

توبہ کے شرائط اگر بندہ نے ایسا گناہ کیا ہے جس کا تعلق خدا سے ہے یعنی وہ حقوق اللہ کی قسم سے ہے مثلاً شراب پینا، زنا کرنا، مال کو بے جا صرف کرنا تو اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔ ایک گناہ کو ترک کر دینا دوسرے ندامت کا اظہار تیسرے اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔ اگر یہ گناہ بندوں کے حقوق سے متعلق ہے مثلاً سود لینا، رشوت لینا، کسی کا حق مار لینا، جھوٹ بول کر مال فروخت کرنا، کسی کو گالی دینا، کسی کی غیبت اور چغلی کرنا وغیرہ تو اس کے لئے اوپر کی تینوں شرطوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اگر سود یا رشوت لیا ہے یا زمین پر قبضہ کر لیا ہے تو اسے واپس کر دیا جائے، اگر واپس نہ کر سکے تو پھر اس سے معاف کرا لیا جائے، اگر بندہ سے اس دنیا میں معاف نہیں کرایا تو اس کی نیکیاں حق والے کو دے دی جائیں گی۔ (بخاری و مسلم)

درود شریف اس دنیا میں خدا کے بعد انسانوں پر جس شخصیت کا سب سے زیادہ احسان ہے اور آخرت میں جس کا سب سے زیادہ کرم ہو گا۔ وہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ذات گرامی ہے۔ ان کے احسانات انسانی زندگی میں اس طرح پیوست ہیں کہ اگر ان سب کو آدمی معلوم کرنا چاہتا ہے تو ظاہری احسانات تک تو اس کی رسائی ممکن ہے لیکن عالم انسانیت پر آپؐ کے جو معنوی احسانات ہیں ان کو وجدان سے تو محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن گنا نہیں جا سکتا۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس لئے خدا کی یاد کے بعد آپؐ کی یاد مسلمان کے ایمان کا جزو ہے، یہ یاد اذان کے

ذریعہ بھی ہوتی ہے، اور اقامت کے ذریعہ بھی نماز میں تشہد کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور درود شریف کے ذریعہ بھی۔ لیکن جس طرح خدا کی یاد کے ساتھ اس کی محبت بھی ضروری ہے۔ اسی طرح آپؐ کی یاد کے ساتھ آپؐ کی ذات سے محبّت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ آپؐ کا نام نامی زبان پر آجائے تو قلب میں ٹھنڈک اور فرحت اور زبان کو لذت محسوس ہو، سارے حواس انسانی پر اس کا وہی اثر ہو جو اثر پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے سے ہوتا ہے محبت کا سب سے بڑا ثبوت آپؐ کی ایک ایک سنت کا اتباع ہے۔ لیکن اس اتباع سنت میں جس چیز سے کیف و سرور اور ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے وہ درود شریف کی کثرت۔ اور اس کا صبح وشام ورد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خبر دی ہے کہ کچھ فرشتے زمین پر اس لئے چکر لگاتے رہتے ہیں کہ اگر کوئی امتی میرے اوپر درود وسلام بھیجے تو وہ مجھ تک پہنچائیں (نسائی، دارمی)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا	جو شخص مجھ پر ایک بار درود وسلام بھیجتا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس پر دس بار نگاہ رحمت ڈالتا ہے۔
(مسلم)	

کسی مجلس میں آپؐ کا نام مبارک لیا جائے اور سننے والا آپؐ پر درود نہ پڑھے تو اُس کو آپؐ نے بخیل فرمایا ہے:۔

اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔	بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔
(ترمذی۔ احمد)	

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے تھے، کہ:۔

اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهَا شَيْءٌ	دعا اس وقت تک زمین وآسمان کے درمیان معلّق رہتی ہے جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّکَ ۔ پر درود نہ پڑھ لو ۔

(ترمذی)

سب سے افضل اور بہتر درود وہ ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کے علاوہ جن الفاظ سے بھی آپؐ پر درود و سلام بھیجا جائے وہ سب باعثِ ثواب ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں اور بھی درودوں کا ذکر ہے۔

ؔ جب کسی مجلس میں آپؐ کا نام بار بار لیا جائے تو ایک بار درود پڑھنا واجب ہے۔

رمضان مبارک کے روزے

روزہ کو عربی میں "صوم" کہتے ہیں، صوم کے معنی بات چیت یا کھانے پینے سے رک جانے کے ہیں اور شریعت میں صبح صادق سے سورج ڈوبنے تک کھانا پینا چھوڑنے، عورتوں سے الگ رہنے اور بری باتوں سے بچنے کو صوم یا روزہ کہتے ہیں۔ (شرح وقایہ)

روزہ کی اہمیت

قرآن مجید کی متعدد آیات اور بیشمار احادیث نبوی سے روزہ کی نہ صرف اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے، بلکہ اس کا شمار ان فرض عبادات میں ہوتا ہے جن پر ایمان واسلام کی بنیاد ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرہ)

مسلمانو! تمہارے اوپر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے دوسری امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی طرح روزہ کا حکم بھی خدا نے دوسری امتوں کو دیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسول دنیا میں گذرے ہیں، ان سب نے اس کی تاکید کی تھی، اور اسے فرض قرار دیا تھا۔ اہلِ کتاب کے یہاں روزہ کا رواج آج بھی باقی ہے، ان کے علاوہ مشرک قوموں میں برت کا رواج بھی قرآن پاک کی اس تاریخی شہادت پر یقین کے لئے کافی ہے، صرف جو فرق ہے وہ روزوں کی تعداد اور وقت میں، یہ امتِ مسلمہ کی خصوصیت ہے کہ اس پورے ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں، قرآن نے "من قبلکم" کے لفظ سے محض ایک تاریخی حقیقت ہی کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ اس میں مسلمانوں کے سامنے اس کی طبعی مشقت کو یہ کہہ کر آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تم سے

پہلے اگلی امتیں بھی اس مشقت کو برداشت کر چکی ہیں، قرآن مجید جو اس دنیا میں خدا کی سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے اس کا نزول اسی مبارک مہینے سے شروع ہوا!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ) رمضان کا مہینہ جس میں قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن روزہ کے مہینے سے نازل ہونا شروع ہوا، قرآن پاک ہی کی دوسری آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رمضان میں بھی اس مبارک رات سے اس کا نزول شروع ہوا، جس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔

اس کے بارے میں مفسرین کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے کہ وہ کون سی رات تھی، کسی نے ۲۵ کی رات کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، کسی نے ۲۱ ویں کو مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی میں پڑے گی، اسلئے انہی پانچ راتوں میں سے کسی میں قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔

قرآن پاک کی پہلی آیت لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ پر اور دوسری آیت لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کے جملے پر ختم ہوتی ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ روزہ سے تمہارے اندر تقویٰ یعنی پرہیزگاری اور خدا کا خوف پیدا ہونا چاہیئے، گویا روزہ کی روح اور اس کی غایت تقویٰ پیدا کرنا ہے، اور تقویٰ نام ہے خدا کے خوف کی وجہ سے اپنے جذبات اور خواہشات نفس پر قابو پانے کا اور یہ چیز روزہ کے ذریعہ بدرجۂ اتم پوری ہوتی ہے، مشاہدہ ہے کہ برے سے برا آدمی بھی روزہ میں کچھ نہ کچھ ضرور سنور جاتا ہے دوسری آیت لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو قابل شکر ہے۔ اگلی امتوں کو روزہ کا جو حکم دیا گیا تھا اس میں سختی کا پہلو غالب تھا، وہ رات میں اپنی بیویوں کے پاس نہیں جا سکتے تھے، لیکن امت محمدیہ کو اس کی اجازت ہے، اگر کوئی مریض ہے تو وہ روزہ قضا کر سکتا ہے، حاملہ اور مرضعہ کے لئے آسانی ہے، اگر کوئی بہت ضعیف ہے تو اس کے لئے فدیہ ہے، اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس مہینے میں واقعی اللہ کی عظمت، کبریائی اور شکرگذاری کا جذبہ

پیدا ہوتا ہے، ہم روزانہ کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں مگر کھانے اور پانی کی جو قدر اور لذت روزہ افطار کرتے وقت روزہ دار کو معلوم ہوتی ہے وہ دوسرے کو نہیں معلوم ہو سکتی، کھانے کا ایک ایک لقمہ اور پانی کا ایک ایک قطرہ جب حلق کے نیچے اترتا ہے تو یہ خدا کی اتنی بڑی نعمت معلوم ہوتی ہے کہ گویا اس سے پہلے وہ اس کی لذت جانتا ہی نہیں تھا، اگر ذرا بھی شعور ہو تو اس کے لئے آدمی کے اندر جذبۂ شکر ضرور پیدا ہوگا، اسی جذبہ کا اظہار روزہ افطار کرنے کی دعاؤں میں ہوتا ہے اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ، ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تعالیٰ پھر اسکی شکر گزاری کا سب سے بڑا پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت اسی مہینے میں عطا کی جو ہماری مادی زندگی کے لئے مجموعہ ہدایت بھی ہے اور روحانی زندگی کے لئے نسخۂ کیمیا بھی ہے۔ غرض روزہ سے آدمی کے اندر تقویٰ بھی پیدا ہوتا ہے اور جذبۂ شکر بھی اور روزہ کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے۔

قرآن پاک کے علاوہ بیشمار احادیث نبوی میں بھی روزہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ چند ارشاداتِ نبوی ملاحظہ ہوں ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہر نیکی کا ثواب بندوں کے اعمالنامے میں دس گنے سے سات سو گنے تک لکھا جاتا ہے لیکن روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا" (بخاری) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا کی قدرت لا متناہی ہے، اسی طرح روزہ کے اجر کی بھی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کے منھ کی بو خدا کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے، ایک حدیث میں ہے کہ "ہر گھر کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے۔" آپؐ نے فرمایا کہ "روزہ گناہوں سے بچنے کے لئے ایک ڈھال ہے۔" آپؐ نے فرمایا کہ "جن روزہ داروں کے روزے مقبول ہو جائیں گے ان کے لئے قیامت کے دن ایک دروازہ ہوگا جس سے وہ جنت میں داخل ہوں گے اس دروازہ کا نام ریّان ہے یعنی سیراب کرنے والا" آپؐ نے فرمایا ہے کہ "جب روزہ شروع ہوتا ہے تو شیطان مقید کر دیئے جاتے ہیں، جہنم کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے

ہیں۔[1] آپؐ نے فرمایا کہ "روزہ قیامت کے دن خدا سے سفارش کرے گا۔ وہ کہے گا کہ اے پروردگار اس نے میری وجہ سے کھانا پینا اور اپنی خواہش نفس کو چھوڑ دیا تھا، تو اس کی مغفرت فرما۔"[2]

لیکن یہ اجر و ثواب اس وقت ملے گا، جب روزہ مقبول ہو اور کسی عبادت کے مقبول ہونے کے لئے سب سے ضروری چیز خلوص ہے۔ یعنی وہ عبادت صرف خدا کے لئے کی گئی ہو۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں خلوص دوسری عبادتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ ایک آدمی اگر چاہے تو چھپ کر کھا پی سکتا ہے یا اپنی خواہش نفس پوری کر سکتا ہے اور یہ سب کرتے ہوتے خدا کے علاوہ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا، مگر اس کے باوجود نہ تو وہ کھاتا پیتا ہے اور نہ اپنی خواہش نفس پوری کرتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا ہی کے لئے روزہ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا نے کہا ہے کہ "روزہ کا بدلہ میں دوں گا۔"

لیکن اس خلوص کے باوجود بعض اعمال ایسے ہیں جو روزہ کے خلوص کو خراب کر دیتے ہیں اور روزہ دار اس کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ مثلاً روزہ میں لڑائی جھگڑا کرنا، گالی گفتہ بکنا، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا، چغلی کرنا، حرام مال کھانا۔ جو لوگ ان باتوں سے نہیں بچتے ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ،

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ	جو شخص غلط، جھوٹ اور گناہ کی بات اور
وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ	غلط گناہ کا کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اسکی
اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ	ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

(بخاری)

---

[1] قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب جهنم وسلسلت الشياطين متفق علیه۔ [2] اوپر جتنی حدیثیں نقل کی گئی وہ سب بخاری و مسلم اور دوسری احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں (مشکوٰۃ ص۱۷۳)

غلط بات اور غلط عمل میں زبان اور جسم کا ہر بُرا اور غلط عمل شامل ہے۔

آپؐ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا۔

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَاءُ۔	کتنے روزہ دار ہیں جن کو پیاسا رہنے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہے۔

(دارمی بحوالہ مشکوٰۃ)

اسی بنا پر آپؐ نے فرمایا ہے کہ روزے سے گناہ ضرور معاف ہوتے ہیں، مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں ایک ایمان اور دوسرے احتساب مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ ایمان تو یہ ہے کہ اس کو خدا، آخرت رسالت وغیرہ پر یقین ہو اور احتساب یہ ہے کہ روزہ خدا ہی کے لئے رکھا گیا ہو اور اس کو تمام برائیوں سے محفوظ رکھا گیا ہو۔ اس میں دکھاوا اور نمود و نمائش نہ ہو۔

ایمان و احتساب کی قید لگا دینے سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو لوگ ایمان اور احتساب کے بغیر بھوکے پیاسے رہتے ہیں انکا بھوکا پیاسا رہنا۔ روزہ نہیں ہے۔ اسی بنا پر برت اور بھوک ہڑتال وغیرہ کو اسلامی شریعت میں روزہ نہیں کہا جائے گا۔ اگر ان تمام باتوں کا خیال کر کے آدمی روزہ رکھے تو جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے۔ واقعی آدمی پرہیز گار اور متقی بن سکتا ہے اور اس کا نفس اس کے قابو میں آسکتا ہے۔

اسی اہمیت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے ہی اور رمضان کے درمیان برابر صحابہؓ کو روزہ مقبول بنانے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے بار بار فرمایا ہے کہ "جو شخص ایمان و احتساب کے ساتھ روزہ رکھے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔" مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے شعبان کے آخری دنوں میں صحابہؓ کے مجمع میں ایک تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ "ایک بہت ہی مبارک مہینہ تمہارے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے۔ اس مہینے میں ایک رات ہزار مہینے سے زیادہ بہتر ہے۔ دن میں اس کے روزے فرض ہیں اور رات کی عبادت میں ثواب ہے۔ اس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر، اور فرض کا ثواب ستّر فرضوں کے برابر ملتا ہے۔

یہ صَبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنّت ہے ۔ یہ ہمدردی اور سلوک کا مہینہ ہے۔ اس میں مومن کی روزی زیادہ ہوتی ہے، جو شخص روزہ دار کو افطار کرا دے اس کو ایک روزہ کا ثواب ملے گا۔ اِس پر صحابہؓ نے دریافت کیا ، یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص کے پاس اتنا وافِر کھانا تو نہیں ہوتا کہ خود بھی کھائیں اور کسی کو افطار بھی کرائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کچھ نہ ہو تو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرا دو۔ غور کیجئے کہ کتنے صحابہؓ کے پاس اتنا زیادہ کھانا بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ کسی دوسرے کو افطار کرا سکیں، مگر اس کے باوجود وہ روزہ رکھتے تھے ۔ خود آپؐ کا حال بھی یہی رہتا کہ آپؐ کو کبھی کبھی روزہ پر روزہ رکھنا پڑتا تھا۔ یعنی مشکل سے پیٹ بھر کھانا میسر ہوتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

روزہ سے بے پرواہی

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں دوسرے احکام شرعیہ کی طرح روزہ کی طرف سے بھی بڑی بے پرواہی پیدا ہوگئی ہے۔ چند سال پہلے گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی روزہ میں روزہ رکھ کر پاکیزہ زندگی گذارنے کی کوشش کرتا تھا اور عورتیں تو سو فیصد روزہ رکھتی تھیں مگر اب یہ حالت باقی نہیں رہ گئی ہے بلکہ بعض بے حیا تو روزہ کے دنوں میں کھلے بند کھاتے پیتے اور سگریٹ بیڑی پیتے نظر آتے ہیں، ان کے دل میں ذرّہ برابر بھی خدا کا خوف دکھائی نہیں دیتا جس طرح روزہ کا بیحد ثواب ہے اسی طرح اس کے چھوڑنے کا گناہ بھی بے حد و حساب ہے اور روزہ میں بے حیائی سے کھانے پینے والوں کو دہرا عذاب ہوگا۔

روزہ کب فرض ہوا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ صحابہؓ جب تک مکّہ میں رہے برابر نفل روزے رکھتے تھے، مگر اب تک رمضان کا روزہ فرض نہیں ہوا تھا۔ جب آپؐ مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے تو وہاں جانے پر بھی ڈیڑھ برس تک روزہ فرض نہیں ہوا ،ڈیڑھ برس کے بعد یعنی ۲ھ میں رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض ہوئے ۔

ہر عاقل بالغ ، مرد اور عورت پر پورے رمضان کے مہینہ کا روزہ فرض ہے، اس کی فرضیت کا اِنکار کرنے والا کافر اور بغیر کسی عذرِ شرعی اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار اور

فاسق ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایک وقت کی نماز چھوڑ دے تو اس کو صرف ایک وقت کی نماز قضا ادا کرنی ہوگی لیکن اگر کوئی ایک روزہ توڑ دے تو اس کے بدلے اس کو مسلسل دو مہینے تک روزہ رکھنا پڑے گا، اور پھر بھی اس کو وہ اجر اور ثواب نہیں مل سکتا جو رمضان کے ایک روزہ کا تھا۔ رمضان کا روزہ چاند دیکھ کر شروع کرنے کا حکم ہے اور چاند دیکھ کر ختم کر دینے کا، اس لئے پہلے چاند دیکھنے کا بیان کیا جاتا ہے۔

رمضان کا چاند دیکھنے کا حکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ توڑ دو[۱]" اسی حکم کی بنا پر شعبان کی ۲۹ تاریخ کو مطلع کے اوپر رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ مطلع سے مُراد آسمان کا وہ حصّہ ہے جہاں چاند نکلتا ہے۔ یہ ہر موسم میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اگر ۲۹ کو چاند دکھائی دے تو دوسرے دن سے روزہ رکھنا چاہیئے اور اگر چاند دکھائی نہ دے تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ مہینہ ۳۰ کا ہے اور ۳۰ دن گذار کر دوسرے دن سے روزہ رکھ لینا چاہیئے۔ خواہ کوئی چاند دیکھے یا نہ دیکھے،

یہ حکم اس وقت کا ہے جب مطلع یعنی چاند نکلنے کی جگہ پر بدلی یا بہت زیادہ گرد و غبار[۲] نہ ہو۔ لیکن اگر ۲۹ تاریخ کو مطلع صاف نہ ہو تو پھر دوسرے دن ۱۰، ۱۱ بجے تک چاند کی خبر کا انتظار کرنا چاہیئے اور کھانا پینا نہ چاہیئے، کہ ممکن ہے کہیں سے چاند کی معتبر خبر آجائے۔ اگر آجائے تو پھر روزہ کی نیت کر کے روزہ رکھ لیا جائے۔ اور اگر نہ آئے تو پھر کھا پی لینا چاہیئے[۳]

(۱) ۲۹ تاریخ کو اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہ ہو تو پھر ۳۰ تاریخ کو

---

[۱] بخاری و مسلم

[۲] عالمگیری ج ۱۔ [۳] رد المحتار ویامر المفتی العامة بالتلوم الی وقت الزوال ثم بالافطار ج ۲ صفحہ ۱۴۱

چاند کی خبر کے بغیر روزہ کی نیت کرنا مکروہ ہے بعض لوگ یہ نیت کر لیتے ہیں کہ اگر چاند کی خبر آئی تو رمضان کا روزہ ورنہ نفل کا روزہ، یہ بھی مکروہ ہے۔ شریعت میں اس کو شک کا دن کہتے ہیں اور اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

(۲) بعض لوگ اس خیال سے تیس کا روزہ رکھتے ہیں کہ تیس روزے پورے ہو جائیں یہ بھی مکروہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ توڑ دو چاہے اُنتیس روزے ہوں یا تیس۔

چاند کی گواہی

اگر مطلع صاف نہ ہو اور عام لوگوں کو چاند نظر نہ آیا ہو، لیکن اگر ایک نمازی پرہیزگار اور سچا مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت یہ گواہی دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس کی گواہی مان لینی چاہیے اور دوسرے دن سے روزہ شروع کر دینا چاہیے۔[2] یہ تو رمضان کے چاند کا حکم تھا لیکن اگر بدلی یا غبار کی وجہ سے عید کا چاند نہ دکھائی دے تو پھر ایک آدمی کی گواہی قابلِ اعتبار نہیں ہے، چاہے وہ کتنا پرہیزگار اور نمازی کیوں نہ ہو، بلکہ اس کے لئے دو پرہیزگار اور سچے مسلمان مرد، یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کی گواہی کی ضرورت[3] ہے۔

---

[1] من صام یوم الذی یشك فیه قد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیه وسلم (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

[2] فتاویٰ ہندیہ ج ۱ صفحہ ۱۹۷) [3] مالی معاملات میں یا حدود وغیرہ میں گواہی وشہادت کی شرط ذرا سخت ہے مگر رمضان یا عید کے چاند کے لئے ایسے آدمیوں کی شہادت بھی معتبر ہے جن کے حالات سے پوری واقفیت نہ ہو یعنی وہ "مستور الحال ہوں یعنی ان کی برائیاں عام نہ ہوں فان کان مستور الحال قُبل (ہدایہ وحاشیہ شرح وقایہ) امام شافعی ایک آدمی کی گواہی کو رمضان اور عید دونوں میں قبول کر لینے کے قائل ہیں مگر ائمہ ثلاثہ عید کے ثبوت کے لئے دو عادل گواہوں کی شرط لگاتے ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۵۵۲)

یہ تو مطلع صاف نہ ہونے کا حکم تھا، اگر مطلع صاف ہو تو پھر ایک یا دو آدمی کے دیکھنے اور ان کی گواہی دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اتنے آدمیوں کا دیکھنا ضروری ہے کہ ان سب کا جھٹلانا آسان نہ ہو یعنی وہ خبر خبرِ مستفیض ہو خبرِ مستفیض کی تعریف آگے آرہی ہے۔

رویت ہلال کے ثبوت کی کئی صورتیں ہیں، اوپر دو صورتوں کا ذکر ہو چکا ہے، ایک یہ کہ مطلع صاف ہو، دوسرے مطلع صاف نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں خبر و شہادت کی ضرورت ہوتی ہے، مگر براہ راست خبر و شہادت کے علاوہ کئی اور بالواسطہ صورتیں ہیں جن سے چاند کا ثبوت ہو سکتا ہے، وہ یہ ہیں۔

(۱) شہادت علی الشہادۃ

یعنی دو ثقہ آدمیوں نے چاند دیکھا، مگر وہ خود کسی عذر کی بنا پر[1] قاضی یا مفتی کے پاس نہ جا سکتے ہوں تو وہ دو ثقہ آدمیوں کو اپنی طرف سے بھیج دیں اور وہ ان کی طرف سے کہیں کہ فلاں فلاں لوگوں نے چاند دیکھا ہے اور ہم کو شاہد بنا کر بھیجا ہے تو اس صورت میں رویت کا فیصلہ مفتی یا قاضی کر سکتا ہے۔

(۲) شہادت علی قضاء القاضی

قاضی یا مفتی نے چاند کی شہادت قبول کر لی اور اس مجلس میں شریک دو دیندار آدمی دوسری جگہ کے قاضی یا مفتی کے پاس جا کر شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں قاضی یا مفتی کے یہاں چاند کی شہادتیں پیش ہوئیں اور اس کے مطابق قاضی یا مفتی نے رویت کا فیصلہ کر دیا تو یہ شہادت دوسری جگہ کے لئے قابلِ قبول ہو گئی اور رویتِ ہلال کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے[2]۔

(۳) قاضی کا خط قاضی کے پاس

ایک جگہ کے قاضی یا مفتی یا کسی ذمہ دار عالم کے سامنے چاند کی شہادت پیش ہوئی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا اب وہ دو دیندار مسلمانوں کے سامنے یہ خط لکھا کہ میں نے

---

[1] باب الشہادۃ علی الشہادۃ وھی مقبولۃ لکن لا تقبل الا بشرط تعذر حضور الاصل (شامی ج ۴۔ ص ۵۴۴) [2] درمختار ج ۲ ص ۱۲۸)

شرعی شہادت کی بنا پر رویت ہلال کا فیصلہ کر دیا ہے، وہ اس خط پر اپنا دستخط کر دے اور اگر مہر ہو تو مہر لگا دے اور وہ دونوں مسلمان اس خط کو لے جا کر دوسری جگہ کے مفتی قاضی یا ذمہ دار سے کہیں کہ یہ خط میرے سامنے لکھا گیا ہے کہ اسے آپ تک ہم پہنچا دیں، اس بنیاد پر قاضی یا مفتی یا ذمہ دار عالم چاند ہونے کا اعلان کر سکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ کوئی ذمہ دارانہ خط ہونا چاہیئے، ایک عام آدمی کا خط نہیں ہونا چاہیئے۔

(۴) خبر مستفیض یعنی چاند کی خبر مشہور ہو جائے تو وہ قبول کی جا سکتی ہے۔ استفاضہ کی تعریف یہ ہے۔

ان المراد بالاستفاضة	استفاضہ سے مراد اس جگہ کی وہ خبر ہے
تواتر الخبر من الواردين	جہاں رویت ثابت ہو چکی ہے اور اسے
من بلدة الثبوت الى البلدة	وہاں سے آنے والے بہت سے لوگ
التي لم يثبت بها۔	وہاں آکر بیان کریں جہاں رویت کا
(حاشیہ بحر الرائق صفحہ ۲۷۰/۲ فتاوی رحیمیہ)	ثبوت نہیں ہو سکا ہے۔

یعنی یہ خبر افواہ جیسی نہ ہو کہ نہ کہنے والا معلوم ہو اور نہ سننے والا۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا حکم یہ ہے کہ اگر ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر علمائے کرام کی کوئی مجلس یا معتبر چاند کمیٹی شہادت لے کر فیصلہ کرے اور پھر ان کی طرف سے اس کا اعلان ہو تو مقامی علماء اور معتبر چاند کمیٹی غور کر کے رویت ہلال کا فیصلہ کر سکتی ہے، صرف عوام کی منظوری اور رائے معتبر نہیں ہے، موجودہ دور میں جس میں ہر شخص مفتی بن گیا ہے احتیاط ضروری ہے، اسی طرح سے اگر متعدد جگہ سے یہ اطلاع آئے کہ فلاں جگہ کے قاضی یا مفتی صاحب نے رمضان کے شروع ہونے یا عید کے ہونے کا اعلان کیا ہے تو مقامی علماء کو اگر اس کی صحت کا غلبہ ظن ہو جائے تو وہ رویت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

اسی طرح تار، وائرلیس اور ٹیلیفون کے بارے میں خاتم الفقہا مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور مجلس تحقیقات شرعیہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ انتہائی صائب فیصلہ ہے۔

تار، خط، ٹیلی فون کی خبر معتبر نہیں ہے ہاں خصوصی انتظام کے تحت متعدد جگہوں سے تار، ٹیلی فون اور خطوط آئیں اور مقامی علماء کہیں کہ ان سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے۔ تو اس بنیاد پر مقامی علماء کا فیصلہ قابلِ قبول ہوگا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ملاحظہ ہو:-

واقعی در رویت ہلال شہرت خبر معتبر است اگر از شہرے خبر رسیدہ کہ بشب گذشتہ در آنجا رویت ہلال شدہ بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شد تا وقتیکہ شہرت آں نشود از تحریرات کثیرہ واخبار عدیدہ معلوم نہ شود اعتبار آں نباشد[1]

واقعہ ہے کہ رویت ہلال کے سلسلہ میں خبروں کا مشہور ہونا معتبر ہے اگر کسی شہر سے یہ خبر ملے کہ وہاں چاند دیکھا گیا ہے۔ یا تار وغیرہ کے ذریعہ خبر ملے کہ چاند ہوگیا، تو جب تک متعدد تحریروں اور خبروں سے اس کی تصدیق نہ ہوجائے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ ایک تو ہے شہادت دوسرے شہادت کسی دوسری جگہ گذری اور اس کی اطلاع متعدد واقعات سے مل جائے تو یہ شہادت ٹیلی فون، تار، وائرلیس یا تحریر سے ثابت نہیں ہوسکتی، البتہ اس شہادت کی خبر متعدد ذرائع سے ملے اور گمان غالب ہوجائے تو امام شہر، یا قاضی یا کوئی کمیٹی اس کا اعلان کرسکتی ہے، اس کی حیثیت منادی کی ہوگی۔

خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان فاسقا۔

بادشاہ یا ذمہ دار کی منادی معتبر ہوگی چاہے وہ خود بے عمل کیوں نہ ہو۔

اختلاف مطلع کی بحث

یہاں ایک مسئلہ پر بھی روشنی ڈالنی ضروری ہے وہ اختلاف مطلع کا مسئلہ ہے۔ یعنی اختلاف مطلع پایا جاتا ہے یا نہیں؟ اگر پایا جاتا ہے تو وہ نماز و روزہ میں معتبر ہے یا نہیں؟

جہاں تک اختلاف مطلع کے پائے جانے کی بات ہے اب یہ نظری چیز نہیں ہے

---

[1] فتاویٰ مولانا عبدالحی ج ۱۔ یہی فیصلہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ہے۔

گئی ہے بلکہ ایک مشاہداتی چیز بن گئی ہے کہ اس دنیا کے مختلف ملکوں میں ایک دو گھنٹے کا نہیں بلکہ پورے دن رات اور اس سے زیادہ کا فرق بھی ہوتا ہے اس لئے اب یہ مسئلہ تو قابلِ بحث نہیں رہا، دوسرا مسئلہ کہ اختلاف مطلع نماز کے پڑھنے اور روزہ کے رکھنے اور توڑنے کے لئے معتبر ہوگا یا نہیں، عام طور پر علمائے احناف اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اختلافِ مطلع کا اعتبار نہیں کرتے اور امام شافعیؒ مطلع کا اعتبار کرتے ہیں[1] مگر بعد کے حنفی فقہا کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی تجربہ کی بنیاد پر اختلافِ مطلع کو تسلیم کرتے ہیں مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تمام اقوال نقل کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا ہے کہ اختلافِ مطلع کا اعتبار کیا جانا ضروری ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

اصح المذاہب عقلاً و نقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ فیما بین آنہا مسافتے باشد کہ دراں اختلاف مطالع می شود و تقدیرش مسافت یک ماہ است دریں صورت حکم رویت یک بلدہ بہ بلدۂ دیگر نخواہد شد و در بلاد متقاربہ کہ مسافت کم از یک ماہ داشتہ باشد حکم رویت یک بلدہ بہ بلدۂ دیگر لازم خواہد شد[2]

عقل و نقل کے لحاظ سے زیادہ صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے دو شہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطلع بدل جائیں جس کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے اس میں ایک شہر کی خبر دوسرے شہر میں معتبر نہیں ہوگی۔ اور قریبی شہر جس کی مسافت ایک ماہ سے کم ہو تو ایک جگہ کی دوسری جگہ کے لئے لازمی ہوگی۔

اس لحاظ سے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کا مطلع حجاز، مصر، افریقہ اور یورپ اور امریکہ سے مختلف ہے، اسی طرح آسٹریلیا اور ملیشیا اور جاپان وغیرہ سے مختلف ہے البتہ ایک ماہ کی مسافت بھی تخمینی چیز ہے[3] اس لئے اس میں جدید رصد گاہوں اور فلکیات کے

---

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۵۵۰

[2] مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی رح ج ۱۔

[3] ایک ماہ کی مسافت کی تعیین ہمارے قدیم فقہاء نے گھوڑے اور اونٹ کی رفتار سے مقرر کی تھی۔

ماہرین کی رائے اور مشاہدہ زیادہ مناسب ہے اس لئے ہندوستان، پاکستان بنگلہ دیش اور نیپال کی مسافت کے لحاظ سے اس کی تعیین ہونی چاہیئے اس لئے کہ ان سب کا مطلع قریب قریب ایک ہے۔

نئے آلات کے ذریعہ

جب مطلع صاف ہو تو چاند دیکھنے میں کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر مطلع غبار آلود یا بدلی ہو یا ایسا شہر ہو جہاں دس منزلہ اور بیس منزلہ مکان ہی مکان ہوں تو وہاں اگر دوربین سے یا ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا انتظام اسلامی حکومت کرے یا کوئی باقاعدہ قابلِ اعتماد افراد کریں، اوپر ذکر آچکا ہے کہ چاند کی گواہی کے شرائط ہلکے ہیں یعنی جب مستور الحال آدمی کی شہادت سے بھی گمان غالب ہو جاتا ہے تو اس نئے آلات کے استعمال کے ذریعہ آئی ہوئی خبر یا شہادت سے زیادہ درجہ کا گمان ہو جاتا ہے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جس ڈگری پر عام طور پر وہاں چاند کی رویت ہوتی ہو اس سے زیادہ اونچائی سے نہ دیکھا گیا ہو یعنی جیسے ہوائی جہاز کو بہت اونچا نہ اڑایا گیا ہو اس لئے کہ چاند کبھی غروب نہیں ہوتا وہ کہیں نہ کہیں تو دکھائی دیتا ہی ہے اس لئے اگر بہت اونچائی سے دیکھا جائے گا تو کہیں نہ کہیں ضرور دکھائی دے گا، اس لئے اس کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے کسی اوپر جگہ سے چاند دیکھنے کی گنجائش فقہا نے صُومُوا لِرُویتِہٖ کے تحت دی ہے، ابن عابدین لکھتے ہیں۔

قد یری الھلال من اعلی	ایسی جگہوں پر کبھی چاند اونچی جگہوں سے
الاماکن مالا یری من	دیکھا پڑتا ہے جہاں نیچے سے نہ دیکھا جا
الاسفل فلایکون تفردہ	سکتا ہو تو اس کا تفرد ظاہر روایت کے
خلاف الظاھر۔ درد المختار ج ۲ ص ۹۳	خلاف نہیں ہوگا۔

چاند کی رویت میں یکسانیت

اوپر چاند کی رویت کے سلسلے میں ذکر آچکا ہے کہ چاند کی رویت چونکہ ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی اس لئے علمائے محققین نے اختلاف مطلع کو تسلیم کیا ہے مگر اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ

جہاں کا مطلع ایک ہے، مثلاً ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال وغیرہ وہاں رمضان وعید میں اختلاف کیوں ہوتا ہے اور علماء، ریڈیو یا ٹیلی ویژن یا ٹیلی فون کی خبر کے مطابق اسے کیوں تسلیم نہیں کر لیتے تاکہ ہر جگہ رمضان اور عید وبقر عید کے منانے میں یکسانیت پیدا ہو بلکہ بعض مرتبہ تو ایک شہر میں بھی دو عیدیں ہو جاتی ہیں جب بھی ایسی صورت پیش آجاتی ہے تو عام طور پر علماء کو مطعون کیا جاتا ہے اور قدامت پرستی اور تنگ نظری کا الزام عائد کیا جاتا ہے مگر اس سلسلہ میں چند باتیں ذہن میں رکھی جائیں تو شاید یہ بات بظاہر جتنی وزنی معلوم ہوتی ہے اس کا وزن باقی نہ رہے اور لوگ علماء پر بلا وجہ الزام تراشی نہ کر سکیں گے۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ چاند کے افق میں موجود ہونے اور پھر قابل اعتماد شہادت کے ذریعہ اس کے ثبوت کے فراہم ہونے میں فرق ہے۔ چاند کسی وقت غروب نہیں ہوتا بلکہ ہر مقام کے مطلع کے اعتبار سے طلوع یا غروب ہوتا ہے، چاند کے دیکھے جانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مطلع صاف ہے اور بہت سے لوگوں نے چاند دیکھا اور ایک جگہ رمضان کا یا عید کا اعلان ہو گیا اور یہ خبر ریڈیو کے ذریعہ دوسرے شہر یا صوبہ میں پہنچی کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے تو عام لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ بس خبر آتے ہی اس پر عمل کر لیا جائے۔ حالانکہ چند سال پہلے کی بات ہے کہ ریڈیو پر اعلان ہوتا ہے کہ جے پرکاش نرائن کا انتقال ہو گیا، اس خبر کے مطابق پارلیمنٹ میں ان کی تعزیت کی تجویز پاس ہوتی ہے اور پھر چند گھنٹے کے بعد اس کی تردید ہو جاتی ہے، اس لئے محض ریڈیو سے خبر کا آجانا کافی نہیں ہے اگر ریڈیو سے یہ اعلان ہو کہ ہندوستان کے وزیر اعظم کا انتقال ہو گیا تو ہر شخص مان لے گا مگر کسی عدالت عالیہ کا جج نہیں بلکہ ضلع کا ایک معمولی منصف بھی کسی مقدمہ میں ریڈیو یا ٹیلی ویژن یا ٹیلی فون کے ذریعہ کوئی شہادت قبول نہیں کر سکتا آپ اس عدالت کے اس طرز عمل پر تو کوئی اعتراض نہیں کرتے لیکن علماء جب یہی بات کہتے ہیں کہ چاند کی رویت کی حیثیت شہادت کی ہے عام خبر کی نہیں ہے تو آپ علماء پر تنگ نظری کا الزام عائد کرتے ہیں (۲) پھر دوسری بات یہ کہ رمضان عید یا بقر عید کی حیثیت دوسری قومی

کے عام تہواروں کی سی نہیں ہے بلکہ ان کی حیثیت عبادت کی ہے۔ یعنی چاند کے دیکھنے کے بعد ایک عبادت شروع ہوتی ہے اور دوسری ختم ہوتی ہے اور چاند کے اوپر ہمارے نہ جانے کتنے معاملاتی اور معاشرتی احکام کا دارومدار ہے اس لیے شریعت کا سادہ حکم یہ ہے کہ

صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ (بخاری مسلم) چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ توڑ دو۔

اس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ مقصود چاند کا موجود ہونا نہیں بلکہ دیکھا جانا ہے اور دیکھے جانے میں یہ بھی خیال رہے کہ عام آنکھوں سے دیکھا جانا مقصود ہے۔ ہوائی جہاز دوربین یا موسمیات کے ماہرین کے حساب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے جہاں ان ذرائع سے یکسانیت یا وحدتِ ملت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ شریعت کے منشار کے خلاف ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ جہاں بہت اونچے مکانات ہوں یا مطلع غبار آلود ہو وہاں اس کی کوشش اسلامی حکومت کی طرف سے صحیح ہو سکتی ہے اوپر اس سلسلہ میں علامہ شامی کی رائے نقل کی جا چکی ہے۔

یہی حکم عام عبادات کا ہے نماز ہی کو لیجئے، ہمارے ملک میں مغرب اور فجر کی نماز کہیں ایک گھنٹہ پہلے ہوتی ہے اور کہیں ایک گھنٹہ بعد تو اس سے وحدتِ ملت یا یکسانیت میں کیا فرق آتا ہے؟ اس لئے بلا وجہ یکسانیت پیدا کرنے کے لئے ہمیں اپنی عبادات میں ان شرائط کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے جن کا لحاظ ضروری ہے۔ صحابہ کے دور سے اب تک چاند کا یہ اختلاف چلا آ رہا ہے مگر کبھی کسی زمانہ میں وحدت ملت کے لیے عیدین وغیرہ میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اور نہ اس میں کوئی اعتراض پیدا ہوا، اس سلسلہ میں حضرت کریب کا واقعہ اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے جو حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن محض مسلکی یا ذاتی اختلاف کی بنا پر کسی ایک طبقہ یا شخص کی قبول شہادت کی بات نہ ماننا اور شخصی یا جماعتی عصبیت کی بنار پر رمضان و عید کے سلسلے میں عوام میں انتشار پیدا کر کے دو عیدیں کرانا یا روزہ ایک دن پہلے یا بعد رکھوانا یا توڑوانا کسی طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا اس معاملہ میں خدا کا خوف کرنا چاہیئے کہ اگر روزہ حرام تھا اور روزہ رکھوا دیا یا روزہ رکھنا چاہیئے تھا توڑوا دیا دونوں صورتوں میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا۔

چاند دیکھنے کی دعار

جب نیا چاند نظر آئے تو یہ دعا پڑھنی چاہیے اللھم اھلہٗ علینا بالیمن والایمان والسلامۃ والاسلام والتوفیق لما تحب وترضی ربی وربك اللہ ھلال رشد وخیر اللھم انی اسئلك

من خیر ھٰذا الشھر واعوذ بک من شرہٖ[۱] ۔ (ترمذی، مسند احمد، طبرانی، ابن حبان)

ایک شخص نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا مگر کسی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہ کی گئی تو اس کو دوسرے دن روزہ رکھنا واجب ہے۔ اس کو عید نہ کرنی چاہیئے[۲]

روزہ کا وقت

روزہ کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ یعنی روزہ کی نیت سے اس وقت تک کھانا پینا چھوڑنے اور عورت سے مباشرت نہ کرنے کا نام روزہ ہے۔ کھانے پینے میں یہ بھی شامل ہے کہ معدہ میں کسی اور طریقہ سے غذا یا دوا وغیرہ نہ پہنچے اور عورت سے مباشرت میں وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن کے ذریعہ آدمی ارادہ کے ساتھ اپنی خواہشِ نفس پوری کرے اور منی خارج ہو جائے۔ احتلام اس لئے اس حکم سے خارج ہوگیا کہ اس میں ارادہ نہیں پایا جاتا۔

روزہ کی نیّت

روزہ کے صحیح ہونے کے لئے نیّت ضروری ہے۔ اگر بغیر نیّت کے رکھا جائے تو درست نہ ہوگا۔ مثلاً کسی نے دن بھر کھایا پیا نہیں مگر روزہ کی نیّت نہیں کی تو روزہ نہیں ہوگا لیکن زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس کے لئے دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے۔ مثلاً روزہ رکھنے کے لئے سحری کھائی یا سحری کے وقت کچھ کھایا پیا تو نہیں مگر روزہ کی نیت سے کلّی کی، پانی پیا تو یہ بھی نیت سمجھی جائے گی[۳] نیت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عربی میں کریں، بلکہ وہ جس زبان کو جانتا ہو اُسی زبان میں کرلے۔

رمضان کے روزوں کی نیت یا تو رات ہی میں کر لی جائے، یا دوپہر سے پہلے پہلے کر لینی چاہیئے۔ نیت میں اتنا ارادہ کر لینا یا زبان سے کہہ دینا کافی ہے کہ آج میں رمضان کا روزہ رکھوں گا۔ اگر رمضان کا ذکر نہ کیا بلکہ صرف روزہ کہا تب بھی روزہ ہو جائے گا

عربی میں نیت یہ ہے، نویت بصوم الیوم۔

سحری

روزہ رکھنے کی نیت سے جو کھانا یا پانی صبحِ صادق سے پہلے کھایا پیا جاتا ہے اُسے سحری کہتے ہیں۔ سحری کھانا سُنّت ہے۔ اور اس کھانے میں ثواب ہے۔ اگر کھانے

---

[۱] مختلف روایتوں میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں ان سب کو ملا کر یہ دعا لکھی گئی ہے۔

[۲] ردالمحتار، [۳] بحر الرائق،

کی خواہش کم ہو تو تھوڑا سا کوئی میٹھا کھالے، یا دودھ وغیرہ پی لے۔ اگر بالکل خواہش نہ ہو تو دو چار گھونٹ پانی ہی پی لے مگر سحری کی نیت سے ضرور کچھ کھا پی لینا چاہیئے۔

بعض لوگ احتیاط کے خیال سے تین چار گھنٹہ رات رہتی ہے جب ہی سحری کھا لیتے ہیں۔ ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ سحری دیر کر کے کھانا سُنّت ہے [1]

سحری کے سلسلے میں چند باتیں یاد رکھنی چاہیئیں۔

(۱) اگر رات کو سو جانے کی وجہ سے سحری نہ کھا سکے تب بھی روزہ رکھنا چاہیئے۔ اگر سحری نہ کھانے کی وجہ سے کسی نے روزہ نہ رکھا تو بہت بڑا گناہ ہوگا۔

(۲) کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور سحری کھائی اسکے بعد معلوم ہوا کہ سحری کا وقت نہیں تھا تو یہ روزہ اس کا بے کار گیا، اب رمضان کے بعد اس کی قضا رکھنی پڑے گی لیکن اس دن بھی اس کو روزہ داروں کی طرح رہنا چاہیے۔ یعنی روزہ کے احترام میں کچھ کھانا پینا نہ چاہیئے۔

(۳) اگر یہ شک ہو جائے کہ اب وقت ہے یا نہیں تو ایسی حالت میں سحری نہ کھانا چاہیئے

اِفطار

سورج ڈوبنے کے بعد روزہ ختم کرنے کے خیال سے جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے، اس کو شریعت میں اِفطار کہتے ہیں جس طرح سحری میں دیر کرنا ثواب ہے اسی طرح افطار میں جلدی کرنا ثواب ہے۔ جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جوں ہی اِس بات کا یقین ہو جائے کہ سورج غروب ہو گیا فوراً روزہ اِفطار کر لینا چاہیے۔ یہ انتظار نہ کرنا چاہیئے کہ ذرا اندھیرا ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت اس وقت تک بھلائی پر رہے گی جب تک افطار میں جلدی کرتی رہے گی۔ دیر کرنا مکروہ ہے۔ چھوہارے یا کھجور یا پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی — اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا

---

[1] والمستحب تاخيره لقوله عليه الصلوة والسلام ثلاث من اخلاق المرسلين تعجيل الافطار، وتاخير السحور، والسواك۔
(شرح البدايه ص۲۰۵ ج۲)

رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (صحاح ستہ) — اور تیری دی ہوئی روزی سے افطار کیا۔

افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیئے:۔

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ — پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہوگئیں اور اللہ نے چاہا تو اس کا اجر بھی ملا۔

روزہ افطار کرنے کے بعد فوراً مغرب کی نماز پڑھنی چاہیئے اگر افطار کی وجہ سے جماعت میں کچھ تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے والاصح انہ یکرہ الا من عذر کالسفر والکون علی الاکل ونحوھما (کبیری ص۲۳۳)

گیارہ مہینوں میں اذان کے بعد فوراً مغرب کی نماز پڑھنی بہتر ہے لیکن رمضان میں افطار کی وجہ سے اگر نماز میں کچھ دیر ہو جائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ مگر اتنی دیر نہ کرنی چاہیئے کہ بالکل اندھیرا ہو جائے۔

(۱) بدلی کے دنوں میں ذرا دیر کر کے روزہ کھولنا چاہیئے۔ جب تک پورا یقین نہ ہو جائے کہ سورج ڈوب گیا ہے اس وقت تک روزہ نہ کھولنا چاہیئے۔ چاہے گھڑی کے اعتبار سے وقت ہو ہی کیوں نہ گیا ہو۔[1]

(۲) اگر یقین ہو گیا کہ سورج ڈوب گیا اور افطار کر لیا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی سورج ڈوبا نہیں تھا تو اس روزہ کی قضا رکھنی پڑے گی۔[2]

(۳) اگر بعد میں کچھ شبہ ہو کہ سورج غروب ہوا تھا یا نہیں ہوا تھا تو اس شک و شبہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے، یقین ہونا چاہیئے۔

روزہ میں کرنے کا کام

روزہ میں اپنا کوئی وقت بے کار کاموں اور فضول باتوں میں نہ گنوانا چاہیئے بلکہ جو وقت روزی کمانے سے بچے اسے

---

[1] ردالمحتار ج ۲ ص۱۸۳ وفی الغیم یحتاط حفظا للصوم عن الافساد (مراقی الفلاح ص۲۱۱)

[2] ولو شك فی غروب الشمس لا یحل الفطر ولو اکل فعلیہ القضاء (ہدایہ ص۲۵ ج۱)

قرآن کی تلاوت، نفل، نماز یا کسی اور نیک کام میں صرف کرنا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو شدید گرمی کے زمانہ میں روزہ رکھے ہوئے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے اور تبلیغ کی ہے۔ اگر وہ تلاوتِ قرآن یا کوئی اور نیک کام نہ کرے تو فضول باتوں میں لگے رہنے سے بہتر ہے کہ سو جائے تاکہ گناہ سے تو بچا رہے۔

روزہ کے مکروہات

روزہ میں کھانا پینا اور مباشرت ترک کرنا تو فرض ہے، ان کے ارتکاب سے روزہ ٹوٹ ہی نہیں جاتا بلکہ ایک روزہ کے بدلے اس کو دو مہینے مسلسل روزے رکھنے پڑیں گے، لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں مگر مکروہ ہو جاتا ہے اور ثواب کم ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔ (۱) پیٹھ پیچھے کسی کی بُرائی کرنا اور چغلی کھانا، گالی گفتہ کرنا، سخت کلامی کرنا، چیخنا چلّانا، فضول باتیں کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا (۲) بھوک پیاس کی وجہ سے گھبراہٹ اور بے چینی ظاہر کرنا (۳) کسی چیز کا منہ میں ڈالے رکھنا یا چبانا خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا نہ ہو (۴) کوئی کھانے کی چیز چکھنا، اگر کسی عورت کا شوہر یا کسی ملازم کا مالک چڑچڑا اور بد مزاج ہو تو ان کو زبان کی نوک سے نمک چکھ لینے کی اجازت ہے تاکہ تُو تُو، مَیں مَیں نہ ہو۔ (۵) روزہ کی حالت میں کلّی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں اتنا زیادہ مبالغہ کرنا کہ حلق تک پانی چلا جائے یا ناک کے ذریعہ حلق میں پانی آجائے (۶) نہانے کی ضرورت ہو مگر صبح صادق کے بعد تک نہ نہانا، صبح ہونے اور دن نکلنے کے بعد نہانا اور زیادہ برا ہے (۷) کوئلہ چبا کر منجن وغیرہ سے دانت صاف کرنا۔ یہی حکم ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کا بھی ہے (۸) منہ میں بہت سا تھوک جمع کر کے نگل جانا یا دانت میں چنے سے کم کوئی چیز اٹکی ہو تو اس کو نگل جانا۔ (۹) اگر یہ خیال ہو کہ اس کو اپنے اوپر قابو نہیں رہے گا تو عورت کا بوسہ لینا اور اس سے بغل گیر ہونا مکروہ ہے لیکن اگر یہ خدشہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے مگر جوان آدمی کو ہر حال میں اس سے بچنا چاہیئے[1] اور عورت کا ہونٹ منہ میں

---

[1] ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک بوڑھے آدمی کو اس کی اجازت دی اور ایک نوجوان کو منع فرمایا۔

لینا ہر حال میں مکروہ ہے (۱۰) اپنے منھ سے چبا کر بچے کو کوئی چیز کھلانا۔

جن باتوں سے روزہ مکروہ و فاسد نہیں ہوتا

(۱) سر پر تیل ڈالنا (۲) بدن پر تیل ملنا (۳) سرمہ لگانا (۴) مسواک کرنا، مسواک خواہ سوکھی ہو یا گیلی۔ دوپہر کے بعد کی جائے یا دوپہر سے پہلے (۵) خوشبو لگانا یا سونگھنا (۶) بھولے سے کھا لینا یا پانی پی لینا، یا عورت کے ساتھ صرف لیٹنا[۱] اگر دوسرا آدمی کسی کو روزہ میں بھول کر کھاتے پیتے دیکھے تو اس کو فوراً بتانا چاہیئے کہ روزہ ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ بہت بھوکا پیاسا ہے تو پھر نہ بتانا چاہیئے[۲] (۷) خود بخود قے ہو جانا خواہ زیادہ ہو یا کم (۸) منھ میں جو ذرا سا تھوک آجاتا ہے اس کو نگل جانا (۹) بغیر ارادہ مکھی یا دھواں وغیرہ کا حلق سے اتر جانا (۱۰) گرمی کی شدت سے بار بار کلی کرنا یا بدن پر پانی ڈالنا یا کپڑا تر کر کے بدن پر رکھنا[۳]۔ (۱۱) سوتے میں احتلام ہو جانا (۱۲) روزہ کا خیال نہیں تھا اور وہ عورت کے ساتھ ہم بستر ہونے لگا یا کھانے پینے لگا مگر اس کو فوراً ہی اپنی غلطی کا علم ہوا اور وہ عورت سے علیحدہ ہو گیا، یا کھانا پینا چھوڑ دیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، بلکہ اسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہیئے۔

کن باتوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے

جن باتوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں (۱) ایک وہ جن سے صرف قضا لازم آتی ہے (۲) دوسری وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔

---

[۱] وان اکل الصائم او شرب او جامع ناسیا لم یفطر (قدوری ص۴۵)

[۲] رجل نظر الی صائم یاکل ناسیا ان رای فیہ قوۃ یمکنہ ان یتم الصوم الی اللیل فالمختار انہ یکرہ ان لا یذکرہ (بحر الرائق ص۲۷۱ ج۲) وان کان یضعف فی الصوم بان کان شیخا کبیرا یسعہ ان لا یخبرہ (عالمگیری ص۲۰۲ ج۱)

[۳] درمختار میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ لکھا ہے لیکن ان کے قول پر فتویٰ نہیں ہے اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے کپڑا تر کر کے اپنے بدن پر رکھا (ردالمختار)

قضا کی صورتیں

قضا کے معنٰی پورا کرنے کے ہیں، روزہ قضا کرنے کے معنٰی یہ ہیں کہ اگر اس کا ایک یا کئی روزے چھوٹ گئے تو اس کو صرف ایک یا جتنے روزے چھوٹ گئے ہیں رمضان کے بعد اتنے ہی پورے کر لینے چاہئیں۔ اِن صورتوں میں قضا ضروری ہے۔

(۱) کسی نے زبردستی روزہ دار کے منہ میں کچھ ڈال دیا اور وہ حلق سے اتر گیا (۲) روزہ یاد تھا مگر کلی کرتے وقت ارادہ کے بغیر بے احتیاطی میں حلق کے نیچے پانی اتر گیا (۳) قصداً منہ بھر کے قے کرنا یا منہ میں ذرا سی قے آئی اور اس کو نگل جانا (۴) جو چیزیں کھائی نہیں جاتیں مثلاً کاغذ، کنکری، مٹی، کوئلہ وغیرہ ان کو قصداً نگل جانا[۱] (۵) دانتوں میں روٹی کا ٹکڑا یا گوشت کا ریشہ رہ گیا اور صبح کے بعد اس نے خلال کیا اور وہ حلق سے نیچے چلا گیا تو اگر یہ ٹکڑا چنے سے چھوٹا ہے تو کوئی ہرج نہیں لیکن اگر یہ چنے کے برابر یا اس سے بڑا ہے تو روزہ قضا کرنا چاہیئے اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب منہ کے اندر رہی سے نگل جائے، لیکن اگر منہ کے باہر نکال کر پھر اس کو نگل لیا تو وہ ٹکڑا چھوٹا ہو یا بڑا قضا ضروری ہے[۲] (۶) کان میں تیل ڈالنا (۷) ناک سے کوئی چیز سُڑک لینا اور وہ حلق سے نیچے اُتر جائے (۸) دانت سے نکلے ہوئے خون کو اگر وہ تھوک سے زیادہ ہو نگل جانا (۹) بھُولے سے کچھ کھا پی گیا اس کے بعد یہ سوچ کر کہ روزہ تو ٹوٹ گیا پھر دوبارہ کچھ کھا پی لیا (۱۰) صبح صادق کے بعد یہ خیال کر کے سحری کھالی کہ ابھی وقت باقی ہے (۱۱) غروب آفتاب سے پہلے اس خیال سے روزہ افطار کر لینا کہ سورج ڈوب چکا ہے (۱۲) رمضان شریف کے روزوں کے علاوہ کسی نفل یا واجب روزے کو قصداً توڑ دینا (۱۳) دوپہر کے بعد روزے کی نیّت کرنا۔ اِن تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس کے بدلے میں ایک روزہ رکھنا پڑے گا[۳]۔

---

[۱] ومن ابتلع الحصاة او الحدید افطر ولا کفارۃ علیہ۔ (الجوهرة النیرہ صفحہ ۱۴۵)

[۲] ولو کان بین اسنانہ شیئ فدخل حلقہ وھو کارہ او متعمد لا یفسد صومہ اذا کان دون الحمصۃ لانہ قلیل تبعا للریق وان کان قدر الحمصۃ فاکلہ متعمدا عن ابی یوسف انہ یفسد صومہ (عالمگیری صفحہ ۲۸ ج ۱)

[۳] شرح وقایہ۔ ج ۱، صفحہ ۳۱۰، ۳۱۱ وشرح النقایہ۔

روزہ قضا کرنے کا وقت

روزہ قضا ہو جائے تو سال کے گیارہ مہینے میں جب چاہے اس کی قضا کرلے، مگر رمضان کے بعد فوراً رکھ لینا بہتر ہے۔ قضا روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی کے تین چار روزے قضا ہو گئے ہوں تو اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کی ایک ساتھ قضا کرے، ایک ایک یا دو دو ناغہ دے دے کر قضا کرے تو بھی صحیح ہے۔

کسی پر گزشتہ رمضان کے روزے باقی تھے کہ دوسرا رمضان آگیا تو پہلے اس رمضان کے روزے رکھ لے، پھر رمضان کے بعد قضا روزے پورے کرلے۔ رمضان میں کسی دوسرے روزے کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر کرے گا تب بھی وہ رمضان ہی کا روزہ شمار کیا جائے گا۔

قضا اور کفّارہ دونوں کا لازم ہونا

کفارہ کے معنیٰ چھپانے کے ہیں اور شریعت میں کسی گناہ کو چھپانے یا مٹانے کے لئے جو چیز دی جاتی ہے اس کو کفارہ کہتے ہیں۔ جن صورتوں میں کفارہ واجب ہوتا ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) رمضان کا روزہ رکھ کر قصداً کوئی ایسا کام کرنا جس کا کرنا روزہ میں منع ہے۔ مثلاً کھانا پینا یا عورت کے ساتھ اپنی خواہش پوری کرنا۔ کھانے میں یہ بھی شامل ہے کہ منھ کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے قصداً معدہ یا دماغ میں کوئی غذا پہنچا دی جائے، اس میں کفارہ تو نہیں مگر قضا واجب ہوگی[۱] اسی طرح پینے میں پانی، دوا یا کوئی اور پتلی چیز کے علاوہ حقّہ، سگریٹ، بیڑی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اگر ان چیزوں کا استعمال کوئی کرے گا تو کفّارہ دینا ہوگا۔

(۲) روزہ میں کوئی ایسا کام کیا جس کا کرنا جائز ہے۔ مثلاً سر پر تیل ملا، یا سرمہ لگایا، خوشبو سونگھی یا عورت کا بوسہ لیا اور پھر یہ خیال کرکے میرا روزہ ٹوٹ گیا اور قصداً کھا پی لیا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا[۲] یہاں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

---

[۱] جدید دور میں اس کی بہت سی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جو اس سے پہلے نہیں تھیں قرآن و حدیث میں صرف دو صورتوں کا ذکر ہے۔ [۲] و اذا اکتحل او ادھن ثم اکل متعمدا علیہ الکفارۃ الخ

(عالمگیری ص ۲۰۴)

الف۔ ایک یہ کہ اگر اس کو کسی عالم نے غلط فتویٰ بتا دیا اور اس نے روزہ توڑ ڈالا تو پھر کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

ب۔ دوسرے یہ کہ یہ کام اگر ایسا تھا جس میں بظاہر یہ شُبہ ہو سکتا تھا کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً اس نے بھول کر پیٹ بھر کھا لیا۔ یا عورت سے بغلگیر ہوا اور منی نکل آئی۔ اب یہ خیال کر کے کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا پھر دوبارہ کھا پی لیا تو اس صورت میں بھی کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ لیکن اگر یہ کام قصداً کرے گا تو جیسا کہ اوپر ذکر آیا قضا و کفارہ دونوں ادا کرنا پڑے گا[1]

روزہ توڑ دینے کا کفارہ

رمضان کے روزے کو قصداً توڑ دینے کا کفارہ ادا کرنے کی صورتیں یہ ہیں :- (۱) ایک روزہ کے بدلے مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنا فرض ہے، اگر دو مہینے کے درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹ گیا تو پھر سے روزہ رکھنا ہوگا۔ اس لئے کفارہ کا روزہ ایسے وقت شروع کرنا چاہیئے جب آدمی خوب تندرست ہو اور آگے کوئی ایسا دن نہ آنے والا ہو جن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ مثلاً عید الضحیٰ کے تین دنوں میں۔

(۲) کفارہ کے روزے رکھنے کے درمیان میں اگر عورت کو حیض آجائے تو حیض کی مدت ختم کر کے فوراً روزہ شروع کر دینا چاہیئے۔ چونکہ یہ قدرتی اور دائمی عذر ہے۔ اس لئے ان کو اتنی اجازت دی گئی ہے۔ البتہ نِفَاس کی وجہ سے روزے چھوٹ جائیں تو کفارہ صحیح نہیں ہوگا اسے پھر سے روزہ رکھنا ہوگا، کیونکہ یہ عذر ہر مہینے پیش نہیں آتا[2]۔

(۳) اگر کسی میں لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا پھر صدقۂ فطر میں جتنا غلہ دیا جاتا ہے اتنا غلّہ یا اس کی قیمت ان کو دے دے۔ غلام آزاد کرنے کی صورت باقی نہیں رہی اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

---

[1] علم الفقہ حصّہ سوم :-

[2] فان افطر بعذر کسفر و نفاس بخلاف الحیض استانف الصوم (درمختار ج ۱ ص ۱۰۵)

اگر اکٹھا ساٹھ مسکینوں کو کھانا نہ کھلا سکے یا وہ نہ مل سکیں تو ایک کو ساٹھ دن کھانا کھلادے یا ساٹھ دنوں تک روزانہ ایک دن کا غلہ دیدیا کرے تب بھی جائز ہے۔ مگر ایک آدمی کو ساٹھ دنوں کا اکٹھا غلہ یا اکٹھی قیمت ایک ہی دن دے دی تو کفارہ نہیں ادا ہوا بلکہ ایک آدمی کو ایک دن کا غلہ دینا چاہیئے۔ اگر ایک ہی رمضان کے تین چار روزے چھوٹ گئے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہے لیکن اگر یہ روزے دو رمضان کے ہوں تو دو کفارے دینے ہوں گے۔ رمضان کے علاوہ اگر کوئی نفل روزہ توڑ دے تو کفارہ واجب نہیں ہے۔ اس کی قضا کر لینی چاہیئے۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت

جن عذروں کی وجہ سے ایک مسلمان کو رمضان کے روزے نہ رکھنے یا توڑ دینے کی اجازت ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) سفر یعنی اگر کوئی شخص ۴۸ میل (۷۴ کلومیٹر) سے زیادہ کا سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو خواہ سفر پیدل کا ہو یا ریل کا یا ہوائی جہاز کا اس کو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت[1] ہے لیکن اگر سفر میں تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے[3] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا بھی ہے اور روزہ نہیں بھی رکھا ہے اور شدید تکلیف میں روزہ رکھ کر پھر افطار بھی کر لیا ہے (مسلم شریف ج۱ صفحہ ۳۵۵)

اگر کوئی شخص روزہ کی نیت کرنے کے بعد پھر سفر شروع کرے تو اس کو اس دن کا روزہ رکھ لینا ضروری ہے۔

(۲) مرض اگر کوئی شخص ایسا مریض ہو کہ وہ روزہ رکھے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا، یا کوئی نیا مرض پیدا ہو جائے گا، یا اس کے اچھے ہونے میں دیر لگے گی تو اس کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، یا مرض تو نہیں ہے لیکن کمزوری اتنی ہے کہ روزہ رکھے گا تو پھر بیمار ہو جائے گا تو اس کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔

---

[1] ان افطر بغیر الجماع تدل اخل والا لا (شرح التنویر ص۱۵۱) [2] فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۱۳۳،
[3] وان کان مسافر لا یضر بالصوم فصومہ افضل وان افطر جاز (شرح البدایہ ص۲۰۱)

لیکن مرض کی صورت میں اسی وقت روزہ چھوڑنا چاہیے جب کوئی نیک محتاط مسلمان ڈاکٹر یا حکیم اس کو روزہ چھوڑنے کا مشورہ دے۔ یا خود آدمی کو پورا یقین ہو، یا یہ تجربہ ہو کہ روزے سے اس کو نقصان پہنچے گا۔[1]

حاملہ اور مُرضِعہ

جو عورت حاملہ ہو یا دُودھ پلاتی ہو اس کو اگر اپنی جان یا بچے کی جان کا خطرہ ہو یا اس کو یا بچہ کو سخت تکلیف میں پڑ جانے کا یقین ہو تو اس کو روزہ چھوڑ دینا جائز ہے مثلاً روزہ دار حاملہ عورت کو بیہوشی کی کیفیت ہو جاتی ہو، یا اس کا دُودھ خشک ہو جاتا ہو اور بچہ بھوک سے تڑپتا ہو۔

لیکن اگر کوئی شخص مالدار ہو اور اپنے بچہ کو معاوضہ دے کر کسی دوسری عورت سے دودھ پلوا سکتا ہو یا بچہ اوپر کا دودھ پی لیتا ہو اور اسکی صحت کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو ان صورتوں میں عورت کو روزہ رکھنا فرض ہے۔[2]

حیض ونفاس

حیض ونفاس کی حالت میں بھی عورت کو روزہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن جوں ہی پاک ہو جائے اس کو روزہ شروع کر دینا چاہیے اور جو روزے چھوٹ جائیں ان کو رمضان کے بعد پورا کر لینا چاہیئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حیض ونفاس میں چھوٹی ہوئی نماز تو معاف ہے مگر روزہ معاف نہیں۔

یہ بات بھی اچھی طرح یاد رہنا چاہیئے کہ ان تمام صورتوں میں رمضان کے بعد جب بھی عذر دور ہو جائے اس کی قضا کرنی ضروری ہے۔ اگر نہ کی جائے تو سخت گناہ ہوگا۔

روزہ رکھ کر توڑ دینے کی اجازت

اگر کسی کو روزہ رکھ لینے کے بعد (۱) اتنی شدید پیاس لگی یا (۲) اتنی بھوک لگی کہ اگر روزہ نہ توڑے تو اس کی جان چلی جائے گی یا[3] (۳) اس پر بیہوشی طاری ہو جائے گی یا (۴) کوئی اور مرض پیدا ہو جائے گا، یا (۵) مرض بہت زیادہ بڑھ جائے گا، تو اس حالت میں روزہ توڑ دینا

---

[1] ردالمحتار ج۲ صفحہ ۱۶۸ ؛ [2] ردالمحتار ج۲ صفحہ ۱۸۶)

[3] ان الحر الخادم او العبد او الذاهب لسد النهر و کریه اذا اشتد الحر وخاف الهلاك فله الافطار (شامی صفحہ ۱۶۹ ج ۲)

جائز ہے[1] مثلاً (الف) کسی کو تیز بخار آ گیا، پیٹ میں یا گردہ میں یا کان میں شدید درد ہوا اب اگر وہ دوا نہیں پیتا ہے تو اس کا بخار یا درد اچھا نہیں ہوگا تو اس کو دوا پی کر روزہ توڑ دینا چاہیے، یا (ب)، مثلاً کسان نے دھوپ میں ہل یا پانی چلایا، یا مزدور نے اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کے لئے دھوپ میں محنت مزدوری کی اور اس کو اتنی پیاس لگ گئی کہ وہ روزہ نہیں توڑتا تو بیہوش ہو جائے گا تو اس کو روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے[2]

لیکن اگر کوئی شخص مزدوری پر ہل چلوا سکتا تھا یا بغیر دھوپ میں کام کئے ہوئے اپنے بچوں کی پرورش کر سکتا تھا اور اس نے صرف پیسے کے لالچ میں ایسا کیا تھا تو اس کو روزہ توڑ دینے کی اجازت تو ہے مگر سخت گنہ گار ہوگا[3]

(۲) اسی طرح اوپر جو صورتیں روزہ نہ رکھنے کی بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ بھی کوئی اچانک بات پیش آ جائے تو روزہ توڑ دینا جائز ہے۔ مثلاً کوئی اچانک بیمار پڑ جائے یا اچانک سفر پیش آ جائے اور اس میں روزہ پورا کرنا ممکن نہ ہو، یا حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت نے روزہ رکھ لیا مگر اس کو یا بچہ کو شدید تکلیف ہو گئی۔ اسی طرح کوئی بیہوش ہو گیا یا پاگل ہو گیا، ان سب صورتوں میں روزہ رکھ کر توڑ دینا جائز ہے۔ اس روزہ کے بدلے صرف ایک قضا روزہ رکھنا ہوگا کفارہ ادا کرنا نہ ہوگا۔

بڑھاپے اور طویل بیماری کا حکم

اگر کوئی اتنا بوڑھا ہو جائے کہ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا یا اس کو کوئی ایسی مہلک یا طویل بیماری ہو

---

[1] ومن کان مریضاً فی رمضان فخاف ان صام ازداد مرضہ افطر وقضیٰ (ھدایہ ص۲۰۱ ج۱)

[2] وجاز الفطر لمن حصل لہ عطش شدید او جوع مفرط یخاف منہ الھلاک او نقصان العقل او ذھاب بعض الحواس (مراقی الفلاح ص۲۱۱-۲۱۲)

[3] لا یجوز ان یعمل عملاً یصل بہ الی الضعف فیخبز نصف النہار و یستریح الباقی (در مختار ص۱۵۲ ج۲)

کہ اس سے صحت پانے کی بہ ظاہر کوئی امید نہ ہو اور روزہ رکھنے سے اس کو کوئی نقصان پہنچتا ہو تو ایسے آدمی کو اپنے ہر روزہ کے بدلے فدیہ دینے کی اجازت ہے [1]

فدیہ فدیہ کے معنی بدلہ دینے کے ہیں اور شریعت میں نماز قضا ہو جانے یا روزہ نہ رکھ سکنے کے بدلے میں جو خیرات کی جاتی ہے اس کو فدیہ کہتے ہیں۔

ایک روزہ کے بدلے ایک محتاج کو اتنا غلّہ دے جتنا غلّہ صدقہ فطر میں دیا جاتا ہے یعنی پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جَو یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت دے دینی چاہیئے مگر قیمت دینے میں یہ خیال رہنا چاہیئے کہ جس چیز کی قیمت لگانے میں غریبوں کا فائدہ ہو اسی چیز کی قیمت لگائی جائے، اگر جَو اور گیہوں کے علاوہ کوئی اور غلّہ دے تو پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جَو کی جتنی قیمت ہو اتنی ہی قیمت کا وہ غلّہ دے۔

(۱) فدیہ میں اگر غلّہ نہ دے بلکہ ایک محتاج کو دونوں وقت پیٹ بھر کھلائے تو اس سے بھی فدیہ ادا ہو جائے گا مگر وہی کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہے (۲) فدیہ کا غلّہ یا قیمت کئی محتاجوں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔

فدیہ ادا کرنے کے بعد کسی بوڑھے میں روزہ رکھنے کی طاقت آگئی یا کوئی بیمار تندرست ہو گیا تو اس کے چھوٹے ہوئے تمام روزوں کی قضا کرنی واجب ہے، اس نے جو فدیہ ادا کیا ہے اس کا ثواب اس کو الگ ملے گا۔

جو لوگ بڑھاپے سے کمزور ہو گئے ہوں، یا کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوں ان کو چاہیئے کہ اپنے روزوں کا فدیہ رمضان ہی میں ادا کر دیں، اس انتظار میں نہ رہیں کہ ممکن ہے طاقت آجائے یا تندرست ہو جائیں۔ پھر قضا رکھ لیں گے۔ ایسا کرنا گناہ ہے۔ موت کا وقت معلوم نہیں، کیا معلوم کس وقت آجائے اور وہ ادا نہ کر سکیں۔

---

[1] و للشیخ الفانی العاجز عن الصوم یفطر ویفدی وجوبا ولو فی اول الشھر ومثلہ المریض اذا تحقق الیاس من الصحۃ فعلیہ الفدیۃ لکل یوم من المرض (درمختار ص ۱۶۳ ج ۱)

مرنے والوں کا حکم

اگر کوئی شخص مرگیا اور اس کے ذمے رمضان کے روزے باقی رہ گئے تھے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس نے فدیہ ادا کر دینے کی وصیت کر دی ہے یا وصیت نہیں کی ہے۔

(۱) اگر اس نے وصیت کر دی ہے تو اس کے وارثوں کو چاہیئے کہ اس کے ایک تہائی مال سے اس کے روزہ یا نماز کا فدیہ ادا کر دیں، اس کے بعد دو تہائی مال وارث تقسیم کر لیں۔ ہر نماز کے بدلے ایک فدیہ ہے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ ایک نماز اور ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے بقدر ہے، صدقۂ فطر کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اگر اس کے روزے یا نماز کے فدیہ میں ایک تہائی سے زیادہ مال نکل جاتا ہو تو اتنا ہی فدیہ ادا کرنا ضروری ہے جتنا کہ ایک تہائی مال میں پورا ہو جاتا ہو۔ بقیہ فدیہ کا ادا کرنا وارثوں پر ضروری نہیں ہے، اگر وہ خوشی سے ادا کر دیں تو یہ ان کو اختیار ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ مُردہ کے دفن اور کفن میں جو کچھ خرچ ہوا اس کے ذمہ اگر کوئی قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد پھر فدیہ ادا کیا جائے[۱]

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے وصیت نہیں کی ہے تو ایسی صورت میں یہ وارثوں کی مرضی پر ہے چاہے وہ ادا کریں یا نہ کریں مگر ادا کر دینا بہتر ہے[۲]، اس لئے کہ وہ اس کے چھوڑے ہوئے مال سے دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں تو اس احسان کے بدلے میں اگر وہ

---

[۱] وفدی لزوما عنہ ای عن المیت ولیہ الذی یتصرف فی مالہ کالفطرۃ بوصیۃ من الثلث ای ثلث مالہ بعد تجہیزہ وایفاء دیون العباد فلو زادت الفدیۃ علی الثلث لایجب الزاید الا باجازۃ الوارث۔

(درمختار وشامی ص۱۶۱ ج۲)

[۲] فان لم یوص وتبرع ولیہ جاز ان شاء اللہ ویکون الثواب للوفی۔

(درمختار ص۱۵۳ ج۱)

فدیہ ادا کر دیں گے تو اس کو بھی آخرت میں فائدہ ہوگا اور ان کو بھی ثواب ہوگا، ممکن ہے کہ اس کے دل میں وصیت کرنے کی نیت رہی ہو اور وہ نہ کر سکا ہو۔ لیکن جو وارث نابالغ ہوں اگر وہ کہیں بھی تو اُن کے حصّے سے فدیہ نہ ادا کرنا چاہیئے۔

جن دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے

ان دنوں میں نفل، فرض ہر قسم کے روزے رکھنا حرام ہے (۱) عید الفطر کے دن (۲) عید الضحیٰ کے دن (۳) ایام تشریق یعنی عید الضحیٰ کے دن اور اس کے بعد گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخ کو۔

چند اور ضروری باتیں

(۱) روزہ چھوڑنے اور قضا رکھ لینے کی جو اجازت شریعت نے دی ہے وہ ہماری طبعی کمزوری کی بنا پر دی ہے ان چیزوں کو بہانا بنا کر یا ان سے فائدہ اٹھا کر اگر کسی نے روزہ توڑ دیا یا نہ رکھا تو گو بندے اس کو ملامت نہ کریں مگر خدا کے یہاں وہ قابلِ ملامت اور عذاب کا مستحق قرار پائے گا، بندے تو ظاہر پر حکم لگائیں گے مگر خدا ہماری نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ قضا روزہ میں بہر حال وہ ثواب نہیں ہے جو رمضان کے روزوں میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کے ایک روزہ کا مقابلہ دوسرے دن کے گیارہ مہینے کے روزے بھی نہیں کر سکتے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(۲) اگر کسی کو روزہ رکھ کر توڑ دینے یا روزہ چھوڑ دینے کی ضرورت پیش ہی آجائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو چھپائے اور کسی کے سامنے کچھ کھائے پیئے نہیں اور نہ روزہ دار عورتوں کو پکانے کھلانے کی زحمت دے جب تک کہ بالکل مجبور نہ ہو۔ روزہ کا ظاہری احترام بہر حال ضروری ہے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شرابی کو جس نے رمضان میں اتفاق سے شراب پی لی تھی، سزا دیتے ہوئے کہا کہ "ہمارے بچّے تو روزہ رکھتے ہیں اور تو بالغ ہو کر شراب پیتا ہے، شرم نہیں آتی"۔

موجودہ دور میں روزہ نہ رکھنے والوں کو کوئی سزا دینے والا تو نہیں ہے مگر مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آخرت کی سزا دنیا کی سزا سے کئی ہزار گنا سخت ہے۔

(۳) جس طرح نماز کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بچے سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو، اور جب دس برس کے ہو جائیں تو مار کر پڑھاؤ۔ اسی طرح سات برس کی عمر کے بچوں کو روزہ کی عادت ڈالنی چاہیئے [۱] اور جب دس برس کے ہو جائیں تو ان کو سختی کے ساتھ روزہ کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اوپر حضرت عمرؓ کا قول گزر چکا ہے جس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے زمانے میں عام طور پر بچے روزہ رکھتے تھے، حالانکہ عرب کی گرمی اتنی سخت ہوتی ہے کہ ادھر کے جوان آدمی بھی اس سے پریشان ہو جاتے ہیں۔

(۴) اگر کوئی شخص سفر میں تھا اور روزہ نہ رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر دوپہر سے پہلے سفر ختم ہو گیا اور ابھی کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو روزہ کی نیت کر لینی چاہیئے اور اسے روزہ رکھ لینا چاہیئے [۲]

(۵) اگر کسی عورت نے حیض کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیا ہے۔ رات کے وقت اس کا خون بند ہو گیا تو اس کو فوراً روزہ کی نیت کر لینی چاہیے۔ اگر اس وقت غسل نہ کر سکے تو دن میں غسل کر لے [۳]

انجکشن اور روزہ

عام طور پر ہمارے علماء یہ لکھتے ہیں کہ انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ شریعت میں فم اور فرج ہی کے ذریعہ کسی دوا یا غذا کا دماغ یا معدہ تک پہنچنے کا ذکر ہے۔ انجکشن گوشت یا نس میں لگایا جاتا ہے اس لئے انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر قدیم فقہاء کی بعض رایوں کی روشنی میں راقم الحروف کی رائے اس کے

---

[۱] ویومر الصبی بالصوم اذا اطاقہ ویضرب علیہ ابن عشر کالصلوٰۃ فی الاصح درمختار ص ۱۸۱ ج ۱

[۲] واذا نوی المسافر الافطار ثم قدم المصر قبل الزوال فنوی الصوم اجزأہ وان کان فی رمضان فعلیہ ان یصوم لزوال المرخص فی وقت النیۃ۔

(ہدایہ ص ۲۰۳ ج ۱)

[۳] بہشتی زیور حصہ سوم

خلاف ہے۔ مثلاً صاحب ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی رائے نقل کی ہے ر ولو داوی جائفۃ او آمۃ بدواء فوصل الی جوفہ او دماغہ افطر والذی یصل ھو الرطب)

(ج ۱ ص ۲۰۰)

یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دماغ یا پیٹ کے گہرے زخموں میں کوئی سیال دوا ڈال دی جائے اور وہ اس کے دماغ یا معدہ تک پہنچ جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی سیال دوا ہی پہنچ سکتی ہے تو یہ مفسدِ صوم ہے اس کے برخلاف اگر خشک دوا لگائی جائے تو مفسد صوم نہیں ہے، صاحبین اس کو مفطر صوم اس لئے نہیں سمجھتے کہ اس کے معدہ اور دماغ تک پہنچنے کا یقین نہیں ہے۔ "لعدم التیقن بالوصول لانضمام المنفذ مرۃ واتساعہ اخری ص ۲۰۱) اس لئے کہ منفذ کبھی بند ہو جاتا ہے اور کبھی کھلا رہتا ہے گویا ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف اس میں نہیں ہے کہ فم و فرج کے علاوہ دوا پہنچنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں بلکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ سیال دوا کے پہنچنے کا گمان غالب ہے اسلئے مفسد صوم ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ پہنچنا یقینی نہیں ہے اس لئے روزہ کو فاسد قرار دینا صحیح نہیں ہے، لیکن اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ فم و فرج کے علاوہ بھی کسی اور ذریعہ سے دوا یا غذا دماغ اور معدہ تک پہنچنے کا گمان غالب ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس وقت صاحبین کی بھی رائے یہی سمجھی جائے گی اس جزیہ کی روشنی میں اب انجکشن کے مسئلہ پر غور کریں تو یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا یا غذا کا دماغ یا معدہ تک پہنچنا ایک مسلمہ امر ہے، پھر اس وقت تو ایسے ایسے انجکشن تیار ہو گئے ہیں کہ آدمی اس کے ذریعہ پوری غذائیت حاصل کر سکتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں جو انجکشن مسکولر یعنی گوشت میں لگتا ہے اس سے تو روزہ فاسد نہیں ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ براہِ راست معدہ اور دماغ تک نہیں پہنچتا۔ مگر جو انٹروینس یعنی نسوں میں لگتا ہے وہ تو براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچتا ہے شریعت کے بے شمار مسائل کا مدار گمان غالب پر ہے اس لئے یہاں گمان غالب سے بھی آگے ایک تجربہ اور مشاہدہ موجود ہے اس لئے علماء کو اس مسئلہ پر نظر ثانی ضرور کرنی چاہیئے۔

اس لئے کہ اگر ناک، کان اور سرین کے ذریعہ جس طرح دوا یا تیل وغیرہ کا اثر پہنچتا ہے اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ انجکشن سے ان چیزوں کا دماغ اور معدہ تک نہ صرف اثر پہنچتا ہے بلکہ اس سے اصلاح بدن بھی ہوتی ہے اسی بنا پر فقہا کان میں تیل ڈالنے کو مفسد صوم قرار دیتے ہیں اور کان میں پانی چلے جانے یا ڈالنے کو نہیں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں ولو اقطر فی اذنیہ الماء او دخلھا لا یفسد صومہ لانعدام المعنی والصورۃ بخلاف ما اذا دخلہ الدھن (ج ۱ ص ۲۰۰) پانی اور تیل میں فرق کیوں ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ای صب فی اذنہ دھنًا ونحوہ مما فیہ صلاح البدن یعنی پانی اگر کان میں ڈالا جائے تو بدن کو کوئی تقویت نہیں ہوتی برخلاف تیل کے اس سے بدن کو تقویت ملتی ہے اگر کوئی شخص سرمہ لگائے اور اس کا اثر حلق تک محسوس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ آنکھ اور حلق کے درمیان براہ راست کوئی منفذ نہیں ہے اس کے سلسلہ میں مولانا عبد الحی صاحب نے لکھا ہے کہ

والمفطر انما وصول شیٔ	مفطر صوم وہ چیز ہے جو بعینہ کسی ظاہری
بعینہ من منفذ الی الباطن۔	منفذ سے باطن تک پہنچ جائے۔

(ج ۱ ص ۲۳۸)

ظاہر ہے کہ نسیں پورے جسم اور دماغ و معدہ سب کے لئے نہ صرف منفذ ہیں بلکہ براہ راست ان کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے اس لئے جو دوا انجکشن کے ذریعہ داخل کی جاتی ہے وہ اپنی اصلی حالت میں معدہ اور دماغ تک پوری سرعت کے ساتھ پہنچتی ہے اور اس وجہ سے اس کا اثر بھی جلد ہوتا ہے۔

ان وجوہ سے راقم الحروف کو انجکشن کے مسئلہ میں خاص طور پر جو انجکشن نسوں میں لگتے ہیں ان کے بارے میں برابر خلش رہی کہ جب اس سے کمتر موثر چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو پھر انجکشن سے کیوں نہ ہو؟

یہی حکم گلوکوز یا خون وغیرہ چڑھانے کا ہے، یہ مسئلہ فن طب و ڈاکٹری کا ہے ہمارے قدیم فقہاء کو اپنی طبی تحقیق کی بناء پر دماغ و معدہ تک پہنچنے کی جو صورتیں مشاہدے سے

معلوم ہوئیں ان پر فتویٰ دیا، اور اب معدہ و دماغ تک پہنچنے کی صورتیں بدل گئی ہیں۔

صرف قضا

البتہ انجکشن سے صرف روزہ کی قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں اس کی دلیل وہی ہے جو سر اور پیٹ کے زخم کی ہے، (من احتقن او استعط او اقطر فی اذنیہ او اداوی جائفۃ او آمۃ بدواء رطب فوصل الدواء الی جوفہ او دماغہ افطر لزمہ القضاء دون الکفارۃ)

(واللہ اعلم بالصواب (شرح وقایہ ج ص ۲۱۱)

جہاں دن رات غیر معمولی طویل ہوں

اوپر ذکر آچکا ہے کہ شریعت میں روزہ نام ہے طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت سے کھانا پینا چھوڑ دینے اور عورت سے مباشرت نہ کرنے کا۔ عام طور پر دنیا میں ۹-۱۰ گھنٹے سے لے کر ۱۴ گھنٹے کا دن ہوتا ہے اسی طرح صبح صادق سے غروب آفتاب تک زیادہ سے زیادہ ۱۵½ گھنٹے روزہ کی مقدار ہوتی ہے، مگر اس دنیا میں لیپ لینڈ اور ٹنڈرا جیسی جگہیں بھی ہیں جہاں یہ فرق ۲۲-۲۴ گھنٹے اور اس سے بھی زیادہ بلکہ مہینوں کا ہوتا ہے ایسی جگہوں کے لوگوں کو روزہ رکھنے میں ظاہر ہے کہ ناقابل برداشت تکلیف اٹھانی پڑے گی اس لئے ایسی جگہوں کے لوگوں کے لئے اس کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ وہ افطار کریں، فقہاء نے روزہ کے توڑنے کے جو اعذار لکھے ہیں یعنی بھوک پیاس کی شدت ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہو یا مرضعہ کے دودھ پلانے سے بچہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا اگر کوئی ایسا بوڑھا یا مریض ہو جو روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو اس کو روزہ کے بدلے فدیہ دینے کی اجازت ہے ایسی جگہوں کے لوگوں کو بھی روزہ افطار کرنے اور فدیہ دینے کی اجازت ہونی چاہیئے۔[1] قرآن پاک میں روزہ کا بیان ختم کرنے کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے (یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر ارشاد فرمایا تھا ان الدین یسر یسروا ولا تعسروا کتاب وسنت کی

---

[1] یا پھر ان سے روزہ کو بالکل ساقط ہی سمجھا جائے

روشنی میں فقہاء نے یہ اصول بنایا ہے، (المشقۃ تجلب التیسیر) مگر بعض علماء کی تحقیق ہے کہ جہاں کئی کئی دن یا کئی کئی مہینے کے برابر دن اور رات ہوتی ہے وہاں پر چوبیس گھنٹے کے بعد دن اور رات کے کچھ اثرات کا ظہور ہوتا ہے اگر ایسا ہے تو پھر ان سے جو قریب جگہیں ہیں ان کے اوقات کے مطابق اندازہ سے نماز وغیرہ ادا کی جاسکتی ہے البتہ روزہ کا مسئلہ یہاں بھی قابل غور ہے کہ صبح صادق اور غروب آفتاب کے درمیان روزہ کے اوقات کو تقسیم کرنا آسان نہیں ہے اس لئے بظاہر ان کے لئے روزہ کے افطار کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آتی، مگر حدیث کی کتابوں "حدیث دجال" جس کا ذکر نماز کے بیان میں آچکا ہے اس کی روشنی میں نماز کے بارے میں تو قول فیصل ہے کہ اندازہ سے پڑھی جائے گی مگر روزہ کے بارے میں گو وضاحت نہیں ہے مگر قیاساً اس کو بھی اس میں داخل کرکے قریبی جگہوں میں جہاں تیرہ چودہ گھنٹے کا دن ہوتا ہو اس کے مطابق ان کو اندازہ کرکے روزہ رکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب،

نماز تراویح

رمضان کے مہینے میں عشاء کی فرض اور سنت نماز کے بعد اور وتر سے پہلے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو شریعت میں نماز تراویح کہتے ہیں تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور یہ لفظ راحت سے بنا ہے، تراویح میں چونکہ ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کیا جاتا ہے، اس لئے اس کو آرام و راحت والی نماز کہتے ہیں۔

نمازِ تراویح کا حکم

تمام بالغ مردوں اور عورتوں کے لئے نماز تراویح کا پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، البتہ عورتوں کو گھر میں پڑھنا چاہیئے اور مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ۔ اگر محلہ یا گاؤں کی مسجد میں کوئی شخص بھی تراویح جماعت سے نہ پڑھے تو پورے محلہ اور گاؤں کے لوگ قابلِ ملامت ہوں گے۔ رمضان کے مہینے میں یوں بھی جس وقت کوئی نفل نماز پڑھے اس کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر ملتا ہے لیکن نماز تراویح کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ آپؐ نے خود بھی نماز تراویح پڑھی ہے اور اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کے پیچھے تراویح پڑھنے والوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ مسجد میں تل رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا

یہ ذوق و شوق اور ہجوم دیکھ کر فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ یہ نماز کہیں فرض نہ کر دی جائے۔ ایک دن آپؐ نے نمازِ تراویح اتنی دیر تک پڑھی کہ صحابہؓ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں سحری کے کھانے کا وقت ختم نہ ہو جائے۔

تراویح کا وقت

نمازِ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔

تراویح میں قرآن پڑھنے کا حکم

نمازِ تراویح میں ایک بار پورا قرآن ختم کرنا[1] سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں حضرت جبرئیلؑ کو پورا قرآن سنا دیا کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی ہے اس سال دوبار آپؐ نے حضرت جبریلؑ کو قرآن سنایا۔ حضرت عمرؓ نماز تراویح کی جماعت اور اس میں پورا قرآن سنانے کا اہتمام کرتے تھے۔

ضروری ہدایتیں

(۱) تراویح میں قرآن اسی اہتمام، احتیاط اور ان ہی آداب کے ساتھ پڑھنا چاہیئے جو تلاوت قرآن کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں، خواہ مخواہ اتنا زیادہ قرآن پڑھنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے کہ قرآن پڑھنے کا حق نہ ادا ہو سکے، ایسا کرنے میں گناہ کا خوف ہے۔

(۲) اگر نمازیوں کو بار نہ معلوم ہو اور صاف صاف قرآن پڑھا جائے تو پھر جتنا قرآن چاہے تراویح میں پڑھا جا سکتا ہے، لیکن اگر نمازیوں کو بار معلوم ہو اور تراویح کی جماعت ٹوٹ جانے یا کم ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اتنا ہی قرآن پڑھنا چاہیئے جتنا کہ نمازی خوشدلی سے سُن سکیں۔ نمازیوں کے لئے جب فرض نماز کو ہلکا کر دینے کا حکم ہے تو یہ تو سنّت ہی ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے

افضل فی زماننا قدر ما لا یثقل علیہم۔[2]	ہمارے زمانے میں اسی قدر قرآن تراویح میں پڑھنا چاہیئے جتنا لوگوں پر گراں نہ ہو

---

[1] ومن ختم القرآن فیہا ای التراویح مرۃ فی الشہر علی الصحیح وھو قول الاکثر (مراقی الفلاح ص۱۶۲)

[2] ردالمختار ج ص۳۳۹ یہ ڈیڑھ صدی پہلے کی بات ہے اب تو اس سے زیادہ خراب زمانہ آگیا ہے۔

اگر نمازِ تراویح میں پورا قرآن ختم کیا جائے تو کسی سورۃ کے شروع میں ایک بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھ لینا چاہیئے۔ بعض لوگ قرآن ختم کرتے وقت قل ہو اللہ احد تین بار ضرور پڑھتے ہیں ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کو ضروری سمجھنا مکروہ ہے[1]

تراویح میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیئیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن نمازِ تراویح باجماعت ادا فرمائی، پہلے دن مختصر قیام فرمایا، دوسرے دن اس سے طویل اور تیسرے دن اتنا طویل قیام فرمایا کہ بعض صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم کو خوف ہوا کہ سحری نہ چھوٹ جائے، چوتھے دن آپؐ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف نہیں لائے اور فرمایا کہ اس نماز کے لیئے تمہارا ذوق وشوق دیکھ کر مجھے خوف ہو رہا ہے کہ کہیں یہ فرض نہ کر دی جائے۔ اِن تینوں دنوں میں آپ نے جتنی رکعتیں پڑھیں اس میں صحابہ کا اندازہ مختلف ہوا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مسجد نبوی میں بیس رکعت باجماعت تراویح پڑھنے کا اور پڑھانے کا اہتمام کیا اور عام صحابہؓ اس میں شریک ہوئے اور کسی نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اختلاف نہیں کیا۔ اسی بناء پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور داؤد ظاہریؒ بیس رکعت کے قائل ہیں اور اسی کو جمہور اُمت نے اختیار کیا ہے۔ امام مالکؒ کے بارے میں کئی روایتیں ہیں جن میں ایک بیس کی بھی ہے مگر ان کا معتمد علیہ مسلک ۳۶ رکعت کا ہے۔ بعض ائمہ نے اس سے بھی زیادہ لکھا ہے۔ بعض صحابہؓ سے وتر کے علاوہ ۸، ۱۰ رکعت کا تراویح کا پڑھنا ثابت ہے۔ ہندوستان کے اہلِ حدیث حضرات اسی پر عمل کرتے ہیں مگر ان حضرات کا بیس رکعت یا اس سے زائد پڑھنے والوں کے فعل کو خلافِ سنّت[2] کہنا اور اس پر جھگڑنا انتہائی

---

[1] اعادہ سورہ فی نفسہ مکروہ نہیں ہے مگر چونکہ موجودہ دور میں عوام نے اس کو لوازم ختم سے سمجھ لیا ہے جیسا کہ ان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے لہٰذا مکروہ ہے (بہشتی گوہر صلاے۳)

[2] ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعۃ سوای الوتر وذکر ابن القاسم عن مالک اَنّہٗ کان یستحسن ستّاً وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاث رکعات ج ۱ صفہ ۱۹۲ اس سلسلہ میں جو حضرات تفصیل چاہتے ہوں وہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی رکعات تراویح، فتاویٰ رحیمیہ مرتبہ مولانا عبدالرحیم صاحب اور راقم الحروف کا مضمون بیس رکعات تراویح پڑھیں۔

نامناسب بات ہے۔ اس لئے کہ جمہور امت بیس یا اس سے زائد کے قائل ہیں۔ اور اس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ ان کا عمل اجماع امت کے خلاف ہے۔ آج بھی حرمین شریفین میں بیس[2] رکعت ہی تراویح ہوتی ہے،

تراویح پر اجرت

عام طور پر یہ رواج ہو گیا ہے کہ لوگ اجرت دے کر کسی حافظ سے تراویح میں قرآن پڑھواتے ہیں، چنانچہ حفاظ اپنا گاؤں اور شہر چھوڑ کر دور دور ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں روپیہ زیادہ ملتا ہو، مگر تراویح میں اجرت پر قرآن پڑھوانے کو علماء نے ناجائز لکھا ہے، مفتی کفایت اللہ مرحوم نے اس کے لئے اس حیلہ کو جائز قرار دیا ہے کہ حافظ صاحب کو رمضان کے مہینے کا نائب امام مقرر کر لیا جائے اور جو روپیہ ملتا ہے، اسے امامت کی اجرت سمجھا جائے، لیکن مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حیلہ کو صحیح نہیں سمجھا ہے وہ لکھتے ہیں۔

دیانات میں جو کہ معاملہ فی ما بین العبد وبین اللہ ہے حیلہ مفید جوازِ واقعی کو نہیں ہوتے لہٰذا یہ ناجائز ہے[1]

فقہا اور علما کی رائے کی بنیاد قرآن کی ان آیات اور احادیث پر ہے جن میں قرآن پاک کو ذریعۂ معاش بنانے کی مذمت کی گئی ہے اس بنا پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کسی عبادت وطاعت پر اجرت لینے کو ناجائز کہتے ہیں[2] مگر متاخرین فقہا نے قرآن پاک اور حدیث نبوی اور دینی تعلیم اور امامت وغیرہ پر اجرت لینے کو اس ضرورت شدیدہ کی بنا پر جائز قرار دیا کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو دینی تعلیم کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور نماز وغیرہ کی صحیح طور پر ادائیگی نہ ہو سکے گی اور یہ چیزیں دین کے فرائض میں ہیں جن کو پورا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور تراویح میں پورا قرآن سننا سنانا سنت ہے اور یہ سنت الم ترکیف پڑھ کر یا تھوڑا بہت قرآن پڑھ کر بھی ادا ہو سکتی ہے، اس لئے اس پر اجرت دینا اور لینا ناجائز ہے، علامہ شامی نے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھ کر اس پر اجرت لینے کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۸۵،

[2] عبادت وطاعت اجر وثواب کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اس سے پیسہ کمایا جائے۔

وہی صورت تراویح میں قرآن پڑھ کر اجرت لینے کی ہے۔ اس لئے جس طرح وہ ناجائز ہے یہ بھی ناجائز ہونا چاہیے۔

الحاصل انّ ما شاع فی زماننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ لا یجوز لان فیہ الامر بالقرأۃ واعطاء الثواب لاجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیّۃ الصّحیحۃ فاین یصل الثواب الی المستاجر ولولا الاجرۃ ما قرأ احد لاحد فی ھذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووصیلۃ الی جمع الدنیا۔ اِنّا للہ وانا الیہ راجعون[1]

حاصل یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو رواج ہوگیا ہے، قرآن پڑھ کر اجرت لینے کا تو قرآن کے اجزا کی اجرت لے کر تلاوت جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس میں تلاوت کا اور اس کا ثواب حکم دینے والے کو بخش دینے کا حکم ہے۔ اور تلاوت یہاں محض مال کے لئے ہے تو جب پڑھنے والے ہی کی نیت صحیح نہیں ہے تو اس کا اجر بھی نہ ہوگا تو پھر ثواب اجرت ادا کرنے والے کو کیونکر پہنچے گا؟ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اجرت نہ ملے تو اس زمانے میں کوئی کسی کے لئے تلاوت نہ کرے۔ دراصل ان لوگوں نے قرآن کو ذریعۂ معاش اور دنیا کمانے کا ایک ذریعہ بنالیا ہے انّا للہ وانا الیہ راجعون۔

تراویح کی نماز میں ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر آرام کرلینا بہتر ہے، اس کو ترویحہ کہتے ہیں۔[2] اس وقفہ میں چاہے نمازی تسبیح وغیرہ پڑھیں، یا چپ چاپ بیٹھے رہیں، یا نفل پڑھیں ان کو اختیار ہے۔

---

[1] ردالمختار ج ۵ ص ۵۳

[2] ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحۃ وکذا بین الخامسۃ والوتر کذا فی الکافی ھکذا فی الھدایہ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۱۵ ج ۱)

نمازِ وتر جو لوگ جماعت سے تراویح پڑھیں ان کے لئے بہتر ہے کہ وہ رمضان میں وتر بھی جماعت سے پڑھیں۔

اگر کوئی شخص عشاء کی فرض نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو تو اس کو چاہیئے کہ پہلے فرض پڑھے اور پھر سنت پڑھے، اس کے بعد تراویح کی نماز میں شریک ہو اور تراویح کی جو رکعتیں چھوٹ جائیں ان کو چار رکعت کے بعد آرام کا جو وقفہ ہوتا ہے اس میں پڑھ لے۔

اگر چند آدمی الگ الگ عشاء کی نماز فرض پڑھیں اور پھر جماعت بنا کر تراویح کی نماز شروع کریں تو یہ جائز نہیں ہے[۱] کیونکہ جب فرض نماز جماعت سے نہیں پڑھی تو پھر سنت کو فرض سے زیادہ اہمیت دینا صحیح نہیں ہے۔

تین رات سے کم میں قرآن ختم کیا جا سکتا ہے لیکن آج کل جو شبینے پڑھے جاتے ہیں ان میں قرآن کے ساتھ کھیل ہوتا ہے اس لئے اس سے سخت پرہیز کرنا چاہیئے۔

عام طور پر جب کسی مسجد میں دس یا پندرہ دن میں قرآن ختم ہو جاتا ہے تو لوگ تراویح میں سستی کرنے لگتے ہیں۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ تراویح میں صرف پورا قرآن سننا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ پورے مہینہ میں تراویح پڑھنا سنت ہے خواہ اس میں قرآن ختم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔[۲]

آخری عشرہ یوں تو رمضان کا پورا مہینہ خیر و برکت کا مہینہ ہے مگر اس کے آخری دس دن بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت اہمیت بیان فرمائی ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ:-

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنے نیک کام اور عبادت

---

[۱] ولو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعۃ لانہا تبع فمصلیہ وحدہ یصلیہا معہ (شرح التنویر ص ۹۹ ج ۱)

[۲] لو حصل الختم لیلۃ التاسع عشر او الحادی والعشرین لا یترک التراویح فی بقیۃ الشہر لانہا سنۃ (فتاویٰ عالمگیری مصری ص ۱۱۸ ج ۱)

وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهٖ۔ (مسلم)

میں جتنی محنت رمضان کے آخری دس دنوں میں فرماتے تھے اتنی محنت کسی اور دنوں میں نہیں فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی ایک دوسری روایت ہے:۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرَ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَأَحْيَ لَيْلَهٗ وَأَيْقَظَ أَهْلَهٗ۔ (بخاری ومسلم)

جب عشرۂ آخر داخل ہوتا تھا تو آپؐ کمربستہ ہو جاتے تھے، رات رات بھر جاگتے تھے اور اہل وعیال کو بھی جگاتے تھے۔

اور اس میں دو اہم اور ضروری کام ہیں۔ ایک تو اعتکاف کرنا، دوسرے لَیْلَۃُ الْقَدْرُ کو تلاش کرنا، یہاں دونوں کاموں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اِعْتِکَافْ

اعتکاف کے لفظی معنی ٹھہرنے اور کسی جگہ بند ہونے کے ہیں۔ شریعت میں رمضان کے آخری دس دنوں میں یا دوسرے دنوں میں دنیاوی کاروبار اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر اور کٹ کر مسجد یا گھر میں نماز کی جگہ ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ (درمختار ج ۲ ص ۱۲۹)

اعتکاف کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے اور آپؐ کے ساتھ صحابہ کرام رضؓ بھی اعتکاف کرتے تھے۔ آپؐ اعتکاف کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ اگر کبھی وہ کسی وجہ سے چھوٹ جاتا تھا تو عید کے مہینے میں اسے پورا فرماتے تھے۔ اِس زمانے میں لوگوں نے یہ سنّت بالکل چھوڑ دی ہے۔ اس کو زندہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ جس بستی یا محلہ میں ایک آدمی بھی اعتکاف نہ کرے تو پوری بستی اور محلہ کے لوگ گنہگار ہوں گے۔ یہ سنّتِ موکدہ کفایہ ہے۔

اعتکاف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی تمام دنیاوی کاروبار اور نفسانی خواہشات سے الگ ہو کر کچھ دنوں تک ہر وقت خدا کی عبادت اور اس کے ذکر میں لگا رہتا ہے تو اس سے خدا کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے اس سے دل میں خدا کی محبّت اور قلب ودماغ میں طمانیت اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جب وہ ایک مدّت تک فضول کاموں اور فضول باتوں سے بچتا ہے اور ہر وقت خدا کی یاد اس کے دل میں تازہ رہتی ہے تو اس سے اس کو

یہ سبق ملتا ہے کہ ایک بندے کو پوری زندگی میں اسی طرح بری باتوں سے بچنا، اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور خدا کی یاد دل میں تازہ رکھنی چاہیئے۔

اعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد کے ایک گوشہ میں اپنے لئے ایک جگہ خاص کرلے، اور ایک پردہ باندھ کر ایک حجرے کی طرح بنالے اور اس میں دس دن تک رہے۔ لیکن پردہ اس طرح باندھنا چاہیئے کہ جماعت کے وقت اس کو اٹھانے کی ضرورت ہو تو اٹھا دیا جائے۔ بغیر پردہ باندھے ہوتے بھی اپنے لئے کوئی جگہ خاص کی جاسکتی ہے پردہ صرف یکسوئی اور سونے بیٹھنے پر ہر شخص کی نظر نہ پڑے اس لئے باندھ لیا جاتا ہے حدیث نبوی میں اس کا ثبوت موجود ہے[1] جس مسجد میں اعتکاف کیا جائے گو وہ پوری مسجد اس کے لئے مُعتَکَفْ ہے مگر اس خاص جگہ کو بھی معتکف کہہ دیا جاتا ہے جسے وہ اپنے لئے خاص کرلیتا ہے۔ حتی الامکان اسے سنت و نفل کی ادائیگی اور ذکر و تلاوت اور کھانا پینا اور سونا بیٹھنا اپنی اسی خاص جگہ ہی میں کرنا چاہیئے۔

بیس تاریخ کو عصر کی نماز پڑھ کر اعتکاف میں بیٹھ جانا چاہیے اور جب عید کا چاند دکھائی دے جائے تو اس سے باہر نکل آنا چاہیئے۔

عورتوں کا مُعتَکَفْ یہ مردوں کا حکم ہے، عورتوں کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ان کے لئے اعتکاف کی سب سے بہتر جگہ وہ ہے جہاں وہ پنج وقتہ نماز پڑھتی ہیں۔ اگر نماز کی کوئی جگہ مقرر نہ ہو تو پھر گھر کے کسی بھی صاف اور ستھرے حصہ میں اعتکاف کرسکتی ہیں۔

اعتکاف کی قسمیں اعتکاف کی تین قسم ہے، مستحب۔ سنت، واجب۔ مستحب اعتکاف تو کسی

---

[1] ابوداؤد میں ہے۔

انہ اتخذ فی المسجد حجرۃ من حصیر۔	آپ نے چٹائی سے گھیر کر ایک حجرہ سا بنا لیا تھا۔

(مرقاۃ باب الاعتکاف ج ۲ ص ۲۱۵)

وقت بھی کہا جا سکتا ہے، سنت مؤکدہ کفایہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے واجب وہ نذر کا اعتکاف ہے۔

اعتکاف کے لئے ضروری شرطیں

اعتکاف کے لئے تین باتیں ضروری ہیں (۱) مردوں کے لئے مسجد[1] اور عورتوں کے لئے گھر میں دس دن تک ٹھہرنا (۲) اعتکاف کی نیت کرنا۔ اعتکاف کی نیت کے بغیر دس دن کوئی مسجد میں یوں ہی ٹھہرا رہے تو اعتکاف نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں نیت شرط ہے اور دوسرے ائمہ کے یہاں شرط نہیں ہے۔ (۳) حدث اکبر یعنی جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا[2]

رمضان کے علاوہ بھی نفل اعتکاف کی اجازت ہے، اس اعتکاف میں روزہ رکھنا بھی ضروری نہیں ہے لیکن یہاں جس مسنون اعتکاف کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر واجب اعتکاف ہو تو اس میں بھی روزہ رکھنا ضروری ہے جیسے کوئی شخص اعتکاف کی نذر مان دے تو یہ اعتکاف واجب ہے۔ اگر مرد کو کسی وجہ سے روزہ توڑنا پڑے تو اس کا اعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔ اسی طرح اگر عورت کو حیض آجائے تو اس کا اعتکاف بھی ختم ہوگیا۔

جو باتیں اعتکاف میں حرام ہیں

دو قسم کے کام اعتکاف میں حرام ہیں:۔

پہلی قسم کے کام (۱) بلا ضرورت اعتکاف کی جگہ سے باہر نکلنا حرام ہے۔ مردوں کے لئے پوری مسجد اعتکاف کی جگہ ہے اور عورتوں کے لئے گھر کا وہ گوشہ جہاں وہ اعتکاف کر رہی ہے۔ جن ضرورتوں سے آدمی باہر نکل سکتا ہے وہ دو طرح کی ہیں، ایک آدمی کی طبعی ضرورتیں، جیسے کھانا پینا، پیشاب پاخانہ، غسل جنابت وغیرہ۔

---

[1] مسجد میں خواہ جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اعتکاف جائز ہے۔ امام محمد اور امام یوسف کی یہی رائے ہے اسی کو محققین فقہا نے اختیار کیا ہے

[2] والکون فی المسجد والنیۃ من مسلم عاقل طاہر من جنابۃ وحیض ونفاس شرطان (شرح التنویر ص ۱ ج ۱)

دوسری شرعی ضرورتیں مثلاً جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا، کوئی شخص نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ہو تو نماز پڑھانے کے لئے جانا وغیرہ لیکن اِن ضرورتوں کے سلسلے میں چند ضروری باتیں یاد رکھنا چاہئیں۔

(۱) اگر مسجد میں پیشاب خانہ یا پاخانہ ہو تو اسی میں رفع حاجت کرنا چاہیئے۔ اگر مسجد میں یا مسجد کے قریب پیشاب، پاخانے کا انتظام نہ ہو اور اس کا گھر دُور ہو تو جو جگہ قریب سے قریب تر ہو وہیں جانا چاہیئے البتہ اگر قریب کی جگہ پاخانے جانے میں بے پردگی ہوتی ہو یا کوئی اور رکاوٹ ہو تو پھر اپنے گھر یا دور مقام پر جا سکتا ہے۔

(۲) غسل کے لئے وہ مسجد سے باہر اسی وقت نکل سکتا ہے، جب یہ غسل شرعی ہو یعنی اس کو احتلام[1] وغیرہ ہو گیا ہو تو وہ مسجد سے باہر نکل کر غسل کر سکتا ہے لیکن صرف بدن کی صفائی کے لئے غسل کرنے کے لئے باہر نکلنا ناجائز ہے[2]۔

---

[1] والا لحاجۃ الانسان کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنہ الاغتسال فی المسجد او شرعیۃ کعید واذان (درمختار ص۱۵۷ ج ۱)

[2] شدید گرمی کے زمانہ میں یا جسے روزانہ نہانے کی عادت ہے، اس کے لیے دس دن تک غسل نہ کرنا شدید پریشانی کا سبب ہوتا ہے۔ اس کی ایک صورت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تجویز فرمائی کہ ایک بڑا ٹب مسجد کے صحن میں رکھ کر اس میں غسل کر لیا جائے مگر اس سلسلے میں راقم الحروف کے ذہن میں یہ صورت آتی ہے کہ آج کل عموماً پاخانے اور غسل خانے وغیرہ ساتھ بنوائے جاتے ہیں تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ جب وہ طہارت کے لیے جائے تو چند منٹ ٹھہر کر دو چار لوٹے پانی بدن پر ڈال لے البتہ زیادہ دیر نہ لگائے، فقہا کی بعض تصریحات سے بھی اتنی دیر ٹھہرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

وقالا ان خرج اکثر الیوم فسد والا فلا۔ — صاحبین کی رائے ہے کہ اگر نصف دن سے زیادہ دیر تک مسجد کے باہر رکا رہا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

یعنی امام یوسف اور امام رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اتنی دیر معتکف کے باہر رہنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

(مراقی الفلاح مع طحطاوی بحوالہ فتاوی رحیمیہ)

اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حقہ کے عادی معتکف کو مغرب بعد مسجد سے باہر جا کر حقہ پی کر اور منہ صاف کر کے نبر میں آنے کو جائز لکھا ہے۔ فتاوی رشیدیہ ص۵۷

(۳) جمعہ کی نماز کے لئے اگر جامع مسجد جانا ہو تو اسے سنّت پڑھ کر جانا چاہیئے اور خطبہ اور نماز سے فارغ ہو کر فوراً واپس آجانا چاہیئے اور سنّت یہیں پڑھنی چاہیئے۔ اگر سنّت وہیں پڑھ لیا تو کوئی حرج نہیں۔

(۴) اگر کوئی کھانا پانی لے جانے والا نہ ہو تو وہ اس کے لئے بھی گھر یا مسجد سے باہر جا کر کھانا کھا سکتا ہے اور کنویں سے پانی نکال سکتا ہے۔

(۵) اگر مسجد کے اندر وضو کے پانی کا انتظام نہیں ہے اور کوئی اس کو پانی دینے والا بھی نہ ملے تو وہ وضو کے پانی کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔

(۶) جس کام کے لئے بھی مسجد سے باہر جائے اس کو پورا کرنے کے بعد ایک منٹ بھی باہر نہ ٹھہرے اور نہ بلا ضرورت کسی سے بات چیت کرے بلکہ فوراً واپس آجائے۔

(۷) وضو کرنے کے لئے حتی الامکان ایسی جگہ بیٹھنا چاہیے کہ جسم پورا مسجد سے باہر نہ ہو اور وضو کا پانی مسجد میں نہ گرے۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو مسجد سے باہر وضو کی جو جگہ ہے وہاں وضو کر سکتا ہے۔

(۸) بھولے سے بھی اپنے مُعتکَف یعنی مسجد کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑنا مکروہ ہے[۱] اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

مسجد سے باہر نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی جگہ میں عام طور پر نماز پڑھی جاتی ہے اتنا حصّہ مسجد میں شامل ہے اور جہاں عام طور پر نماز نہیں پڑھی جاتی ہے بلکہ وہ دوسرے کاموں کے لئے ہے، مثلاً پیشاب خانہ، پاخانہ، غسل خانہ، وضو خانہ یا وضو کی منڈیر یا جوتہ اتارنے کی جگہ یہ سب مقامات مسجد کے حکم میں نہیں ہیں۔ ان میں بلا ضرورت جانا مسجد سے باہر جانا شمار ہوگا اور اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

دوسری قسم۔ دوسری قسم کے جو افعال اعتکاف کی حالت میں حرام یا مکروہِ تحریمی ہیں

---

[۱] لو خرج من المسجد ساعۃ بغیر عذر فسد اعتکافہ (شرح البدایہ ص۲۱۱ ج۱) انہ لو خرج ناسیا فسدت (شامی ج ۲ ص۱۸۳)

وہ یہ ہیں:

۱۔ مباشرت کرنا، خواہ قصداً یا سہواً۔ مسجد کے اندر ہو یا باہر جس صورت میں بھی ہو اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

۲۔ عورت کا بوسہ لینا، اس سے بغل گیر ہونا، ان افعال سے اعتکاف ٹوٹے گا تو نہیں لیکن ایسا کرنا ناجائز، اور مکروہ تحریمی ہے۔

۳۔ اعتکاف میں دنیاوی کام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر گھر میں کوئی دوسرا آدمی گھر کی ضروریات کا پورا کرنے والا نہ ہو تو پھر ضرورت بھر وہ کام کر سکتا ہے۔

۴۔ عبادت سمجھ کر اعتکاف میں بالکل چُپ چاپ بیٹھے رہنا مکروہ تحریمی ہے، یعنی اس کو کچھ نہ کچھ دینی کام کرتے رہنا چاہیئے۔ مثلاً قرآن پڑھے، نفل پڑھے، ذکر واذکار کرے یا کسی دینی کتاب یا مضمون کے لکھنے میں مشغول رہنا چاہیئے[1]۔

اعتکاف کی قضا مستحب اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں البتہ مسنون اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ اگر کسی کا مسنون اعتکاف جو رمضان کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے ٹوٹ جائے تو جس دن کا اعتکاف ٹوٹا ہے اسی دن اعتکاف روزہ کے ساتھ قضا کرے (ردالمحتار ص۱۸۰ ج۱) نذر کے اعتکاف کے لئے جیسی نیت کی ہے ویسی ہی پورا کرنا چاہیے۔

۵۔ اعتکاف میں بستر لگانا، اگر ضرورت ہو تو چارپائی وغیرہ بچھانے میں کوئی ہرج نہیں ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بستر بچھایا جاتا تھا، اور سریر رکھی جاتی تھی۔ (ابن ماجہ)

لیلۃ القدر رمضان کے آخری دس دنوں میں جو دوسرا ضروری کام کرنا ہے وہ ہے لیلۃ القدر کی تلاش آخر عشرہ میں پانچ طاق راتیں پڑتی ہیں ان میں ایک بہت ہی متبرک

---

[1] ولا یتکلم الا بخیر ویکرہ لہ الصمت لان صوم الصمت لیس بقربۃ فی شریعتنا ولکنہ یتجانب مایکون ماثما (شرح البدایہ ج ص۱۲۱)

اور باعظمت رات ہوتی ہے اسی کو قرآن اور حدیث میں لیلۃ القدر کہا گیا ہے۔ قرآن میں ایک پوری سورۃ اسی کی فضیلت میں اتری ہے۔ حدیث میں بھی اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔

عربی میں لیلۃ القدر کے معنیٰ قدر اور اندازے کی رات ہے۔ لیلۃ کے معنیٰ رات، اور "قدر" کے معنیٰ اندازہ لگانے، مقرر کرنے اور عزت و قدر کے ہیں۔ اس رات کو لیلۃ القدر اسلئے کہتے ہیں کہ سال بھر میں جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے اس کا پورا خاکہ اسی رات کو تیار ہو جاتا ہے۔ بندوں کی روزی مقرر ہوتی ہے، زندگی اور موت اور انسانوں کے کاموں کے بارہ میں فیصلہ ہوتا ہے، اور جو اس رات میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اس کی خدا کے یہاں بڑی عزت و قدر ہوتی ہے، فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، قرآن پاک میں ہے کہ یہ رات ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝	بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝	کیا اور تم کو معلوم ہے کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟
لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ	یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات
شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ	فرشتے اور حضرت جبریلؑ خدا کے حکم سے ہر طرح
فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ	کی بھلی بات لے کر (زمین پر) اُترتے ہیں
سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝	(یہ رات) بالکل سلامتی ہے۔ یہ صبح صادق
(القدر)	تک رہتی ہے۔

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:۔

۱۔ اسی رات سے قرآن نازل ہونا شروع ہوا (۲) یہ رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے (۳) اس میں فرشتے خدا کے احکام لے کر نازل ہوتے ہیں (۴) یہ سراسر سلامتی اور خیر و برکت کی رات ہے (۵) صبح صادق کے وقت ختم ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

تَحَرَّوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ	اس قدر کی رات کو رمضان کے آخری دس
مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ۔ (بخاری و مسلم)	دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بابرکت رات رمضان کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، یا ۲۹ میں سے کسی رات کو پڑتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ اس رات کو حضرت جبرئیلؑ فرشتوں کی ایک جماعت لے کر زمین پر اترتے ہیں اور اس رات میں جس بندے کو کھڑے یا بیٹھے ہوئے خدا کی یاد میں پاتے ہیں اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ایک بار آپؐ نے رمضان سے دو تین دن پہلے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ ہمارے سر پر آگیا، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے جو شخص اس رات سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا۔

خدائے تعالیٰ جس کو توفیق دے اس رات کو ضرور تلاش کرے اور اس میں عبادت کرے۔

لیلۃُ القدر کی پہچان

اس کو خدائے تعالیٰ نے نہ تو ظاہر کیا ہے اور نہ اس کی پہچان بتائی ہے تاکہ بندے اس کی تلاش و جستجو میں زیادہ سے زیادہ یادِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ اس کی پہچان بندے کے ذوق وجدان پر ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ کسی کو یہ رات میسّر کر دے اور محسوس کرے کہ یہی رات لَیلۃُ القدر ہے تو نفل نماز کے علاوہ اس کو یہ دعا کثرت سے پڑھنی چاہیئے۔ حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (مشکوٰۃ)

اے اللہ تو سراپا عفو و درگزر کرنے والا ہے تو مجھے بھی معاف کر اور بخش دے۔

جو لوگ اعتکاف کرتے ہیں ان کو معلوم ہو یا نہ ہو وہ اس نعمت سے ضرور سرفراز ہو جاتے ہیں خدا اس کی توفیق ہر مومن کو دے

نفل روزے

فرض روزوں کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے۔ یہاں ان کی کچھ تفصیل لکھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے وہ ان دنوں میں ضرور روزہ رکھے۔

۱۔ محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حدیث میں بڑا ثواب آیا ہے۔ جب تک روزہ فرض نہیں ہوا تھا اس روزہ کو آپ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پوری پابندی کے ساتھ رکھتے

تھے۔ بعض جاہل مسلمان اس دن کی فضیلت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے، بلکہ اس کی اہمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ آپؐ سے پہلے دوسرے نبیوں نے بھی اس دن کی فضیلت بتائی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت آپؐ کی وفات کے پچاس برس بعد ہوئی تھی۔ جس کا اس دن کی عظمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی دن کی اہمیت اور فضیلت نہ بتائی ہو، تو اس دن کو اہم اور افضل جاننا گناہ ہے، اس سے بچنا چاہیئے۔ اسلام کی راہ میں جتنی شہادتیں ہوئیں ہیں وہ سب بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا بڑا اجر ہے، اور شہداء کی بڑی فضیلت آئی ہے مگر کسی شہادت کی وجہ سے اس خاص دن میں اظہار غم اور اظہارِ فزع کی شریعت میں سرے سے کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ اس کی ممانعت آئی ہے۔ مثلاً آپؐ کے عزیز چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت علیؓ کی شہادت، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ ان شہادتوں کی تاریخ اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے مگر ان تاریخوں کو جن میں ان بزرگوں کی شہادتیں ہوئی ہیں ان کو افضل اور متبرک سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں خاص طور پر جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس دن کی حد سے زیادہ عظمت نہ پیدا ہونے پائے، حالانکہ اس دن کی اہمیت ہے مگر اس میں غلو سے بچانے کے لئے آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔

۲۔ چاند کی ہر ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھنے کا ثواب بھی حدیث میں بہت آیا ہے۔ آپؐ بہت کم ان تاریخوں میں روزہ چھوڑتے تھے۔ حتیٰ کہ آپؐ سفر میں جب کہ فرض روزے بھی معاف ہوتے ہیں، آپ یہ روزے رکھتے تھے ان کو شریعت میں ایام بیض کے روزے کہا جاتا ہے۔

۳۔ ذوالحجہ کی نویں تاریخ یعنی عیدالضحیٰ سے ایک دن پہلے عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا بھی بہت ثواب ہے۔

۴۔ اسی طرح شعبان کی ۱۵ تاریخ کو اور شوال کے مہینہ میں چھ روزے رکھنا بھی سنت ہے۔ شعبان کی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنے اور پندرھویں رات کو عبادت کرنے اور

قبرستان میں جاکر مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا بھی ذکر حدیث میں ہے لیکن عام طور پر اس دن کھانے پکانے یا آتش بازی چھوڑنے کی رسم شب برات کے نام سے مسلمانوں میں جو پھیل گئی ہے اس کا منانا گناہ ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ خوشی اور تہوار منانے اور کھلانے پلانے کے دن اسلام میں صرف دو ہیں، ایک عید، دوسرے بقرعید۔

نفل روزوں کے بارے میں ضروری باتیں

(۱) اگر کوئی شخص نفل روزے رکھے اور اس کے گھر کوئی مہمان آجائے یا وہ خود کہیں مہمان ہو کر جائے یا کوئی دعوت دے ان تمام صورتوں میں اگر مہمان کے ساتھ کھانا نہ کھانے میں یا دعوت دینے والے کی دعوت میں نہ جانے میں ان کے ناراض ہونے کا خیال ہو تو نفل روزہ توڑ دینے چاہیئے اور بعد میں اس کی قضا رکھ لینی چاہیئے۔

(۲) اگر کسی نے رات میں نفل روزہ رکھنے کا ارادہ کیا لیکن صبح صادق سے پہلے اس کا ارادہ بدل گیا تو اس پر قضا نہیں ہے لیکن اگر صبح صادق کے بعد تک اس نے روزہ کی نیت رکھی، بعد میں توڑ دیا تو اس کی قضا ضروری ہے۔

عورتوں کا حکم

عورتوں کو شوہر سے اجازت لئے بغیر نفل روزہ نہ رکھنا چاہیئے البتہ اگر وہ گھر پر موجود نہ ہوں تو روزہ رکھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

رمضان میں صدقہ

رمضان شریف میں جس طرح نفل عبادت کا ثواب فرض عبادت کے برابر ملتا ہے اسی طرح اگر کوئی اس مہینے میں صدقہ و خیرات کرے تو اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یوں تو آپ ہر زمانہ میں غریبوں کی امداد اور صدقہ و خیرات کا خیال فرماتے تھے لیکن خاص طور پر رمضان میں آپؐ کا یہ جذبہ بے حد بڑھ جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے کے بارے میں فرمایا ہے کہ: شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ (مشکوٰۃ) یہ مہینہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا مہینہ ہے۔ آپ کے بارے میں ہے کہ: کان اجود ما یکون فی رمضان (بخاری و مسلم) یعنی آپ بہت سخی تھے، اور رمضان میں آپ کی سخاوت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

گویا اس مہینہ میں ایک مسلمان کے اندر اور خوبیوں کے ساتھ یہ خوبی بھی پیدا ہونا چاہیۓ

کہ وہ اپنے دوسرے غریب بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کرے، ان کے ساتھ جو سلوک کرسکتا ہے کرے لیکن عام صدقہ، خیرات اور ہمدردی کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کے لئے ایک صدقہ ضروری قرار دیا ہے، اس کو شریعت میں صدقۂ فطر کہتے ہیں، یعنی روزہ ختم کرنے کا صدقہ۔

صدقۂ فطر کی اہمیت اور فائدے

جب ایک مسلمان رمضان کے روزے رکھ لیتا ہے تو اس کے دل میں خوشی اور اللہ کے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی توفیق سے پورے ایک مہینے کے روزے رکھ سکا۔ دوسرے مذاہب کے لوگ تو خوشی اور جذبہ کا اظہار عجیب عجیب طریقے سے کرتے ہیں لیکن اسلام نے خوشی اور غم دونوں کے منانے کا طریقہ بتا دیا ہے۔ چنانچہ روزے کے ختم ہونے کی خوشی اور شکرانے میں اس نے کوئی تفریح، کوئی ناجائز کھیل یا شور و شغب کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس نے حکم دیا کہ اس دن صدقۂ فطر کے ذریعے غریبوں کی امداد کی جائے، خدا کی عبادت کی جائے اور ایک حد کے اندر آپس میں کھا کھلا کر خوشی منائی جائے۔ اور بچے کھیل کود کر خوشی کا اظہار کریں۔ رمضان کے بعد والی عید کو اسی لئے عیدُ الفطر کہتے ہیں یعنی روزہ کے توڑنے کی خوشی کا دن، اور صدقہ فطر کا فائدہ اتنا ہی نہیں ہے کہ اس سے غریبوں کی مدد ہو جاتی ہے اور روزہ کے پورے ہونے کی خوشی ظاہر ہوتی ہے بلکہ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ روزے میں آدمی سے جو چھوٹی موٹی غلطیاں ہو جاتی ہیں یہ صدقہ ان کا کفارہ ہو جاتا ہے اور روزہ کے پورے ہونے کی خوشی ظاہر ہوتی ہے ....

....

دو مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:۔

۱؎ صدقۂ فطر کا بیان فقہ کی کتابوں میں عموماً زکوٰۃ کے بیان کے ساتھ ہوتا ہے مگر راقم نے اس کو روزہ کے بیان میں اس لئے ذکر کیا کہ اس کا تمام تر تعلق روزے ہی سے ہے۔

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکوٰۃَ الْفِطْرِ طُھْرَ الصِّیَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَۃً لِلْمَسَاکِیْنِ۔ (مشکوٰۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر اس لئے ضروری قرار دیا کہ روزے میں غلطی سے جو بے کار باتیں ہو جاتی ہیں اور برے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں، ان سے روزہ پاک ہو جاتے اور اس کے ذریعہ غریبوں کی روزی کا سامان بھی ہو جاتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر واجب قرار دیا ہے۔

صدقہ فطر کا حکم

(۱) صدقہ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے چاہے مرد ہو یا عورت جس کے پاس سوا پانچ تولے سونا، یا ساڑھے چھتیس تولے چاندی، یا ان کے زیور ہوں، یا اسی قدر سونا یا چاندی کے برابر نقد روپے ضرورت سے زیادہ موجود ہوں، یا ضرورت سے زیادہ اتنا سامان مثلاً قیمتی کپڑے، برتن، فرنیچر، سامانِ آرائش ہو، جس کی قیمت ساڑھے چھتیس تولہ چاندی[1] کے برابر ہو یا دوکان میں اتنی ہی قیمت کا سامان موجود ہو، یا گھر میں سال بھر کی ضرورت سے زیادہ اتنی ہی قیمت کا غلہ موجود ہو تو ان تمام صورتوں میں صدقہ فطر واجب ہو گا۔ اسی طرح کسی کے پاس سونا، چاندی، روپے یا سامانِ تجارت تو نہیں مگر دو مکان ہیں، ایک مکان میں وہ رہتا ہے، دوسرا خالی ہے یا کرایہ پر چلتا ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے، البتہ اگر اس مکان کے کرایہ ہی پر اس کا گزر اوقات ہو تو پھر صدقہ فطر واجب نہیں ہے[2]۔

۲۔ اگر کسی کے پاس دو چار ہزار روپے یا زیور یا سامان تو ہے لیکن وہ مقروض ہے تو

---

[1] مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد الشکور مرحوم نے یہی مقدار لکھی ہے، البتہ مفتی شفیع صاحبؒ نے تحقیق کر کے اپنے رسالہ میں ۷ ½ تولے سونا اور ۵۲ ½ تولے چاندی لکھا ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

[2] حدیث کے عموم کی بنا پر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ صدقہ فطر میں کسی نصاب کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس ایک دن رات کا خرچ موجود ہے وہ صدقہ فطر ادا کرے اس لئے کہ یہ روزہ کی پاکی کے لئے واجب کیا گیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ص ۶۲/ج ۳ و ص ۷۳)

اگر قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس ہزار ڈیڑھ ہزار روپے یا اتنا سامان بچ جائے جس کی قیمت ساڑھے چھتیس تولے چاندی کے برابر ہو تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

صدقہ فطر کن لوگوں کی طرف سے دینا واجب ہے

جس شخص کے اوپر بھی صدقہ فطر واجب ہو اس کو صرف اپنی ہی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے بلکہ اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب ہے، ماں کے اوپر بچوں کا صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے بیوی کے پاس اگر اتنا روپیہ یا زیور ہے تو اس کو خود صدقہ فطر دینا چاہیے۔ شوہر کے اوپر اس کی ذمہ داری نہیں ہے، اگر وہ دے دے تو اس کو ثواب حاصل ہوگا۔

اگر کوئی شخص معذوری یا شامتِ اعمال کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

صدقۂ فطر کے واجب ہونے اور ادا کرنے کا وقت تو عید کے دن نماز سے پہلے ہے[1] لیکن بہتر یہ ہے کہ عید سے دو چار دن پہلے صدقۂ فطر نکال کر مستحقین کو دے دیا جائے تاکہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکیں اور عید کے دن اُن کے گھر میں بھی کھانے پینے کی فراوانی ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ عید سے دو دن پہلے ہی لوگوں کو جمع کر کے اس کے نکالنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

اگر کوئی شخص دو ایک دن پہلے نہ دے سکے تو عید کی نماز سے پہلے ضرور ادا کر کے نماز کے لئے جائے۔ اگر نماز سے پہلے کسی نے صدقہ نہ نکالا، یا صدقہ فطر تو نکال کر الگ کر دیا مگر اس وقت وہ کسی مستحق کو نہ دے سکا تو نماز کے بعد فوراً ادا کرنے اور مستحق تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اگر غلطی سے یا کسی مجبوری سے عید سے پہلے یا عید کے دن صدقۂ فطر نہ ادا کر سکا، تو معاف نہیں ہوگا، عید کے بعد اس کو دے دینا چاہیئے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۱ صفحہ ۱۲۳

صدقۂ فطر میں کیا چیزیں دی جاسکتی ہیں

صدقۂ فطر میں ہر قسم کا اناج گیہوں، جَو، چنا، دھان اور باجرہ اور نقد روپیہ دینا جائز ہے۔ ترکاریاں وغیرہ صدقہ فطر میں نہیں دی جاسکتیں۔

صدقہ فطر کی مقدار (گیہوں اور جَو)

(۱) صدقہ فطر میں اگر کوئی گیہوں یا اس کا آٹا دے تو اس کو ۸۰ تولے کے سیر سے پونے دو سیر گیہوں یا آٹا دینا چاہیے، اور اگر جَو دے تو ۸۰ تولے کے سیر سے، اس کا دوگنا یعنی ساڑھے تین سیر جَو یا اس کا آٹا دینا چاہیے[1] موجودہ باٹ سے ایک کیلو، ½ سو گرام گیہوں ہوتا ہے۔

(۲) گیہوں اور جَو کے علاوہ اور جتنے اناج ہیں، مثلاً چنا، چاول، دھان، باجرہ، جوار، مٹر، مسور، ارہر، ان سب کا حکم یہ ہے کہ پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جَو کی قیمت لگائیں اور پھر اتنی قیمت میں جتنی مقدار میں یہ اناج ملیں اتنا ہی دینا چاہیئے مثلاً پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جَو یا اس کی جتنی[2] قیمت ہے۔

اس زمانے میں سب سے بہتر یہ ہے کہ صدقۂ فطر میں غلّہ کے بجائے پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جَو کی قیمت جتنی ہو دے دے[3]، البتہ کسانوں کو غلہ دینے میں آسانی ہو تو غلہ ہی دیں۔

قیمت لگانے میں اس بات کا خیال رہے کہ جس میں غریبوں کا فائدہ زیادہ ہو وہی قیمت لگائیں مثلاً گیہوں کا بھاؤ ڈُو روپے کیلو بھی ہے اور کم بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی تو یہ بہتر ہے کہ جو زیادہ بھاؤ کا ہو اسی کی قیمت دی جائے۔ اگرچہ کم بھاؤ کی قیمت لگا کر دینا بھی جائز ہے۔

---

[1] موجودہ باٹ سے ایک کیلو، ½ سو گرام گیہوں ہوتا ہے۔

[2] شرح التنویر ج ۱ ص ۲۷ وما لم ینص کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ۔ [3] ان اداء القیمۃ افضل من عین المنصوص علیہ (فتاوی عالمگیری)

ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک آدمی کو دے دیا جائے یا کئی آدمیوں کو، دونوں صورتیں جائز ہیں، یا کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک آدمی کو دے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایک آدمی کو اتنا دیا جائے کہ وہ اپنی کوئی چھوٹی موٹی ضرورت اس سے پوری کر سکے یا دو تین وقت بال بچوں سمیت کھا پی سکے۔

صدقۂ فطر ان تمام لوگوں کو دیا جا سکتا ہے جن پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، یا جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، زکوٰۃ کا بیان آگے آتا ہے۔

غیر مسلم مگر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ غیر مسلم کو نہیں دی جا سکتی، اور صدقۂ فطر غیر مسلم غریب کو بھی دیا جا سکتا ہے۔[1]

صدقۂ فطر کے سب سے زیادہ مستحق اپنے غریب اعزا، پھر اپنے دوست اور پڑوسی ہیں، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ صدقہ جہاں تک ہو چھپا کر دیا جائے اور جن کو دیا جائے اُن کے سامنے اس کا تذکرہ کر کے ان کا دل نہ دکھایا جائے۔ بلکہ اپنے طرزِ عمل سے بھی یہ نہ ظاہر ہونے دیا جائے کہ وہ غریب ہیں اور آپ نے ان کی مدد کی ہے۔ یہ صدقہ آپ کا احسان نہیں ہے بلکہ آپ نے صدقہ دے کر اپنا فرض ادا کیا ہے جس کا اجر آپ کو خدا کے یہاں ملے گا، اس لئے آپ کو احسان جتلا کر یا دل دُکھا کر اپنے صدقہ کا ثواب برباد نہ کرنا چاہیئے۔ قرآن و حدیث میں احسان جتلانے والے کے بارے میں بڑی سخت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ جہاں جہاں خرچ کرنے کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے وہاں ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى۔ نہ احسان جتلائیں اور نہ تکلیف پہنچائیں کی قید لگی ہوئی ہے حدیث میں آتا ہے کہ غریب کی مدد اس طرح کی جائے کہ بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

---

[1] صدقة الفطر کالزکوٰة الا فی جواز الدفع الی الذمی شرح التنویر ج ۲ صفحہ ۷۹)

زکوٰۃ

نماز اور روزہ کی طرح زکوٰۃ بھی مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے، اس لئے ان دونوں کے بعد زکوٰۃ کا بیان کیا جاتا ہے، عام طور پر حدیث وفقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نماز کے بعد ہی آتا ہے مگر یہاں اس کا ذکر روزہ کے بعد کیا جا رہا ہے۔

نماز، روزہ اور زکوٰۃ تینوں عبادتیں فرض ہیں اور اپنی اپنی اہمیت عبادت اور فرض ہونے کی حیثیت سے تینوں میں کوئی فرق نہیں ہے مگر بعض دوسری حیثیتوں سے ان میں کچھ فرق وامتیاز ضرور ہے۔

(۱) پہلا فرق تو یہ ہے کہ نماز اور روزہ جسمانی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ یعنی نماز وروزہ کے تمام ارکان آدمی اپنے جسم اور اعضاء سے ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ کا تعلق اس کے مال سے ہے۔ یعنی یہ فرض اس وقت ادا ہوتا ہے جب آدمی اپنے مال کا ایک متعین حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ نماز اور روزہ ہر مسلمان پر فرض ہیں، چاہے وہ امیر ہوں یا غریب اس کے گھر میں کھانے کو ہو یا نہ ہو، وہ جھونپڑی میں رہتا ہو یا کوٹھی میں۔ اور زکوٰۃ صرف ان لوگوں پر فرض ہے جو کھانے پینے سے مطمئن ہوں اور جن کے پاس روزمرّہ کی ضروریات میں خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ روپیہ پیسہ بچ گیا ہو۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ نماز اور روزہ صرف خدا کا حق ہیں اور زکوٰۃ میں خدا کے حق کے ساتھ بندوں کا حق بھی ہے۔ یعنی نماز اور روزہ کے ذریعہ آدمی اپنا وہ حق ادا کرتا ہے جو اس پر خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اس سے خدا کے دوسرے بندوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اور اگر پہنچتا ہے تو خود نماز پڑھنے والوں کو ہی جسمانی اور روحانی فائدہ پہنچتا ہے لیکن زکوٰۃ اس حیثیت سے تو خدا کا حق ہے کہ بندہ اپنے مال کو خدا کی امانت سمجھتا ہے اور جہاں اس سے خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے خرچ کر دیتا ہے لیکن وہ جو کچھ خرچ کرے گا

وہ خدا کے بندوں ہی پر خرچ کرے گا۔ اس حیثیت سے وہ بندوں کا حق بھی ہوا۔ اب اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہ دے تو پھر ایک طرف اس نے خدا کے حق پر ڈاکہ ڈالا، خدا کی امانت میں خیانت کی، اور دوسری طرف نہ جانے اس نے کتنے بندگانِ خدا کا حق مارا۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

جسمانی عبادات میں جس طرح نماز اور روزہ کی قرآن وحدیث میں بار بار تاکید آئی ہے۔ اسی طرح مالی عبادات میں زکوٰۃ کی بار بار تاکید آئی ہے۔ قرآن میں بیسیوں جگہ ذکر ہے کہ:۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو۔

قرآن میں ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی ہے جس میں سات بالیاں لگیں اور ہر ایک میں سَو سَو دانے ہوں، گویا زکوٰۃ کے ایک پیسے کے بدلے سات سو نیکیاں ملتی ہیں،

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّاْئَۃُ حَبَّۃٍ ۝ (بقرہ)

جو لوگ اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی ہے جس میں سات بالیاں نکلتی ہیں اور ہر ایک بالی میں سَو دانے ہوتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (سورۃ توبہ)

جو لوگ حرص سے سونا، اور چاندی جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو ایک بڑے دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زکوٰۃ ادا کرنے کی بیحد تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اوپر والی آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ اُن کو مال جمع کرنے سے بالکل ہی روک دیا گیا ہے۔ اس لئے جو کچھ ان کے پاس ہے وہ سب خدا کی راہ میں خرچ کر دینا چاہیئے حالانکہ وہ اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں لُٹا چکے تھے مگر یہ بات ان کے اوپر شاق گزری اور وہ گھبرائے کہ اگر ایسا کرنا فرض ہے تو اس میں کچھ دقّت ضرور ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ عام

گھبراہٹ دیکھی تو خدمت نبوی میں اس کی تفسیر پوچھنے گئے اور صحابہؓ کی پریشانی کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَفْرِضِ الزَّکٰوۃَ اِلَّا لِیُطَیِّبَ مَا بَقِیَ مِنْ اَمْوَالِکُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِیْثَ۔ (ابوداؤد)	خدا نے زکوٰۃ صرف اس لئے فرض کی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد تمہارے پاس جو مال بچ جاتے وہ اس کو پاک کر دے اور جو کچھ باقی رہ جائے اس میں وراثت جاری کی ہے، یعنی اگر سارا مال خرچ کرا دینا مقصود ہوتا تو وراثت نہ جاری کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد آدمی کا تمام مال پاک صاف ہو جاتا ہے۔

آپؐ فرماتے تھے کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں چاہوں گا کہ تین دن میں سب خیرات کر دوں، آپؐ نے ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ " اے بلال خرچ کرو، عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کرو، یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوتی، بلکہ تم جس کی راہ میں خرچ کر رہے ہو وہ زمین و آسمان کا مالک ہے۔ جن لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے اور وہ ادا نہیں کرتے، ان کے بارے میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ جس کے پاس مال ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی اور دوزخ کی آگ میں ان کو گرم کر کے پھر اس کے دونوں پہلو پیٹھ اور پیشانی کو داغا جائے گا۔ اور جب یہ ٹھنڈی ہو جائے گی تو پھر ان کو گرم کر کے داغا جائے گا (مشکوٰۃ)

آپؐ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو خدا نے مال دیا ہے اور وہ اس کی زکوٰۃ نہیں دیتے تو قیامت کے دن ان کا یہ مال ایک بہت ہی زہریلے اور گنجے سانپ کی شکل میں نمودار ہوگا، اور ان کی گردن میں لپٹ جائے گا۔ اور ان کے دونوں جبڑوں کو نوچ گا۔ اور کہے گا۔

اَنَا مَالُکَ، اَنَا کَنْزُکَ (بخاری) — میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔

ایک مرتبہ آپؐ کی خدمت میں دو عورتیں آئیں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پڑے ہوتے تھے، آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ دی ہے؟ بولیں نہیں۔ آپؐ نے

فرمایا کہ تم لوگوں کو یہ پسند ہے کہ اس کے بدلے تمہیں آگ کے کنگن پہنائے جائیں ؟ بولیں، نہیں یارسول اللہ ! آپؐ نے فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ دیا کرو (ترمذی)

عورتوں کو زیورات سے بڑی محبت ہوتی ہے، ان کو اس حدیث پر غور کرنا چاہیئے۔

جو لوگ مال رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں وہ قیامت میں اپنے لئے کتنا بڑا عذاب تیار کر رہے ہیں۔ دنیا میں تو اسی مال کی وجہ سے آدمی آرام وچین کرتا ہے اور بیماری و مصیبت کی تکلیفوں سے بچتا ہے، لیکن اگر اس نے زکوٰۃ نہ ادا کی تو یہی مال آخرت میں اس کے لئے آرام وراحت کے بجائے نہ جانے کتنی مدت کے لئے آگ کا بستر اور تکلیف پہنچانے کا سبب ہو جائے گا۔

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ نئے دیہاتی مسلمانوں نے اس کی اہمیت کو سمجھا نہیں اور اس کو ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس کی اطلاع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپؓ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ گو مسلمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان سے جنگ نہیں کی جا سکتی اسلام لانے کے بعد ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ صحیح ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط بھی لگا دی ہے کہ اِلّا بحقّہا مگر جب کوئی کلمہ گو کلمہ کا حق ادا نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے گی اور جس طرح نماز کلمہ کا ایک حق ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی اس کلمہ کا ایک حق ہے جس سے یہ انکار کر رہے ہیں! اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی رائے بدل دی۔ معلوم ہوا کہ یہ ایسا حق ہے کہ اس کے لئے جہاد بھی کیا جا سکتا ہے۔

زکوٰۃ خدا کا حق بھی ہے اور بندوں کا بھی

فرض عبادات میں نماز، روزہ، حج، خالص خدا کے حقوق ہیں مگر زکوٰۃ کی حیثیت دوہری ہے وہ ایک طرف خدا کا حق بھی ہے، دوسرے اگر کوئی زکوٰۃ نہیں دیتا ہے تو وہ بہت سے بندوں کا حق مارتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن روانہ کرتے وقت توحید و نماز کی ہدایت کرنے کے بعد فرمایا ان اللّٰہ افترض علیہم صدقۃ توخذ من اغنیاء ھم فترد علی فقراء ھم (بخاری ومسلم) آپؐ کا ارشاد قرآنی پا

کی آیت کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (حشر) کی تفسیر ہے، یعنی زکوٰۃ کا ایک مقصد بے سہارا بندگان خدا کی مدد ہے۔ دوسرے وہ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اس لئے اللہ کا حق ہوا

زکوٰۃ کا مقصد

زکوٰۃ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دولت کا ارتکاز نہ ہونے پائے بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ گردش میں رہے معاشی خوشحالی کا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ ساری دولت چند لوگوں کی مٹھی میں نہ ہو بلکہ وہ پھیلتی رہے،

اُخروی فائدے کے علاوہ زکوٰۃ کے بیشمار دنیاوی فائدے بھی ہیں۔ اس سے غریبوں کی مدد ہوتی ہے، بھائی چارگی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، مال کی محبّت کم ہوتی ہے، اور مال کی محبت کم ہوتی ہے تو آدمی میں اخلاق، شرافت اور خاکساری پیدا ہوتی ہے، اور اگر غور کیا جائے تو اس سے دنیا کے غریبوں اور کم آمدنی رکھنے والے لوگوں کو کتنا فائدہ ہو سکتا ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ہندوستان کی پوری آمدنی کا اندازہ بیس کھرب سے زیادہ اور پاکستان کی پوری آمدنی کا اندازہ دو چار کھرب سے زیادہ ہے۔ اگر ان دونوں جگہوں پر زکوٰۃ کا نظام جاری ہو جائے تو ہندوستان میں ہر سال بیس ارب روپے اور پاکستان میں تقریباً دس ارب روپے اس مد میں نکلیں گے۔ اس رقم سے دونوں ملکوں کے کتنے غریبوں کو کسی نہ کسی کام سے لگایا جا سکتا ہے، اور ان کو ضرورت کے وقت قرض بھی دیا جا سکتا ہے۔ اور اس پر نہ ان سے سود لیا جائے گا اور نہ ہی خرچ ادا کرنے کی صورت میں ان کی جائداد ہی قرق کی جائے گی۔[1]

زکوٰۃ کے معنیٰ اور اس کی تعریف

عربی زبان میں زکوٰۃ کے معنیٰ پاک ہونے اور بڑھنے کے ہیں اور شریعت میں خالص خدا کی خوشنودی کے لئے شارع کے حکم کے مطابق ایک مقررہ اور متعین مال کسی مستحق مسلمان کو مالک بنا کر دے دینے کا نام زکوٰۃ ہے[2]۔ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس کے عوض میں زکوٰۃ

---

[1] یہ بات محض تفہیم کے طور پر لکھی گئی ہے، اس بات کو اعداد و شمار اور باشندوں کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کے تناسب سے نہ جانچا جائے۔

[2] در مختار باب الزکوٰۃ ج ۲۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ا صفحہ ۹۵۰)

دینے والا زکوٰۃ پانے والے سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے، اگر وہ کسی طرح کا فائدہ اٹھائے گا یا اس کی اُمید رکھے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، شریعت میں اس مالی عبادت کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے آدمی کا بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کی نیکیوں میں زیادتی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ آخرت میں عذابِ دوزخ سے بچتا ہے اور اس کے ذریعہ بہت سے غریبوں کے پاس مال آجاتا ہے جس سے وہ اپنا فقر و فاقہ دور کر لیتے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم ہر سال اس عاقل بالغ مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے جو صاحب نصاب ہو اور اس مال پر پورا سال گزر گیا ہو، اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور فرض جانتے ہوئے اس کا نہ ادا کرنے والا فاسق اور سخت گناہ گار ہوگا۔ اور اسلامی حکومت میں اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اسوہ اوپر آچکا ہے۔

صاحب نصاب ہونے کا مطلب سونا، چاندی یا مال اسباب کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کو شریعت میں نصاب کہتے ہیں[1] اور جس کے پاس یہ مقدار ہوتی ہے اس کو صاحبِ نصاب کہتے ہیں مثلاً کسی کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا $7\frac{1}{2}$ تولے[2] سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کو اس کا چالیسواں حصہ نکالنا ہوگا۔ اب چاندی اور سونے کی اِس مقدار کو زکوٰۃ کا نصاب اور جس کے پاس وہ ہے اِسے صاحبِ نصاب کہیں گے۔

---

[1] مانصبہ الشارع علامۃ علی وجوب الزکوٰۃ۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ) مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالیس دون خمس اواق صدقۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقدار متعین فرمادی وہی نصاب ہے، (ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۵)

[2] مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی اور مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہما نے چاندی کی تحقیق بیس مثقال کی مقدار ساڑھے چھتیس تولہ اور سونے کی ۵ $\frac{1}{4}$ تولہ لکھی ہے اسی پر حیدر آباد کی ریاست میں بھی عمل تھا احتیاط اسی پر عمل کرنے میں ہے گو عام علماء کا فتویٰ وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

کن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے

وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ فرض ہے وہ چھ قسم کی ہیں۔ (۱) چاندی سونا اور ان کی بنی ہوئی تمام چیزیں مثلاً زیورات، برتن، سکّے وغیرہ (۲) ہر قسم کا مالِ تجارت (۳) نقد روپے، خواہ روپے کی شکل میں ہو یا نوٹ، پاؤنڈ، ڈالر، سیونگ سرٹیفکٹ بانڈ اور سرکاری سند کی شکل میں ہو (۴) زمین کی پیداوار غلہ ہو یا پھل یا ترکاری وغیرہ (۵) مویشی جو تجارت کی غرض سے پالے جائیں یا نسل بڑھانے یا دودھ حاصل کرنے کی غرض سے رکھے گئے ہوں اگر ان میں تجارت کی نیت ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب ان میں سے ہر ایک کا بیان اور ادا کرنے کا طریقہ الگ الگ لکھا جاتا ہے۔ (۶) رکاز اور معدن۔

نیت

زکوٰۃ کے ادا کرنے کے لئے نیت بھی ضروری ہے جو مال وہ زکوٰۃ کی نیت سے خرچ کرے گا اسی سے زکوٰۃ ادا ہوگی اگر بغیر نیت کے بہت سا مال خرچ کر دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اگر اچھے کام پر خرچ کیا ہے تو اس کا ثواب اسے علیحدہ ملے گا۔ لا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ (قدوری ص۳۷)

(۱) چاندی اور سونے کی زکوٰۃ اور اس کے سامانوں کی زکوٰۃ

سونے چاندی کی زکوٰۃ میں چالیسواں حصّہ دینا فرض ہے۔ اگر کسی کے پاس دو سَو درہم ہیں یعنی ۵۲½ تولے چاندی یا اس کے زیورات موجود ہوں یا ان کا سامان موجود ہوں تو اس کا چالیسواں حصّہ ¼ زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اگر اس سے کم ہے تو اس کے اوپر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

اسی طرح جس کے پاس بیس مثقال سونا ۷½ تولہ یا اس کے زیورات موجود ہوں تو اس کو اس کا چالیسواں حصّہ یعنی ایک ماشہ ساڑھے چار رتی زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ۵۲½ تولہ چاندی کی مقدار موجودہ وزن سے ۶۱۲ گرام اور اور ساڑھے سات تولہ کی مقدار ۸۷ گرام ۵۰۰ ملی گرام ہے۔

(۱) سونا اور چاندی کا نصاب الگ الگ ہے، یعنی دونوں میں سے جو چیز بھی نصاب کو پہنچ جائے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یعنی دوسری چیزوں کی قیمت بھی اس میں جوڑ دی جائے گی،

نصاب کا معیار

فقہاء نے سونا اور چاندی کے نصاب کے سلسلہ میں اس حیثیت سے بحث کی ہے کہ معیار نصاب چاندی ہے یا سونا یا دونوں الگ۔

جہاں تک چاندی کا تعلق ہے اس پر تمام ائمہ اور محدثین کا اتفاق ہے کہ جس کے پاس دوسو درہم چاندی ہو وہ صاحب نصاب ہے اور اسے ۵ درہم زکوٰۃ نکالنی چاہیئے، البتہ سونے کے نصاب کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی (التلخیص الجبیر ص ۸۲)

حافظ ابن عبداللہ کی بھی یہی رائے ہے، مگر دوسرے ائمہ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے جس میں سونے اور چاندی کا الگ الگ ذکر ہے، آپ نے فرمایا۔

لیس فی اقل من عشرین	بیس مثقال سونے سے کم میں زکوٰۃ نہیں
مثقالا من الذھب ولا	ہے اور نہ دوسو درہم سے کم میں
فی اقل من مائتی درھم صدقۃ	زکوٰۃ ہے۔

(المغنی ج ۳ ص ۶)

بعض حضرات نے سونے کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ اگر بیس مثقال سونا دوسو درہم کی قیمت کے برابر ہو تب اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے الگ نصاب کے قائل ہیں اور قیمت وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے، یہی رائے امام احمدؒ کی بھی ہے

مقدار نصاب سے زائد میں زکوٰۃ

زکوٰۃ میں سونے چاندی کا جو نصاب مقرر ہے اس سے جب زیادہ ہو جائے تو بعض ائمہ کہتے ہیں جن میں صاحبین بھی ہیں کہ اس سے جو زائد رقم ہوگی ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یہ حضرات اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے آخر میں ہے کہ فما زاد علی حساب ذالک" اس سے جو زائد ہو اس پر بھی چالیسواں حصہ لگایا جائے (یعنی دوسو درہم میں پانچ درہم) (ابوداؤد، ترمذی) مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نصاب سے زائد رقم جب اس کے پانچویں حصہ کے برابر پہنچ جائے تب زکوٰۃ واجب

ہوگی یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی سے زائد جب ۱۰ ½ تولہ چاندی اور ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ ان کا استدلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب دو سو درہم چاندی (۵۲ ½ تولہ) ہو جائے تو اس پر ۵ درہم زکوٰۃ ہے اور اس کے بعد پھر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے جب تک اس میں پھر ۴۰ درہم کا اضافہ نہ ہو جائے[۱]

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۸)

(۲) سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ایک سال گزر جانے کے بعد واجب ہوتی ہے۔ یعنی چاندی اور سونا یا ان کے زیورات جو اس کے پاس ہیں ان کو اس کے پاس آئے ہوئے ایک سال ہو گیا ہو (۳) سونے اور چاندی کی زکوٰۃ باقاعدہ سنار سے وزن کرا کے یا خود وزن کر کے دینا چاہیئے۔ زکوٰۃ میں دو چار روپے فاضل نکل جائیں تو بہتر ہے، اگر کم ہوگا تو گناہ ہوگا (۴) سونے اور چاندی کی بنی ہوئی جتنی چیزیں ہوں ان سب کا حکم سونے اور چاندی کا ہے، مثلاً زیورات ہوں یا چاندی کے برتن ہوں، یا سچا گوٹہ لچکا یا سونے چاندی کے تار کا کام کپڑوں پر ہو، خواہ یہ چیزیں استعمال کی جاتی ہوں یا نہ کی جاتی ہوں اگر بقدرِ نصاب ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے[۲] (۵) اگر سونے چاندی میں یا اس کی بنی ہوئی چیزوں میں کچھ ملاوٹ ہو تو اگر یہ ملاوٹ چاندی یا سونے سے کم ہو تو اس کا حکم چاندی اور سونے ہی کا ہے، اگر زیادہ ہو تو جو چیز ملی ہوئی ہے وہ اسی کے حکم میں ہے۔ مثلاً کسی کے پاس چالیس تولے چاندی کے زیورات ہیں جس میں ۱۰ تولے رانگے یا تانبے کی ملاوٹ ہے تو اس کا حکم چاندی کا ہے۔ لیکن اگر چالیس تولے میں اکیس تولے رانگا یا تانبا ہے تو اس کا حکم تانبے یا رانگے کا ہے اسی طرح سونے کو بھی سمجھ لینا چاہیئے[۳]

---

[۱] اس حدیث کے ایک راوی پر محدثین نے جرح کی ہے (المغنی ج ۳ ص ۸ معالم السنن خطابی ج ۲ ص ۱۳) [۲] رد المحتار ج ۲ ص ۳۳ وفی تبر الذھب والفضۃ وحلیھما والآنیۃ منھما زکوٰۃ

(قدوری، ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۵)

[۳] واذا کان الغالب علی الورق الفضۃ فھو فی حکم الفضۃ واذا کان الغالب علیھما الغش فھو فی حکم العروض (ہدایہ ج ۱ ص ۱۷۱)

اسی طرح کہیں سونے اور چاندی کے سکے چلتے ہوں تو ان کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر ان میں ملاوٹ کم ہے تو ان کا حکم سونے اور چاندی کا ہے لیکن اگر ان میں برائے نام سونا یا چاندی یا بالکل نہیں ہے تو ان کا حکم آگے آتا ہے۔ (۶) کسی کے پاس نہ تو نصاب کے برابر چاندی ہے اور نہ سونا بلکہ تھوڑی تھوڑی دونوں چیزیں ہیں تو دونوں کی قیمتوں کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ اگر دونوں کی قیمت نصاب کے بقدر ہو جاتی ہے تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً کسی کے پاس پچیس تولے چاندی کا زیور ہے اور بارہ آنہ بھر سونے کا آئرن یا کوئی اور زیور ہے تو بارہ آنے بھر سونے کی قیمت اس زمانہ میں گیارہ سو روپئے ہوتی اور اتنے روپے کی چاندی فرض کیجئے ۳۵ تولے ملتی ہے تو اب وہ ۲۵ تولے چاندی کے زیورات میں بارہ آنے بھر سونے کی قیمت ملانے کے بعد وہ صاحبِ نصاب ہو جائے گا اور اس کو ۶۰ تولے چاندی کی زکوٰۃ دینی چاہیے۔ اگر سونے یا چاندی کا بھاؤ کم یا زیادہ ہو جائے تو اسی حساب سے دینا چاہیئے[1] اگر دونوں کے ملانے کے بعد بھی نصاب کی مقدار پوری نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے (۷) سونے اور چاندی کی زکوٰۃ میں سونا اور چاندی دے، یا اس کی قیمت دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(۲) سکّوں کی قیمتیں اور ان کی زکوٰۃ

سکے خواہ کسی صورت میں ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مثلاً روپے ہوں، ریزگاری ہوں، نوٹ ہوں، یا بانڈ ہوں اگر ان کا نصاب پورا ہو جائے تو ان پر زکوٰۃ دینی واجب ہے، موجودہ زمانے میں سکّے کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو سونے اور چاندی کے سکّے، درہم، ریال اور دینار وغیرہ، دوسرے کاغذی سکّے، مثلاً نوٹ اور بانڈ، ڈالر پاؤنڈ وغیرہ، تیسرے دوسری دھاتوں کے سکّے مثلاً موجودہ دور میں ہندوستان و پاکستان کے سکّے، نوٹ، روپے ریزگاریاں وغیرہ ہیں، سونے چاندی کے سکّوں کا حکم تو

---

[1] ویضم الذهب الی الفضة للمجانسة من حیث الثمنیة (ہدایہ ج ا ص۱۷۶)
یہ حکم سونے چاندی کے اور سامانِ تجارت کا ہے جانوروں کی زکوٰۃ میں ایک جانور کو دوسرے جانور کے ساتھ ملایا نہیں جائے گا۔

تو وہی ہے جو چاندی اور سونے کا ہے، کاغذی، یا دوسری دھاتوں کے سکّوں کی مختلف صورتیں ہیں لیکن اس کی جو صورت بھی ہو اگر وہ اتنی مقدار میں ہو کہ ان کا نصاب یعنی ۵۲ ½ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے[1]۔

مختلف دھاتوں یا کاغذی سکّوں کا نصاب

اگر نوٹ، بانڈ، سیونگ سرٹیفکٹ یا چاندی، سونے کے علاوہ کسی اور چیز کے سکّے اتنی تعداد میں کسی کے پاس جمع ہو جائیں جتنے میں ۵۲ ½ تولے چاندی ملتی ہے تو ان کا چالیسواں حصہ ۱/۴۰ زکوٰۃ میں نکال دینا واجب ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ موجودہ سکّے کے اعتبار سے ۲۵ روپے بھر کی ایک تولہ چاندی ملتی ہے تو ۵۲ ½ تولے کی قیمت تقریباً ۱۳ سو روپے ہوگی تو اگر کسی کے پاس ۱۳ سو روپے ضرورت سے زائد موجود ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو سال کے آخر میں اس کا ۱/۴۰ تقریباً ۳۲ روپئے نکال دینا چاہیئے۔ اگر چاندی کا بھاؤ بڑھ جائے تو اسی اعتبار سے رقم بڑھ جائے گی۔ بہرحال بنیادی طور پر ان چیزوں میں معیار ۵۲ ½ تولہ چاندی ہی کو سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اب اس سے جتنا زائد ہوگا اس میں ۱/۴۰ نکالا جائے گا، مثلاً سو میں ڈھائی روپے، ہزار میں ۲۵ روپے، دو ہزار میں ۵۰ روپے، دس ہزار میں دو سو پچاس روپے۔ ایک لاکھ میں سو روپئے۔

روپیوں کی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ میں دو باتیں بہت ضروری ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہوں (۲) دوسرے یہ کہ اس روپے کو اس کے پاس آئے ہوئے ایک سال ہو چکا ہو۔

ضرورت سے زیادہ ہونے کا مطلب

ضروریات دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک بنیادی ضرورتیں جیسے کھانا،

---

[1] وتضم قيمة العروض الى الذهب والفضة حتى يتم النصاب (ہدایہ ج ۱ ص ۱۷۶)، یہی مسلک امام مالک امام اوزاعی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ دونوں کے ملانے کے قائل نہیں ہیں یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ دونوں دو جنس ہیں اس لئے ملایا نہیں جائے گا امام صاحب کہتے ہیں کہ دونوں در اصل ایک ہی جنس ہیں اور یہ دونوں (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کپڑا، مکان، علاج، پیشہ ور کے اوزار وغیرہ، مثلاً کسی کے پاس دو ہزار روپے ایک سال سے رکھے ہوئے ہیں لیکن اس کا مکان بارش میں گر گیا ہے اور اس کو سخت تکلیف ہے اور اس کی مرمّت میں سب روپے خرچ ہو جائیں گے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، یا اس کا مکان بہت تنگ ہے اور لڑکی، بہو وغیرہ بہت سے ہیں اور ان کو سونے بیٹھنے کی تکلیف ہو رہی ہے، اس لئے اس کو مکان بڑھانے کی ضرورت ہے اور مکان بڑھانے میں یہ روپے صرف ہو جائیں گے تو ایسے روپے پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح وہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے اور اس کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لیکن وہ ان روپیوں کو اپنے علاج میں خرچ کر دینا چاہتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، یا اس کے پاس دو ہزار روپے ہیں مگر اس کی تنخواہ کم ہے اور ہر مہینے میں اس میں سے دس بیس روپے کھانے کپڑے میں خرچ کرتا رہتا ہے اور سال کے آخر میں اس کے پاس اتنا نہیں رہ جاتا جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح کسی مسلمان بڑھئی کے پاس دس بیس روپئے ہیں مگر اس کو اپنے پیشے کے لئے اتنے ہی کا یا اس سے کچھ کم کا اوزار خریدنا ہے تو اس روپے پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے[1]

دوسری غیر بنیادی یا کم اہم ضرورتیں، مثلاً عیش و آرام یا شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ یا کسی اور تقریب میں دھوم دھام کرنے کے لئے روپیہ رکھا ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح کسی نے اپنے بچّے کی اعلیٰ تعلیم کے لئے روپے رکھے ہیں، تو ان روپیوں کی زکوٰۃ دینی بھی واجب ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مل کر نقد کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ (معالم السنن ج ۲ ص ۱۷۰)

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۳۳)

[1] صاحب درمختار کے اس جملہ وفارغٌ عَنْ حاجتہ الاصلیۃ کی تشریح میں علامہ شامی نے ردالمحتار میں جو تفصیل کی ہے یہ بیان اسی سے ماخوذ ہے۔ متن میں جہاں اس مسئلہ کا ذکر ہے اس سے آگے چند صفحے کے بعد علامہ شامی نے اس کی تفصیل کی ہے۔

لیکن اِس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ ضرورت جائز بھی ہو اور بروقت موجود ہو، اگر یہ ضرورت جائز تو ہو مگر بروقت موجود نہ ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص اس خیال سے روپیہ جمع کرتا ہے کہ ہم بوڑھے ہونے کے بعد اس کو خرچ کریں گے، یا لڑکی کی شادی کریں گے، یا پختہ مکان بنوائیں گے، یا تجارت کریں گے، یا اپنے عیش و آرام کا سامان خریدیں گے تو ان تمام صورتوں میں اس کو زکوٰۃ دینی واجب ہے، کیونکہ یہ ضرورت جائز تو ہے مگر اِس وقت موجود نہیں ہے۔

اسی طرح کوئی حج کرنے کے لئے روپیہ جمع کرے تو اس صورت میں بھی اس کو روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے۔

سال گزرنے کا مطلب

سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ پورے سال بھر اس کے پاس اتنا روپیہ جمع رہا ہو جتنے روپے میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس سلسلہ میں چند باتیں اور یاد رکھنی چاہئیں۔

(۱) اگر کسی کے پاس شروع سال میں اتنا روپیہ تھا جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لیکن سال پورا ہونے سے پہلے وہ خرچ ہوگیا یا چوری ہوگیا تو اس روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۲) اگر کسی کے پاس شروع سال اور آخر سال میں تو زکوٰۃ کے بقدر روپیہ تھا مگر بیچ میں کسی وجہ سے اس کے پاس روپیہ کم ہوگیا تھا تو شروع و آخر میں جتنا روپیہ اس کے پاس تھا اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً کسی کے پاس محرم کے مہینے میں ۱۳ سو روپے تھے اور رمضان میں اس میں سے دو سو روپے خرچ یا چوری ہو گئے اور پھر وہ ذوالحجہ میں دو سو روپے اس کے پورے ہو گئے تو ان چند مہینوں میں روپئے کے کم ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کو ۱۳ سو روپے کی زکوٰۃ دینی واجب ہے۔ غرض یہ کہ اعتبار شروع سال اور آخر سال کا کیا جائے گا درمیان کا نہیں[1]

---

[1] والشرط تمام النصاب فی طرفی الحول ج ۲ صفہ ۱۴ رد المحتار وان کان النصاب کاملا فی طرفی الحول فنقصانہ فیما بین ذالک لا یسقط الزکوٰۃ۔

(ھدایہ ج ۱ ص ۱۷۶)

(۳) اگر شروع سال میں کسی کے پاس ۱۳ سو روپے تھے اور آخر سال تک ڈیڑھ ہزار روپے ہو گئے تو پورے ڈیڑھ ہزار روپے کی زکوٰۃ اس کو دینی چاہیئے۔ اسی طرح آخر سال میں جتنا روپیہ بڑھے گا سب پر زکوٰۃ دینی واجب ہوگی۔ اس صورت میں شروع سال میں جتنا روپیہ تھا اس کو اصل قرار دیا جائے گا۔ اور جتنا بڑھتا جائے گا زکوٰۃ بڑھتی جائے گی۔ اب اگر شروع سال میں اس کے پاس صرف ۵۰۰ روپے تھے اور آخر سال میں ۱۳ سو ہو گئے تو جب سے ۱۳ سو ہوئے ہیں اس وقت سے سال کی ابتدا سمجھی جائے گی۔ یعنی جب سے وہ صاحبِ نصاب ہوا ہے اس کے بعد سے جتنی مقدار سال بھر میں بڑھے گی پوری تعداد پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

کارخانہ کے سرمایہ اور شیئرز کی زکوٰۃ

اگر کوئی روپیہ کسی مشترک تجارت یا کسی کارخانہ میں لگا ہوا ہو یعنی اس نے اس کے حصے (شیئرز) خریدے ہوں اور سال بہ سال اس کا منافع ملتا ہو تو اصل سرمایہ اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ زکوٰۃ سرمایہ پر تو کارخانہ دار مشترکہ طور پر نکالے گا البتہ جو منافع افراد کو مل چکا ہے ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ نکالنا چاہیئے اگر سب لوگ کارخانہ دار کو اجازت دے دیں تو مشترکہ طور پر بھی زکوٰۃ نکالی جا سکتی ہے، اور منیجر زکوٰۃ نکال کر پھر منافع تقسیم کرے گا۔

ائمہ کے درمیان اس سلسلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ ہر فرد کو علیٰحدہ علیٰحدہ نکالنا ضروری ہے یا مشترکہ طور پر بھی زکوٰۃ نکالی جا سکتی ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ جب دو یا دو سے زائد آدمی کسی کاروبار میں شریک ہوں تو زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں جب تک ہر ایک کا سرمایہ یا منافع بقدرِ نصاب نہ ہو اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشترکہ مال کا حکم ایک شخص کے مال کا ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۳۳)

یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانچ اوقیہ (۵۲ ½) چاندی سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس میں چونکہ تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم ایک فرد کے مال کا ہے یا مشترکہ مال بھی اس میں شامل ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے پہلی صورت پر محمول کیا ہے اور امام شافعی نے دوسری صورت پر۔

تجارتی وصنعتی سامان کی زکوٰۃ

اگر کسی کے پاس تجارتی یا صنعتی سامان ہو تو اس کی زکوٰۃ دینی بھی واجب ہے، کپڑا، بسلطے کا سامان، کتابیں، کاغذ، میوہ، مسالہ، غلہ لکڑی، لوہا، تانبا پیتل، ایلومونیم، پلاسٹک یا کسی چیز کی دوکان یا کارخانہ ہے اور اس میں کوئی سامان تیار ہوتا ہے مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، موٹر سائیکل یا کار، ہوائی جہاز وغیرہ بنتے ہیں تو ان بنے ہوئے سامانوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور ان کے پرزوں پر بھی، غرض ان تمام چیزوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو سامانِ تجارت کی زکوٰۃ نکالنے کی تاکید فرماتے تھے[2] مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ ان پر پورا سال گزر جائے۔ سال گزرنے کا مطلب وہی ہے جس کی تفصیل اوپر کی گئی۔ یعنی شروع سال میں اگر وہ صاحب نصاب تھا تو پھر اس میں جتنا اضافہ درمیان سال میں ہوگا آخر میں ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۲) دوسرے یہ کہ ان سامانوں میں تجارت کی نیت ہو۔ اگر یہ چیزیں اپنے استعمال کے لئے یا آرائش کے لئے جتنی بھی جمع کر لی جائیں، اگرچہ بلا ضرورت زیادہ سے زیادہ سامان جمع کرنا بجائے خود ناپسندیدہ ہے لیکن ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ مثلاً آپ کے گھر میں بڑی بڑی دیگیں، تانبے کے پتیلے اور پتیلیاں، فرنیچر، اُونی اور سُوتی قیمتی کپڑے یا غلہ اگر موجود ہوں تو اِس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اِن کتابوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو مطالعہ کے لئے اہل علم رکھتے ہیں البتہ اگر تجارت کی غرض سے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی[3]

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ صفہ ۱۲۹ فان کانت للتجارۃ فیھا زکوٰۃ التجارۃ بالاتفاق۔

[2] حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت ہے کان یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعد للبیع (ابوداؤد، مشکوٰۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ اس مال کی زکوٰۃ نکالیں جو ہم تجارت کے لئے رکھتے ہیں۔ [3] وکذ کتب العلم ان کان من اھلہ، (عالمگیری ج ۱ صـ۸۸)

مشینوں اور اوزار کے احکام

اگر کسی کے پاس کارخانہ ہے اور اس میں کوئی چیز تیار ہوتی ہے تو اس نے جتنا مال فروخت کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور جو اس نے اسٹاک کیا ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ جو مشینیں[1] اس کارخانہ میں لگی ہوئی ہیں یا سامان تیار کرنے کے اور دوسرے جو آلات ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص کوئی پیشہ کرتا ہے اس کے استعمالی اوزار پر چاہے وہ کتنے ہی قیمتی ہوں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ اوزار تجارت کے لئے رکھتا ہے یا بنا کر بیچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً گھڑی ساز، بڑھئی لوہار، موٹروں اور سائیکلوں کی مرمت کرنے والے یا دوسرے پیشہ وروں کے استعمالی اوزار سب کا یہی حکم ہے۔ یعنی ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ان کو فقہاء نے ان چیزوں کو بنیادی ضرورت میں شمار کیا ہے البتہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ ان چیزوں پر جس کے اثر مصنوعات میں باقی نہیں رہتے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے لیکن جس کے اثرات مصنوعات میں فائدے کی صورت میں ظاہر ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، پوری عبارت یہ ہے۔

واما اذا کان یبقی اثرھا	وہ اشیاء جن کے اثرات مصنوعات میں باقی
فی المعمول کما لو اشتری	رہتے ہیں مثلاً رنگریز اجرت لے کر کپڑے
الصباغ زعفرانا لیصبغ	رنگنے کے لئے زعفران یا کُدی اور گوند وغیرہ خریدے
ثیاب الناس باجر وحال	اور ان چیزوں پر پورا سال گزر جائے اور
علیہ الحول کان علیہ	اس کی مالیت نصاب تک پہنچ جائے تو
الزکوٰۃ اذا بلغ نصابا	زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح ایسی چیز
وکذا کل من ابتاع عینا	کسی کام کے لئے خریدے جس کا اثر مصنوعات میں

---

[1] راقم کو اس سلسلہ میں علماء کی تصریحات نہیں ملیں مگر حدیث لَا صَدَقَةَ فِی الْعَوَامِلِ کی روشنی میں یہ حکم لکھا گیا ہے۔ نیز علماء پیشہ وروں کے اوزار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ یہ مشینیں بھی چیزیں تیار کرنے کا آلہ ہیں، اس لئے ان کے اوپر ان کو قیاس کر لینا بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

لیعمل بہ یبقی اثرہ فی المعمول کالحفص والدھن لدبغ الجلد فحال علیہ الحول کان علیہ الزکوٰۃ وان لم یبق لذالک العین اثر فی المعمول کالصابون والحرض لا زکوٰۃ فیہ۔[1]

باقی رہے ان سامانوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی مثلاً تیل یا جاڑ (یا کوئی اور مسالہ) وغیرہ دباغت کے لئے خریدے اور وہ نصاب کو پہونچ جائے اور سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر اس کا اثر باقی نہ رہے جیسے صابون اور حرض صاف کرنیوائی گھاس خریدے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

گوٹے لچکے اور سونے چاندی کی زنجیر وغیرہ

عورتوں کے اگر کسی کپڑے پر خالص چاندی یا سونے کے لچکے لگے ہوں اور وہ مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اسی طرح اگر چاندی یا سونے کا گھڑی کا کیس ہو یا اس کی زنجیر ہو تو اگر وہ مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ اگر صرف سونے یا چاندی کا پانی اس پر چڑھا یا گیا ہو، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

علامہ مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں :-

لایعتبر فی النصاب صنعۃ زائدۃ علیٰ کونہ فضۃ فتجب الزکوٰۃ فیھا سواء کانت دراھم مضروبۃ او نقرۃ او تبرا او حلیا مصنوعا او حلیۃ سیف او منطقۃ او لجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرھا اذ کانت تخلص عند الاذابۃ اذا

چاندی اگر نصاب تک پہنچ جائے تو اس کا چاندی ہونا ہی کافی ہے کسی مزید وصف کی ضرورت نہیں ہے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اب چاہے چاندی کے سکے ہوں یا اس کے ڈلے ہوں یا اس کے زیور ہوں یا تلوار کی میان ہو یا اس کا کڑا ہو یا کمر بند ہو یا سواری کی لگام یا زین وغیرہ پر بطور زینت لگائے گئے ہوں اسی طرح قرآن پاک یا برتن وغیرہ پر ایسے ستارے کے کام بنے ہوئے ہوں کہ ان کو پگھلایا جائے تو وہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۰ راقم الحروف موجودہ دور میں اس جزیہ کو قابلِ غور سمجھتا ہے۔

بلغت مأتی درھم وسواء کان یمسکھا للتجارۃ او للنفقۃ او للتجمل اولم ینوشیئاً[۱]	توزکوٰۃ واجب ہوگی یہ سامان خواہ تجارت کے لئے ہوں۔ یا ذاتی زیب وزینت کے لئے ہوں یا کچھ بھی نیت نہ ہو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

کرایہ کے مکان اور سامان اور کارخانوں کی عمارت وغیرہ | اوپر ذکر آچکا ہے

کہ زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ آمدنی والوں کی آمدنی سے ایک حصہ نکال کر کم آمدنی والوں کے حوالہ کر دیا جائے، تاکہ دولت کی گردش جاری رہے، اس لئے شریعت نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کے علاوہ ہر چیز کی مقدار مقرر کر دی ہے جس کا ذکر آچکا ہے، ان کے علاوہ زندگی کے اور جو سامان ہیں ان پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب تجارت کی غرض سے رکھے گئے ہوں، مثلاً فرنیچر، برتن، کپڑے اگر ذاتی استعمال کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ اگر ان کو کوئی کرایہ پر چلاتا ہے تو اس کے فائدہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کرایہ پر چلنے والے سامان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی[۲]

تجارت اور اجارہ یعنی کرایہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اس میں بیع نہیں ہوتی ہے یعنی بیع میں آدمی کسی چیز کا مستقل مالک بنتا ہے اور اجارہ میں منفعت کا لین دین ہوتا ہے یعنی عارضی طور پر سامان کا مالک دوسرے کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیتا ہے اور خود اس کا معاوضہ لیتا ہے جیسے مکانات، گاڑیاں، جہاز، ہوائی جہاز فرنیچر وغیرہ کرایہ پر چلتے ہیں تو زکوٰۃ ان سامانوں پر نہیں بلکہ اس کے فائدہ پر ہوگی جب وہ منفعت زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرط پوری کر دے، یہ رائے جمہور کی ہے۔ مگر قدیم فقہا اور موجودہ دور کے بعض قابل اعتماد علماء کی رائے یہ ہے کہ کرایہ پر چلنے والے بڑے بڑے سامان مثلاً ہوائی جہاز، جہاز، کاریں، بسیں،

---

[۱] بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۶

[۲] والنصاب فی العروض انما ھو فیما اتخذ فیھا للبیع خاصۃ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۵۱) فان کانت للتجارۃ فیھا زکوٰۃ التجارۃ بالاتفاق (الجوہرۃ النیرہ ج ۱ ص ۱۲۹)

اور بڑے بڑے کارخانے اور ان کی وہ عمارتیں جن میں مشینیں فٹ رہتی ہیں، اور کرایہ پر چلنے والے مکان وغیرہ کی نوعیت

اس زمانہ کے مکانوں اور کرایہ پر چلنے والی دوسری چیزوں کی نہیں رہی بلکہ ان اموال منفعت میں بھی اموال تجارت سے کم نمو یعنی بڑھوتری کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہیئے۔

شیخ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب " فقہ الزکوٰۃ " میں بعض مالکیہ اور حنابلہ کی رائے نقل کی ہے، اور موجودہ دور کے علماء میں شیخ ابوزہرہ، شیخ عبدالوہاب خلاف اور شیخ حسن وغیرہ بھی ان میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں اس سلسلہ میں ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ عروض تجارت کے سلسلے میں کوئی ایسی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے جس سے وجوب زکوٰۃ کا حکم صریح طور پر معلوم ہو، لیکن ابن المنذر نے اس کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تھا، اس لئے کہ عربوں میں ذاتی استعمال کے لئے پالنے کا رواج تھا اور ایران وغیرہ میں افزائش نسل اور تجارت کے لئے پالتے تھے، تو جب ایران فتح ہوا تو ایک نئی صورت پیش آئی اس لئے آپ نے زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ بطور ٹیکس اچھے گھوڑوں پر دس درہم اور معمولی گھوڑوں پر پانچ درہم صدقہ مقرر کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون " اجتہاد اور تبدیلی احکام "

۳۔ امام احمد بن حنبل رحؒ نے زرعی پیداوار پر قیاس کر کے شہد پر زکوٰۃ واجب قرار دی اور سونے چاندی پر قیاس کر کے معدنیات پر زکوٰۃ واجب قرار دیا۔

۴۔ امام زہری، حسن بصری اور امام ابو یوسف نے رکاز اور معدنیات پر قیاس کرتے ہوئے سمندر سے نکلنے والے موتی، مونگا اور عنبر وغیرہ پر زکوٰۃ واجب قرار دیا، صحیح یہ ہے کہ امام ابو یوسف اس میں خمس کہتے ہیں (کتاب الخراج ۶۹ھ) غرض حالات کے لحاظ سے ان میں کچھ متعین مقدار یا خمس وغیرہ جاری ہونا چاہیئے۔

اس سوال کے جواب میں کہ کرایہ پر چلنے والے سامان کی قیمت ہر سال کم ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک اندازہ سے ہر سال اس کی قیمت گھٹا دی جائے گی۔ بہر حال اس مسئلہ پر

ہمارے علما کو غور کرنا چاہیئے۔ اگر انکو آلات پیداوار پر قیاس کیا جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور نمو کا خیال کیا جائے تو زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے۔

سامانِ تجارت کا نصاب

سامانِ تجارت کا نصاب بھی وہی ہے جو روپے پیسے کا ہے یعنی اگر تجارتی سامان کی قیمت ۵۲½ تولے چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اس کے بعد جتنا مال بڑھتا جائے گا اس کا حساب کر کے سب کا ۱/۴۰ زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ گویا اصل معیار اس میں چاندی اور سونا ہے ان میں سے کسی ایک کی قیمت کے مطابق زکوٰۃ دی جائے گی۔ حدیث میں ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعد للبیع (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد) اگر سونا نصاب کو نہ پہنچے اور چاندی پہنچ جائے تو زکوٰۃ دینی ہوگی۔[1]

اگر کوئی روپے پیسے میں یا سامانِ تجارت میں چاندی کے بجائے سونے کی قیمت لگائے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ لیکن مناسب یہی ہے کہ چاندی کی قیمت لگائی جائے کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ پانے والوں کا فائدہ ہے اور سونے کی قیمت لگانے میں اپنا فائدہ۔ اور زکوٰۃ میں اپنے فائدے کے بجائے ان لوگوں کا فائدہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے جن کو زکوٰۃ دی جا رہی ہے اور زکوٰۃ کا مقصد یہی ہے کہ آپ میں زیادہ سے زیادہ جذبۂ ہمدردی پیدا ہو اور غریبوں کا بھلا ہو۔ پھر سونے کے نصاب ہونے میں اختلاف ہے مگر چاندی کے معیار نصاب ہونے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

۴۔ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ

زمین کی پیداوار کی جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اس کو شریعت میں عُشر کہتے ہیں، اِس کے احکام روپے پیسے اور سامانِ تجارت سے جُدا ہیں اور قرآن و حدیث میں ان کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں دو جگہ اس کا ذکر ہے۔ ایک جگہ ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا — اے ایمان والو خدا کی راہ میں خرچ کرو

---

[1] اذا قومت بالدراھم تبلغ نصابا واذا قومت بالذھب لاتبلغ نصابا یقوم بالدراھم (بنایہ حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۱۷۵)

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔

اچھی چیزیں اپنی کمائی کی اور جو کچھ ہم نے تم کو زمین کے ذریعہ پیدا وار دی ہے۔

(آل عمران)

اور دوسری جگہ فرمایا:-

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۝

(الانعام)

وہی اللہ ہے جس نے باغات اگائے اس چیز کے باغ بھی جس کی بیلیں ٹٹیوں وغیرہ پر چڑھائی جاتی ہیں (مثلاً انگور) اور وہ بھی جن کی بیلیں نہیں ہوتیں (آم اور امرود) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار اور یہ سب آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی تو ان میں جب پھل آجائیں تو خود بھی کھاؤ، کاٹنے اور توڑنے کے وقت ان میں جو شرعی حق (عُشر) ہو اس کو دے دو اور اسراف نہ کرو (نہ کھانے میں نہ دینے میں) اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے غلّہ اور پھل حتیّٰ کہ شہد وغیرہ کا عُشر بھی نکلواتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "جو کچھ زمین سے اُگے اس میں صدقہ ہے۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالا بدمنہ میں لکھا ہے مگر مولانا عبدالصمد رحمانی مرحوم نے بڑی تحقیق سے اپنی کتاب کتاب العشر والزکوٰۃ میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت جو زمینیں ہیں وہ سب عشری ہیں (کتاب العشر والزکوٰۃ)

عُشر کن لوگوں پر فرض ہے

ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ، عاقل ہو یا پاگل، عُشر فرض ہے۔

زمین کی پیداوار میں کیا چیزیں شامل ہیں

زمین کی پیداوار میں ہر وہ چیز شامل ہے جو زمین سے اُگتی ہے

اور اس سے آدمی فائدہ حاصل کرتا ہے۔ ہر قسم کے غلہ مثلاً جَو، گیہوں، چنا، مٹر، مسُور، ارہر، باجرہ، جُوار، وغیرہ اور ہر قسم کے پھل آم، امرود، سنترے، بیر، کٹھل، شریفہ، سیب، انار، انگور اور ہر قسم کے میوے، مثلاً چھوہارا، بادام، کشمش، منقہ، اخروٹ، گری، چرونجی وغیرہ۔ ہر قسم کی ترکاریاں[1]، ککڑیاں، خربوزہ، تربوز، لوکی، آلو، بیگن، بنڈا، شکرقند اسی طرح گنا چری وغیرہ سب میں عُشر واجب ہے۔

عُشر کے نصاب اور دوسری زکاتوں میں فرق ہے

سونے، چاندی، روپے، پیسے سامانِ تجارت اور عُشر میں چند باتوں میں فرق ہے، وہ یہ ہیں:۔

(۱) عُشر کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے بلکہ جو کچھ پیدا ہوا اور جتنا[2] ہو اس میں سے عُشر

---

[1] یہ مسلک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ترکاریوں کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ اس میں عُشر نہیں ہے۔ اس بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو ممتاز شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ ترکاری میں زکوٰۃ نہ لی جائے، دوسرے ائمہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن عام فقہا امام صاحب کی رائے کو اس حدیث کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں جس میں ہے کہ "جو کچھ زمین سے پیدا ہو، اس میں صدقہ ہے۔" فیما سقت السماء والعیون فکان عشریا وفیما سقی بالنضح نصف العشر (بخاری ابوداؤد ترمذی وغیرہ) چونکہ یہ عام حکم ہے اس لئے امام صاحب کہتے ہیں اس کو ترجیح ہونی چاہیئے، ۔اس لئے راقم نے اسی صورت کو اختیار کیا مگر اس میں اصرار کرنا اور نہ ادا کرنے والے کو ملامت کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے بہرحال یہ فعل بھی سنّت کے خلاف نہیں ہے البتہ ترکاریوں کے سلسلہ میں جو حدیث لیس فی الخضراوات صدقۃ یا اس مفہوم کی دوسری احادیث ہیں ان سب کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور ضعیف حدیث سے کسی عام حدیث کی تخصیص صحیح نہیں۔

[2] یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ امام صاحب کے دونوں شاگرد (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

نکالنا چاہیئے۔ اس میں سال گزرنا بھی شرط نہیں ہے بلکہ جوں ہی کوئی چیز پیدا ہو اس کا استعمال شروع کرنے سے پہلے اس کا عشر نکال دیا جائے۔ کسی کھیت میں اگر دوبارہ پیداوار ہوتی ہو تو دوبارہ نکالنا ضروری ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو اس سے زیادہ (۳) اس میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ چیزیں ایک[1] سال باقی رہ سکیں۔ مثلاً ترکاری وغیرہ چند دن سے زیادہ باقی نہیں رہ سکتیں۔ مگر ان میں عشر ہے۔ (۴) اس میں عاقل، بالغ ہونے کی بھی شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی پاگل یا بچہ ہو اور اس کے کھیت میں یا باغ سے کوئی چیز پیدا ہو تو اس میں سے بھی زکوٰۃ لی جائے گی۔ (۵) زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کا کھیت لگان پر لے کر جوتتا ہے، یا کسی قسم کے پھل یا میوہ کے باغ کو پھل اور میوے کے زمانے تک کے لئے خریدا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اسے عُشر دینا ہوگا جیسے اگر کوئی مسلمان آم یا امرود یا بیر کا باغ خریدے تو اس پر آم توڑتے وقت عُشر دینا ضروری ہے۔ اس کا بیان آگے آتا ہے۔

بٹائی کا حکم البتہ اگر کوئی بٹائی پر کھیتی کرے تو ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کا عُشر الگ الگ دینا چاہیئے اور اگر اکٹھا ہی پورے غلہ کا عُشر نکال کر بقیہ غلہ تقسیم کرلیں[2] تو یہ بھی جائز ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا مُسلک یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم پیداوار ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن امام صاحب کے مُسلک میں احتیاط زیادہ ہے اس لئے فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ پانچ وسق کا وزن ہمارے سیر یعنی اسّی تولے والے سیر سے ۲۵ مَن پونے ۲۴ سیر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حدیث کے مطابق بھی ہے اور اس میں تقوی کا پہلو بھی ہے اور غریبوں کے لئے فائدہ مند بھی ہے، لیکن اگر کوئی دوسرے مسلک پر عمل کرے تو اسے بھی خلاف سنت نہیں کہا جاسکتا۔

[1] صاحبین اور امام شافعی کے مسلک کے مطابق ان ہی چیزوں میں عُشر ہے جو ایک سال باقی رہ سکتی ہوں اور پانچ وسق سے زیادہ ہوں (درمختار باب العشر) [2] شرح التنویر ج ۲ صفحہ ۸۸ درمختار علم الفقہ ج ۴ صفحہ ۳۹

عُشر کی مقدار پیداوار میں جو عُشر دیا جاتا ہے اس کی ۲ دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں کُل پیداوار کا دسواں دینا ضروری ہے۔ اور ایک صورت میں کُل پیداوار کا بیسواں (نصف عُشر) دینا ضروری ہے۔

عُشر اگر یہ پیداوار بغیر آبپاشی کے بارش کے پانی یا بغیر پانی ہی کے ہوتی ہے۔ مثلاً دھان یا باجرہ، جوار، ارہر اور خریف کی دوسری فصلیں، یا دریا کے کنارے اور ترائی کی ربیع کی پیداوار یا باغات کے پھل وغیرہ مثلاً آم، امرود، بیر، کھجور، ناریل وغیرہ، تو ان تمام چیزوں میں دسواں (عُشر) نکالنا فرض ہے۔ یعنی دس مَن میں ایک من دس سیر میں ایک سیر یا دس پھل میں ایک پھل ہے۔ یا باغ جتنی قیمت کا بکے اس کی دسویں قیمت۔

نصف عُشر اگر یہ پیداوار سینچائی کے ذریعہ ہوتی ہے، مثلاً اس میں کنویں سے یا رہٹ چلا کر یا تالاب سے دُون دُوری چلا کر یا ٹیوب ویل اور نہر سے قیمتاً پانی لے کر کھیت یا باغ کی سینچائی کی گئی ہے تو ان تمام صورتوں میں بیسواں یعنی نصف عشر دینا فرض ہے۔ یعنی بیس من میں ایک مَن، یا بیس سیر میں ایک سیر۔ مثلاً جہاں ربیع کی فصل جَو، گیہوں، مٹر وغیرہ سینچائی کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے یا جو پھل، ترکاری، یا میوے سینچائی کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب میں بیسواں ہے، لیکن اگر پانی پہنچانے کے لئے پُل گھرّا وغیرہ چلانا نہ پڑے بلکہ تالاب، پوکھرے، چشمہ یا ندی وغیرہ سے کاٹ کر کھیت میں پہنچا دیا جائے تو اس میں دسواں دینا ہوگا۔ بیسواں نہیں[1]

جہاں دونوں صورتیں جمع ہوں، یعنی اگر کوئی فصل ایسی ہو جس میں سینچائی بھی کی گئی ہو اور بارش کے پانی سے بھی فائدہ پہنچا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اگر اس فصل کا زیادہ حصّہ سینچائی کی وجہ سے ہوا ہے تو بیسواں دینا ہوگا، مثلاً ربیع کی فصل جہاں سینچی جاتی ہے وہاں سینچنے کے بعد اگر بارش ہوگئی تو اسکا اعتبار نہیں کیا جائیگا اور بیسواں ہی دینا پڑے گا۔ البتہ اگر ابھی سینچا نہیں تھا کہ بارش ہوگئی اور پھر اسی بارش کے پانی سے وہ تیار ہوگئی تو بیسواں کے بجائے دسواں دینا ہوگا۔

---

[1] درمختار، باب العشر۔ ج ۲ صفہ ۷۷ علم الفقہ ج ۴ صفہ ۳۷

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ فصل کا زیادہ حصّہ بارش سے یا بغیر بارش کے ہوا ہو، آخر فصل میں یا شروع فصل میں اس میں ایک آدھ بار پانی چلا دیا گیا ہو تو پھر اس میں دسواں دینا ہوگا۔ مثلاً خریف کی فصل پانی دے کر بوئی گئی اور بارش کے پانی سے ہوگئی، یا بارش کے پانی سے وہ بڑھی، اور تیار ہوئی مگر آخر میں ایک آدھ بار پانی دے دینا پڑا۔ جیسا کہ دھان وغیرہ میں ہوتا ہے تو اِن دونوں صورتوں میں دسواں دینا ہوگا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ خریف کی فصل جو جمی اور بڑھی تو ہے بارش کے پانی سے لیکن اسکے بعد دو تین بار پانی دینا پڑا ہو تو اس صورت میں دسواں کے بجائے بیسواں دینا ہوگا۔[1]

ضروری ہدایات

(۱) جس قدر پیداوار ہوگی پوری پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہے، ہل، بیل، سینچائی، مزدوری اور بیج وغیرہ کا خرچ وضع نہ کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی کھیت میں دس من پیداوار ہوئی تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ پانچ من تو ہل، بیل، مزدوری اور بیج کے خرچ میں نکال لیا جائے اور پانچ من کا عشر دیا جائے بلکہ پورے دس من میں عشر دینا[2] ضروری ہے۔ (۲) جس پیداوار میں عشر دینا واجب ہے اس کو استعمال کرنے سے پہلے عشر نکال دینا ضروری ہے۔ اگر بغیر عشر نکالے استعمال کرے گا تو یہ اس کے لئے ناجائز ہوگا۔ البتہ اگر نکالنے کا ارادہ ہو تو پھر اس کا استعمال ناجائز نہیں ہے۔[3] اگر اسلامی حکومت ہوگی تو اس سے جرمانہ یعنی عشر کے بقدر غلہ یا اس کی قیمت لے گی۔

(۳) اگر کوئی شخص بغیر عشر ادا کئے مرجائے تو اسکے مال سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، البتہ اگر وہ وصیّت کرجائے تو پھر ثلث مال سے لیا جاسکتی ہے، اگر ورثا، دے دیں تو سب سے بہتر ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص کھیتی باڑی کرسکتا یا کرا سکتا تھا لیکن اس نے اپنی زمین قصداً پرتی رکھا تو اس کو بھی اندازے سے عشر دینا پڑے گا۔ یعنی اس زمین میں جتنا غلّہ عموماً پیدا ہوتا ہے اس کا عشر یا نصف عشر ادا کرنا ہوگا۔ تاکہ زمین بیکار نہ چھوڑی جائے۔

---

[1] درمختار ج ۲ صفہ ۷۶

[2] درمختار ج ۲ صفہ ۷۸ بلا رفع مؤن۔

[3] الجوہرۃ النیرۃ الا اذا کان المالک عازماً علیٰ اداء العشر۔

(۵) اگر کوئی اپنی فصل کاٹنے سے پہلے یا باغ کے پھل توڑنے سے پہلے اسے بیچ دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ اگر اس نے فصل کو یا پھل کو ان کے پکنے سے پہلے بیچا ہے تو عشر خریدار پر ہوگا۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ فصل یا پھل پک کر تیار ہو گیا تھا۔ اس وقت بیچا تو عشر بیچنے والے پر ہوگا۔[1]

(۶) جو چیز پیدا ہوئی ہے عشر میں چاہے وہی دی جائے یا اس کی قیمت دے دی جائے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(۷) اگر کسی نے اپنے گھر کے اندر کوئی درخت لگایا ہے اور وہ پھلتا ہے یا گھر کے صحن میں ترکاری وغیرہ لگائی ہے تو اس میں عشر نہیں ہے۔[2]

(۸) پیداوار جیسی ہو ویسے ہی عشر میں دینا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ جس کھیت میں اچھا دانہ یا جس درخت میں اچھا پھل یا میوہ ہو، اُسے تو گھر کے استعمال کے لئے رکھ لے اور خراب عشر میں دے۔ حتی الامکان اچھا ہی دینا چاہیئے ورنہ نہیں تو اچھا اور خراب ملا جلا کر دینا چاہیئے۔ قرآن پاک کی آیت "ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۵) جانوروں کی زکوٰۃ

جانوروں کی زکوٰۃ کی ۲ دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح دیہاتوں میں لوگ گائے، بھیڑیں وغیرہ پالتے ہیں اور ان کا دُودھ پیتے ہیں، گھی کھاتے ہیں اور ان کی کھاد کھیتوں میں ڈالتے ہیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ جانوروں سے یہ فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن وہ اس مقصد کے لئے نہ پالے گئے ہوں بلکہ اضافۂ نسل اور تجارت کے لئے پالے گئے ہوں۔ جیسے جانوروں کے بیوپاری پالتے ہیں۔

---

[1] درمختار، ج ۲ باب العشر۔

[2] ولو کان فی دار رجل شجرۃ مثمرۃ لا عشر فیها (ردالمحتار، ج ۲ ص ۴۵)

اِس دوسری صورت کا حکم وہی ہے جو سامانِ تجارت کا ہے ان کی قیمت کا اندازہ کر کے ۲½ زکوٰۃ دے دی جائے۔ اگر یہ جانور تجارت کے لئے نہ پالے گئے ہوں بلکہ نسل بڑھانے اور ذاتی فائدے کے لئے ہوں تو اُن کے لئے دو شرطیں ہیں، اگر یہ پائی جائیں گی تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سائمہ ہوں یعنی وہ سال کے زیادہ تر حصہ میں میدان یا جنگل کی گھاس چر کر یا درختوں کی پتّی وغیرہ کھا کر جیتے ہوں اور ان کو کبھی کبھار چارا دے دیا جاتا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دُودھ کے لئے یا نسل بڑھا کر دوسرے فائدے کے لئے یا محض شوق سے پالے گئے ہوں۔

اِن دونوں شرطوں کے لگانے کی وجہ سے ان تمام جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جو سواری کے لئے یا کھیتی باڑی کے لئے یکّے، تانگے یا گاڑی کھینچنے یا سامان لادنے کے لئے پالے گئے ہوں۔ مثلاً گھوڑے، گدھے، خچر، بیل وغیرہ۔

اب تمام جانوروں کا نصاب الگ الگ لکھا جاتا ہے۔ اگر ان میں اوپر کی دونوں شرطیں پائی جائیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں،

بکری کا نصاب

اگر کسی کے پاس ایک سے ۳۹ تک بکریاں ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اگر ۴۰ پوری ہوگئیں تو اس کا نصاب پورا ہوگیا اور اس کو زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

بکریوں کی زکوٰۃ	تعداد جس پر زکوٰۃ فرض ہے	شرح زکوٰۃ
〃 〃 〃	۱ سے ۳۹ تک	کچھ نہیں
〃 〃 〃	۴۰ سے ۱۲۰ تک	ایک بکری
〃 〃 〃	۱۲۱ سے ۲۰۰ تک	دو بکریاں
〃 〃 〃	۲۰۱ سے ۳۹۹ تک	تین بکریاں
〃 〃 〃	۴۰۰ پورے ہونے پر	چار بکریاں

〃 〃 〃 ۴۰ سے زیادہ ہوں تو ہر سو پر ایک بکری

دُنبوں اور بھیڑوں کا حکم

(۱) دُنبوں اور بھیڑوں کی زکوٰۃ کا حکم بھی وہی ہے جو بکری کا ہے۔ اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں اور چالیس بھیڑیں ہوں تو دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ دینی پڑے گی، لیکن اگر ۲۵ بکریاں ہوں اور ۲۵ بھیڑیں تو دونوں ملا کر ۵۰ بکریوں کی جو زکوٰۃ ہوتی ہے دینی چاہیئے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دونوں کا نصاب پورا نہیں ہوا۔

(۲) بھیڑ بکری کی زکوٰۃ میں نر مادہ کی کوئی قید نہیں ہے، دونوں پر زکوٰۃ ہے۔ البتہ ایک سال سے کم کا بچہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر دونوں ملے جُلے ہوں تو دونوں کے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (در مختار باب زکوٰۃ الغنم)

گائے بھینس کا نصاب

گائے بھینس کی زکوٰۃ	تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہے	شرح زکوٰۃ
〃 〃 〃	۱ سے ۲۹ تک	کچھ نہیں
〃 〃 〃	۳۰ ہوں تو	ایک سال کا بچہ یا اس کی قیمت
〃 〃 〃	۴۰ ہوں تو	پورے دو سال کا بچہ 〃 〃 〃
〃 〃 〃	۶۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے دو بچھڑے 〃 〃
〃 〃 〃	۷۰ ہوں تو	ایک ایک سال کا بچہ اور ایک ۲ سال کا 〃 〃
〃 〃 〃	۸۰ ہوں تو	دو سال کے دو بچے 〃 〃
〃 〃 〃	۹۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے ۳ بچے 〃 〃 〃
〃 〃 〃	۱۰۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے دو بچے اور دو سال کا ایک بچہ یا اسکی قیمت
〃 〃 〃	〃 〃	

ضروری ہدایات

اسی طرح تعداد جتنی زیادہ ہوگی ان کی زکوٰۃ بڑھتی جائے گی۔ اس کے ادا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ۳۰ اور ۴۰ کو معیار بنا لیا جائے اور ۶۰ سے زیادہ جتنی تعداد ہو ان میں ۳۰ اور ۴۰ کے اعتبار سے زکوٰۃ دی جائے۔ مثلاً ۷۰ میں

ایک سال کا ایک بچہ جو ۳۰ کی زکوٰۃ ہے اور ایک ۲ سال کا بچہ جو ۴۰ کی زکوٰۃ ہے دینا چاہیئے۔ اسی طرح جتنے ۳۰ یا ۴۰ ہوں گے اتنے ہی ایک یا دو سال کے بچے بڑھتے جائیں گے۔ مثلاً ۱۲۰ ہوں تو اس میں یا تو ۴ بچے ایک ایک سال کے دیئے جائیں، یا تین بچے دو، دو سال کے۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ دہائی کے درمیان کی تعداد پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ مثلاً ۴۰ اور ۶۰، یا ۶۰ اور ۷۰ کے درمیان کی تعداد جو ۵، ۷، ۹ کی تعداد ہے۔ اس میں زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ صرف ۴۰، ۶۰، یا ۷۰ کی زکوٰۃ دینی چاہیئے۔

(۲) گائے اور بھینس میں بھی اگر ایک کا نصاب نہ پورا ہوتا ہو، اور دونوں کے ملانے سے پورا ہو جاتا ہو تو ملا کر زکوٰۃ دینی چاہیئے۔

اونٹ کا نصاب

اونٹ کی زکوٰۃ	تعداد جس پر زکوٰۃ ہے				شرحِ زکوٰۃ
〃	۱	سے	۴	تک	کچھ نہیں
〃	۵	〃	۹	〃	ایک بکری یا بکرا یا اس کی قیمت
〃	۱۰	〃	۱۴	〃	دو بکریاں یا بکرے 〃 〃 〃
〃	۱۵	〃	۱۹	〃	تین 〃 〃 〃 〃 〃 〃
〃	۲۰	〃	۲۴	〃	چار 〃 〃 〃 〃 〃 〃
〃	۲۵	〃	۳۵	〃	اونٹ کا ایک سال کا مادہ بچہ 〃 〃
〃	۳۶	〃	۴۵	〃	اونٹ کا ۲ سال کا بچہ 〃 〃 〃
〃	۴۶	〃	۶۰	〃	۳ 〃 〃 〃 〃 〃 〃
〃	۶۱	〃	۷۵	〃	۴ 〃 〃 〃 〃 〃 〃
〃	۷۶	〃	۹۰	〃	دو دو سال کے دو بچے 〃 〃 〃
〃	۹۱	〃	۱۲۰	〃	تین تین سال کے 〃 〃 〃 〃 〃

ضروری ہدایات (۱) ۱۲۰ کے بعد اب پھر سے نیا حساب شروع ہوگا یعنی ہر پانچ پر ایک

بکری اور ہر دس پر دو بکریاں یا ان کی قیمت ہوگی۔ یعنی اگر ۱۲۵ اونٹ ہوں گے تو ۳، ۳ سال کے دو اونٹ کے بچے اور ایک بکری دینی ہوگی۔ اسی طرح ۱۴۰ میں ۳ بکریاں اور ۳، ۳ سال کے اونٹ کے دو بچے۔ اسی طرح جتنے بڑھتے جائیں گے اسی حساب سے زکوٰۃ بڑھتی جائے گی۔

گھوڑے، گدھے اور خچر کی زکوٰۃ

(۱) اگر یہ جانور سواری یا بوجھ لادنے کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت کا اندازہ کرکے ۱/۴۰ دینا چاہیئے یا پھر فی راس ایک دینار سالانہ دینا ہوگا۔[۱]

(۲) ان جانوروں کا سائمہ ہونا شرط نہیں ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور ضروری احکام

(۱) اگر روپیہ پیسہ، سامانِ تجارت، یا جانور ہوں تو سال پورا ہوتے ہی اور غلّہ ہو تو فصل کٹتے ہی عشر و زکوٰۃ کا نکال دینا فرض ہے، ورنہ گناہ ہوگا۔ اگر کسی نے سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کر دی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ یا دو سال کی اکٹھا دے دی تو بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی لیکن پہلے ادا کرنے میں یہ شرط ہے کہ اگر اس درمیان میں اس کے پاس کچھ اور سامان اور مال آگیا تو اس کی زکوٰۃ الگ سے ادا کرنی ہوگی۔

(۲) زکوٰۃ چاند کے مہینے سے ادا کرنی چاہیئے۔ اگر حساب میں کوئی دقّت ہو تو عیسوی سال کے حساب سے بھی ادا ہو جائے گی، مگر اس صورت میں احتیاطاً کچھ رقم زیادہ نکال دینی چاہیئے، کیونکہ زکوٰۃ فرض، چاند کے مہینے سے ہے اور چاند کا سال کچھ چھوٹا ہوتا ہے۔

(۳) عشر و زکوٰۃ نکالتے وقت یہ نیت کرنا ضروری ہے کہ یہ مال وہ خدا کے واسطے بطور عشر یا زکوٰۃ نکال رہا ہے۔ اگر کسی نے عشر یا زکوٰۃ کی نیت نہ کی اور یونہی کسی کو غلہ دے دیا، یا روپیہ پیسہ دے دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس کو دوبارہ نیت کرکے زکوٰۃ یا عشر نکالنا چاہیئے۔ زکوٰۃ میں

---

[۱] ردالمحتار، ج ۲، صفحہ ۱۹ یعنی پچاس ساٹھ روپئے سالانہ گھوڑے وغیرہ پر اور اس کا نصف گدھے اور خچر وغیرہ پر یا معمولی گھوڑوں پر۔

نیت ضروری ہے۔

(۴) زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلہ فوراً خرچ کرنا ضروری نہیں ہے، اگر کسی نے زکوٰۃ یا عشر کی نیت سے روپیہ یا غلّہ نکال کر علیحدہ کر دیا، اور یہ ارادہ کیا کہ سال بھر کے اندر تھوڑا تھوڑا غریبوں پر خرچ کر دے گا تو یہ جائز ہے۔[1]

(۵) زکوٰۃ دینے والے کو اس انتظار میں نہ رہنا چاہیئے کہ کوئی زکوٰۃ طلب کرنے کے لئے اس کے پاس آئے تو وہ ادا کرے بلکہ اس کو خود مستحقین تلاش کر کے دینا چاہیئے۔

(۶) صدقہ خیرات چھپا کر ادا کرنا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ اعلانیہ دینا بھی جائز ہے۔ قرآن میں دونوں طرح دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ فرائض میں اعلان زیادہ بہتر ہے اور نوافل میں اخفا، اس لئے فرض زکوٰۃ نکالنے کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ جس کو دی جائے اس کے نام کا بھی اعلان کیا جائے بلکہ اس میں تو یہ حدیثِ نبویؐ پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ داہنے ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

(۷) کسی مستحق کو اگر زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلّہ دیا جائے تو اس کو بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلہ ہے، اور اگر بتانے میں اس کو رنج پہنچنے کا اندیشہ ہو تو نہ بتانا ہی بہتر ہے۔ خاص طور پر اپنے قریبی اعزہ اور دوستوں کو بالکل ہی نہ بتانا چاہیئے۔

(۸) زکوٰۃ میں نقد روپیہ بھی دیا جا سکتا ہے اور کوئی سامان بھی خرید کر دیا جا سکتا ہے مثلاً کپڑا، غلہ، یا غریب طالب علموں کو کتابیں وغیرہ۔

(۹) ایک ہی آدمی کو زکوٰۃ کا اتنا روپیہ نہ دے دینا چاہیئے جتنے میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر کسی کا قرض اتارنے کے لئے اتنا روپیہ دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یا اس کے بال بچے زیادہ ہوں تو اس کو بھی عطیہ کہکر دینا جائز ہے۔[2]

---

[1] لا یجوز الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ للاداء او مقارنۃ لعزل مقدار الواجب۔ قدوری ص۳۷ [2] فلو سماها هبۃ او قرضا تجزیہ فی الاصح ردالمحتار ج۲ ص۱۲

(۱۰) اگر کسی کو زکوٰۃ کا روپیہ انعام یا ہبہ کے طور پر یا قرض کے نام سے دیا اور دل میں زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً غریب ملازموں کے چھوٹے بچوں کو انعام یا عیدی وغیرہ کے نام سے دیا جائے اور زکوٰۃ کی نیت کر لی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن ملازموں کی تنخواہ میں اس کو محسوب نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اپنے غریب اعزہ اور دوستوں کے بچوں کو بھی انعام اور عیدی کے نام سے زکوٰۃ کا غلہ یا پیسہ دیا جا سکتا ہے مگر جو بچے بالکل ہی چھوٹے اور ناسمجھ ہوں ان کو نہ دینا چاہیئے، بلکہ جو ذرا ہوشیار ہوں اور روپیہ پیسہ کو سمجھتے ہوں[۱]۔

(۱۱) اگر زکوٰۃ دینے والے کا کسی کے اوپر قرض ہو اور وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے تو زکوٰۃ میں قرض کو معاف نہیں کیا جا سکتا یوں ہی معاف کر دینا چاہیئے۔ (بہشتی زیور بحوالہ درمختار ج ا صـ۱۳)

(۱۲) اگر عشر و زکوٰۃ خود نہیں دیا بلکہ کسی دوسرے کے ذریعہ اس کو مستحق تک پہنچا دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

(۱۳) زکوٰۃ کے روپے اور عُشر کا غلّہ الگ نکال کر رکھ دینا، یا دے دینا بہتر ہے، لیکن اگر اس نے حساب کر کے روپے یا غلہ نکالنے کی نیت تو کر لی مگر دوسرے روپیوں یا غلہ سے علیحٰدہ نہیں کیا اور یہ سوچا کہ ضرورت کے وقت نکال کر دے دیا کروں گا تو یہ بھی جائز ہے، مگر بغیر کسی مجبوری کے ایسا نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اس کو بعد میں لالچ آجائے یا گھر کی ضرورت میں خرچ ہو جائے اور وہ نہ نکال سکے تو حرام کھا کر ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو گا۔

(۱۴) اگر کوئی شرکت کا مال اتنا ہو جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو اس کے اوپر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ ہر شرکت دار کا حصہ الگ کر کے دیکھا جائے گا کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں، اگر الگ الگ حصہ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ہر شریک دے ورنہ نہیں۔

(۱۵) اگر کسی کے پاس حرام ذریعہ مثلاً رشوت، یا سود (سود خواہ بینک کا ہو، یا خود سود پر روپیہ چلاتا ہو)، سے کمایا ہوا مال ہو تو اگرچہ حرام ذریعہ سے آمدنی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور حرام مال کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی، لیکن اگر حرام مال کے ساتھ کچھ حلال ذریعۂ آمدنی

---

[۱] دفع الزکوٰۃ الی صبیان اقربائہ برسم عید او الی مبشر (شرح التنویر ج ا صـ۱۴۲)

کا مال بھی اس کے پاس ہے تو دونوں کی زکوٰۃ نکالنی واجب ہوگی۔ البتہ اگر اس کے پاس سارا مال حرام ہی کا ہے تو اس کو تمام مال بغیر کسی ثواب کی نیت کے صدقہ کر دینا چاہیئے (درمختار میں ہے فلا زکوٰۃ لو کان الکل خبیثا ر باب زکوٰۃ الغنم صفحہ ۳۵)

(۱۶) اسلامی حکومت میں جو لوگ زکوٰۃ نہ دیں گے ان کو قید و بند کی سزا دی جا سکتی ہے۔ ان کا مال قرق کیا جا سکتا ہے۔ زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

(۱۷) اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے کی نیت رکھتا تھا مگر اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا[1] تو اس کے ⅓ ترکہ سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

قرض اور ادھار روپیہ کی زکوٰۃ

جس کے اوپر زکوٰۃ واجب تھی اس نے وہی روپیہ کسی کو قرض میں دے دیا تو اس روپے کی زکوٰۃ بھی اس کو دینی پڑے گی یا اگر اس نے کوئی تجارتی سامان بیچا ہے اور قیمت خریدار کے ذمہ باقی ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی دینی پڑے گی۔ قرض اور ادھار روپیوں کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔[2]

۱۔ ایک یہ کہ نقد روپے قرض دیئے یا سامان بیچا اور قیمت باقی رہ گئی تو اس روپے کی زکوٰۃ اس وقت دینی ہوگی جب وہ اس کو واپس مل جائے اس کے ملنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اگر وہ کئی برس کے اکٹھا وصول ہوئے تو اس صورت میں ان تمام برسوں کی زکوٰۃ دینی ہوگی جتنے دن مقروض کے پاس رقم باقی رہی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تھوڑی تھوڑی وصول ہو تو جتنا روپیہ وصول ہوتا جائے اتنے کی زکوٰۃ دیتے جانا چاہیئے۔ البتہ اگر یہ وصول ہونے والی رقم نصاب زکوٰۃ کے ⅕ سے بھی کم ہو تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، مثلاً اگر کسی کو تین سو روپے وصول ہوں تو تین سو کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے اور پھر جب وصول ہو تو اسی طرح

---

[1] ردالمحتار ج ۲ صفحہ ۱۵

[2] واعلم ان الدیون عند الامام ثلثۃ قوی، متوسط وضعیف فتجب الزکوٰۃ اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درھماً (درمختار ج صفحہ ۱۴۶)

ادا کرتا جائے۔ فقہ میں اس کو دَین قوی کہتے ہیں۔

(۲) قرض کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی چیز کا دام باقی ہے جس میں زکوٰۃ نہیں ہے مثلاً گھر کا فرنیچر، پہننے کے کپڑے، سواری کا گھوڑا، کھیتی باڑی کا بیل بیچ دیا۔ اور قیمت باقی ہے، تو اگر یہ رقم اتنی ہے جتنی میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے یعنی ۵۲ ½ تولے چاندی کی قیمت کے بقدر تو جب یہ وصول ہو زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اگر اتنی مقدار اکٹھا وصول نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگر ۵۲ ½ تولے چاندی سے زیادہ رقم ہو مگر کئی سال بعد وصول ہو تو ان تمام برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس کو دین متوسط کہتے ہیں،

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ مال کے بدلہ یا سامان کے بدلہ نہ ہو لیکن اس سے ملنے کی توقع ہو، مثلاً عورتوں کے مہر کا روپیہ، انعام کا روپیہ تو اس پر اس وقت سے زکوٰۃ واجب ہوگی جب ملنے کے بعد ایک سال گزر جائے اس کو دین ضعیف کہتے ہیں، دین قوی، دین متوسط اور ضعیف کے سلسلہ میں دو باتیں جاننا ضروری ہے ایک تو یہ کہ یہ حکم اس وقت ہے جب قرض دینے والے کے پاس دوسری رقم نہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اگر اس کے پاس قرض دینے کے بعد بھی اتنی رقم موجود ہے تو قرض میں دیا ہوا روپیہ کم وصول ہو یا زیادہ ان سب کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ اگر پہلے سے اس کے پاس زکوٰۃ کے بقدر رقم موجود ہے اور سال پورا ہونے سے پہلے قرض کا کچھ روپیہ مل گیا تو یہ بھی اس میں شامل سمجھا جائے گا البتہ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور مال نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو وصول ہونے کے بعد اگر بقدرِ نصاب ہے تو پچھلے سالوں کی زکوٰۃ دینی واجب ہوگی البتہ اگر نصاب کے بقدر وصول نہیں ہوا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

۴۔ ایک چوتھی صورت یہ بھی ہے کہ قرض ہو مگر اس کے ملنے کی امید نہ ہو تو ایسے قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر بعد میں خلافِ توقع وصول ہو جائے تو پوری مدت کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اس کو مال ضمار کہتے ہیں۔

پراوڈنٹ فنڈ | سرکاری ملازمین یا تعلیمی ادارے کے معلمین کا جو روپیہ بطور پراوڈنٹ فنڈ کٹتا ہے، اگر وہ بقدر نصاب پہنچ جائے تو اس پر بھی ہر سال زکوٰۃ

واجب ہوتی ہے جتنا روپیہ اس میں سال کے آخر میں جمع ہو جائے اتنے کی زکوٰۃ ہر سال دے دینی چاہیئے۔ وہ اگرچہ اس وقت اس کے ہاتھ میں نہیں ہے لیکن وہ اسی کی ملک ہے۔ اگر وہ ملازمت چھوڑ دے یا ریٹائر ہو جائے تو اس کو مل جائے گا، یا اگر مر جائے تو اس کے ورثاء اس کے مستحق ہوں گے۔ اگر ملنے کے بعد اکٹھا تمام برسوں کی زکوٰۃ دی جائے تو بھی جائز ہے[1]۔

بینک میں جمع شدہ رقم یا فکسڈ ڈپازٹ

بینک میں جمع شدہ رقم کا وہ مالک ہے گو اس وقت اس کے قبضہ میں وہ روپیہ نہیں ہے مگر وہ اس میں تصرف کا پورا حق رکھتا ہے، اسلئے اس روپیہ میں زکوٰۃ واجب ہوگی اسی طرح فکس ڈپازٹ میں جو لوگ روپیہ جمع کرتے ہیں اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس لئے کہ انھوں نے اپنی خوشی سے اسے جمع کیا ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جیسے وہ رقم جو پراوڈنٹ میں گورنمنٹ کاٹتی ہے اس کی زکوٰۃ میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر جو اپنی خوشی سے رقم کٹوائی جاتی ہے تو اس میں زکوٰۃ کے سبھی قائل ہیں جس طرح ہم کسی کو اپنی مرضی سے قرض دیتے ہیں، کسی کے یہاں امانت رکھتے ہیں تو فی الحال اس پر ہمارا قبضہ نہیں ہوتا مگر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے (اما المبیع قبل القبض فقیل لا یکون نصابا والصحیح انہ یکون نصابا کما فی محیط السرخسی (فتاوی ہندیہ ص ۱۷۳)

اب ان جمع شدہ رقم پر جو سود ملے گا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے وہ حرام مال ہے، اسے

---

[1] بعض علماء نے اس کو قرض پر محمول کر کے یہ رائے دی ہے کہ جب یہ رقم مل جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی امام ابو حنیفہؒ کی رائے دین ضعیف کے بارے میں یہی ہے مگر راقم نے اس کو ڈاک خانہ یا بنک میں جمع کئے ہوئے روپے پر قیاس کیا ہے کیونکہ یہ دین ضعیف کی تعریف میں نہیں آتا، چونکہ یہ راقم کا قیاس ہے، اس لیے اس میں غلطی کا امکان بھی ہے اس لئے جو لوگ دوسرے علماء کے فتوے کے مطابق ایسی رقموں پر ملنے سے پہلے زکوٰۃ نہ دیں ان کا رویہ بھی صحیح ہوگا۔ راقم الحروف کے اس قیاس کی بنیاد صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی اس رائے پر مبنی ہے کہ قرض کی چاروں قسموں میں کوئی فرق نہیں ہے اسی رائے کو امام سرخسی نے مبسوط میں نقل کیا ہے۔

آپ ہر سال نکال کر یا جب ملے اسے کسی مستحق کو ثواب کی نیت کے بغیر دے دیں یا اس سے گاؤں اور محلہ کی گلی نالی وغیرہ درست کرا دیں۔ ذاتی استعمال میں نہ لائیں رفاہِ عام کے کام میں لگائیں تو ظاہر کر دیں کہ یہ سود کی رقم ہے۔

بیوی کا مہر

بیوی کے مہر کی جو رقم شوہر کے ذمہ ہے اگر وہ فوراً ادا کر دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، لیکن جیسا کہ عام طور پر رواج ہو گیا ہے کہ لوگ مہر ادا نہیں کرتے اور بیوی بیچاری معاف کر دیتی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ شوہر پر واجب ہوگی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ولو کان علی الرجل مہر	اگر مرد کے ذمہ مہر موجل ہو اور وہ اس
مؤجل لامرأته وهو لا يريد	کے ادا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو یعنی قرائن
اداءه لا يجعل مانعا من	سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ ادا نہ کرے گا تو یہ
الزکوٰۃ۔ (ج ۱ صـ۱۷۳)	قرض وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں ہے۔

نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اس لئے کہ زکوٰۃ کے شرائط میں عاقل بالغ ہونا شامل ہے، ولیس علی الصبی زکوٰۃ (ہدایہ) یعنی نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ بچے پر تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے مگر اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے اس لئے اس کا ولی زکوٰۃ نکالے گا۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ صـ۵۹۱ ج۱)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ذاتی اخراجات یا کسی دوسرے کا حق ہو تو اس کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنے کے قائل ہیں اس سے ائمہ ثلاثہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جس طرح اخراجات یا حقوق کے لئے اس مال سے لینا جائز ہے، اسی طرح زکوٰۃ ایک مالی ذمہ داری ہے اسلئے اسکے مال سے زکوٰۃ نکالنی چاہیئے۔ اللہ اعلم بالصواب۔

معدن اور رکاز اور کنز

زمین سے جو چیز نکلتی یا برآمد ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) معدن (۲) رکاز (۳) کنز۔ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کو کسی انسان نے زمین میں دفن کر دیا ہو اور کسی زمانہ میں برآمد ہو جائے، معدن سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر پیدا کر رکھا ہے، اور رکاز کا اطلاق دونوں

چیزوں پر ہوتا ہے جو چیزیں زمین سے نکلتی یا برآمد ہوتی یا کسی کو مل جاتی ہیں وہ دو طرح کی ہوتی ہیں ایک جامد دوسرے غیر جامد یا سیال، پھر جامد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ چیزیں جو پگھلا کر موڑی جا سکیں اور اس پہ مہر و ٹھپہ لگ سکے، جیسے سونا، چاندی، لوہا، سیسہ، تانبہ پیتل کا سکہ وغیرہ دوسرے وہ چیزیں جن کو پگھلا کر ان پر مہر اور ٹھپہ نہ لگایا جا سکے، جیسے چونا، سرمہ، نمک، جواہرات اور مختلف قسم کے پتھر،

غیر جامد اور سیال چیزیں جیسے پٹرول، مٹی کا تیل، تار کول جسے فقہا قیر اور نفط کے لفظ سے لکھتے ہیں[1]

ان چیزوں کی زکوٰۃ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پہلی قسم میں خمس واجب ہے بقیہ چیزوں میں کچھ نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک آخری دونوں قسموں میں خمس یا زکوٰۃ واجب نہ کرنے کی وجہ وہ حدیث ہے، جس میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا اگر کسی ویران جگہ کوئی چیز ملے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں اور رکاز میں خمس ہے (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۰۲)۔ اس کی روشنی میں فقہائے احناف کہتے ہیں کہ آپ نے زمین میں پائی ہوئی چیز (معدن)، اور رکاز میں خمس ادا کرنے کا حکم دیا ہے چونکہ رکاز رکز سے ماخوذ ہے جس کے معنی گاڑنے کے ہیں، اب وہ چاہے بندوں کی گاڑی ہوئی چیز ہو یا زمین کے اندر اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہوں اس میں خمس ہے بقیہ میں نہیں۔ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک وغیرہ معدن اور رکاز میں فرق کرتے ہیں۔ رکاز کی زکوٰۃ میں وہ بیس فیصد یعنی خمس کے قائل ہیں، اور معدن میں عام نقدی کی زکوٰۃ کی طرح ½۲ ڈھائی فیصد کے قائل ہیں۔ ان کا استدلال دو حدیثوں سے ہے، ایک روایت حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ:۔

العجماء جبار والبئر جبار	"اگر کسی کا جانور کھل جائے اور نقصان کر دے
والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس[2]	تو معاف ہے اگر کوئی کنواں کھدوائے

---

[1] ایک اور تقسیم فقہاء نے ان چیزوں میں ملکیت اور عدم ملکیت کی بنیاد پر کی ہے ایک معدن ظاہری دوسرے معدن باطنی، معدن ظاہری پر تو کسی کی ملکیت نہیں لیکن معدن باطنی سونا چاندی وغیرہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ معدن ظاہری سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین کے اوپر پائی جاتی ہیں۔ مثلاً نمک، سرمہ اور پتھر وغیرہ۔ [2] صحاح ستہ المنتقی ج ۲ ص ۱۳۶۔

اور اس میں کوئی گر کر مر جائے تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر مزدور کان میں کام کرتے ہوئے مرجائے تو مالک پر کوئی تاوان نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔" یہ فقہا کہتے ہیں کہ رکاز میں تو خمس کا ذکر حدیث میں ہے مگر معدن کا ذکر نہیں ہے اس لئے اس میں عام نقدی کی طرح زکوٰۃ ۲ ۱/۲ فی صدی لی جائے گی۔ حدیث میں رکاز اور معدن کے لئے کسی مقررہ نصاب کا ذکر نہیں ہے اس لئے اس کی کم یا زیادہ مقدار پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ کے یہاں خمس اور امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے یہاں رکاز میں خمس اور معدن میں عام نقدی کی زکوٰۃ ۲ ۱/۲ فیصد۔ اس بارے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس میں سال گزرنے کی کوئی شرط نہیں ہے جب یہ حاصل ہوگا زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خمس اور زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ نکالنے والے کا ہوگا۔

مصرف — رکاز کی زکوٰۃ کا مصرف امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور جمہور فقہاء کے یہاں وہی ہے جو مالِ غنیمت کا ہے یعنی حکومت اپنی صوابدید سے رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کرے گی، اور امامِ شافعی کے نزدیک اس کا بھی وہی مصرف ہے جو زکوٰۃ کا ہے[۱]۔

شہد کی زکوٰۃ — متعدد حدیثوں سے شہد کی زکوٰۃ ثابت ہے اس لئے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ شہد میں زکوٰۃ کے قائل ہیں حضرت ابو سیارہ المتعیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس شہد کے چھتے ہیں[۲]۔ آپؐ نے فرمایا کہ اَدِّ العشور اس کا عشر ادا کرو (احمد ابن ماجہ المنتقی) اسی طرح حضرت عمر بن شعیب اپنے والد کے واسطے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہ اخذ من العسل العشر (ابن ماجہ المنتقی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کا عشر وصول کیا دوسرے ائمہ اور محدثین کہتے ہیں کہ یہ روایتیں ضعیف ہیں اس لئے شہد میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ روایتیں ضعیف ضرور ہیں مگر متعدد طرق سے ثابت ہیں اس لئے بہت سی ضعیف روایتیں مل کر قوی بن جاتی ہیں۔ نیز شہد درختوں کے پھلوں اور پھولوں سے

۱؎ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۶۱۲، المغنی، الفتح الربانی ج ۹ ص ۸۷۔

۲؎ ممکن ہے انہوں نے شہد کی مکھیاں پال رکھی ہوں۔

پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کی حیثیت زرعی پیدا وار کی ہے، پھر وہ تولا جاتا ہے اس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس پر عشر وصول کیا جائے امام ابو حنیفہ دوسری پیدا وار کی طرح اس میں بھی کم ہو یا زیادہ عشر کے وجوب کے قائل ہیں اور صاحبین ایک متعین نصاب کے قائل ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۲)

زمین سے نکلنے والی سیّال چیزیں

زمین سے جو سیال مادے نکلتے ہیں مثلاً مٹی کا تیل، پٹرول، تارکول گندھک اور جواہرات وغیرہ ان میں امام ابو حنیفہؒ عشر کے قائل نہیں ہیں، مگر امام احمد بن حنبلؒ اس میں عشر کے نہیں بلکہ زکوٰۃ کے قائل ہیں یعنی ڈھائی فی صد[1]۔ امام احمد کا استدلال قرآن کی آیت وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (بقرہ) اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے زمین میں پیدا کیا ہے، اسوقت پٹرول وغیرہ کی حیثیت سیال سونے کی ہے اسلئے امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق اس سے زکوٰۃ لینی چاہیئے۔

سمندر سے نکلے موتی، مونگے اور عنبر

سمندر سے جو قیمتی چیزیں نکلتی ہیں مثلاً موتی، مونگے وغیرہ ان میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ یا عشر نہیں ہے۔ مگر امام احمد ابن حنبل اور امام ابو یوسف اس میں خمس کے قائل ہیں۔ یعنی ⅕ بطور زکوٰۃ نکالنا ہے، اور ⅘ نکلنے والے کا ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت عمرؓ کا اسوہ ہے کہ انھوں نے یعلی بن امیہ کو سمندر کی دیکھ بھال کے لئے مقرر فرمایا تو انہوں نے حضرت فاروق کو لکھا کہ ایک شخص نے سمندر کے کنارے عنبر کا ذخیرہ پایا ہے، انھوں نے لکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو سمندر سے برآمد ہوا ہے تو اس میں خمس ہے فیما اخرج اللہ جل ثناءہ عن البحر الخمس[2] حضرت عبد اللہ ابن عباس نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے۔ امام ابو یوسف نے اس سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ وہ تمام چیزیں جو بطور زیور استعمال ہوتی ہیں ان میں خمس ہے[3] مثلاً موتی، مونگے وغیرہ۔

---

[1] المغنی، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۵۱۴۔ شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۵۳

[2] کتاب الخراج ص ۷۰

[3] فان فیما یخرج من البحر من الحلیۃ والعنبر الخمس ص ۷۰

مصرف یعنی زکوٰۃ کے مستحقین

جس طرح قرآن و حدیث میں زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید آئی ہے اور عشر و زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اسی طرح یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کن لوگوں کو دینا چاہیئے اور کن لوگوں کو نہ دینا چاہیئے۔ قرآن میں آٹھ قسم کے لوگوں کو اس کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کا مصرف یہ آٹھ لوگ ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ (توبہ)

فرض صدقات (یعنی عشر و زکوٰۃ) غریبوں اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ و عشر وصول کرنے والوں کا اور جن کی دلجوئی کرنی مقصود ہو ان کا حق ہے اور انہیں گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کا بار ہلکا کرنے میں اور خدا کے راستے میں اور مسافروں کے اوپر صرف ہونا چاہیئے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے فرض ہوا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی تقسیم کو خدا نے کسی نبی یا غیر نبی کے اوپر نہیں چھوڑا ہے بلکہ خود ہی اس کے مصارف مقرر کر دیئے ہیں، گویا قرآن و حدیث میں زکوٰۃ و عشر کے مستحق آٹھ قرار دیئے گئے ہیں:۔ ہر ایک کی تشریح یہاں کی جاتی ہے۔

(۱) فُقراء، فقیر کی جمع ہے، اس سے مُراد وہ شخص ہے جو بالکل خالی ہاتھ نہ ہو جس سے اس کے بال بچوں کی ضروریات بھی پوری نہ ہو سکیں اور نہ اس کے پاس اتنا روپیہ پیسہ یا غلہ جمع ہو کہ وہ خود عشر یا زکوٰۃ دے۔ فُقراء میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو محنت، مزدوری کر کے اپنی روزی تو پیدا کر سکتے ہیں لیکن کسی دینی خدمت میں لگے ہونے کی وجہ سے ان کو اس کا موقع نہ ملتا ہو، اور وہ خود اور ان کے بال بچے تکلیف اٹھاتے ہوں جیسے دین کے داعی و مبلغین دینی مدارس کے معلمین اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے بالغ[1] طلبہ، بلکہ قرآن نے ایسے فقرا کے بارے

---

[1] نابالغ طلبہ کو اس وقت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے جب ان کے والدین بھی غریب اور زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

میں دوسری جگہ خود تصریح کر دی ہے اور یہ کہا ہے کہ ان کے حالات کا اندازہ کر کے خود سے ان کی مدد کرنی چاہیئے۔ اس انتظار میں نہ رہنا چاہیئے کہ وہ مانگیں تو دیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا

(بقرہ)

صدقات ان ضرورت مندوں کے لئے بھی ہیں جو اللہ کے راستے (کام) میں بالکل لگے ہوئے ہیں اسی وجہ سے زمین میں چل پھر کر ان کو روزی کمانے کا موقع نہیں ملتا، ناواقف لوگ ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے مطمئن اور مالدار سمجھتے ہیں، اگر تم غور کرو تو ان کے چہرے بشرے سے پہچان لوگے کہ وہ مطمئن نہیں بلکہ پریشان حال ہیں وہ کسی کے پیچھے پڑ کر گڑگڑا کر نہیں مانگتے۔

فقرا میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تھے تو مطمئن لیکن اچانک کسی حادثہ کا شکار ہو گئے اور ان کے پاس اتنا نہیں ہے کہ وہ اس حادثہ کا مقابلہ کر سکیں، مثلاً ان کا مکان بارش میں گر گیا، یا سیلاب میں بہہ گیا، یا آگ لگ گئی اور جل گیا اور رہنے کے لئے کوئی مکان نہیں ہے، یا تجارت میں زبردست گھاٹا آگیا۔ کھیتی تباہ ہوگئی، ملازمت سے یک بیک برطرف کر دیئے گئے اور اہل وعیال کو فاقہ کی نوبت آگئی، ایسے تمام لوگوں کو زکوٰۃ اور عُشر سے مدد دی جاسکتی ہے۔

(۲) مساکین۔ مساکین مسکین کی جمع ہے، یہ لفظ سکون سے نکلا ہے۔ مسکین کے معنیٰ یہ ہیں کہ فقر و فاقہ یا بیکاری کی وجہ سے گھر میں سنّاٹا چھایا ہوا ہے اور کھانے پکانے اور چولہے ہانڈی کی کوئی حرکت نظر نہیں آتی۔ مساکین میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کسی حادثہ کی وجہ سے بالکل تہی دست ہو گئے ہوں، یا روزی کمانے کی صلاحیت بالکل کھو چکے ہوں اور ان کی پرورش کا کوئی سامان نہ ہو یا پرورش کا کچھ سامان تو ہو لیکن بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے پورا نہ ہوتا ہو، یا روزی کمانے کی صلاحیت رکھتے ہی نہ ہوں، مثلاً لنگڑے، لولے، اپاہج، مفلوج، کوڑھی، اندھے، بیمار یا بہت زیادہ بوڑھے، بے سہارا، یتیم اور بیوائیں، ایسے تمام لوگوں کو زکوٰۃ سے مدد دی جاسکتی ہے۔

(۳) **عاملین۔** عاملین عامل کی جمع ہے جس کے معنیٰ کام کرنے والے کے ہیں مگر شریعت میں عاملین ان لوگوں کو کہتے ہیں جو زکوٰۃ اور صدقات اور عشر وغیرہ کی وصولی یا اس کی نگرانی یا ان کے حساب وکتاب کے لئے مقرر ہوں، ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کی مد سے دی جا سکتی ہیں۔

اس مصرف کی ضرورت تو اصل میں اس اسلامی حکومت میں پیش آئے گی جہاں اس کا نظام جاری ہو لیکن اگر کسی مقام کے مسلمان ایسا نظام بنالیں کہ وہ اپنے صدقات اور عشر کو ایک جگہ جمع کر کے خرچ کرتے ہوں اور ایک دو شخص اس کام کے لئے مقرر ہوں تو ان کی تنخواہیں بھی زکوٰۃ کی مد سے دی جا سکتی ہیں مگر اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۴) **وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ** یعنی وہ لوگ جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے یا اسلام پر قائم رکھنے کے لئے یا دلجوئی کے لئے یا دشمنوں کو ان کے فتنوں سے بچنے کے لئے بطورِ امداد کچھ رقم دینے کی ضرورت پیش آجائے تو زکوٰۃ یا عُشر سے دی جا سکتی ہے[1] ان کی ۲ قسمیں ہیں ایک غیر مسلم دوسرے مسلم، غیر مسلموں کی دو قسمیں ہیں (۱) جن کے اسلام کی طرف مائل ہونے

---

[1] اس بارے میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اب اسلام اتنا پھیل چکا ہے کہ اس کے لئے روپے کا لالچ اور رغبت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے اس مد میں نہ خرچ کیا جائے گا۔ لیکن دوسرے ائمہ اس مد میں اب بھی خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ فقہا کا یہ اختلاف حالات کے اختلافات کی بنا پر ہے۔ امام صاحب نے اپنے زمانے میں اس کی ضرورت نہیں سمجھی اس لئے اس مد میں خرچ کرنے سے منع فرمایا۔ مگر دوسرے ائمہ نے اس کی ضرورت سمجھی اس لئے انہوں نے اس کو باقی رکھا۔ اس سلسلہ میں جو لوگ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کو مثال بناتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان حضرات نے مؤلفین قلب کی جو امداد بند کی تھی وہ مال خُمس اور مال فے سے بند کی تھی۔ یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کی مد سے بھی ان کی مدد بند کر دی تھی۔ یا اس حکم کو انہوں نے منسوخ کر دیا۔ راقم نے اس پر ایک پورا مضمون لکھ دیا ہے "جو اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اقرعؓ بن حابس وغیرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم سے مدد دی جو حضرت علی نے یمن سے بھیجا تھا تو اس میں سے آپ نے ان لوگوں کو دیا گویا زکوٰۃ کی رقم غیر مسلم مؤلفۃ القلوب کو دینا ثابت نہیں ہے اور مسلمانوں کو دی جا سکتی ہے۔

یاکسی اور بھلائی کی اُمید ہو (۲) دوسرے وہ جن کی بُرائی سے بچنا مقصود ہو، اگر یہ مسلمان ہیں توان کی مختلف قسمیں ہیں (۱) ایک وہ لوگ جو اسلام تو قبول کر چکے ہیں لیکن ان کے دل میں تذبذب ہے، ان کو مضبوط کرنا مقصود ہو (۲) دوسرے وہ مسلمان جو کسی دشمن حکومت کی سرحدوں پر آباد ہیں، اگر ان کو مدد دی جائے گی تو سرحد کی حفاظت کریں گے (۳) تیسرے وہ ممتاز لوگ جن کی امداد دوسروں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا سبب ہوگی۔

(۵) وَفِی الرِّقَابِ۔ رقاب رقبہ کی جمع ہے۔ رقبہ کے معنٰی گردن کے ہیں۔ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کی گردنیں دوسروں کے قبضہ میں ہیں۔ مثلاً جنگ میں گرفتار شدہ قیدی غلام، یاکسی کے قرض میں پھنسے ہوئے لوگ، ان کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے۔

(۶) غَارِمِین۔ غارمین غارم کی جمع ہے، غارم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی بار یا بوجھ ہو، یہاں وہ لوگ مُراد ہیں جن کے اوپر قرض کا یا کسی کی ضمانت وغیرہ کا بار ہو اور وہ ادا نہ کر سکتے ہوں تو عشر و زکوٰۃ کے روپے سے ان کا قرض یا ان کی لی ہوئی ضمانت ادا کی جا سکتی ہے۔ ضمانت سے مراد یہ ہے کہ کسی جھگڑے کو چکانے کے لئے کسی فریق کو کوئی رقم دینے کا وعدہ کر لیا۔ یا کسی مقروض کو قرض خواہ کی تذلیل سے بچانے کے لئے قرض کی ذمہ داری لے لی اور پھر ادا نہ کر سکا تو اس کی ضمانت کی رقم کو زکوٰۃ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

قرض اور ضمانت میں زکوٰۃ کی رقم اسی وقت دی جائے گی، جب یہ قرض اور ضمانت اچھے کام کے لئے لی گئی ہو یا قرض کسی ناگہانی حادثہ یا بال بچوں کی پرورش یا دینی تعلیم کے سلسلے میں لیا گیا ہو، کسی بُرے کام، عیش و آرام اور فضول خرچی یا بچے کی غیر دینی تعلیم کے لئے نہ لیا گیا ہو۔

(۷) فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے مُراد اصل میں وہ لوگ ہیں جو اسلام کے غلبہ کے لئے دشمن سے لڑتے ہوں۔ یا اس تیاری میں ہوں۔ ان کی ہر طرح کی مدد زکوٰۃ سے کی جانی چاہیئے لیکن اس میں وہ لوگ بھی شامل سمجھے گئے ہیں جو کسی دینی کام میں لگے ہوئے ہوں اور پریشان ہوں یا حج کے لئے جا رہے ہوں، راستے میں روپیہ چوری ہو جائے یا گم ہو جائے، گو کہ وہ حقیقتاً مفلس نہ ہوں مگر ایسے تمام لوگوں کی مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے۔

موجودہ دور کے بعض علماء نے فی سبیل اللہ میں ہر نیک کام کو شامل کر لیا ہے۔ مثلاً مصر کے علامہ رشید رضاؒ اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی آیت للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں بالاتفاق سب لوگ ہر دینی کام مراد لیتے ہیں تو پھر مصرفِ زکوٰۃ میں بھی وہی مفہوم کیوں نہ لیا جائے جو لوگ لام تملیک کی بحث اٹھاتے ہیں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "للفقراء میں لام تملیک کے بجائے لام انتفاع بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ "خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" میں ہے۔ قاضی ابن عربی مالکی نے لام تملیک تسلیم نہیں کیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ جن مصرفوں پر لام داخل ہے ان میں تملیک ہے اور جن میں فی داخل ہے ان میں تملیک ضروری نہیں ہے، مگر جمہور ائمہ حدیث و فقہ نے فی سبیل اللہ کی مد کو اتنا عام نہیں کیا ہے جتنا کہ موجودہ دور کے بعض علماء نے سمجھ لیا ہے، ان میں سے کسی نے اسے مسجد کی تعمیر یا مدرسہ یا رفاہِ عام کے کاموں کے لئے کسی عمارت کی خریداری یا تعمیر کو صحیح نہیں سمجھا ہے۔ مفسرین میں امام ابن جریر طبری، حافظ ابن کثیر، امام رازی صاحب البحر المحیط ابو حیان اور ابو السعود میں سے کسی نے بھی اس کو وہ عمومیت نہیں دی جو اس دور کے بعض علماء دیتے ہیں فقہاء میں امام سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر کبیر میں، ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور فقہائے حنابلہ بھی اس کو جہاد اور اس کے متعلقات ہی پر محمول کرتے ہیں شیخ موفق نے المغنی میں اس کی تفصیل کی ہے، لیکن اس دور میں جہاد بالسیف کے ساتھ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کی ضرورت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہے اس لئے علماء کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیئے، استاذ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب فقہ الزکوٰۃ میں اس پر اچھی بحث کی ہے۔

رہا تملیک کا مسئلہ تو اوپر حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہم نے نقل کر دی ہے مگر اس رائے کا تعلق ایک علمی نکتہ سے ہے فقہی مسئلے سے نہیں۔ تملیک کے مسئلہ پر مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں جو کچھ لکھا ہے اسے ہم اس لئے نقل کرتے ہیں کہ اس وقت نئے دور کے مجتہدین نے ساری قیدیں اٹھا دی ہیں جس سے زکوٰۃ کا

غلط استعمال ہو رہا ہے۔

(۸) ابن السبیل۔ ابن السبیل کے معنیٰ راستے کا بیٹا ہے اور مراد اس سے مسافر ہے یعنی کوئی شخص مسافرت میں ہو اور اس کو سفر خرچ میں کوئی ضرورت پیش آگئی گو کہ وہ گھر کا مالدار ہی کیوں نہ ہو، اس کی مدد زکوٰۃ سے کر دینی چاہیئے اور اس کو گھر جا کر واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر کر دے تو بھی بہتر ہے۔ مسافر میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنے بال بچوں کے لئے روزی کمانے باہر جانا چاہتے ہوں۔ لیکن ان کے پاس کرایہ کا روپیہ نہیں ہے کہ وہ جا سکیں تو ان کو کرایہ زکوٰۃ سے دے دینا چاہیئے۔

مسئلہ تملیک جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفا خانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح شفا خانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، اسی طرح فقہائے امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کر دے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جا سکتا، ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جا سکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک

ہوکر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح رفاہِ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمۂ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہائے امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمدؒ کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

شافعی فقیہ امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفیان ثوریؒ اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان آٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے،

اسی طرح حنبلی فقیہ موفقؒ نے المغنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآنِ کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کی سبیلوں کی تعمیر، یا سڑکوں کی درستی یا مردوں کو کفن دینا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارفِ صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ایتاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ وغیرہ اور لفظ اِیْتَاء عطا کرنے کے معنٰی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا والایتاء الاعطاء وخُصّ وضع الصدقۃ فی القرآن بالایتاء، یعنی ایتاء کے معنی عطا فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتا کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔" اور ظاہر ہے کسی کو

کوئی چیز عطا کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔ اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتا کا، قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ یعنی دیدو عورتوں کو ان کے مہر ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دے دے۔

دوسرے یہ کہ قرآنِ کریم میں زکوٰۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، انما الصدقات للفقراء اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجتمند کو اسکا مالک بنا دیا جائے۔

کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس کا مالک بنا دیا جائے، اسی طرح امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (جصاص ج ۲ ص ۱۵۲، معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۹)

چند ضروری مسائل

(۱) تالیفِ قلب کے علاوہ اور کسی مصرف میں کسی غیر مسلم کو عشر وزکوٰۃ کا روپیہ نہ دینا چاہیئے البتہ دوسرے تمام صدقات سے ان کو دینا جائز ہے، اس لئے کہ عشر وزکوٰۃ صرف مسلمانوں کا حق ہے۔

(۲) ان آٹھ مصارف میں سے جس مصرف میں چاہے اپنی زکوٰۃ خرچ کرے لیکن بہتر یہ ہے کہ جس مصرف میں خرچ کرنے کی ضرورت زیادہ ہو اس میں خرچ کرے۔

(۳) اگر کسی کے پاس دو چار مکان ہوں جو کرایہ پر چلتے ہوں، لیکن ان کی آمدنی اتنی نہ ہو کہ اس کا اور اس کے بال بچوں کا گزر ہو سکے۔ اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز مثلاً اتنا سونا، چاندی یا ڈاک خانے میں اتنے روپے نہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری، ج ۱ ص ۱۸۹)

(۴) کسی کے پاس ہزار یا پانچسو کا ایسا سامان گھر میں ضرورت کے لئے ہے جن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ مثلاً فرنیچر، برتن، صندوق، بکس وغیرہ، لیکن ذریعۂ آمدنی اتنا کم ہے کہ گذر اوقات بہ مشکل ہوتی ہے تو اس کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کے پاس آرائش کا سامان کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے گی جب تک کہ ان کو بیچ کر اپنی ضروریات میں لگا نہ لے۔

(۵) کسی کے پاس دو ہزار روپے موجود ہیں یا دو ہزار روپے کا سامانِ تجارت اس کی دوکان یا گھر میں موجود ہے لیکن وہ اتنے ہی کا مقروض بھی ہے تو ایسے آدمی کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(۶) اگر کسی کے بارے میں شُبہ ہو کہ یہ زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں ہے، تو جب تک یہ یقین نہ ہو جائے زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلّہ اس کو نہ دینا چاہیئے۔ تحقیق سے مراد یہ نہیں ہے کہ دوسروں سے اس کی حیثیت پوچھتا پھرے بلکہ اس کے خیال میں ظاہری طور پر جو بات زیادہ صحیح معلوم ہو اسی پر عمل کرے اگر بغیر تحقیق دے دیا اور بعد میں یہ خیال ہوا کہ یہ آدمی غریب تھا یا نہیں تھا تو اگر گمان غالب یہ ہو کہ وہ مستحق نہیں تھا، تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔

(۷) عشر و زکوٰۃ کا روپیہ اپنے غریب ملازموں کو بھی دیا جا سکتا ہے مگر ان پر احسان نہ جتایا جائے اور نہ تنخواہ میں کاٹا جائے ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری ج۱ ص۱۹۰)

ناواقفیت میں زکوٰۃ دینے کا حکم

اگر کسی شخص کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں تھا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی دوبارہ زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر لینے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ روپیہ یا غلّہ عشر یا زکوٰۃ کا تھا تو اس کو واپس کر دینا چاہیئے۔

کن لوگوں کو زکوٰۃ نہ دینی چاہیئے

ان لوگوں کو اگر زکوٰۃ دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۱) جس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہو یا سامان ہو (۲) سادات، اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو اپنے کو سیّد کہتے ہیں جیسے حسنی حسینی، علوی، جعفری وغیرہ (۳) اپنے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی اور ان کے اوپر مثلاً پردادا، پردادی، پرنانا پرنانی وغیرہ (۴) بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی یا ان کے نیچے، مثلاً پرپوتی، پرپوتا، پرنواسی، پرنواسہ (۵) شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ (۶) غیر مسلم کو (۷) مالدار آدمی کی نابالغ اولاد کو (۸) مسجد کی تعمیر زکوٰۃ کے روپے سے نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح مُردے کا کفن، مُردے کا قرض وغیرہ زکوٰۃ کے روپے سے نہیں دیا جا سکتا۔ (شرح وقایہ ج۱ ص۲۹۸)

زکوٰۃ پانے کے اصل حقدار کون ہیں

(۱) زکوٰۃ پانے کے سب سے زیادہ حقدار

اپنے قریبی اعزہ ہیں۔ مثلاً بھائی، بھتیجے، بھتیجیاں، بہن بہنوئی، بھانجے، بھانجیاں، چچا چچی، خالہ خالو، پھوپھی، پھوپھا، ماموں، ممانی، ساس سسر، سالے داماد، سوتیلے باپ، سوتیلی ماں وغیرہ یا ان کے علاوہ کوئی اور قریبی عزیز ہوں تو ان کو دینے میں دہرا ثواب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزیزوں کو زکوٰۃ دینے میں دہرا ثواب ملے گا۔ ایک زکوٰۃ دینے کا دوسرے صلہ رحمی اور سلوک کا (۲) ان لوگوں کے بعد دوستوں اور پڑوسیوں کا حق ہے۔ ان کے بعد شہر یا اپنی آبادی کے دوسرے مستحقین کو دینا چاہیئے (۳) پھر جن لوگوں کے دینے میں دینی نفع زیادہ ہو، مثلاً طالب علموں، دین کے داعیوں، مبلغوں اور دینی تعلیم دینے والے مدرسین کو۔

دوسرے مقام پر زکوٰۃ بھیجنے کا حکم

حتی الامکان زکوٰۃ جہاں نکالی جائے وہیں خرچ کی جائے لیکن اگر شدید ضرورت پیش آجائے تو دوسری جگہ بھی بھیجی جا سکتی ہے۔ مثلاً کوئی اپنا عزیز یا دوست دوسرے مقام پر رہتا ہے یا کسی وجہ سے چلا گیا ہے اور اس نے مدد مانگی، یا کوئی طالب علم گھر چھوڑ کر کسی دینی درسگاہ میں پڑھنے گیا ہے یا کوئی اور ناگہانی یا دینی ضرورت پیش آجائے تو دوسرے مقام پر بھی بھیجی جا سکتی ہے، بلکہ اس میں زیادہ ثواب ہے[1] خاص طور پر اہلِ علم کی مدد کے لئے تو اور زیادہ افضل ہے التصدق علی العالم افضل من التصدق علی الجاھل عالم پر صرف کرنا جاہل پر صرف کرنے سے افضل ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ا ص ۱۹۶)

حکومت کو زکوٰۃ دینے کا حکم

یہ تو اس صورت کا حکم ہے کہ جب آدمی زکوٰۃ کو خود ادا کرے لیکن اگر کہیں اسلامی حکومت کی طرف سے عشر و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا انتظام ہو جائے تو اس وقت اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالے کر دینی چاہیئے۔ جہاں مناسب ہوگا وہ خرچ کرے گی۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ البتہ حکومت کے کارکنوں کو اس سلسلہ میں اس ترتیب کا خیال رکھنا ضروری

---

[1] الا ان ینقلہ الانسان الی قرابتہ او الی قوم ھم احوج من اھل بلدہ لما فیہ من الصلۃ او زیادۃ رفع الحاجۃ (ہدایہ اولین ص ۱۸۸)

ہوگا جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اگر حکومت نے اس کا خیال نہ کیا تو اس کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی وہ ایسا نہ کرے تو بعض صورتوں میں زکوٰۃ روک لینے کا بھی اختیار ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے عاملین کو عشر و زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجتے تھے تو یہ تاکید فرماتے تھے کہ :-

تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآئِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَآئِهِمْ ۔ (مشکوٰۃ)

ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں پر تقسیم کردو۔

دوسرے کو وکیل بنانا

اگر خود آدمی زکوٰۃ کسی مستحق کو نہ دے بلکہ کسی کو اپنا وکیل بنادے کہ ہماری زکوٰۃ فلاں کو دے دو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جیسا کہ مدرسہ کے سفراء کو لوگ دیتے ہیں اگر وہ کسی دوسرے سے کہے کہ ہماری طرف سے زکوٰۃ ادا کردو ہم اتنا روپیہ تم کو دے دیں گے تو اس نے اس کی طرف سے زکوٰۃ دے دی اور پھر اس نے اس سے روپیہ لے لیا تو یہ جائز ہے۔ لان المعتبر نیۃ الآمر (شرح التنویر)

غریبوں کے لئے مکانات یا کپڑے وغیرہ زکوٰۃ کی مد سے

اگر زکوٰۃ کی مد سے غریبوں کے لئے یا فسادات وغیرہ میں تباہ حال مسلمانوں کے لئے مکانات بنوا کر ان کو دے دیئے جائیں یا سلے یا بے سلے کپڑے یا دوسری چیزیں خرید کر ان میں تقسیم کردی جائے تو یہ صحیح ہے بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے البتہ اس سلسلہ میں مقامی علماء سے مشورہ کرلینا ضروری ہے۔

ریل بس یا ہوائی جہاز کا کرایہ

فسادات وغیرہ میں بہت سی جگہوں پر ریل بس یا ہوائی جہاز سے جو سامان بھیجا جاتا ہے اس سواری کا کرایہ زکوٰۃ کی مد سے دیا جائے یا نہ دیا جائے؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ اس مد سے کرایہ نہ دیا جائے۔ مگر راقم الحروف کے نزدیک کرایہ کا پیسہ مد زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے اگر بازار دور ہو اور آدمی رکشے پر یا بس پر بیٹھ کر غریبوں کے لئے کپڑا خریدنے جائے اور وہ کرایہ زکوٰۃ کے پیسہ سے دے اور اس کو کپڑے کی قیمت میں شامل کرلے تو اس میں کیا شرعی قباحت ہے، اگر ہم کسی مزدور کو غریب کے مکان بنوانے کی غرض سے

طلب کریں یا اس کو زکوٰۃ کا سامان کہیں پہنچانے کے لئے دیں تو اس کی مزدوری ہم زکوٰۃ سے دیں تو کیا حرج ہے؟ اگر ایسا نہ کریں تو مکانات کی تعمیر نہ ہو سکے گی اور نہ ان تک سامان پہنچ سکے گا، جس طرح لوہا سمینٹ، اینٹ ہم خرید کر مکانات بنائیں گے۔ اسی طرح یہ مزدوری بھی اس میں کیوں نہ شامل کی جائے، یہ تملیک کے خلاف اس لئے نہیں ہے کہ یہ سارے اخراجات کر کے وہ چیز ہم کسی مستحق ہی کو دیں گے اس لئے اس کی حیثیت کرایہ کی نہیں بلکہ قیمت کی ادائیگی کی ہے۔ اگر منی آرڈر اور بیمہ کے ذریعہ ہم اپنی زکوٰۃ دوسری جگہ بھیجیں تو منی آرڈر اور بیمہ کی فیس بھی اگر زکوٰۃ کے روپیہ سے ادا کی جائے تو یہ تملیک کے خلاف کیسے ہوا یہ سب اسی غریب کے پیسہ پہنچانے کے لئے تو کیا جاتا ہے۔؟

غریب کو مکان اور روپیہ وغیرہ دینے میں دو قباحتیں ہیں ایک تو نصاب سے زیادہ دینا دوسرے ہو سکتا ہے جیسا کہ عام طور پر مزاج ہے کہ وہ اس سے ضروری کام کے علاوہ کسی غیر ضروری کام میں خرچ کر دے اور وہ بے گھر کا گھر رہ جائے۔ زکوٰۃ دینے والا یا کوئی ادارہ جب یہ کام کرے گا تو یہ دونوں قباحتیں نہیں پیدا ہوں گی۔

مدرسوں میں زکوٰۃ دینا

خیر القرون کے اختتام کے بعد سے دین اور علم دین کی حفاظت علماء وصلحا کے ذریعہ ہوتی رہی ہے۔ یا پھر ان مدرسوں کے ذریعہ ہوئی جو حکومت سے بے نیاز ہو کر ہمارے بوریا نشین علماء وصلحائے قائم کئے اور دنیاوی وجاہت اور ترقی سے آنکھیں بند کر کے اس مبارک کام میں اپنی پوری زندگی کھپادی بحمد اللہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اس لئے جہاں جہاں یہ مدرسے قائم ہیں ان کی مالی اعانت مسلمانوں پر فرض کفایہ نہیں، بلکہ فرض عین ہے یہ مدرسے مصارفِ زکوٰۃ کے کئی مدوں کے مستحق ہیں، فقراء، مساکین اور فی سبیل اللہ وغیرہ کا سب سے بڑا مصرف انہی مدارس کو سمجھنا چاہیئے اس لئے صرف زکوٰۃ سے ہی نہیں بلکہ اپنی آمدنی کی دوسری مدوں سے بھی اُن پر خرچ کرنا مسلمان اپنے اوپر فرض سمجھیں ان کے دینے میں انشاء اللہ دوہرا اجر ہو گا، ایک مستحق کو دینے کا دوسرے علمِ دین کے تحفظ میں دینے کا، خاص طور پر ہندوستان اور افریقہ جیسی جگہوں میں اور پھر ان تمام جگہوں میں جہاں علم دین کی ذمہ داری حکومت نہیں اٹھا رہی ہے جیسے عرب ملکوں میں یا ملیشیا

وغیرہ میں مدرسوں کے اخراجات خود حکومت برداشت کرتی ہے مگر ہندوستان میں یہ ممکن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک سال کے چار مہینے جہاد میں، چار مہینے سفر حج میں اور چار مہینے تجارت میں صرف کرتے تھے۔ مگر ان کی تجارت دنیا طلبی کے لئے نہیں بلکہ ان علماء کی مدد کے لئے ہوتی تھی جو دین اور علم دین کے تحفظ میں لگے ہوتے تھے، ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاض کو مخاطب کر کے فرمایا

لولا انت واصحابك ما اتجرت — یعنی تم اور تمہارے جیسے عالموں کی مدد کا خیال نہ ہوتا تو میں تجارت نہ کرتا۔

بعض لوگ مدرسوں کی بعض خرابیوں کا ذکر کرتے ہیں، یہ خرابیاں ہمارے پورے معاشرے میں ہیں اسی بگڑے ہوئے ماحول سے طلبہ آتے ہیں مگر بحمداللہ یہاں آکر ان میں کچھ نہ کچھ سدھار ضرور ہوتا ہے ورنہ اگر وہ ان مدارس میں نہ آتے تو نہ جانے ان میں کتنی خرابیاں پیدا ہوتیں، اس لئے ان کمزوریوں کے باوجود کم و بیش دین اور علم دین کا تحفظ انہیں مدارس کے ذریعہ ہو رہا ہے البتہ جن مدارس میں گورنمنٹ سے مدد لی جاتی ہے ان کو زکوٰۃ دینا قابل غور ہے، ہاں مدارس کے ذمہ داروں کو دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے، ایک یہ کہ مدرسین کی تنخواہ میں زکوٰۃ کا پیسہ نہ دیا جائے، اور نہ ان نابالغ بچوں پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کیا جائے جن کے والدین صاحب نصاب ہوں صرف مستحق بالغ، طلبہ پر اسے صرف کرنا چاہیئے۔

حیلہ

مدارس میں زکوٰۃ کے سلسلے میں جو حیلہ اختیار کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ان کو مدزکوٰۃ سے قرض لے کر دوسری مدوں میں خرچ کرنا چاہیئے اور جب اعانت کی مد میں روپیہ آجائے تو وہ اس میں جمع کر دیں اور اگر واقعی حیلہ کی صحیح صورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اس کا معیار یہ ہے کہ جس کو رقم دی گئی ہے وہ اگر واپس نہ کرے تو پھر کوئی ناراضگی نہ ہو۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے مال ضائع ہو جائے

ایک شخص پر زکوٰۃ واجب تھی مگر اپنی غفلت یا مشغولیت کی وجہ سے وہ زکوٰۃ نہیں نکال سکا تھا کہ اس کا سارا مال ضائع ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب

ہوگی یا نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور اگر پورا مال ضائع نہیں ہوا ہے بلکہ کچھ حصہ ضائع ہوا ہے تو ضائع شدہ مال کے بقدر زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی بقیہ مال کی زکوٰۃ اسے نکالنا ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک اگر مال اس وقت ضائع ہوا ہے جب اس کا مالک زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی حیثیت میں تھا مثلاً اتنا روپیہ بروقت موجود نہیں تھا یا کوئی حادثہ پیش آ گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور اگر یہ مال اس وقت ضائع ہوا ہے جب وہ زکوٰۃ ادا کر سکتا تھا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ (المغنی ج ۲ ص ۳۹ ردالمحتار ج ۲ صنعہ)

ائمہ کے درمیان اختلاف اس بنا پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ مال پر ہے اسلئے جب وہ ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو گی[1] اور دوسرے ائمہ کے یہاں زکوٰۃ مال پر نہیں بلکہ مالک پر واجب ہوتی ہے اس لئے زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہے اور اس کے طرز عمل کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنی رقم بیوی وغیرہ کو ہبہ کر دیتے ہیں اور پھر دوسرے سال بیوی صاحبہ میاں یا بیٹے کو ہبہ کر دیتی ہیں یہ انتہائی قابلِ مذمت کام ہے اسلامی حکومت میں تو اس پر سزا ملے گی۔

ایک آخری اور بہت ضروری بات اوپر یہ بات بتائی گئی ہے کہ زکوٰۃ خالص عبادت کی نیت سے اور خدا کے واسطے دی جائے۔ اس میں کوئی دوسرا جذبہ نہ ہو، پھر یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ زکوٰۃ میں اس نے جو مال نکالا ہے وہ مال اس کا نہیں بلکہ اُن زکوٰۃ پانے والوں کا ہے جن کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔ ان باتوں سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ جن کو آپ زکوٰۃ دے رہے ہیں ان کے اوپر آپ کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کا وہ حق ہے جسے آپ ان کے حوالے کر رہے ہیں

---

[1] ایک دوسری روایت ان سے یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔

اور اپنے سر کا ایک قرض اُتار رہے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص زکوٰۃ دے کر دل میں یہ خیال کرے یا اپنے رویّے سے یہ ثابت کرے کہ وہ زکوٰۃ پانے والوں پر احسان کر رہا ہے۔ یا ان کو جتلا کر یا دوسروں سے کہہ کر یا اپنی بڑائی کا اظہار کر کے ان کے دل کو ٹھیس لگائے یا تکلیف پہنچائے تو اس کے لئے زکوٰۃ دینے سے بہتر یہ تھا کہ وہ ان کو زکوٰۃ نہ دیتا۔ قرآن نے ان ہی صدقہ خیرات کرنے والوں کی تعریف کی ہے جن کا صدقہ احسان اور تکلیف و اذیت سے خالی ہو۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ	ہیں، پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے
مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ	اور نہ لینے والے کو تکلیف پہنچاتے ہیں
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا	ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ ان
خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ	کو نہ خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔
یَحْزَنُوْنَ (بقرہ)	

قرآن میں دوسری جگہ ہے کہ جو لوگ محض خدا کی خوشنودی اور دل کے پورے ثبات کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس باغ کی ہے کہ اگر اس پر تیز بارش ہو تو دوگنا پھل آئے اور اگر تیز بارش نہ بھی ہو تو ہلکی بوندا باندی سے ہی اس میں کچھ پھل آجائے۔" (بقرہ)

پھر جو لوگ صدقہ دے کر احسان جتلاتے اور تکلیف دیتے ہیں ان کے بارے میں کہا گیا ہے:۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ	ایک بھلی اور میٹھی بات اور کسی غلطی کو معاف
خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ	کر دینا اس صدقہ سے ہزار گنا بہتر ہے جس کے
اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ۝	پیچھے تکلیف اور دُکھ لگا ہو۔ اللہ بے نیاز
(بقرہ)	اور برداشت کرنے والا ہے۔

یعنی خدا تمہاری زکوٰۃ کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ بے نیاز ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیئے کہ وہ تمہارے گناہوں کو دیکھتا ہے، پھر بھی وہ درگزر کرتا اور برداشت کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا کر کے تم نے خدا کے اوپر یا اس کے

بندوں پر احسان نہیں کیا ہے اور جس طرح خدا بُردباری اور برداشت سے کام لیتا ہے، بات بات پر تم کو پکڑتا اور ذلیل نہیں کرتا، اسی طرح تم بھی چند پیسے کسی کو دے کر اس کو تکلیفوں اور ذلتوں کا نشانہ نہ بنالو۔ پھر قرآن نے اتنا ہی کہنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پھر یہ کہا کہ ان باتوں سے تمہاری زکوٰۃ وخیرات برباد ہو جاتی ہے۔

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ

(بقرہ)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف ودکھ دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرتا ہے اس کا یقین نہ خدا پر ہوتا ہے نہ آخرت پر، ایسے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پتھر کی چٹان پر مٹی جم جاتے اور جب بارش ہوئی تو وہ مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان باقی رہ گئی۔

بارش جب ہوتی ہے تو مٹی سے پودے اُگتے ہیں لیکن یہ پتھر پر جمی ہوئی مٹی دیکھنے کی مٹی تھی۔ اس لئے بارش پاکر اس نے دانہ نہیں اُگایا بلکہ بہہ کر بیکار ہو گئی۔ بالکل اسی طرح جس صدقہ وخیرات میں خالص عبادت کی نیت اور خدا کی رضا مقصود نہ ہو اور پھر وہ احسان وتکلیف سے خالی نہ ہو تو وہ محض دکھاوے کا صدقہ ہوتا ہے، حقیقت میں اس کے اندر دینے والے کے لئے کوئی فائدہ پوشیدہ نہیں ہے بلکہ وہ مٹی کی طرح بہہ کر بیکار ہو جائے گا اور زکوٰۃ دینے والا بالکل پتھر کی چٹان کی طرح خالی خولی باقی رہ جائے گا اسی بنا پر اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ صدقہ وغیرہ چھپا کر دیا جاتے اور اسی لئے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ دیتے وقت زکوٰۃ پانے والے کو اس کا بتانا ضروری نہیں ہے خاص طور پر اعزہ واقارب کو زکوٰۃ دینے میں اگر ان باتوں کا خیال نہ کیا جائے تو بڑی بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ خیال ہو کہ زکوٰۃ کے نام سے ان کو مدد دی جائے گی تو ان کو تکلیف ہوگی تو ان کے سمجھ دار بچوں کو عید کے موقع پر عیدی کے نام سے یا کسی اور موقع پر انعام کے نام سے زکوٰۃ

دے دیا جائے [1] البتہ بالکل ناسمجھ بچوں کو دینا درست نہیں ہے۔ اسی طرح متوسط حال لوگوں میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں مگر وہ کسی سے زکوٰۃ نہیں مانگ سکتے، اگر کوئی اس نام سے دے تو ان کو تکلیف ہوگی۔ ایسے لوگوں کو بھی کسی نہ کسی بہانے سے دینا چاہیئے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے پاس کرایہ کے مکانات یا باغ وغیرہ ہیں یا ماہانہ یا سالانہ دوسری آمدنی بھی ہے مگر بال بچے بہت زیادہ ہیں جس سے خرچ پورا نہیں ہو پاتا، ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ دینا چاہیئے [2] جو لوگ ان باتوں کا خیال نہیں کرتے قرآن ان کو یاد دلاتا ہے کہ "تمہارے پاس مال اور جائداد ہو اور تم کو بڑھاپا آجائے اور تمہارے بچے ابھی کھانے کمانے کے قابل نہ ہوں اور تم غربت و افلاس کا شکار ہو جاؤ، یا کوئی ناگہانی حادثہ پیش آجائے اور خالی ہاتھ ہو جاؤ اور تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے تڑپنے لگیں تو تمہارا کیا حال ہوگا [3] جس طرح تمہاری اس وقت یہ خواہش ہوگی کہ لوگ تمہارے ساتھ احسان و رحم کریں۔ اگر کوئی اس وقت تمہارے اوپر رحم نہ کرے یا شرافت سے پیش نہ آئے تو تم کو کتنی تکلیف ہوگی؟ بالکل اسی طرح دوسروں کی غربت و تکلیف کو سمجھنا چاہیئے۔

---

[1] دفع الزکوٰۃ الیٰ صبیان اقرباءہ برسم عید۔ الخ ...

[2] لو کان لہ حوانیت و دور للغلۃ لا تکفی لقوتہ وقوۃ عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ عند محمد" (فتاوی ہندیہ ج ص ۱۸۹) [3] سورہ بقرہ رکوع ۳۶۔

حج

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسلامی عبادتیں دو طرح کی ہیں، ایک جسمانی جیسے نماز روزہ، دوسری مالی، جیسے زکوٰۃ، مگر ان دونوں طرح کی عبادتوں سے مل کر ایک تیسری عبادت بھی اسلام میں فرض ہے۔ اور وہ ہے حج۔ یعنی اس میں آدمی کو جسمانی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ اور مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔

حج کی اہمیت اور فضیلت

جس طرح نماز، روزہ اور زکوٰۃ یہ تمام عبادتیں اگلی شریعتوں میں فرض تھیں، اسی طرح حج بھی تمام شریعتوں میں فرض تھا، مگر حقیقتاً فریضۂ حج ملتِ ابراہیمی کی یادگار ہے، عرب جو حضرت اسمٰعیل کی نسل سے تھے اور ان کی تعلیم کو بھلا کر خدا کے ساتھ شرک کرنے لگے تھے اور ان کو آخرت و رسالت پر یقین نہیں رہ گیا تھا، جن کا دن رات کا مشغلہ لڑائی جھگڑا، لوٹ مار اور قتل و غارتگری اور شراب نوشی تھا، ان میں حضرت اسماعیل کی تعلیم کا اتنا اثر باقی رہ گیا تھا کہ حج کے زمانے میں ان برائیوں سے توبہ کر لیتے تھے اور مکہ میں آکر کعبہ کا حج کرتے تھے۔ اگلی شریعتوں کی طرح اسلام میں بھی حج کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ البتہ حج میں جو برائیاں ان لوگوں نے پیدا کر دی تھیں، مثلاً وہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے، کھیل تماشہ کرتے تھے ان کو اس نے دُور کیا۔ قرآن میں کئی جگہ حج کا ذکر آیا ہے اور اس کے تمام ضروری احکام بتا دیئے گئے ہیں۔ ایک جگہ اس کو فرض قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۝ (آل عمران)	خالص خدا کی خوشنودی کے لئے ان لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

دوسری جگہ ہے:-

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ط	حج کے مہینے (شوال۔ ذوقعدہ اور

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (بقره)

ذوالحجہ سب کو معلوم ہیں۔ جو شخص ان مہینوں میں حج کرنے کا فیصلہ کرے اس کو چاہیئے کہ اس پوری مدت میں شہوانی بات نہ کرے اور نہ کوئی برا کام کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے اور حج میں جانے سے پہلے زادِ راہ یعنی راستہ کا خرچ لے لو اور بہترین زادِ راہ اللہ کا خوف اور پرہیزگاری ہے تو اے عقل والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو۔

قرآن پاک نے جو تین لفظ رفث، شہوت کی بات یا کام، فسوق، گناہ کی بات یا کام اور جدال لڑائی جھگڑا، استعمال کئے ہیں اس میں وہ تمام برائیاں آگئیں جو حج کو خراب کر دینے والی ہیں۔ افسوس ہے کہ حج میں ان برائیوں سے پورے طور پر بہت کم لوگ بچتے ہیں خاص طور پر جدال یعنی لڑائی جھگڑے کا منظر حج میں تو بہت دیکھنے میں آتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج کی بے حد فضیلت بیان فرمائی ہے۔ ایک بار آپؐ نے حج کی فضیلت بیان فرمائی اس میں آپؐ نے فرمایا کہ یا ایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا یعنی اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے تو حج کرو۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک شخص نے پوچھا، یارسول اللہ کیا یہ حج ہر سال فرض ہے؟ آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر میں یہ کہہ دیتا کہ یہ ہر سال فرض ہے تو خدائے تعالیٰ ہر سال فرض کر دیتا اور تم سے یہ ہر سال ادا نہ ہو سکتا، اس لئے میں جتنی بات کا حکم دوں، اس پر عمل کرو، اور جن باتوں سے روکوں، رک جاؤ، بے ضرورت سوال نہ کیا کرو۔ اگلی قومیں اس کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں (مسلم، نسائی)

حج پوری عمر میں صرف ایک بار فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے خالص خدا کی خوشنودی کے لئے حج کیا اور اس سفر میں جب تک رہا نہ تو خواہش نفسانی اور بے شرمی کی بات کی، اور نہ کسی سے لڑائی جھگڑا کیا اور نہ دوسری کوئی برائی کی تو وہ حج سے واپس ہوگا تو

گناہوں سے اس طرح پاک ہو چکا ہوگا جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے کہ حج سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر جو شرطیں قرآن و حدیث میں حج کے صحیح ہونے اور گناہ کے معاف ہونے کے لئے لگائی گئی ہیں ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے، اب جو شخص خدا کی خوشنودی کے بجائے نام و نمود کے لئے یا محض تجارت کی غرض سے حج کرتا ہے، وہ برائیوں سے بچنے کے بجائے زمانۂ حج میں بھی وہ برائیاں کرتا ہے، ایسے شخص کا حج کیسے قبول ہو سکتا ہے اور اس شخص کے گناہ کیسے معاف ہو سکتے ہیں جو فریضۂ حج کو تجارت، نفع اندوزی، بلیک مارکٹنگ اسمگلنگ اور وجاہت طلبی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس کو حج کی یہ فضیلت کیسے مل سکتی ہے؟

جو لوگ حج کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور پھر بھی حج نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس زادِ راہ اور سواری موجود ہو اور بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو پھر بھی وہ حج نہ کرے تو خدا کے نزدیک اس کے حج کئے بغیر مرنے اور یہودی و نصرانی ہو کر مرنے میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ (ترمذی)

یعنی حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس کی زبانی ہی تاکید نہیں فرمائی ہے بلکہ اپنے عمل سے بھی کر کے دکھا دیا ہے۔ چنانچہ ۶ھ میں آپ نے کئی ہزار صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کا ارادہ کیا مگر کفار نے حدیبیہ کے مقام پر رکاوٹ ڈالی جس کی وجہ سے آپ عمرہ نہ کر سکے پھر دوسرے سال ۷ھ میں کئی ہزار صحابہ کے ساتھ آپ نے عمرہ ادا فرمایا پھر ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر بھی دس ہزار صحابہ نے آپ کی معیت میں عمرہ کی سعادت حاصل کی پھر ۹ھ میں آپ نے حضرت ابو بکر صدیق اور دوسرے صحابہ کو بھیج کر جاہلیت کے رسموں کے ختم کرنے کا اعلان فرما دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ھ میں کئی ہزار صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ راستہ میں مجمع بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ ایک لاکھ سے زیادہ مجمع کے ساتھ آپؐ نے آخری حج ادا فرمایا اور اس میں اپنا وہ مشہور خطبہ دیا جس کو خطبۂ حجۃ الوداع یعنی آخری حج کا خطبہ کہا جاتا ہے۔

آپؐ کی وفات کے بعد عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس فرض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کی بلکہ بعض صحابہؓ تو ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی رضی اللہ عنہم اپنے اپنے دورِ خلافت میں اسلامی ملکوں کے تمام ذمہ داروں کو اس موقع پر بلا کر ان سے ملک کے حالات معلوم فرماتے تھے اور ان کو ضروری ہدایات دیتے تھے، چونکہ عالمِ اسلام کے ہر حصہ سے مسلمان حج کے لئے آتے تھے اس لئے اگر کوئی اہم حکم دینا ہوتا تو مجمع عام میں اس کا اعلان کرایا جاتا تھا تاکہ آسانی سے ہر گوشہ میں حکم پہنچ جائے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں بہت سی نئی قومیں کثرت سے مسلمان ہوئیں۔ مثلاً عیسائی، مجوسی، صابئی وغیرہ جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے ان کے ذہن میں اس کے فرضیت کی اہمیت ابھی پورے طور پر نہیں بیٹھی تھی۔ اس لئے باوجود استطاعت کے بہت سے لوگ حج کے لئے نہیں آتے تھے۔ اسی طرح بعض پرانے مسلمان بھی اس میں سستی کرنے لگے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ جو لوگ قدرت کے باوجود حج نہ کریں گے میں ان سے جہاد کروں گا جس طرح نماز اور زکوٰۃ چھوڑنے والے سے جہاد ہے۔

آپ نے اس میں اشارہ قرآن کی اوپر والی اس آیت کی طرف کیا جس میں حج چھوڑنے کو کفر کہا گیا ہے اور اس حدیث کی طرف جس سے استدلال کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ایک بار فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے نمائندوں کو بھیجوں اور تحقیق کروں کہ جو لوگ حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج کرنے نہیں آتے ان پر جزیہ[1] لگا دوں۔

---

[1] جزیہ وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت اور فوجی خدمت (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ان تفصیلات سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ اس فریضہ کی اسلام میں کتنی اہمیت اور فضیلت ہے۔ اور اس کے ترک کرنے والوں کو اللہ کے رسولؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے کتنا زیادہ ناپسند کیا ہے اور کس قدر بُرا سمجھا ہے۔

حج کے فائدے

حج کا اصلی فائدہ تو یہ ہے کہ اس فرض سے قیامت کی یاد تازہ ہوتی ہے جس طرح قیامت کے دن سب لوگ اپنے اپنے کفن میں اٹھیں گے۔ اسی طرح تمام حاجی ایک طرح کے لباس میں حج کرتے ہیں، جس طرح میدانِ حشر میں سب لوگ حاضر ہوں گے اور ان سے پوچھ گچھ ہوگی اسی طرح عرفات کے میدان میں سب لوگ جمع ہو کر اس تصوّر کو تازہ کرتے ہیں۔ اسی طرح حج کا ہر رُکن خدا کی فرمانبرداری اور قیامت کی کسی نہ کسی ہولناکی کو یاد دلاتا ہے۔ اس سے خدا کی محبت تازہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ایک مومن کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ عشقِ خداوندی اور محبتِ الٰہی کا مظہر بن جائے۔ اس سے آدمی میں خواہشاتِ نفس پر قابو پانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، تواضع وانکساری پیدا ہوتی ہے۔ صبر و تحمل اور بُردباری کی عادت پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے دنیاوی فائدے ہیں، اس کے ذریعہ دنیا کے تمام مسلمان ملکوں کے لوگوں سے لوگوں کو ملنے کا اتفاق ہوتا ہے اس میں شامی بھی ہوتے ہیں اور مصری بھی، عراقی بھی ہوتے ہیں اور سوڈانی بھی، انڈونیشین بھی ہوتے ہیں اور چینی وجاپانی بھی یورپ کے بھی ہوتے ہیں اور امریکہ کے بھی۔ پھر سفر کرنے سے آدمی کے تجربے اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ اسلامی شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے، آدمی کو تکلیفیں اُٹھانے اور زحمتیں برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔

حج کب فرض ہوا؟

حج کی اہمیت تو ملّتِ ابراہیمی میں پہلے سے تھی مگر اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ۲ یا ۳ھ میں ہوئی۔ حج کے احکام اور فرضیت کا ذکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔

آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں ماھم بمسلمین ماھم بمسلین (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۶) وہ مسلمان نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ تفسیر و من کفر۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران اور سورہ حج تینوں میں ہے، سورہ بقرہ کا بیشتر حصہ ۲ھ میں اور سورہ آل عمران کا بیشتر ۳ھ میں یعنی غزوۂ بدر کے بعد سے نازل ہونا شروع ہوا اس لئے اس لئے حج زیادہ سے زیادہ ۳ھ میں فرض ہوا ہوگا مگر کفار قریش نے لڑائیوں کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا تھا کہ آپ کو اور صحابہ کو اس سعادت کے حاصل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ۶ھ میں غزوۂ احزاب کے بعد قدرے سکون ہوا تو آپ نے اسی سال عمرہ کا ارادہ فرمایا جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

جب تک آپؐ اور صحابہؓ مکہ میں تھے۔ کعبہ کی زیارت سے شرف اندوز ہوتے رہے، ہجرت کے بعد گو اس سعادت سے محروم ہو گئے لیکن کعبہ کی زیارت کا شوق وذوق ہر دل میں باقی تھا۔ چنانچہ فرضیت حج کے تین سال بعد آپؐ عمرہ کی نیت سے ۶ھ میں چودہ سو صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے مگر کفار قریش مانع ہوئے اور آپؐ کو اور صحابہؓ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ اسی موقع پر آپ نے اُن سے وہ مشہور صُلح کی جو "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ پھر آپ نے دوسرے سال عمرہ کا ارادہ فرمایا اور پھر ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اور صحابہ نے عمرہ کیا اور پھر ۱۰ھ میں آپؐ نے باقاعدہ حج ادا فرمایا جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اور اسی کے تین چار مہینے کے بعد آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے (صلی اللہ علیہ وسلم)

حج کے معنیٰ لغت میں کسی باعظمت شخص یا مقام کی زیارت کا ارادہ کرنے کو حج کہتے ہیں، اور اسلامی شریعت میں حج کے زمانے میں خانہ کعبہ کی زیارت کرنے اور میدانِ عرفات میں پہنچنے کو حج کہتے ہیں[1]

خانہ کعبہ مکہ مکرمہ کا ایک خاص مقام جس کو ہم خانہ کعبہ کہتے ہیں۔ اور جس کے ارد گرد اور آس پاس حج کے سارے ارکان ادا ہوتے ہیں۔ اس کو قرآن میں بَیْتُ عَتِیْقُ (پرانا گھر) مسجد حرام (محترم مسجد)، خدا کا گھر اور بکہ اور قبلہ بھی کہا گیا ہے[2]۔ اسی کی طرف ہم پانچوں

---

[1] ھو زیارۃ مکانٍ مخصوصٍ فی زمنٍ مخصوصٍ بفعل مخصوص (درمختار)

[2] مکہ کا قدیم نام بکہ تھا جس کے معنی شہر کے ہیں جیسے بعلبک یعنی بعل کا شہر مگر حضرت ابراہیم نے اسے مکہ کے لفظ سے یاد کیا جس کے معنی بھی شہر کے ہیں، یہودیوں نے بکہ بکاء سے لے کر اس کے معنیٰ رونے کے لئے ہیں (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

وقت منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے پیشاب پاخانہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ خدا کی عبادت کے لئے اس زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ مکہ میں تعمیر ہوئی یعنی اس کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے ہاتھوں ہوئی۔ پھر حضرت نوحؑ کے طوفان میں اس کی عمارت منہدم ہوگئی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا۔ آپ کے بعد بھی کئی بار یہ عمارت گری اور بنی۔ حضرت ابراہیمؑ کے کعبہ کی تعمیر کا ذکر قرآن میں تفصیل سے ہے، اس تعمیر میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ان کے صاحبزادے اور مشہور نبی حضرت اسماعیلؑ بھی شریک تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے بھی ایک بار سیلاب کی وجہ سے یہ عمارت گر گئی تھی تو کفارِ قریش نے پھر اس کو اٹھایا مگر جب عمارت تیار ہوگئی تو حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے وقت آپس میں لڑنے لگے۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ اس متبرک پتھر کو ہم رکھیں، یہ جھگڑا کسی طرح ختم نہیں ہوتا نظر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ حجرِ اَسوَدُ کو ایک بڑی چادر میں رکھ دیا جائے اور اس چادر کو ہر قبیلے کے لوگ پکڑلیں جب ان لوگوں نے چادر اٹھائی تو آپؐ نے حجرِ اَسوَدُ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا اور جھگڑا ختم ہوگیا۔ قریش نے جو تعمیر کی اس میں حطیم کے حصہ کو الگ کر دیا، آپؐ نے غالبًا حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ اگر قریش کے یہ لوگ حدیث الاسلام نہ ہوتے تو میں اس کو اسی طرح بنا دیتا جیسا کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی حکومت جب حجاز پر ہوئی تو انہوں نے ارشادِ نبوی کے مطابق بنیادِ ابراہیمی کے مطابق اسے بنا دیا، مگر جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شکست دی تو پھر اس نالائق نے حطیم کے حصہ کو الگ کرا دیا بعد کے خلفاء نے پھر اسے اصل صورت میں واپس کرنے کا ارادہ کیا تو امام مالکؒ نے منع کر دیا کہ کعبہ کو اسی طرح اگر گرایا و بنایا گیا تو یہ ایک کھیل ہو جائے گا چنانچہ موجودہ عمارت اسی حالت میں موجود ہے البتہ اس کی مرمت ہوتی رہتی ہے۔

حج کے احکام بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حج کی چند اصطلاحات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یعنی رونے کی جگہ، تفسیروں میں بھی مفسرین نے اس معنی میں اس لفظ کو استعمال کر دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اور مکہ کے چند مقامات کی تشریح کر دی جائے جن کا ذکر حج کے بیان میں بار بار آئے گا۔

اصطلاحات

(۱) میقات۔ جب لوگ حج کے لئے جاتے ہیں تو مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ایک مقام پر پہنچ کر تمام حج کرنے والے نہا دھو کر حج کا لباس (احرام) پہنتے ہیں۔ اسی مقام کو میقات کہتے ہیں۔ اگر کوئی یہاں احرام نہ باندھے تو اس کو واپس آکر پھر یہاں سے احرام باندھنا ہوگا۔ ہندوستان اور پاکستان کے باشندوں کی میقات یَلَم لَم کی پہاڑی ہے۔ اسی طرح دوسرے ممالک کے باشندوں کے لئے الگ الگ میقات ہے۔ مدینہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے ذوالحلیفہ۔ کوفہ و بصرہ و بغداد کی طرف سے آنے والوں کے لئے ذاتِ عرق اور ٹرکی اور شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے جُحفہ ہے۔ اگر ہندوستان و پاکستان کے لوگ خاص طور پر ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے بمبئی میں احرام باندھ لیں یا جدہ پہنچ کر احرام باندھ لیں تو بعض علماء اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے لیکن بہتر یہی ہے کہ میقات پر پہنچ کر یا اس سے پہلے ہی احرام باندھ لیا جائے۔

(۲) اِحرام۔ حج یا عمرہ کی نیت کر کے خاص طرح کا لباس پہننا اور تَلبیہ کہنا۔

(۳) تَلبیہ۔ احرام کے وقت سے جب تک حج ختم نہ ہو جائے اس وقت اُٹھتے بیٹھتے اور حج کے ارکان ادا کرتے وقت جو دُعا پڑھی جاتی ہے اس کو تلبیہ کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے:۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ (بخاری و مسلم)	اے اللہ! مَیں تیرے در پر حاضر ہوں میں تیرے حکم کے آگے سرنگوں ہوں تیرا کوئی شریک نہیں؛ میں تیرے در پر حاضر ہوں، اقرار کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں اور ساری بادشاہت تیرے ہی لئے ہے اور اور اس میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۴) تہلیل۔ کلمہ طیّبہ یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے کو تہلیل کہتے ہیں۔

(۵) طَواف۔ خانہ کعبہ کے گرد سات چکّر لگانے کو طواف کہتے ہیں۔ مَطَاف وہ جگہ جہاں طواف کیا جاتا ہے۔

(۶) عُمرہ:۔ احرام باندھ کر کعبہ کا طواف کرنے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے (سعی) کو عُمرہ کہتے ہیں۔ یہ حج کے علاوہ دوسرے زمانے میں بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کا بڑا ثواب ہے۔

(۷) احرام۔ میقات پر پہنچنے کے بعد خاص طرح کا کپڑا پہننے اور تلبیہ کہنے کو احرام کہتے ہیں۔ احرام کے معنیٰ حرام کر لینے کے ہیں۔ اس کو احرام اس لئے کہتے ہیں کہ احرام کے بعد اس کے اُوپر بہت سی حلال چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ احرام باندھنے والے کو مُحرِم کہتے ہیں۔

احرام و حج کی قسمیں

حج کی تین قسمیں ہیں۔ ایک افراد، دوسرے تمتُّع، تیسرے قِران، اور یہ فرق احرام کے وقت نیت کرنے سے ہوتا ہے۔ اس لئے احرام کی بھی تین قسمیں ہوئیں۔

(۸) اِفراد۔ صرف حج کا احرام باندھنے کو اِفراد کہتے ہیں اور احرام باندھنے والے کو مُفرِد کہتے ہیں۔

(۹) تمتُّع۔ اس طریقۂ حج کو کہتے ہیں جس میں حج کے زمانے میں احرام باندھ کر عمرہ کر لیا جائے اور اس کے بعد کچھ دنوں کے لئے احرام کھول دیا جائے۔ پھر حج کے فرائض ادا کرنے کے لئے آٹھویں ذوالحجہ کو دوبارہ احرام باندھ لیا جائے۔ تمتُّع کے معنیٰ فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں درمیان میں کچھ دنوں کے لئے آدمی کے لئے وہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو حرام تھیں اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے اس کو احرام تمتع کہتے ہیں۔ اس طریقہ سے حج کرنے والوں کو متمتع کہا جاتا ہے۔

(۱۰) قِران۔ اس طریقۂ احرام کو کہا جاتا ہے جس میں حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا جائے اور پہلے عُمرہ پھر حج کیا جائے۔ ایسا کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔ قِران کے معنیٰ ملانے کے ہیں چونکہ اس طریقہ احرام میں عمرہ اور حج کو ملا لیا جاتا ہے، اس لئے اس کو قِران کہتے ہیں۔

(۱۱) سَعیُ۔ صفا و مَروہ کے درمیان تیز چلنے اور دوڑنے کو سَعی کہتے ہیں۔ سَعیُ کے لفظی معنیٰ تیز چلنے کے ہیں۔

(۱۲) شوط۔ کعبہ کے گرد ایک چکّر لگانے یا صفا و مروہ کے درمیان ایک چکر لگانے کو شوط

کہتے ہیں۔

(۱۳) اِستِلام۔ حجرِ اَسوَد کے چھونے یا بوسہ لینے یا دونوں ہتھیلی کو اس طرف کر کے چومنے کو استِلام کہتے ہیں۔

(۱۴) وُقُوف۔ عرفات کے میدان اور مُزدَلفہ میں پہنچ کر کچھ دیر ٹھہرنے کو وقوف کہتے ہیں وقوف کے لفظی معنیٰ ٹھہرنے کے ہیں۔

(۱۵) رَمی۔ رَمی کے معنیٰ پھینکنا۔ جمرہ پر کنکریاں پھینکنے کو رَمی کہتے ہیں۔ یہ تین ہیں۔ جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ۔

(۱۶) رَمل۔ رَمل کے معنیٰ اکڑ کر یا بازو ہلا کر چلنا، طواف کے پہلے تین چکّر میں بازو ہلا کر اور ذرا اکڑ کر چلنے کو رَمل کہتے ہیں۔ یہ فعل ایک سنّت کی یادگار کے طور پر کیا جاتا ہے۔ وہ سنّت یہ ہے کہ جب صحابہؓ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تو وہاں کی آب وہوا ان کے لئے راس نہیں آئی۔ اور کمزور ہو گئے، دوبارہ جب وہ مکہ حج کے لئے آئے تو بعض کفار نے ان پر طنز کیا۔ اس لئے آپؐ نے ان کو اکڑ کر چلنے کا حکم دیا تاکہ وہ مسلمانوں کو کمزور نہ سمجھیں۔

(۱۷) اِضطِباع۔ طواف شروع کرنے سے پہلے مَردوں کو چاہیئے کہ اپنی چادر کے داہنے حصّے کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیں۔ اسی کو شریعت میں اضطباع کہتے ہیں۔ عورتوں کو ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(۱۸) تحلیق۔ تحلیق کے معنیٰ بال مُنڈوانا، حج کے بعض ارکان ادا کرنے کے بعد بال منڈوائے جاتے ہیں۔ اسی کو تحلیق کہتے ہیں۔ یہ مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں۔

(۱۹) تقصیر۔ تقصیر کے معنیٰ چھوٹا کرانا، بال منڈانے کے بجائے چھوٹا کرا لینے کو تقصیر کہتے ہیں۔

(۲۰) آفاقی۔ وہ شخص جو میقات سے باہر کا رہنے والا ہو، مثلاً ہندوستانی اور پاکستانی آفاقی ہیں۔

وہ مقامات جن کا ذکر حج کے سلسلہ میں آتا ہے

(۱) حَرَم۔ حرم کے معنیٰ محترم کے ہیں۔ شریعت میں

روئے زمین کے اس محترم خطّے کو حرم کہتے ہیں جس کے احترام میں بعض حلال اور مُباح چیزیں حرام ہوجاتی ہیں۔ مکہ معظمہ کے گرد کئی میل تک جو زمین ہے وہ سب حرم میں داخل ہے۔ لوگوں کی سہولت کے لئے ہر طرف نشان بنا دیئے گئے ہیں۔ حرم میں کسی جانور کو تکلیف دینا اور ستانا تک منع ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ سایہ میں بیٹھے ہوں تو ان کے قریب نہ جانا چاہیئے کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔

(۲) مسجدِ حرام۔ مکّہ کی وہ محترم مسجد ہے جس میں حاجی لوگ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں، جس کے ایک حصّہ میں خانہ کعبہ اور حطیم ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے کئی دروازے ہیں۔

(۳) حَطیم۔ خانہ کعبہ کا وہ حصّہ جو اَب اس سے باہر ہے مگر وہ کبھی اس کا جُزو تھا، اس کا احترام بھی اسی طرح کرنا چاہیئے جس طرح کعبہ کا کیا جاتا ہے۔ طواف میں یہ بھی شامل ہے۔

(۴) حجرِ اَسود:۔ اس کے معنی سیاہ کھٹئی مائل پتھر کے ہیں۔ یہ پتھر کعبہ کے پوربی کونہ میں نصب ہے۔ طواف کے وقت اس کو چھونے اور بوسہ دینے کا حکم ہے۔ یہ پتھر چونکہ جنّت سے نازل ہوا ہے۔ اس لئے یادگار کے طور پر اس کا بوسہ لیا جاتا ہے۔ مگر یہ بوسہ عظمت کا نہیں بلکہ محبّت کا ہے۔ چنانچہ اِستلام کے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس میں اس طرف اِشارہ موجود ہے اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ جب اِس پتھر کا بوسہ دیتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ تو ایک پتھر ہے جس میں نفع و نقصان پہنچانے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو کبھی بوسہ نہ دیتا۔" اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اس تصوّر کے ساتھ بوسہ نہیں دیتے، جس تصوّر کے ساتھ کافر بتوں، مورتیوں اور تصویروں کے آگے جُھکتے ہیں۔ یہ ایک بالشت چوڑا اور اس سے کچھ زیادہ لمبا ہے۔

(۵) رُکنِ یمانی۔ یہ کعبہ کا چوتھا گوشہ ہے۔ یہاں پہنچ کر اپنے ہاتھوں سے یا صرف داہنے ہاتھ سے چُھوکر حجرِ اسود کی طرف بڑھ جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ کئی اور رُکن بھی ہیں۔ مثلاً رُکنِ عراقی، رُکنِ شامی وغیرہ۔

(۶) مقام ابراہیمؑ۔ یہاں پر ایک پتھر رکھا ہوا ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اسی کے اوپر اپنی سواری سے اُترتے اور چڑھتے تھے۔ اس پر ان کے قدموں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ یہ خانۂ کعبہ کے بالکل سامنے ہے۔ اس کے گرد لوہے کی جالی لگی ہوئی ہے

(۷) میزاب رحمت:- میزابِ رحمت کے معنی ہیں رحمت کا پرنالہ، یہاں کھڑے ہوکر دُعا کی جاتی ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں حضرت اسماعیلؑ کی قبر ہے۔

(۸) مُلتزَم۔ مُلتزَم کے معنی ایسی چیز جس سے لپٹا جائے چونکہ یہاں لپٹ کر دعا مانگنا مسنون ہے۔ اس لئے اس کو ملتزم کہتے ہیں۔ حجرِ اسوَد اور خانہ کعبہ کے دروازہ کے درمیان جتنا حصّہ ہے اسی کو مُلتزم کہتے ہیں۔ یہاں دعا کا عجیب عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

(۹) زَمزَم۔ کعبہ کی دیوار سے بتیس گز کے فاصلے پر ایک گہرا کنواں ہے۔ اس کو چاہ زَمزَم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کے لئے یہ چشمہ جاری کیا تھا جو آج تک جاری ہے، اس کا پانی کھڑے ہوکر پینا سنّت ہے۔

(۱۰) صفا و مروہ، دو مقام ہیں جن کے درمیان دوڑا جاتا ہے، یعنی سَعیُ کی جاتی ہے۔ پہلے یہ دونوں اونچی پہاڑیاں تھیں مگر اَب زمین سے ان کی اونچائی چار پانچ فٹ رہ گئی ہے اور یہ جگہ اب مسقف کردی گئی ہے۔

(۱۱) میلین اخضرین۔ سعی کرتے وقت دو نشان ملتے ہیں۔ ان کے درمیان دوڑ کر چلنا ضروری ہے۔ ان دونوں نشانوں کو میلین اخضرین کہتے ہیں اور ان پر سبز نشان بنے ہوئے ہیں۔

(۱۲) عرفات ایک بہت بڑے میدان کا نام ہے جس کا رقبہ تقریباً ۱۲ مُربع میل ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے ۹ میل اور منٰی سے تقریباً ۶ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس مقام پر نویں ذوالحجہ کو ہر حاجی کا کچھ دیر ٹھہرنا فرض ہے۔ اسی میدان کے بیچ میں ایک پہاڑ ہے جسے جبلِ رحمت، یعنی رحمت کا پہاڑ کہتے ہیں۔

(۱۳) منٰی۔ مکّہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک آبادی ہے جسے منٰی کہتے ہیں۔ ۸ ذوالحجہ کو اور اس کے بعد بھی یہاں جاکر رَمیُ کی سُنّت ادا کرنی پڑتی ہے۔ منٰی کی سب سے بڑی مسجد کا نام مسجدِ خیف ہے۔ اِس مبارک مسجد میں ستّر پیغمبروں نے نماز ادا کی ہے۔ اور ستر انبیاء یہاں آرام فرما ہیں۔

(۱۴) مُزدلفہ:- منٰی اور عَرَفاتُ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ وقوفِ عرفات کے بعد یہاں جانا پڑتا ہے۔

(۱۵) جمرہ۔ جہاں کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔ یہ تین ہیں۔ جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ، جمرۂ عقبیہ۔
اب ہم حج کرنے کا طریقہ اور اس کے فرائض، سُنن، مستحبات، مکروہات وغیرہ بیان کرتے ہیں۔ حج کرنے والوں کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیئے اور ان کا لحاظ کر کے حج کرنا چاہیئے ورنہ ساری محنت اور روپیہ پیسہ اکارت جائے گا۔

حج کا حکم اور اس کے فرض ہونے کی شرطیں

حج عُمر میں ایک بار فرض ہے۔ یہ اسلام کا ایسا رُکن ہے کہ اس کا مُنکر کافر، اور[1] فرض ہونے کے باوجود نہ ادا کرنے والا فاسق اور سخت گناہگار ہے۔ لیکن حج ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے بلکہ اس کے لئے یہ شرطیں ہونی ضروری ہیں۔ اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں گی تو حج فرض نہ ہو گا۔

(۱) کسی مسلمان کا عاقل بالغ ہونا، نابالغ بچوں اور پاگلوں پر خواہ ان کے پاس کتنا ہی روپیہ کیوں نہ ہو حج فرض نہیں ہے۔

(۲) تندرست ہونا، یعنی بدن ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جن کے سبب سے وہ سفر کے قابل نہ ہو، مثلاً کوئی ایسی بیماری ہو کہ سفرِ حج سے بیماری کے بہت بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، یا کوئی اپاہج یا لنگڑا یا اندھا ہو یا بہت بوڑھا ہو۔

(۳) زادِ راہ یعنی سواری اور راستے کا خرچ بھی اس کے پاس پورا پورا ہو، اور جن لوگوں کے اخراجات کی ذمہ داری اس کے ذِمّے ہے۔ واپسی تک ان کے اخراجات بھی ان کو دے دیئے جائیں۔

(۴) اس کے اوپر قرض نہ ہو، اگر قرض ادا کرنے کے بعد سفرِ خرچ بچ جائے تو وہ جا سکتا ہے۔

(۵) کسی کا ضامن نہ ہو، اگر اس نے کسی کی ضمانت لی ہے تو پھر ضمانت کی مدّت میں حج کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ نہ جانے اس کی کس وقت ضرورت پڑ جائے،

---

[1] یکفر جاحدہ (شرح وقایہ ج ۱ ص ۳۲۳)

(۶) راستہ پُر امن ہو، اگر راستہ میں جان کا خطرہ ہو تو حج فرض نہیں ہے، مثلاً جنگ کا زمانہ ہو اور عام طور پر اس راستہ میں جہاز ڈبو دیا جاتا ہو، یا بمباری کی جاتی ہو، یا کوئی اور خطرہ ہو۔

(۷) کسی ظالم حکومت کی طرف سے رُکاوٹ نہ ہو اور وہ جیل میں بھی نہ ہو۔

(۸) وقت کا ہونا، یعنی حج کا جو وقت مقرر ہے اسی وقت پر اس کو ادا کرنا اگر پہلے یا بعد میں وہ افعال کئے جائیں تو حج ادا نہ ہوگا۔

عورتوں کا حکم

عورتوں کے لئے ان شرطوں کے ساتھ دو شرطیں اور ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ وہ تنہا نہ جائیں بلکہ ان کے ساتھ ان کے شوہر یا کسی نہ کسی محرم کا ہونا ضروری ہے۔ محرم وہ لوگ ہیں جن سے کبھی نکاح جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل نکاح کے بیان میں دیکھ لی جائے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عدت میں نہ ہو، عدت چاہے طلاق کی ہو یا موت کی۔ اس کا بیان بھی نکاح کے سلسلے میں آئے گا۔

حرام روپیہ سے حج

اگر کسی کی کمائی خالص حرام ہو مثلاً سود کا، رشوت کا، انشورنس کا، لاٹری کا، بینک کی ملازمت کا روپیہ اگر اس کے پاس ہے تو اس سے فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر گناہ گار رہو گا —— البتہ اگر حلال پیسہ میں کچھ حرام مال کی آمیزش ہو تو اس سے حج کرنا جائز ہے۔ حرام مال جس کے پاس ہے وہ اس کا مالک نہیں ہوتا اسے فوراً ثواب کی نیت کے بغیر غریبوں میں تقسیم کرا دینا چاہیئے۔

فرائضِ حج

حج میں تین چیزیں فرض ہیں[1] (۱) احرام باندھنا (۲) میدانِ عرفات میں کچھ دیر ٹھہرنا، (۳) طوافِ زیارت کرنا۔

---

[1] والحج فرضہ ثلاثۃ (در مختار) (شرح وقایہ ج ۱ ص ۳۲۵) حج کے ارکان دو ہیں وقوفِ عرفات اور طوافِ زیارت یا طوافِ افاضہ، اور احرام شرط ہے مگر جس طرح نماز کے شرائط اور ارکان دونوں کی فرضیت میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح حج میں بھی احرام کی حیثیت وہی ہے جو نماز میں نیت کی ہے،

شرائطِ حج فرض تو یہی تین چیزیں ہیں لیکن ان تینوں فرائض کے ساتھ کچھ اور شرطیں بھی ہیں اگر وہ نہ پائی جائیں گی تو یہ فرائض ادا نہ ہوں گے۔

(۱) ترتیب یعنی ان تین فرضوں[1] کے ادا کرنے میں ترتیب قائم رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً پہلے احرام باندھا جائے، پھر عرفات میں وقوف ہو، پھر طواف زیارت (۲) وقت، یعنی ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے جو اوقات مقرر ہیں ان کا خیال کرنا ضروری ہے مثلاً حج کے زمانے میں حج کرنا۔ میقات پر احرام باندھنا۔ نویں ذوالحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا اور ۱۰، ذوالحجہ کو مزدلفہ جانا۔ پھر رمی کرنا، اس کے بعد طوافِ زیارت کرنا، اگر ان باتوں کا خیال نہ کیا گیا تو حج صحیح نہ ہوگا۔ (۳) مکان، یعنی حج کے ہر رُکن کا۔ اسی مقام پر ادا کرنا جو اس کے لئے مقرر ہے۔

واجباتِ حج حج میں یہ چیزیں واجب ہیں (۱) دسویں ذوالحجہ کی رات کو مُزدلفہ میں ٹھہرنا (۲) رَمیُ یعنی جَمرۃ العقبہ میں کنکریاں پھینکنا (۳) سَعیُ، صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا (۴) حلق یا تقصیر یعنی رمی کے بعد اپنے بال منڈواڈالنا، یا کٹوالینا۔ مردوں کے لئے منڈواڈالنا، یا کٹوالینا۔ مردوں کے لئے منڈوانا بہتر ہے اور عورتوں کے لئے تھوڑا سا کتروانا (۵) طوافِ صدر کرنا، یعنی باہر سے آنے والے جب مکہ سے رخصت ہونے لگیں تو ان کو کعبہ کا طواف کرنا، اس کو طوافِ وداع (رخصتی طواف) بھی کہا جاتا ہے[2]

ان کے علاوہ بھی بعض چیزیں واجب، سُنّت اور مستحب ہیں، ان کی تفصیل ہر فرض کے سلسلہ میں کی جائے گی۔

---

[1] فرائض میں ترتیب قائم رکھنا شرط ہے اور واجبات میں واجب ہے۔ یعنی فرائض کی ترتیب میں غلطی ہو جائے مثلاً احرام سے پہلے وقوف کر لیا جائے یا وقوف سے پہلے طوافِ زیارت کر لیا جائے تو حج صحیح نہ ہوگا۔ لیکن واجبات کی ترتیب بدل جانے سے صرف دم لازم آئے گا۔ شرح وقایہ، نور الایضاح درمختار، کتاب الحج۔ ان شرائط میں قریب قریب تمام ائمہ اربعہ متفق ہیں بعض جزئیات میں تھوڑا سا اختلاف ہے

(شرح وقایہ ج ۱ ص ۳۲۳ والفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص)

[2] ایضاً۔

احرام

اوپر احرام کا ذکر آچکا ہے۔ اب ہم احرام باندھنے کا طریقہ لکھتے ہیں۔ حج کرنے والے کو چاہیئے کہ میقات آنے سے پہلے ہی احرام باندھنے کی تیاری شروع کر دے۔ اگر کوئی شخص میقات آنے سے پہلے ہی احرام باندھ لے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر میقات گزر گیا اور اس نے احرام نہیں باندھا تو یہ مکروہِ تحریمی ہے، گویا سرزمینِ مکہ یعنی حرم میں قدم رکھنے سے پہلے ہی احرام باندھ لینا ضروری ہے۔

احرام باندھنے کا مسنون طریقہ

(۱) احرام باندھنے سے پہلے مستحب ہے کہ حجامت بنوالی جائے، ناخن کتروالئے جائیں۔ بغل اور زیرِ ناف بال صاف کر لئے جائیں۔ اس لئے کہ احرام کی حالت میں بال کٹانا، ناخن کترانا یا کسی اور حصّہ کا بال کٹانا منع ہے۔ اس کے بعد اچھی طرح غسل کر لیں خوشبو لگائیں، اگر کوئی عورت حیض و نفاس سے فارغ ہوئی ہے تو اس کو غسل کرنا واجب ہے (در مختار باب الاحرام)

(۲) غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر مردوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا سِلا ہوا کپڑا اتار ڈالیں اور بغیر سِلی ہوئی چادر کا تہ بند باندھ لیں اور ایک چادر اس کے اوپر سے اوڑھ لیں، یہ دونوں چادریں سفید اور بالکل نئی ہوں تو بہتر ہے، اگر سفید نہ ہوں یا نئی نہ ہوں تو دھلی ہوئی ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) احرام۔ یہ لباس پہن کر اگر کوئی مکروہ وقت نہ ہو تو پورے حضورِ قلب کے ساتھ دو رکعت نفل نمازِ احرام کی نیت سے پڑھیں۔ ان دونوں رکعتوں میں قل یا ایھا الکٰفرون اور قل ھو اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

(۴) نماز سے فارغ ہو کر حج یا عمرہ جس چیز کا ارادہ ہو حاجی اس کی نیت کرے۔

حج و عُمرہ کی نیت

حج کی نیت یوں کرنی چاہیے۔ "اے اللہ! میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں اس کو میرے لئے آسان کر دے اور قبول فرما لے۔ میں نے حج کا ارادہ خالص اللہ کے لئے کیا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ اگر عمرہ کی نیت ہو تو حج کے بجائے عمرہ کا لفظ کہے۔ اگر قِران یعنی حج و عمرہ دونوں کا ارادہ ہو تو دونوں کی نیت کرے۔

تلبیہ نیت کے بعد اسی وقت سے بلند آواز سے تلبیہ کہنا شروع کر دے اور مفرد و قارن اس وقت تک تلبیہ کرتے رہیں[1] جب تک ۱۰ ذوالحجہ کو رمی جمرہ عقبہ سے فارغ نہ ہو جائیں۔ نماز کے علاوہ تلبیہ ہر وقت اور ہر موقع پر کہیں، بلندی پر چڑھتے اور بلندی سے اُترتے ہوئے سواری پر سوار ہوتے اور اُترتے ہوئے اگر متمتع ہے تو وہ حجرِ اسود کو بوسہ لینے کے بعد تلبیہ چھوڑ دے گا[2]۔ تلبیہ کے الفاظ اُوپر لکھے جا چکے ہیں ان کا کہنا ضروری ہے۔ اگر عربی میں نہ کہہ سکے تو اردو میں کہے۔ یا جس زبان میں کہہ سکتا ہو وہ کہے۔

احرام باندھ لینے کے بعد حج کا ایک فرض ادا ہو گیا۔ اور مُحرِم ہو جانے کے بعد اُس کے اوپر بہت سی حلال چیزیں حرام ہو گئیں اور بہت سی مکروہ۔

عورتوں کا احرام عورتیں بھی ان ہی آداب کے ساتھ احرام باندھیں صرف تین باتوں میں ان کے اور مردوں کے احکام جُدا ہو جاتے ہیں۔

(۱) مردوں کو احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے۔ مگر عورتیں احرام کی حالت میں بھی سلا ہوا کپڑا اسی طرح پہنیں جس طرح احرام سے پہلے پہنتی تھیں اور ان کے کپڑے میں کوئی ایسی خوشبو نہ لگی ہو جو دور تک پھیلے۔

(۲) مردوں کو احرام میں اپنا سر چُھپانا منع ہے مگر عورتوں کو احرام سے پہلے جس طرح سر کھولنا حرام تھا، اسی طرح احرام کی حالت میں بھی سر کو یا بالوں کو کھولنا حرام ہے، بلکہ اس حالت میں سر کھولنا اور زیادہ گناہ ہے، البتہ ان کا چہرہ کُھلا رہنا چاہیئے۔ نامحرم کے سامنے ان کو کسی چیز سے آڑ کر لینا چاہیے مگر چہرہ پر کپڑا وغیرہ ڈالنا یا لپٹنا منع ہے۔

(۳) مرد تلبیہ بلند آواز سے کہیں اور عورتیں آہستہ آہستہ، ان کی آواز نامحرم کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

اِحرام میں یہ چیزیں منع ہیں اِحرام باندھنے کے بعد یہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں (۱)

---

[1] یہ تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور ہدایہ وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

[2] ویقطع التلبیۃ اذا ابتدأ بالطواف ہدایہ ج ۱ ص ۲۴۱

(۱) لڑائی جھگڑا کرنا (۲) جھوٹ بولنا (۳) کسی کی غیبت و برائی کرنا (۴) کسی کے اوپر تہمت لگانا (۵) گالی دینا یا فحش باتیں کرنا، ڈانٹنا، پھٹکارنا، یہ باتیں ایک مسلمان کے لئے ہر وقت حرام ہیں لیکن اگر احرام کی حالت میں ان کا صدور ہو جائے تو ان کی حرمت اور گناہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے لڑائی اور جھگڑے سے بچنے کا تذکرہ تو قرآن نے خاص طور پر حج کے سلسلے میں کیا ہے وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ یعنی حج میں کسی طرح کی برائی اور لڑائی جھگڑا نہ ہونا چاہیئے۔ دیکھا گیا ہے حج کرنے والے سب سے زیادہ ان جرموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان پانچوں چیزوں کے علاوہ چند اور چیزیں ہیں جو عام حالت میں مسلمان کے لئے حلال ہیں بلکہ ان میں سے بعض چیزوں کا استعمال تو مستحب ہے لیکن احرام کی حالت میں یہ حلال چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں۔

(۱) خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا (۲) بدن کے کسی حصہ کا بال منڈانا (۳) ناخن اور مونچھیں وغیرہ کتروانا (۴) موزے پہننا (۵) عمامہ باندھنا یا ٹوپی پہننا (۶) سلے ہوئے کپڑے پہننا (۷) خوشبو لگانا یا تیل لگانا یا سونگھنا (۸) عورت سے ہمکنار ہونا۔ یا ان سے لطف محبت کی باتیں کرنا۔ قرآن نے خاص طور پر رَفَثْ سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ رفث میں شہوت کی تمام باتیں شامل ہیں۔

یہ تمام باتیں خواہ قصداً کی جائیں۔ یا بھول کر، بیداری میں کیجائیں یا سونے میں ہو جائیں ہر حال میں کفارہ دینا ہوگا بعض کا کفارہ قربانی ہے اور بعض کا صدقہ۔ محرم اگر ان میں سے کسی چیز کا بھی ارتکاب کرے گا تو اس کو بعض صورتوں میں اس غلطی کے بدلے میں ایک قربانی کرنا ہوگی، اور بعض صورتوں میں صرف صدقہ دینا ہوگا۔ اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل کی جاتی ہے۔

شکار شکار کرنے میں خود شکار کرنا ہی شامل نہیں ہے بلکہ شکار کرنے والوں کو شکار کا مشورہ دینا اور مدد دینا بھی شامل ہے۔ مثلاً کسی نے شکار کیا اور آپ نے حالتِ احرام میں اس کو ذبح کرنے کے لئے چھری یا چاقو دے دیا، یا آپ نے شکار کرنے کے لئے اپنی بندوق یا کارتوس دے دیا تو آپ نے ایک جرم کیا۔ آپ کو اس کا کفارہ دینا ہوگا کفارہ اور صدقہ کا ذکر آگے آئے گا۔

۲۔ کسی پرندے کا پر، اس طرح اکھاڑ دینا کہ وہ اُڑ نہ سکے۔ شکار ہی میں شامل ہے۔

۲۔ بال منڈانا

(۱) اگر سر، داڑھی یا مونچھ کے چوتھائی یا اس سے زیادہ بال کاٹے یا منڈائے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔ اب سوچئے کہ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں پوری داڑھی منڈا ڈالتا ہے تو وہ کتنا زیادہ گنہ گار ہو جاتا ہے۔ داڑھی منڈانا تو یوں بھی حرام ہے اور حالتِ احرام میں اس کا گناہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اب کوئی یہ سوچ کہ داڑھی منڈا کر قربانی کردے گا تو یہ قربانی تو حالتِ احرام کی غلطی کا بدلہ ہے۔ اس گناہ کا بدلہ تو نہیں ہے جو داڑھی منڈانے میں ہوتا ہے۔

(۲) اگر کسی نے ایک بغل یا دونوں بغلیں یا ناف کے نیچے کے بال مُنڈ لئے تو اس پر ایک قربانی واجب ہوگی۔

(۳) وضو کرنے یا کھجلانے یا کنگھی کرنے میں جو بال گر جاتے ہیں، ان میں بھی بعض فقہاء کے نزدیک پورا صدقہ دینا ضروری ہے۔ اور بعض کے نزدیک دو چار آنے صدقہ کر دینا کافی ہے۔

۳۔ ناخن کتروانا

(۱) حالتِ احرام میں ناخن کتروانا یا خود کاٹنا منع ہے۔ اگر پورے ایک ہاتھ کے ناخن کاٹ ڈالے تو ایک قربانی ہوگی اور اگر ایک ہاتھ کے پورے ناخن نہیں کاٹے بلکہ دو ایک انگلی ہی کے کاٹے تو صرف صدقہ کرنا ہوگا۔

(۲) اگر دونوں ہاتھوں کے ناخن ایک ساتھ کاٹے تب بھی ایک ہی قربانی ہوگی۔ اگر دو وقتوں میں کاٹا تو دو قربانی ہوگی، اور اگر اس سے زیادہ موقع پر کاٹا تو اس سے زیادہ قربانی ہوگی۔

۴۔ سلے ہوئے کپڑے پہننا

(۱) کسی طرح کا سِلا ہوا کپڑا پہننا، مثلاً کُرتہ، قمیص، پاجامہ، شروانی، بنیائن، سوئٹر وغیرہ حرام ہے۔ اگر دن بھر پہنے رہا تو ایک قربانی واجب ہوگی۔ اسی طرح جو حصہ کہ احرام میں کُھلا رکھنا واجب ہے، مثلاً سر، پورا چہرہ، کان، ناک آنکھ، ہاتھ، پیر وغیرہ، ان کو اگر ایک منٹ کے لئے بھی بغیر عذر کے چھپا لیا تو یہ حرام کام کیا۔ البتہ اگر دن بھر اسی حالت میں رہا تو قربانی واجب ہوگی۔ مثلاً سر پر ٹوپی پہن لی، پگڑی باندھ لی۔ یا پیر میں موزہ پہن لیا۔ یا ہاتھ میں دستانہ پہن لیا، یا رومال یا چادر سے منھ ڈھانک لیا۔ یہ سب باتیں حرام ہیں۔ اگر تھوڑی دیر ایسا کیا تو صدقہ کرنا چاہیئے۔

(۲) اگر بیماری کے سبب سے سِلا ہوا لباس پہننے یا مُنھ یا سر وغیرہ چُھپانے کی ضرورت

پیش آجائے تو سِلا ہوا کپڑا پہن لے اور کھلے ہوئے اعضا چھپالے مگر اس صورت میں اس کو کفارہ دینا ہوگا یعنی ایک قربانی کرنی ہوگی۔

(۳) سر اور منھ کے علاوہ اگر کسی حصہ پر بغیر کسی عذر کے پٹّی وغیرہ باندھ لے تو یہ مکروہِ تحریمی ہے اور اگر عُذر کے ساتھ باندھ لے تو جائز ہے۔

(۴) احرام کی چادر میں یا تہ بند میں گرہ دینا، کسی ڈوری، ازار بند وغیرہ سے ان کو کسنا یا سیفٹی پن وغیرہ لگانا بھی مکروہ ہے۔

(۵) اگر سِلا ہوا کپڑا اپنے بدن پر صرف ڈال لے اور اس سے وہ اعضا نہ چھُپیں جن کا کھُلا رکھنا ضروری ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۵۔ خوشبو لگانا

(۱) احرام باندھتے وقت تو خوشبو لگانا مستحب ہے لیکن اس کے بعد پھر کسی خوشبو کا استعمال کرنا ممنوع ہے۔ خواہ خوشبو جسم اور کپڑے پر لگائی جائے یا سُونگھی جائے یا کوئی خوشبودار چیز کچی کھائی یا پی جائے۔ سب ممنوع ہے۔ مثلاً عطر سینٹ وغیرہ کا لگانا اور سُونگھنا، زعفران، مُشک، کافور، عنبر، لونگ، الائچی کا خوشبو کے لئے احرام کے کپڑے میں باندھنا یا خام حالت میں ان کا کھانا ممنوع ہے۔ اگر ان کو استعمال کرے گا تو ایک قربانی دینا ہوگی۔ لیکن اگر یہ چیزیں کھانے میں ڈال کر یا یوں ہی پکا لی جائیں تو چاہے کھانے میں ان کی خوشبو آتی ہی کیوں نہ ہو ممنوع نہیں ہے، البتّہ کراہت ہے۔ (عالمگیری)

تمباکو خواہ پینے والی ہو یا کھانے والی، اس کا استعمال بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح سگار اور سگریٹ سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۲) اسی طرح کسی خوشبودار پھل مثلاً سنترہ یا لیمو کی خوشبو سونگھنا یا خوشبودار پتّی، مثلاً پودینہ کی پتّی، خس وغیرہ کی خوشبو سونگھنا مکروہ ہے، اگرچہ ان کے سونگھنے سے صدقہ یا قربانی لازم نہیں آتی (عالمگیری، ج ۱، صفحہ ۲۴۲) اگر یہ چیزیں کھانے میں ڈال کر پکالی جائیں تو پھر کراہت نہیں رہتی [1]

---

[1] در مختار، ج ۲ صفحہ ۳۱۲

(۳) عورت کو مہندی وغیرہ لگانا بھی ممنوع ہے۔ اگر لگائے گی تو ایک قربانی دینی ہوگی۔

۶۔ عورت سے قریب ہونا

مُحرم کے لئے سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ احرام کی حالت میں عورت سے یا کسی اور ذریعہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرے یا ایسی باتیں کریں جن سے جنسی خواہش پیدا ہو۔ چنانچہ اوپر قرآن کی آیت اور حدیث گزر چکی ہے جن میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث دونوں میں رَفَثْ سے روکا گیا ہے۔ رَفَثْ میں وہ تمام افعال داخل ہیں جن سے انسان کے جنسی جذبات کی تسکین ہو جائے یا وہ برانگیختہ ہو جائیں یعنی مباشرت کے ساتھ اس میں لطف و محبّت کی باتیں اور بوس و کنار بھی داخل ہے اس سلسلہ میں چند اور باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

(۱) اگر کوئی نویں ذوالحجہ سے پہلے عورت سے مباشرت کرے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا۔ دوسرے سال اس کی قضا بھی کرنی پڑے گی اور اس جرم میں ایک قربانی بھی کرنی ہوگی۔

(۲) عورت سے ایسا میل جول کرنا جس سے دونوں کو صرف لذّت حاصل ہو، مثلاً بوس و کنار، دونوں پر گناہ ہے۔ کفارہ دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) بعض غلطیوں کے بدلے میں تو ایک قربانی ضروری ہوتی ہے یعنی ایک بھیڑ، یا بکری یا دُنبہ کی قربانی (۲) اور بعض صورتوں میں صدقہ دینا ہوتا ہے۔ صدقہ سے مُراد اتنا غلّہ یا اس کی قیمت ہے جتنا صدقۂ فطر میں دیا جاتا ہے، دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک صدقہ فطر کئی مسکینوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور حج کا صدقہ صرف ایک ہی آدمی کو دینا چاہیئے۔

بعض چھوٹی موٹی غلطیاں ایسی بھی ہیں جن کے بدلے میں دو چار آنے پیسے خیرات کر دینا بھی کافی ہوتے ہیں، مگر وہ بہت کم ہیں، مثلاً جُوں اور کھٹمل مارنا، بدن کو خوب مَل مَل کر نہانا وغیرہ۔

جس غلطی پر مُفرِد پر ایک صدقہ یا ایک قربانی ہوگی، قارِن پر دو، اور متمتع نے اگر احرام کھول دیا تو اس کا حکم مُفرِد کا ہے، ورنہ قارِن کا۔

جو باتیں احرام میں مُباح ہیں

(۱) اگر کوئی سلا ہوا کپڑا اوپر سے اس طرح ڈال لیا جائے کہ سر اور منھ کھلا رہے تو جائز ہے۔

(۲) روپے وغیرہ کی حفاظت کے لئے کمر میں پٹکا وغیرہ باندھنا یا بٹوہ یا تھیلی بنا کر لٹکا لینا جائز ہے (۳) بدن کا میل چھڑائے بغیر نہانا (۴) کسی چیز کے سایہ میں بیٹھنا یا چھتری وغیرہ لگانا (۵) پلے ہوئے جانور، مثلاً اونٹ، گائے، بکری، دُنبہ، بھیڑ یا مُرغ کو ذبح کرنا، یا پکانا، یا ان کا دُودھ دُوہنا اور پینا (۶) سر کے نیچے تکیہ رکھنا (۷) گھی تیل کو کھانا یا ان کا بدن پر ملنا جائز ہے مگر تیل خوشبو دار یا خوشبو میں بسایا ہوا نہ ہو۔ مثلاً تِل کا تیل کڑوا تیل یا بادام کا تیل ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے (۸) موذی جانوروں کے مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً سانپ، بچھو، بھڑ۔ ان کے علاوہ چوہا، کوّا، کھٹمل، مچھر اور جُوں کو بھی مارا جا سکتا ہے، لیکن کھٹمل وغیرہ کو چارپائی یا کپڑے سے نکال کر گرم زمین پر ڈالنا یا گرم پانی سے ان کو مارنا مناسب نہیں ہے۔ بعض فقہاء نے تین چار سے زیادہ کھٹمل یا جوں وغیرہ مارنے میں ایک صدقہ ضروری قرار دیا ہے اس لئے اس سلسلے میں احتیاط لازم ہے۔

طواف

حج کا دوسرا فرض طواف ہے جس جگہ طواف کیا جاتا ہے اس کو مُطاف کہتے ہیں؛ طواف تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک طواف سُنّت ہے، دوسرا فرض اور تیسرا واجب ہے۔

۱۔ طوافِ قدوم

طوافِ قدوم یا طوافِ تحیّۃ یعنی حرم میں آنے اور اس کو سلام کرنے کا طواف یہ طواف سنّتِ مؤکّدہ ہے، یہ ان لوگوں پر واجب ہے جو مکہ سے باہر کے رہنے والے ہیں اور حجِ افراد یا قِران کی نیت کی ہے۔ مفرد اور قارِن میں صرف اتنا فرق ہے کہ قارِن پہلے عمرہ کا طواف کرے گا، اس کے بعد طوافِ قدوم کرے گا۔ اور مفرد صرف طوافِ قدوم کرے گا۔ اور متمتع پر طوافِ قدوم ضروری نہیں ہے طوافِ قدوم مسجدِ حرام میں پہنچتے ہی کرنا ضروری ہے۔

۲۔ طوافِ زیارت یا طوافِ افاضہ

یہ طواف فرض اور رُکنِ حج ہے، اگر یہ چھوٹ جائے تو حج فاسد ہو جائے گا اور اس کی ساری محنت اکارت جائے گی، اس کو دوسرے سال اس فرض کا ادا کرنا ضروری ہو گا

طوافِ زیارت کا وقت

اِس طواف کا سب سے افضل وقت دسویں ذوالحجہ ہے جب حلق اور قربانی وغیرہ سے فارغ ہو جائے لیکن اگر

کسی مجبوری کی وجہ سے ۱۰ ذوالحجہ کو نہ کر سکے تو پھر گیارہ تاریخ کو، اگر گیارہ کو بھی موقع نہ ملے تو ۱۲ر تاریخ کو ادا کرے، اگر ۱۲ر کو بھی نہ ادا کرے گا تو اس کو دوسرے سال اس فرض کو ادا کرنا ہوگا۔

۳- طوافِ وِداع یا طوافِ صَدَر

حج سے فراغت کے بعد جب مکّہ مکرّمہ سے رخصت ہونے لگے تو ایک بار پھر کعبہ کا طواف کر لینا چاہیئے۔ اسی واپسی اور رخصتی طواف کو طوافِ صَدَر یا طوافِ وداع کہتے ہیں۔ یہ طواف واجب ہے۔ مکّہ معظّمہ کے رہنے والوں کے لئے نہ طوافِ قدوم ہے اور نہ طوافِ وِداع، اس لئے کہ وہ نہ تو کہیں سے آتے ہیں کہ طوافِ قدوم کریں اور نہ کہیں جاتے ہیں کہ رخصتی طواف کریں۔

طواف کا مسنون طریقہ

آفاقی یعنی مکّہ سے باہر کے رہنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکّہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے مسجدِ حرام میں نہایت ہی احترام اور خشوع وخضوع سے داخل ہوں اور جوں ہی کعبہ مقدسہ پر نظر پڑے تکبیر و تہلیل اور پھر درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھیں:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔	اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف کر دے اور میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔

اس کے بعد وہاں سے نکل کر پھر طواف کرنے کی کوشش کریں۔ مسجدِ حرام سے نکلتے وقت یہ دُعا پڑھیں:۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ وَسَهِّلْ لِيْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ۔	اے میرے اللہ! میرے لئے اپنے فضل وکرم کے دروازے کھول دے اور رزق کے ذرائع میرے لئے آسان کر دے۔

طواف کرنے والے کو چاہیئے کہ طواف کرنے سے پہلے اپنی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالے یعنی سیدھے اوڑھنے کے بجائے اس کو ترچھا کرے، اس کو شریعت میں اضطِباع کہتے ہیں۔ اضطِباع کے بعد کعبہ کی طرف رُخ کر کے سنگِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان کھڑا ہو کر پھر طواف کی یہ نیت کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ طَوَافَ بَيْتِكَ	اے اللہ! میں تیرے محترم گھر کا طواف کرنا

الْمُحَرَّمَ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي (هدایه)	چاہتا ہوں تو میرے لئے اس کا ادا کرنا آسان کردے اور اس کو قبول فرمالے۔

نیت کے بعد خانہ کعبہ کی طرف منھ کئے ہوئے اپنے داہنے جانب چلے۔ جب حجر اسود کے قریب پہنچ جائے تو دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف رہیں۔ اور بسم اللہ والحمد للہ واللہ اکبر ولا الٰہ الا اللہ [1] والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ پڑھ کر حجرِ اسود کا اِستلام کرے۔ استلام کے بعد یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [2]	اے اللہ! میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ طواف و استلام تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کر رہا ہوں۔

اِس کے بعد وہ کعبہ کے دروازہ کی طرف بڑھے، جب حجرِ اسود کے سامنے سے گزر جائے تو پھر خانہ کعبہ کو اپنے بائیں جانب کر کے حطیم کے باہر سے ہو کر گزر جائے۔ حطیم کی زمین خانۂ کعبہ کے حکم میں ہے اگر وہ ذرا بھی چھوٹ گئی تو طواف ناقص رہے گا۔ کعبہ کے چار گوشے ہیں، پہلے کو رُکنِ عراقی، دوسرے کو رُکنِ شامی، تیسرے کو رُکنِ یمانی اور چوتھا گوشہ جہاں حجرِ اسود نصب ہے۔ اس طرح پورے بیتُ اللہ کا چکّر لگاتا ہوا پھر حجرِ اسود کے پاس آجائے اور اِستلام کرے اب اس کا ایک شوط (ایک چکّر) ہو گیا۔ اس طرح وہ سات چکر لگائے۔ مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے تینوں پھیروں میں رَمَل کریں، طواف کے درمیان اور اس کے بعد مُلْتَزَم، میزابِ رحمت، مستجار، رکنِ عراقی اور رُکنِ یمانی یہ سب دعا کے مواقع ہیں۔ ان مقامات پر پہنچے تو ٹھہر کر دعا کرے۔

ملتزم کی دُعا ملتزم پر دونوں ہاتھ پھیلا کر حضورِ قلب سے جو جائز دعا چاہے کرے خاص طور پر یہ دعا پڑھے:۔

---

[1] ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلم ابتدأ بالحج فاستقبلہ وکبر وھلل۔ (ابوداؤد، بخاری) [2] اس دعا سے معلوم ہوتا ہے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

یَا وَاجِدُ یَا مَاجِدُ لَا تُزِلْ عَنِّیْ نِعْمَۃً اَنْعَمْتَہَا عَلَیَّ	اے قدرت والے، اے عزت والے مجھ سے اپنی وہ نعمت نہ چھینا جو تو نے عطا فرمائی ہے

میزابِ رحمت کی دُعا

میزابِ رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر پورے سوزِ دل کے ساتھ یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَا یَزُوْلُ وَیَقِیْنًا لَا یَنْفَدُ وَ مُرَافَقَۃَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو مجھ سے کبھی جدا نہ ہو اور ایسا یقین مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور قیامت میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں
اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِکَ وَاسْقِنِیْ بِکَاْسِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرْبَۃً لَا ظَمَأَ بَعْدَھَا اَبَدًا۔	اے اللہ! مجھے قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے، اس دن تیرے عرش کے علاوہ اور کہیں سایہ نہ ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوضِ کوثر سے ایسا پیالہ پلا کہ پھر اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوں۔

مقامِ ابراہیم میں نماز

طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم پر آئے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر ملتزم پر جا کر خوب گڑگڑا کر دعا کرے، پھر زمزم پر جائے اور کھڑے ہو کر تین سانس میں اس کا پانی پیئے۔

مقامِ ابراہیم کی دُعا

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مَقَامُ اِبْرَاھِیْمَ	اے اللہ! یہ تیرے خلیل حضرت ابراہیم کا مقام ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ مسلمان کسی چیز کو بالذات نافع وضار نہیں سمجھتا، یہ اِستلامُ جس میں غیر اللہ کی عظمت کا ذرا سا شائبہ معلوم ہوتا ہے وہاں وہ یہ اظہار کرتا جا رہا ہے کہ ایسا وہ خدا کے حکم اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع میں کر رہا ہے ورنہ اس پتھر کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ تو منزلِ محبت کا ایک نشانِ راہ ہے۔

اَلْعَائِذِ بِالْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ حَرِّمْ لُحُوْمَنَا وَبَشَرَتَنَا عَلَى النَّارِ

جنھوں نے اس وقت تیری پناہ ڈھونڈی اور تیرا سہارا لیا جب کافروں نے انھیں آگ میں ڈالا تھا جس طرح تو نے انھیں آگ سے بچایا، ہمارے گوشت و پوست کو بھی دوزخ کی آگ سے بچا۔

اسی طواف کا نام طوافِ قدوم ہے جو ہر آفاقی پر جس نے اِفراد یا قران کی نیت کی ہے، ضروری ہے۔ متمتع کے لئے یہ طواف ضروری نہیں ہے، اسی طرح طوافِ زیارت اور طوافِ وداع بھی کرے۔

طوافِ زیارت

طوافِ قدوم میں رَمل اور اضطباع کرچکا ہے تو فرض طواف یعنی طواف زیارت میں ضروری نہیں ہے، اور اگر نہیں کیا ہے تو اس میں کرلے۔

طوافِ وداع

طوافِ وداع میں یہ دونوں چیزیں ضروری نہیں ہیں۔

عورتوں کا طواف

عورتیں بھی اس طرح طواف کریں جس طرح اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ صرف وہ دو باتیں نہ کریں یعنی رَمل اور اضطباع یعنی نہ وہ طواف میں اکڑ کر اور بازو ہلا کر چلیں اور نہ اپنی چادر کو بغل سے نکال کر اوڑھیں۔

دُعا

طواف کے درمیان یا اس کے بعد جن مواقع پر دعا کرنے کا حکم ہے وہاں ہر طواف کے بعد دعا کرنی چاہیئے اور جو دعائیں لکھی گئی ہیں ان کے علاوہ جو جائز دعا چاہے کرے مگر اس مبارک سفر میں کوئی ناجائز دعا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہر دعا سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھ لیا جائے تو یہ چیز قبولیت کا سبب ہوگی۔

جو چیزیں طواف میں واجب ہیں

طواف میں سات چیزیں واجب ہیں (۱) طہارت (۲) سترِ عورت (۳) طواف کی ابتداء اپنے داہنے جانب سے کرنا اور کعبہ کو بائیں رکھنا (۴) اگر کوئی عذر نہ ہو تو پیدل طواف کرنا (۵) کھڑے ہوکر طواف کرنا (۶) حطیم کے باہر سے طواف کرنا (۷) سات پھیرے کرنا۔

اگر ان میں سے کوئی بات چھوٹ جائے گی یا قصداً چھوڑ دی جائے گی تو اس کو دوبارہ کرنا ضروری ہوگا۔ یا اگر اعادہ نہ کرے تو پھر ایک قربانی دینی ہوگی جس طرح نماز میں واجب کے ترک سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے حج و طواف میں واجب کے ترک سے قربانی لازم آتی ہے۔

جو چیزیں طواف میں حرام ہیں

۱۔ بغیر وضو طواف کرنا، اگر غسل کی ضرورت ہو تو پھر غسل کرنا بھی ضروری ہے۔ (۲) ستر کا کھلا رکھنا یعنی گھٹنے سے ناف تک کوئی حصّہ کھول دینا یا اس کا کھل جانا (۳) کعبہ کو اپنے داہنے جانب رکھ کر الٹا طواف کرنا (۴) بغیر کسی مجبوری کے سواری پر طواف کرنا (۵) حطیم کے اندر ہو کر طواف کرنا (۶) بیٹھ کر طواف کرنا (۷) سات پھیروں سے کم طواف کرنا۔

کفّارہ

اگر بغیر وضو طواف کرے تو اس کا کفارہ ایک بھیڑ، یا بکری یا دُنبے کی قربانی ہے اور اگر جنابت کی حالت میں بغیر غسل طواف کر لیا تو ایک گائے یا اونٹ کی قربانی کرنی ہوگی اس لئے کہ یہ بہت بڑا جُرم ہے کہ کوئی عبادت ناپاکی کی حالت میں کی جائے۔ ان کے علاوہ تمام غلطیوں میں یا پھر سے طواف کا اعادہ کرے ورنہ ایک قربانی کرنی ہوگی۔

طوّاف کے مکروہات

یہ باتیں طواف میں مکروہ ہیں۔ (۱) جسم یا کپڑے پر نجاستِ خفیفہ یا غلیظہ لگی ہو اور اسی حالت میں طواف کرنا (۲) ذکر و دعا کے بجائے فضول باتیں کرنا (۳) کوئی چیز کھانا (۴) خرید و فروخت کرنا (۵) ایک دو پھیرے کے بعد دیر تک بیٹھ جانا (۶) ایک طواف پورا کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھنے سے پہلے پھر دوسرا طواف شروع کر دینا (۷) رَمل یا اضطباع چھوڑ دینا۔ (۸) حجرِ اسود کا اِستِلام نہ کرنا بھیڑ ہو تو اس میں دھکّا دے کر جانا ضروری نہیں ہے بلکہ اشارہ سے دور سے ہی اپنا ہاتھ اس طرف پھیلا کر ان کا بوسہ لے لے (۹) ذکر یا دُعا بہت زیادہ چلّا چلّا کر پڑھنا۔ اگر دوسرے لوگ ایسا کرتے ہوں تو ان کو بُرا بھلا نہ کہنا چاہیئے خود اس سے گریز کرنا چاہیئے، عموماً جُہلا بہت شور کرتے ہیں۔

سَعِی

طواف کرنے کے بعد سعی کرنی بھی ضروری یعنی واجب ہے۔ سعی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حجرِ اسود کے پاس آکر اس کا اِستلام کرے، پھر بابُ الصّفا سے ہو کر صفا کی طرف جائے اور اس کے اوپر چڑھ جائے اور وہاں دعا کرے، پھر وہاں سے اُتر کر مروہ کی طرف چلے۔ ان دونوں کے درمیان دو نشان بنے ہوئے ہیں جن کو مِیلَینِ اَخضَرین کہتے ہیں۔ جب پہلے میل پر پہنچے تو ہلکی رفتار سے دوڑنا شروع کرے، دوڑنے میں نہ بہت زیادہ تیز دوڑے اور نہ کسی کو دھکّا دے

اور نہ کسی طرح کی اذیت پہنچائے، جب دوسرے میل پر پہنچے تو دوڑنا موقوف کر دے اور معمولی رفتار سے مروہ تک جائے اور مروہ پر بھی چڑھ جائے اور دعا کرے، اب اس کا ایک چکر پورا ہو گیا۔ اس طرح سات پھیرے صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک کرے، قرآن میں صفا و مروہ کو شعائر اللہ کہا گیا ہے یعنی یہ خدا کی مقرر کردہ نشانیاں ہیں اور ان کی سعی کا حکم دیا گیا ہے۔ اکثر ائمہ کے یہاں یہ فرض ہے۔

سعی کی دعا صفا اور مروہ پر چڑھنے کے بعد اور اترنے کے وقت کے لئے بہت سی دعائیں حدیث میں آئی ہیں۔ خاص طور پر اس وقت تکبیر و تہلیل ضرور کہنی چاہیئے۔ ایک دعا لکھ دی جاتی ہے:-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○	اللہ کے علاوہ کوئی مالک نہیں، وہ اکیلا مالک ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، ساری بادشاہت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت لاتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس دعا کو سعی کے دوران بار بار ہلکی آواز سے پڑھیئے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔	اے میرے رب بخش اور میرے اوپر رحم فرما وہ گناہ جو تیرے علم میں ہیں انہیں معاف کر دے تو غالب اور بہت زیادہ کریم ہے۔

سعی میں جو چیزیں واجب ہیں (۱) صفا اور مروہ کے درمیان سات بار یا اس سے زیادہ پھیرا کرنا (۲) پیدل چل کر سعی کرنا (۳) سعی طواف کے بعد کرنا، اگر کسی نے سعی نہیں کی توجہ ہو گیا مگر واجب ترک ہوا ہے، اس لئے اس واجب کے ترک کی وجہ سے ایک قربانی دینی ہوگی۔ سعی بھی باوضو کرے اور اس وقت پورے طور پر خدا کی طرف متوجہ رہے۔ ادھر ادھر کی باتوں اور پریشان کن خیالات میں نہ رہے۔

سعی میں کیا باتیں مکروہ ہیں (۱) صفا و مروہ پر نہ چڑھنا (۲) صفا کے بجائے مروہ سے

سعی شروع کرنا (۳) پورے سات پھیرے نہ کرنا (۴)، مِیلَین اُخضَرین کے درمیان نہ دوڑنا، (۵) میلین کے علاوہ دوڑنا۔

عورتوں کی سعی عورتیں بھی اسی طرح سعی کریں، البتہ ان کو میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا نہ چاہیئے، بلکہ معمولی رفتار سے جانا چاہیئے۔

مِنٰی میں طوافِ قدوم اور سعی سے فارغ ہونے کے بعد جب تک مکہ میں رہے موقع بہ موقع کعبہ کا طواف کرتا رہے، طواف اس طرح کرے جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں رَمَل اور طواف کے بعد سعی نہ کرے۔ پھر آٹھویں ذوالحجہ کی فجر کی نماز حرم میں پڑھ کر منٰی روانہ ہو جائے اور ایک دن وہاں ٹھہر کر نویں تاریخ کو عرفات روانہ ہو جائے منٰی میں آٹھویں تاریخ کو حج کی کوئی عبادت نہیں کی جاتی۔ صرف وہاں آٹھ تاریخ کو پہنچنا، اور نویں کی صبح کو وہاں سے عرفات کو روانہ ہونا سنّت و عبادت ہے۔ عرفات پہنچنے اور وہاں ٹھہرنے کی تفصیل یہ ہے۔

وقوفِ عرفات یہ حج کا تیسرا فرض ہے، فرض ہونے کی حیثیت سے احرام، طوافِ زیارت اور وقوفِ عرفات تینوں برابر ہیں۔ لیکن ان دو فرضوں کے ادا کرنے کے وقت میں کافی وُسعت ہے لیکن وُقوف کا ایک خاص وقت متعین ہے۔ اگر اس میں تاخیر ہو گئی تو سرے سے حج نہ ہو گا۔ مثلاً طوافِ زیارت دس، گیارہ، بارہ تین تاریخوں میں کر سکتا ہے۔ اگر تین دنوں میں بھی نہ کیا تو بعد میں ذوالحجہ کے آخر تک کرلے اور اس تاخیر کے جُرم میں ایک قربانی کر دے اگر محرم کا مہینہ آگیا تو پھر دوسرے سال کا انتظار کرنا پڑے گا، لیکن وقوف کا وقت مقرر ہے۔ اگر اس میں تاخیر ہو گئی تو اس کی تلافی کوئی چیز نہیں کر سکتی۔

وقوفِ عَرفات کا وقت وقوفِ عَرفات کا وقت نویں تاریخ کو ظہر کے وقت سے لے کر یا سورج غروب ہونے تک ہے۔ اس درمیان میں جب بھی وہاں پہنچ کر کچھ دیر ٹھہر جائے گا وقوف کا فرض ادا ہو جائے گا لیکن جن آداب کے ساتھ وقوف کرنا چاہیئے وہ یہ ہیں:۔

وقوف کی سنتیں اور آداب بہتر یہ ہے کہ نویں تاریخ کو نماز فجر منٰی میں پڑھے اور طلوعِ

آفتاب کے بعد میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہوجائے۔ یہاں پہنچ کر اپنی قیام گاہ پر جائے اور حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہوکر دوپہر سے پہلے غسل کرے اور کپڑے بدلے اور پھر زوال کے وقت تک غسل و وضو سے فارغ ہوکر مسجدِ نمرہ کی طرف روانہ ہو۔ زوال کے بعد ہی یہاں امام جمعہ کی طرح دو خطبے دے گا۔ اس کو غور سے سنے۔ خطبہ کے بعد فوراً ظہر کی نماز کی تکبیر ہوگی، ظہر کی نماز با جماعت پڑھے۔ ظہر کی نماز کے بعد ہی عصر کی فرض نماز کی تکبیر ہوگی۔ دونوں نمازیں یہاں ساتھ ساتھ پڑھی جائیں گی۔ اور درمیان میں کوئی سنت اور نفل نہ ہوگی۔ صرف دونوں نمازوں میں ایک تکبیر کا فرق ہوگا، اذان بھی دونوں نمازوں کے لئے ایک ہی ہوگی۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ظہر و عصر کی نمازیں ساتھ ساتھ اسی صورت میں پڑھنی چاہئیں جب وہ احرام کی حالت میں ہو اور جماعت سے نماز پڑھنی ہو، تنہا دونوں نمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے۔ نماز سے فارغ ہوکر امام مَوقف کی طرف روانہ ہوگا۔ یہ جگہ جبلِ رحمت کے قریب ہے۔ تمام لوگوں کو امام کے ساتھ ہی موقف کی طرف روانہ ہونا چاہیئے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں دعا کی تھی اور نماز ادا فرمائی تھی عموماً مُطوِّف ڈراتے ہیں کہ بڑا ہجوم ہے، موقف کی طرف نہ جاؤ لیکن ان کا کہنا نہ ماننا چاہیئے اور ضرور جانا چاہیئے۔ لیکن اگر راستہ بھول جانے کا خطرہ ہو تو اپنی جگہ پر ہی جماعت کر لینا چاہیئے۔

بُطنِ عُرنہ

عُرفات میں ایک مقام بُطنِ عُرنہ ہے۔ اس جگہ کے علاوہ عرفات کے پورے میدان میں جہاں چاہے ٹھہرے۔ اگر جبلِ رحمت کے قریب ٹھہرے تو اور بہتر ہے۔ لیکن کسی مقام میں ٹھہرنے کے لئے کسی کو اذیت دینا جائز نہیں ہے۔ مَوقف پر پہنچ کر سواری کے اوپر یا اگر سواری نہیں ہے تو کھڑے ہوکر خدا سے دعا مانگے اور غروب آفتاب تک ذکر و دعا میں مشغول رہے، یہاں جتنی دیر تک رہے سیر و تفریح اور فضول باتوں میں وقت کو برباد نہ کرے، بلکہ پوری توجہ، حضورِ قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ خدا سے اپنی دینی اور دُنیوی بھلائی، اُمتِ مسلمہ کی ہدایت اور اپنی آخرت کی کامیابی کے لئے دعا کرے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ شیطان کو آج سے زیادہ کسی دن ذلّت و خواری نصیب نہیں ہوئی اس لئے کہ جب اس نے دیکھا کہ آج بندوں کا بڑے سے بڑا گناہ معاف ہوجاتا

ہے تو وہ بہت مایوس ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ رحمت پر جس گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگی تھی اس کا نقشہ صحابہؓ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَدْعُو بِعَرَفَةَ يَدَاهُ إِلَى صَدْرِهِ كَاسْتِطْعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔	حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفات میں اس طرح دعا کرتے ہوئے دیکھا کہ آپؐ کے دونوں ہاتھ سینے کے برابر پھیلے ہوئے تھے، اور اس طرح دعا مانگ رہے تھے جس طرح کوئی بھوکا مسکین گڑگڑا کر کسی سے روٹی کا ایک ٹکڑا مانگتا ہے۔

اور آپؐ کی دعا کیا تھی اور اس کا اثر کیا ہوا۔

دَعَا لِأُمَّتِهِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ فَأُجِيْبَ۔ (ابن ماجہ)	آپؐ نے امّت کی مغفرت اور آخرت میں کامیابی کی دعا فرمائی جو یہ دعا مقبول ہوئی۔

آپؐ نے اس موقع کے لئے امت کو ایک دعا بھی تلقین فرمادی ہے اور فرمایا کہ یہی دعا میں نے اور دوسرے انبیاء نے کی تھی، وہ یہ ہے:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ترمذی)

مُزدلفہ میں نویں تاریخ کو سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر تمام لوگ مُزدلفہ چلے جائیں اور وہاں پہنچ کر مغرب کا وقت ختم ہوچکا ہوگا لیکن اس کی پرواہ نہ کریں، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنّت ہے، جس طرح عرفات میں ظہر و عصر کی نماز بغیر کسی وقفہ کے پڑھی جاتی ہے گی۔ دونوں نمازوں میں صرف اتنا ہی وقفہ ہوگا کہ جتنا اقامت کہنے میں ہوتا ہے یہاں دونوں نمازوں کو ساتھ پڑھنے میں یہ شرط نہیں ہے کہ جماعت سے پڑھی جائے بلکہ کوئی تنہا بھی پڑھے تو ساتھ ہی ساتھ پڑھے، البتہ اس کو صرف اقامت کہنی چاہئے اذان کی ضرورت نہیں ہے۔

وادیٔ مُحسِّر مُزدلفہ میں ایک مقام وادیٔ محسر ہے اس مقام کے علاوہ ہر جگہ ٹھہرا جاسکتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں ابرہہ کی فوج کو جس نے کعبہ پر حملہ کیا تھا

خدا نے تباہ کر دیا تھا اور کعبہ کو اس سے بچا لیا تھا۔ چونکہ یہ عذابِ الٰہی کا مقام ہے اس لئے اس جگہ ٹھہرنے سے منع کیا گیا ہے۔ دس کی رات بھر مُزدلفہ میں رہنا چاہیئے۔ پھر فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے آج فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بہت ضروری ہے۔ نماز کے بعد جَبَل قُزَح کے پاس امام کھڑا ہو گا اس کے ساتھ تمام لوگ کھڑے ہو کر دعا کریں یہ دوسرا مقام ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دعا فرمائی ہے۔ آپؐ نے یہاں بھی اسی طرح دعا فرمائی ہے۔ جس طرح عرفات میں فرمائی تھی۔

پھر منیٰ میں مُزدلفہ سے دسویں تاریخ کی صبح ہی سورج نکلنے سے پہلے پھر منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں اور مُزدلفہ سے یا راستہ سے سات کنکریاں اپنے ساتھ لے لیں۔

جمرۂ عقبیٰ کی رمی اور پھر جمرۃ العقبہ کے پاس آکر نیچے کے حصے میں کھڑے ہو کر اس کو رمی کریں۔ بہتر ہے کہ ایک ایک کنکری باری باری اُس پر پھینکیں۔

جمرۃ العقبہ کے قریب سے کنکری نہ اٹھائیں۔ قریب ہی قریب یہاں دو اور جمرے ہیں ان کو آج رمی نہ کریں، بلکہ صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کریں۔

تلبیہ موقوف تلبیہ جو احرام کے وقت سے شروع کیا گیا تھا رمی سے پہلے ہی اس کو موقوف کر دیں۔

قربانی رمی کے بعد پھر قربانی کریں۔ قربانی کے بعد حلق کرائیں یعنی اپنا سر منڈا ڈالیں یا بالوں کو کتروالیں۔ عورتوں کے لئے بال منڈانا منع ہے۔ قرآن مجید میں قربانی اور سر منڈانے دونوں باتوں کا ذکر ہے، اسی لئے بال منڈانا بعض ائمہ کے نزدیک فرض ہے۔

اب احرام کی صرف ایک پابندی باقی ہے قربانی اور حلق یا تقصیر کر لینے کے بعد احرام کی دوسری پابندیاں ختم ہو گئیں مگر ایک پابندی اب بھی باقی رہے گی۔ وہ ہے رفث (یعنی نفسانی خواہش، کی تکمیل)، اس کی تفسیر اوپر آچکی ہے۔

طوافِ زیارت یہی طواف فرض ہے، اس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں۔ اگر اس دن یہ طواف نہ کریں تو پھر گیارہ یا بارہ کو کر لیں اور اس طواف میں بھی

ملتزم میں دعا کرنا، حجرِ اسود کا بوسہ لینا، مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔
اگر طوافِ قدوم میں رَمل اور سعی کر چکے ہیں تو رَمل و سعی نہ کریں ورنہ کرلیں۔

احرام کی تمام پابندیاں ختم

طوافِ زیارت کے بعد احرام کی تمام پابندیوں کے ساتھ وہ ایک پابندی بھی ختم ہوگئی یعنی رفث۔ طوافِ زیارت کرنے کے بعد حاجی کو چاہیئے کہ پھر منیٰ آجائے اور پھر دو دن تک وہاں ٹھہرے۔ اس دو دن میں اس کو صرف ایک ہی کام کرنا ہے۔

تینوں جمروں کی رمی

یعنی گیارھویں اور بارھویں دونوں دن میں مسجدِ خیف کے پاس جو تینوں جمرے ہیں ان کی رمی کرے، ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکے اور کنکری پھینکنے کے بعد تکبیر کہتا جائے، یعنی یہ اعلان کرتا رہے کہ ساری بلندیاں خدا کے لئے مخصوص ہیں۔ اس رمی میں پہلے جمرۂ اولیٰ کی پھر جمرۂ وسطیٰ کی، پھر جمرۂ عقبہ کی رمی کرے۔

پھر مکہ میں

بارہویں کو غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے مکّہ کے لئے روانہ ہو جائے۔ راستہ میں وادیِ مُحَصَّب میں کچھ دیر کے لئے اتر کر دعا وغیرہ پڑھے، اور بہتر ہے کہ نمازِ عشا بھی یہیں ادا کرے، پھر مکہ چلا آئے اور جب تک جی چاہے رہے۔ اور جب مکّہ سے رخصت ہونے لگے تو پھر آخری طواف جسے طوافِ وداع یا طوافِ صدر کہتے ہیں کرے۔

رمی کے مکروہات

رمی کرنے کے سلسلے میں یہ باتیں مکروہ ہیں: (۱) نجس کنکری پھینکنی (۲) جمرے کے پاس جو کنکریاں ہیں ان کو پھینکنا (۳) سات کنکری سے زیادہ پھینکنا (۴) کنکریوں کو مسلسل پھینکنا چاہیئے، اس میں تاخیر کرنا مکروہ ہے (۵) رمی کرتے وقت تکبیر چھوڑ دینا۔

رمی کی غلطیاں

اوپر ذکر آچکا ہے کہ حج میں واجب کے ترک یا اس کی تاخیر سے کفارہ لازم آتا ہے چنانچہ اس کی غلطیوں میں بھی کفارہ ہے (۱) دس، گیارہ، بارہ تاریخ کو رمی کرنا واجب ہے، کسی نے ان تاریخوں میں نہ کیا تو تیرھویں تک کر لینے کی اجازت ہے مگر اس صورت میں ایک قربانی دینی ہوگی (۲) اگر ایک دن کی رمی چھوٹ گئی یا رمی کی ترتیب اُلٹ گئی تو بھی قربانی ہے۔

(۳) اگر سات کنکری سے کم پھینکی تو ایک صدقہ ہے۔

قربانی حج میں جو قربانی کی جاتی ہے وہ حج کی قربانی ہوتی ہے۔ عید الضحیٰ کی قربانی آفاقی پر واجب نہیں ہوتی، اِس لئے کہ وہ مُسافر ہے۔

حَلَق کی غلطیاں (۱) حَلَق حرم کے حدود کے اندر کرنا چاہیئے۔ باہر کرائے گا تو ایک قربانی دینی ہوگی (۲) اسی طرح اگر ایامِ نحر یعنی دس، گیارہ، بارہ تاریخ کے بعد قربانی کی تو اس میں بھی ایک قربانی دینی ہوگی (۳) رمی سے پہلے حَلَق کرا لیا تو بھی ایک قربانی دینی ہوگی۔

حج کا پورا خاکہ اوپر حج کے فرائض، اس کے واجبات، اس کے سُنن اور آداب ومکروہات کا ذکر آچکا، اب یہاں مختصراً تمام کاموں کا ایک خاکہ دے دیا جاتا ہے:۔

جب گھر سے روانہ ہوں تو روانگی سے پہلے حتی الامکان بندوں کے جو حقوق آپ پر باقی ہیں، ان سب کو ادا کریں اور حق تلفی کی معافی مانگ لیں اور گناہوں سے توبہ واستغفار کریں گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھیں بِسْمِ اللّٰہِ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

میقات پر پہنچ کر سب سے پہلے احرام باندھے اور اسی وقت سے تلبیہ شروع کر دے، پھر خانہ کعبہ میں جاکر دعا کرے، پھر حجرِ اسود کا استلام کرے، پھر طوافِ قدوم کرے، طواف کی ابتدا حجرِ اسود سے کرے، اور اس کا اور رُکنِ یمانی کا استلام کرے، طوافِ قدوم میں اضطباع کرے، پہلے تین پھیروں میں رَمَل کرے، طواف میں پورے سات چکر لگائے۔ پھر طواف ختم کر کے مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھے، پھر ملتزم پر چمٹ کر دعا کرے، میزابِ رحمت کے قریب دعا کرے، اس کے بعد زمزم کا پانی پیئے، پھر سعی کرے، سعی میں میلَین اخضرین کے درمیان مردوں کو چاہیئے کہ وہ دوڑیں، سعی میں بھی سات چکّر لگائے جائیں، آٹھویں تاریخ کو منیٰ جائے، پھر نویں کو سُورج نکلنے کے بعد عرفات آئے اور وہاں ظہر وعصر کی نماز اکٹھا پڑھے پھر امام کے خطبہ کے بعد موقف میں کھڑا ہو کر دعا کرے بطن عرنہ کے علاوہ جہاں چاہے ٹھہرے پھر غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ جائے وہاں پہنچ کر دونوں نمازوں کو یعنی مغرب وعشاء کو ساتھ ساتھ پڑھے۔ وادی مُحَسِّر کے علاوہ ہر جگہ ٹھہرے، دس کی صبح کو پھر منیٰ آئے، اور جمرہ عقبہ کی رُمی کرے رمی سے پہلے تلبّیہ موقوف کر دے، اس کے بعد قربانی کر کے حَلَق یا تقصیر

کرائے، اب احرام کی پابندیاں ختم ہوگئیں طوافِ زیارت کر کے پھر منیٰ میں واپس آجائے اور گیارہ اور بارہ دونوں دن جمرہ کی رمی کرے، بارہ کو غروب آفتاب سے پہلے مکّہ کے لئے روانہ ہوجائے اور واپسی میں راستہ میں وادیٔ مُحصّب میں ٹھہر کر دعا کرے، پھر مکہ آکر جتنے دن چاہے ٹھہرے اور وہاں سے جب روانہ ہونے لگے تو طوافِ وداع کرے۔

حج کا مقصد اور اس کے فائدے

اوپر حج کے کچھ فوائد کا ذکر آچکا ہے۔ چند باتیں یہاں اور لکھی جاتی ہیں۔ حج کے پورے پروگرام پر نظر ڈالی جائے اور اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ (۱) یہ حج خدا کی اطاعت و محبت اور اس کی عبادت کی ایک تاریخی یادگار ہے۔ خدا کے اس گھر یعنی خانۂ کعبہ کے پاس پہنچتے ہی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء آئے ہیں ان کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ کی یاد جن کی نسل میں سب سے زیادہ انبیاء ہوئے ہیں، ہر ہر قدم پر تازہ ہوتی ہے۔ دین کے لئے ان کی ہجرت، خدا کی بے پناہ محبّت، خدا کی خوشنودی کے لئے اپنی محبوب سے محبوب چیز قربان کردینے کا جذبہ یہاں زندہ شکل میں نظر آتا ہے، اسی طرح یہاں پر نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں سے بھری ہوئی تیرہ سالہ مکی زندگی کے نہ جانے کتنے گوشے اور واقعات بیک نظر سامنے آجائیں گے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں نماز پڑھتے ہوئے آپ پر اوجھڑی ڈالی گئی، یہ حضرت اُم ہانی کا گھر ہے جہاں سے معراج ہوئی۔ یہ فاران کی وہ چوٹی ہے جہاں آپؐ کا پہلا وعظ ہوا، یہ مہبط جبریل ہے یہ دارارقم ہے جہاں چند بے نوا دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا منصوبہ بناتے تھے۔ یہاں سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی۔ غرض کہ آپ جس طرف سے گذریں گے، یہ مصرعہ پڑھیں گے ؏

کرشمہ دامنِ دِل می کشد کہ جا اینجا است

(۲) حج کے ہر رُکن سے توحید کا نقش دِل پر اُبھرتا ہے، قیامت کی باز پرس اور اس کی ہولناکی کا ایک ہلکا سا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ جس طرح ہر شخص احرام کی حالت میں ہوتا ہے اسی طرح ہر شخص میدانِ محشر میں کفن کے ساتھ حاضر ہوگا۔

(۳) پھر اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خدا کی، خدا کے دین کی اور خدا کے رسولؐ کی محبت رسمی

اور ضابطہ کی نہیں بلکہ اس میں والہانہ پن، بے پایاں ذوق شوق اور وارفتگی اور عشق ہونا چاہیئے۔

(۴) پھر اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خدا کی مرضی اور اس کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کو بلا وجہ اذیت نہ دی جائے، اور نہ ان کا دل دکھایا جائے اور غلطی سے ایسا کر بیٹھے تو فوراً اس کی تلافی کرنی چاہیئے۔

زیارتِ مدینہ منوّرہ

مدینہ منورہ کی حاضری، مسجدِ نبوی کی نماز اور گنبدِ خضرا کا دیدار گو حج کے ارکان و فرائض میں داخل نہیں ہے لیکن اگر کوئی قصداً ان سعادتوں سے محروم چلا آیا تو اس کے بارے میں بلا مبالغہ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ آبِ حیوان کے کنارے پہنچ کر اَبدی زندگی سے محروم چلا آیا۔

غور کیجئے یہ اسلام کی دولت اگر ہم کو نہ ملی ہوتی تو کیا ہم دنیا کی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی نعمت سے محروم نہ رہتے؟ نہ تو خالق کو پہچانتے اور نہ اس کے حقوق کا علم ہم کو ہوتا، نہ مخلوق کی حیثیت سے ہم واقف ہوتے، نہ اس کے حقوق کو جانتے، پھر کیا ہم میں اور بے عقل جانوروں میں کوئی فرق ہوتا؟ پھر یہ دولت ہمیں کیسے ملی، یہ روشنی ہم نے کہاں سے پائی، اس نعمت سے ہمارا دامن کیسے مالا مال ہوا، ان سب باتوں کا جواب صرف ایک ہے، یہ ساری سعادتیں ہم کو خدا کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن طفیل سے ملیں، ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، گو آپؐ کا جسمِ اطہر پردۂ خاک میں چھپا ہوا ہے اور ہماری ظاہری آنکھیں آپؐ کو قیامت سے پہلے نہ دیکھ سکیں گی مگر آپ وہاں جائیں گے تو حضورؐ کے معنوی وجود کی شہادت وہاں کا ایک ایک ذرہ دے گا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیٹھتے تھے، یہاں آرام فرماتے تھے، یہاں نماز پڑھتے تھے، یہاں وضو فرماتے تھے۔ یہاں آپؐ کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، یہاں بیٹھ کر وفود سے باتیں کرتے تھے، اس مقام پر وحی آتی تھی، اس مقام پر ہجرت کے بعد آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ یہ خندق ہے جس کے ذریعہ آپؐ نے دولتِ اسلام کی حفاظت کی تھی، جو لوگ اس نورِ مجسم پر خاک ڈالنے آتے تھے، ان کے منہ خود خاک آلود ہوگئے، یہ مسجدِ قُبا ہے جہاں آپؐ نے سب سے پہلی نماز پڑھی، یہ مسجد القِبلتَین ہے جہاں آپؐ نے قبلہ بدلا، یہ مسجدِ نبویؐ ہے جو اپنی موجودہ شان و شوکت کے لحاظ سے دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

ابتدا میں اس کی دیواریں کچی اینٹوں اور چٹانوں سے بنائی گئی تھیں۔ چھت کھجور کی پتیوں سے بنائی گئی تھی، جس کی تعمیر میں بذاتِ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصّہ لیا تھا، فرش کنکریوں کا تھا، جب آپؐ اور صحابہؓ سجدہ کرتے تو ان مقدس پیشانیوں پر کنکریاں لگ جاتی تھیں اور بارش میں نم آلود ہو جاتی تھیں۔ اسی مسجد کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ اس کی بنیاد خالص خدا کے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ یہ اس دنیا میں کسی نبی کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی آخری مسجد ہے۔ گویا۔

زِ خاکش بے صور رُوید معانی

غرض یہ ہے کہ مسجدِ نبویؐ کی زیارت کرکے، مسجدِ نبویؐ میں نماز ادا کرکے اور روضۂ اقدس کا نظارہ کرکے۔ آپ اس منبع سعادت کو دیکھیں گے جہاں سے آفتابِ اسلام کی شعاعیں بلند ہوئیں اور پھر سارا عالم اُن سے جگمگا اُٹھا، ہزاروں درود و سلام ہوں اس ذاتِ گرامی پر جس کے ذریعہ یہ سب کچھ ہمیں ملا۔

مدینہ منورہ کا قدیم نام یثرب ہے جس کے لغوی[1] معنیٰ مَلامت اور فساد وغیرہ کے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے وہاں تشریف لے گئے تو اس کا نام مدینۃ النبی (نبی کا شہر) پڑ گیا، جو بول چال میں صرف مدینہ کہا جاتا ہے۔ اب اس کو یثرب کے نام سے پکارنا مناسب نہیں ہے، یہ جاہلیت کی یادگار ہے۔ اس کے اور بہت سے نام ہیں طَیبہ، طابہ، طیّبہ وغیرہ، اس سرزمین کی خاک میں بھی خدا کے کتنے بندے خوشبو اور لطافت محسوس کرتے ہیں اور یہ اس دعا کا اثر ہے جو آپؐ نے مکہ سے ہجرت کرتے وقت کی تھی، اے اللہ! جب تو مجھے اس جگہ سے نکالتا ہے جو میرے نزدیک سب سے محبوب جگہ ہے تو پھر ایسی جگہ لے جا، جو دوسری آبادیوں میں تیرے لئے محبوب ہو۔

زیارتِ نبویؐ کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی اور اپنی قبر کی زیارت کی خود تاکید فرمائی ہے تاکہ مسلمانوں کا رشتۂ ایمانی محبتِ رسولؐ سے ٹوٹنے نہ پائے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ ”جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے

---

[1] کانہ کرہ الیثرب لانہ فساد فی کلام العرب۔

مجھ پر ظلم کیا۔"

غور فرمایئے کہ کوئی مسلمان جس کے دل میں ایمان کی کوئی رمق باقی ہے آپؐ پر ظلم کرنا پسند کرے گا؟ آپؐ کی زیارت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے آثار اور آپؐ کی قبر شریف کی زیارت کی جائے۔ چنانچہ دوسرے موقع پر آپؐ نے خود فرمایا ہے کہ:۔

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی"۔ (بیہقی شعب الایمان)

آپؐ نے اس میں گویا کا لفظ فرمایا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کوئی یہ بھولے سے نہ سمجھ لے کہ زیارتِ قبرِ نبویؐ سے مرتبہ صحابیت پر پہنچ گیا بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح صحابہؓ کو دوسرے مسلمانوں پر فضیلت تھی، اسی طرح زائرینِ قبرِ نبویؐ کو بھی دوسروں پر فضیلت ہوگی۔

زیارتِ مدینہ منورہ کا طریقہ

مکہ معظمہ سے طوافِ وداع کے بعد ہی مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ مدینہ کی منزلیں جتنی قریب آتی جائیں اپنے دل میں ادب واحترام اور جذبۂ شوق وذوق بڑھانا چاہیئے اور زبان پر راستہ بھر صلوٰۃ وسلام جاری رہنا چاہیئے۔ مدینہ منورہ کے حدود جب شروع ہوں تو بہتر تو یہ ہے کہ یہاں سے پیادہ پا سراپا ذوق وشوق ہو کر مدینہ میں داخل ہو اور جب گنبدِ خضرا اور قبۂ نور کی دید سے چشمِ شوق شرف اندوز ہو تو زبان پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ جاری ہو جائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب باہر سے آتے تھے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ادب واحترام کی وجہ سے سواری سے اُتر جاتے تھے اور گریبان کے بٹن کھول دیتے تھے کہ شاید نقشِ پائے نبویؐ کا کوئی ذرہ ان کے سینۂ دل کو چھو جائے، گویا وہ سراپا درد ہو کر زبانِ حال سے وارفتگانِ شوق کو یہ پیغام دیتے تھے کہ ؎

قدم اے راہ رو آہستہ ترنہ   چو ماہر ذرۂ او دردمند ست

غالباً اسی عالم میں عزت بخاری نے کہا ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید اینجا

اس دیارِ حبیبؐ سے خود حبیبؐ کو جو تعلق اور شیفتگی تھی، اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے جو

بارگاہِ نبویؐ کے خادمِ خاص حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"جب آپؐ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو جب مدینہ کی دیواروں پر نگاہِ سعادت نواز پڑتی تو غایتِ شوق و محبت میں سواری کو تیز تر کر دیتے تھے۔" (بخاری)

اسی ذوق و شوق کے ساتھ مدینے میں داخل ہونا چاہیئے پھر اپنی قیامگاہ پر جا کر سامان رکھے غسل و وضو اور مسواک سے فارغ ہو جائے، اگر ہو سکے تو کپڑے بھی بدل لے، خوشبو لگالے، پھر مسجدِ نبویؐ کے دروازہ پر پہنچ کر سلام و صلوٰۃ پڑھے اور پھر مسجد میں جاتے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے پڑھ کر مسجد میں قدم رکھے، اس وقت مسجد کے نقش و نگار، اس کے فرش و فروش اس کی زیبائش و آرائش پر نگاہ نہ ڈالے، بلکہ مسجد میں پہنچ کر سب سے پہلے پورے حضورِ قلب کے ساتھ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے اور سجدۂ شکر ادا کرے، اگر ہو سکے تو یہ دو رکعت نماز ریاض الجنۃ یا محرابِ نبویؐ کے پاس ادا کرے۔ اگر وہاں جگہ نہ ملے تو پھر کشمکش نہ کرے، جہاں جگہ ملے پڑھ لے۔ نماز کے بعد پورے ادب و احترام کے ساتھ پورب جانب سے مواجہ شریف کی جالیوں کے پاس آئے اور صلوٰۃ و سلام پڑھے، مگر آواز میں تیزی نہ ہو بلکہ پست آواز سے پڑھے، قرآن پاک میں آپ کی حیاتِ مبارک میں لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نبی کی آواز پر اپنی آواز تیز نہ کرو کا جو حکم تھا وہی حکم روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت ملحوظ رکھیں، وہ سلام کافی ہے جو نماز میں تشہد میں پڑھا جاتا ہے، یعنی السلام علیک ایھا النبیؐ، پھر آپؐ کے دونوں محبوب صحابی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو ہدیہ سلام پیش کرے اور پھر وہاں سے منبرِ نبویؐ کے پاس آئے اور اپنی دینی و دنیوی فلاح کے لئے دعا مانگے۔ مسجدِ نبویؐ میں ایک جگہ ریاض الجنۃ کے نام سے مشہور ہے یہاں اگر ہو سکے تو نماز پڑھے اور دعا مانگے، اس کے بعد پھر دوسرے جو مشہور مقامات ہیں ان کی زیارت کرے، مثلاً جنۃ البقیع جہاں نہ جانے کتنے فدایانِ اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سپردِ خاک ہیں۔ مسجدِ قبا اور دوسری مسجدوں میں جائے۔ خاص طور پر جبلِ احد پر جائے جہاں اسلام و کفر کے درمیان دوسری جنگ ہوئی تھی اور قلب و دماغ کو ولولۂ جہاد سے لبریز کرے، اور ان شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کرے جن میں سے کتنے بے کفن سپردِ خاک کر دیئے گئے تھے۔ یہاں پہنچ کر قرآن کی یہ آیت تلاوت کرے۔

سَلٰامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ — تم پر سلامتی ہو کہ تم لوگ دینِ حق پر قائم رہے،

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ — اس دنیا میں یہ کیا ہی اچھا انجام ہے۔

جب تک مدینہ منورہ میں رہیں۔ پانچوں وقت مسجدِ نبویؐ میں باجماعت نماز پڑھیں اور ہو سکے تو تہجد و نوافل بھی، پھر جب وہاں سے رخصت ہونے کا ارادہ ہو تو حتی الامکان مسجدِ نبویؐ میں دو رکعت نماز پڑھ کر قبرِ نبویؐ کے پاس جاکر صلوٰۃ و سلام پڑھیں۔ اور پھر دل میں بے پایاں غمِ فراق لئے ہوئے چشمِ نم کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوں اور دوبارہ آنے کی تمنا قلب و دماغ میں لئے رکھیں۔ حضرت مولانا محمد **احمد صاحب مدظلہ** کا یہ شعر حسبِ حال ہے

پھر گنبدِ خضرا کا ہو دیدار میسّر
کعبہ مجھے پھر اپنے کلیجے سے لگائے

قربانی

قربانی

حج کی طرح عیدالضحیٰ کی قربانی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کی یادگار ہے جو انھوں نے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دے کر قائم کردی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " سُنَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْم یعنی یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی یادگار ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کا مفصل ذکر ہے۔ قرآن میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو بڑھاپے میں جو پہلی اولاد عطا کی وہ حضرت اسماعیل تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ گو صاحبِ شعور ہو گئے تھے مگر ابھی نابالغ تھے کہ ایک دن حضرت ابراہیمؑ کو خواب نظر آیا کہ وہ اپنی اس اکلوتی اولاد کو خدا کی راہ میں قربان کر رہے ہیں، انبیا، کا خواب چونکہ سچا ہوتا ہے اس لئے انہوں نے اس کو اشارۂ غیبی سمجھا اور بیٹے سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو اپنے ہاتھوں سے قربان کر رہا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ گو بچے تھے مگر خدا نے ان کے دل میں بچپن ہی سے نورِ نبوت کی روشنی دے رکھی تھی، اس لئے ایک فرماں بردار بیٹے کی طرح باپ سے عرض کیا کہ ابّا جان آپکو جو حکم خداوندی ملا ہے اس کو پورا کیجئے۔ انشاءاللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے، یعنی میں خدا کی راہ میں قربان ہونے میں کوئی گھبراہٹ محسوس نہیں کروں گا، چنانچہ دونوں بزرگوں نے خدا کی مرضی کے آگے سر جھکا دینا طے کر لیا تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرتِ اسماعیلؑ کو قربانی کرنے کے ارادے سے کروٹ لِٹا دیا، کروٹ اس لئے لٹایا کہ باپ کی نگاہ بیٹے پر نہ پڑے، ممکن ہے کہ محبّت پدری جوش کرے اور چھُری رک جائے۔ خدا کو حضرت اسماعیلؑ کی جان مقصود نہیں تھی بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس جذبۂ ایمانی کا امتحان لینا تھا جس کی بنا پر آدمی اپنی محبوب سے محبوب چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتا، چنانچہ جب ثبوت مل گیا تو خدا نے حضرت جبریلؑ کے ذریعہ ان کو اس سے روک دیا اور اشارۂ غیبی کے تحت حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بجائے ایک دُنبہ کی قربانی کی۔ قرآن نے اس امتحان کے بارے میں کہا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (صافات) بے شک یہ بہت بڑا امتحان تھا۔

گویا قربانی کے ذریعہ ہم کو یہ سبق ملا ہے کہ اگر خدا کا حکم ہو تو اس کی اطاعت و بندگی کا تقاضا ہے کہ اپنی محبوب سے محبوب چیز بھی اس کی راہ میں قربان کر دینے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہو، چنانچہ قرآن میں ہے کہ مسلمانو! تم سے جو جانور کی قربانی کرائی جاتی ہے تو اس جانور کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا، بلکہ خدا کی بارگاہ میں تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے یعنی تم کو اجر و ثواب دل کے اس ارادے اور جذبہ کا ملے گا جس کے ساتھ تم نے قربانی کی ہے، اگر اس سے خدا کی اطاعت مقصود ہوگی تو اس کا صلہ ملے گا اور اگر نمود و نمائش ہوگی تو اس کا صلہ نہ ملے گا، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن قربانی کی بڑی تاکید فرمائی ہے، آپؐ نے فرمایا ہے کہ "آج کے دن سب سے زیادہ ثواب کا کام خون بہانا ہے" آپؐ نے فرمایا کہ قربانی کے جانور کے ایک ایک بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔ بکل شعرۃ حسنۃ (مشکوٰۃ)

قربانی کن لوگوں پر واجب ہے

جن لوگوں پر صدقۂ فطر واجب ہے، ان پر قربانی بھی واجب ہے، مگر صرف اپنی طرف سے، اپنی بالغ یا نابالغ اولاد کی طرف سے واجب نہیں ہے[1]۔ اگر کوئی کر دے تو ثواب ہوگا۔

قربانی کا وقت تین دن یعنی ذوالحجہ کی دس گیارہ اور بارہ کی شام تک ہے، اس مدت میں رات یا دن میں جب چاہے قربانی کر دے اجازت ہے مگر بہتر دن میں ہے۔ مگر جس طرح صدقۂ فطر کا عید کی نماز سے پہلے نکال دینا ضروری ہے اسی طرح قربانی کا نماز کے بعد کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر دیہات کے لوگوں کو نماز پڑھنے کے لئے کہیں دُور جانا ہے تو ان کو اس تاریخ کو صبح صادق کے بعد ہی قربانی کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن قصبہ و شہر کے لوگوں کے لئے یہ اجازت نہیں ہے۔

کن جانوروں کی قربانی جائز ہے

بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا اونٹ، اونٹنی۔ گویا ان چھ جانوروں کے نر و مادہ دونوں کی قربانی جائز ہے، اس کے علاوہ کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، اگر کوئی جنگلی جانور

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۲ صفحہ ۱۹۷

مثلاً ہرن، نیل گائے کی قربانی کرے تو وہ جائز نہیں ہے، خواہ وہ پلے ہوئے کیوں نہ ہوں۔

اس میں بعض جانور ایسے ہیں جن کی قربانی ایک ہی آدمی کی طرف سے جائز ہے اور بعض ایسے ہیں جن میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، مثلاً بکرا، بکری، دُنبہ بھیڑ کی صرف ایک آدمی کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے بقیہ جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں گوشت ذبح ہونے اور کاٹ لینے کے بعد ملا دیا جائے اور پھر تول کر ساتوں حصہ دار بانٹ لیں، البتہ اگر ایک ہی گھر کے لوگ اس میں شریک ہوں تو پھر اس کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جب بھی گوشت حصہ داروں میں بانٹا جائے تو اندازے سے نہیں، بلکہ تول کر تاکہ کسی کا حصہ کم نہ ہو، البتہ اگر کوئی حصہ دار گوشت کا کوئی مخصوص حصہ لینا چاہے تو اس کے اعتبار سے اس کا حصہ کم کیا جاسکتا ہے۔

اگر سات حصے والے جانوروں میں چار یا پانچ آدمی شریک ہوں تو یہ بھی جائز ہے ان کو بھی برابر حصہ تقسیم کر لینا چاہیئے۔ (عالمگیری ج ۵ ص۲۹۷)

جانوروں کی عمر

جن جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اُن کی قربانی کے وقت یہ عمر ہونی چاہیئے: اونٹ کی عمر پانچ برس یا اس سے زیادہ ہونی چاہیئے: ... ... .البتہ دُنبہ اور بھیڑوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ ایک برس سے کم ہوں، مگر دیکھنے میں ایک برس کے معلوم ہوتے ہوں تو اُن کی قربانی کی جاسکتی ہے لیکن اس بارے میں کافی احتیاط کرنی چاہیئے۔ بکرا بکری کسی حال میں ایک سال سے کم کے نہ ہوں۔[۱] (درمختار)

قربانی کا جانور کیسا ہونا چاہیئے

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی کا جانور اچھا اور تیار ہونا چاہیئے، آپؐ نے فرمایا ہے

---

[۱] زیادہ بہتر ہے کہ ان کے دانت نکل آئے ہوں حدیث میں لفظِ مسنہ آیا ہے عام طور پر ایک سال میں وہ دانت جاتے ہیں اس لئے ایک سال کی مدت فقہاء نے مقرر کردی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ دانت دیکھ لئے جائیں۔ بعض حضرات نے مُسِنّہ کو سِنٌّ سے مشتق مانا ہے جس کے معنی دانت کے ہیں جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے کہ جانوروں کا دانتا ہونا ضروری ہے۔

کہ اندھے، کانے، لنگڑے اور دُم کٹے جانور کی قربانی نہیں کرنی چاہیئے۔ لنگڑے کا مطلب یہ ہے کہ تین پاؤں سے چلتا ہے، ایک پاؤں زمین پر رکھا نہیں جاتا، اگر رکھتا ہے لیکن چلتا نہیں تو اس کی قربانی بھی دُرست نہیں ہے (فتاویٰ عالمگیری) (۲) جس جانور کے کان یا دانت بالکل نہ ہوں تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، البتہ اگر دو چار دانت نہ ہوں یا ایک کان ذرا سا یعنی تہائی سے کم کٹ گیا ہو تو قربانی درست ہے (۳) جس جانور کا سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، البتہ اگر تھوڑا سا ٹوٹا ہے یا پیدائشی طور پر سینگ نہیں ہے تو اس کی قربانی درست ہے (۴) اسی طرح بہت زیادہ مَریل اور دُبلے جانور کی قربانی نہ کرنی چاہیئے۔ مَریل اور دُبلے کا مطلب یہ ہے کہ صرف ہڈی، چمڑا رہ گیا ہو، بدن پر گوشت بالکل نہ ہو۔ (عالمگیری) (۵) اگر قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اگر امیر آدمی ہے تو اس کو دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنی چاہیئے۔ اور اگر غریب آدمی ہے تو پھر اسی جانور کی قربانی کر دے۔[1] (۶) اگر قربانی کے جانور کے پیٹ میں بچہ نکل آئے تو قربانی درست ہے۔ اگر اس کی صورت بن گئی ہے تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہیئے۔ اگر پہلے سے معلوم ہو کہ اس جانور کے پیٹ میں بچہ ہے تب بھی اس کی قربانی جائز ہے۔

قربانی کا طریقہ

قربانی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور اس طرح لٹائے کہ اس کا مُنھ قبلہ کی طرف ہو پھر یہ دعا پڑھے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا

میں سب سے کٹ کر اپنی توجہ اس ذات کی طرف کرتا ہوں، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور میرا حج اور ساری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو سارے

---

[1] شرح التنویر ج ۵ صفحہ ۳۱۵)

شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ	جہاں کا مالک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں
اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ	مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبردار
الْمُسْلِمِيْنَ ○ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ	آدمی ہوں، اے اللہ یہ تیرا ہی عطیہ ہے
وَلَكَ۔	اور تیرے ہی لئے ہے۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر چھری گردن پر پھیر کر ذبح کر دیئے صرف چھری پھیر کر علیحٰدہ نہ ہو جائے بلکہ پورے طور پر ذبح کرے۔ اور اس کے بعد اس طرح دعا کرے۔

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ كَمَا	اے اللہ! اسے میری طرف سے اسی طرح
تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ	قبول کر جس طرح تو نے اپنے حبیب حضرت
وَّخَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا	محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیل حضرت
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔	ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے قبول کیا تھا۔

زبان سے دعا پڑھنا ضروری نہیں ہے، اگر کسی کو دعا یاد نہ ہو تو دل میں نیت کرے کہ میں قربانی کر رہا ہوں، بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے۔ ردالمختار ج ۵ صفحہ ۲۲۳)

بہتر ہے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے لیکن اگر کسی دوسرے کی طرف سے کرے، یا اس میں کئی آدمی شریک ہوں تو سب کا نام لے کر یوں کہے مِنْ فُلَانٍ بْنِ فُلَانٍ یعنی فلاں کے بیٹے، فلاں کی طرف سے قبول کر، مثلاً سعید کے بیٹے فرید کی طرف سے اسے قبول فرما۔

قربانی کا گوشت بہتر ہے کہ ایک تہائی غریبوں میں تقسیم کر دے اور بقیہ کو خود کھائے، اور اپنے محلہ، پڑوس، برادری اور دوستوں، غریبوں میں تقسیم کرے، اگر کسی کو نہ دے خود کھا جائے تو یہ بھی جائز ہے لیکن ایسا کرنا قربانی کی رُوح کے خلاف ہے۔

قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو بھی دینا جائز ہے۔ اگر کوئی غریب پڑوسی ہو تو اس کو ضرور دیا جائے[1] لیکن اُجرت میں دینا جائز نہیں ہے۔

---

[1] ویہب منہا ما شاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ صفحہ ۲۰۱)

مُردہ کے نام قربانی مُردہ کے نام قربانی کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ وصیت کر گیا ہے تو اس قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دیا جائے (۲) دوسری یہ کہ مُردہ نے وصیت نہیں کی ہے بلکہ اس نے خود اپنی خوشی سے اپنے والدین یا کسی اور کی طرف سے قربانی کی تو اس کے گوشت کا کھانا اور کھلانا جائز ہے[1] مگر اپنی قربانی کرنے کے بعد پھر مردہ کیطرف سے کیجائے۔

قربانی کی کھال قربانی کی کھال کی دو صورتیں ہیں (۱) قربانی کی کھال جب تک بیچی نہ جائے اس کو خود استعمال کر سکتا ہے یا کسی اور کو دے سکتا ہے، استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جائے نماز بنائے یا چلنی بنوائے، جوتہ بنوائے سب جائز ہے۔ اگر اس نے کھال دوسرے کو ہبہ کر دی تو پانے والے کو اختیار ہے، وہ چاہے تو اپنے ذاتی استعمال میں لائے یا کسی اور چیز میں خرچ کرے (۲) لیکن اگر اس کو فروخت کر دیا تو پھر اس کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے[2]

جانور ذبح کرنے کا طریقہ قرآن وحدیث میں حلال جانوروں کو ذبح کر کے اور شکار کر کے دونوں طرح سے کھانے کی اجازت ہے۔

جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رُو لٹا کر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیز چھری سے ذبح کرنا چاہیئے۔

ہدایتیں (۱) جانور کی گردن میں چار رگیں ہوتی ہیں، ان میں سے تین رگوں کا کٹ جانا ضروری ہے۔ اگر صرف دو کٹیں تو یہ جانور مُردار ہوگا (۲) جو لوگ قربانی کرتے ہیں ان کو چھری لگا کر علیحدہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ پورے طور پر ذبح کرنا چاہیئے۔ (۳) اگر کسی نے قصداً بسم اللہ اللہ اکبر کہنا چھوڑ دیا تو جانور حرام ہوگیا لیکن اگر ارادہ تھا مگر ذبح کرتے وقت بھول گیا تو پھر جانور حرام نہیں ہوگا۔ (۴) کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے (۵) جب تک جانور کی جان نہ نکل جائے اس کی کھال نہ کھینچی جائے، نہ اس کا گلا کاٹا جائے اور نہ اس کو تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اس کو پکڑے رہنا چاہیئے۔ (۶) ذبح کرنے میں کسی پرندہ یا مُرغ وغیرہ کی گردن کٹ کے علیحدہ ہو جائے

---

[1] رد المحتار ج ۵ صفحہ ۲۲۸ وان تبرع عنہ لہ الاکل۔ [2] فان باع الجلد او اللحم بالفلوس او الدراھم تصدق قیمتہ۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۲۵۵)

تو اس سے وہ حرام نہیں ہوا، مگر قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے (۷)، غیر مسلم کا ذبیحہ حرام ہے۔ اس کا گوشت خریدنا حرام ہے، خواہ مسلمان عورت ذبح کرے یا مرد، اس کا ذبیحہ جائز ہے، البتہ جو قصائی یا چک ذبح کرنے میں بسم اللہ قصداً چھوڑ دیتے ہوں ان کا ذبیحہ بھی حرام ہے[۱] موجودہ زمانہ کے عیسائیوں اور یہودیوں کا ذبیحہ ناجائز ہے۔

عقیقہ

عَقِیقہ بچوں کے پیدا ہونے کے بعد ساتویں دن یا اس کے بعد جو جانور ان کے نام سے ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے خود آپؐ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا تھا، اس سے بچے بہت تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات پا جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

اَلْغُلَامُ مرتھن بعقیقتہ	بچہ اپنے عقیقہ کا گروی ہوتا ہے تو ساتویں
یذبح عنہ یوم السابع	دن اس کا عقیقہ کر دو اور اس کا نام رکھ دو
ویسمیٰ ویحلق راسہ	اور سر منڈا دو۔

دوسری حدیث میں ہے۔

فاھریقوا عنہ دمًا واُمیطوا	اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے
عنہ الاذی (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۲۲)	تکلیف اور گندگی کو دور کرو۔

عقیقہ کا طریقہ عقیقہ کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو ساتویں دن اس کا نام رکھ دیں اور اس کے نام سے دو یا ایک جانور کی قربانی کر دیں اور اس کے بال اتروا کر اس کے برابر چاندی یا سونا صدقہ کر دیں۔

ہدایتیں (۱) اگر لڑکا ہو تو دو بکرے یا دو بکریاں یا بھیڑ ذبح کرنا چاہیئے اور اگر لڑکی ہو تو ایک

---

[۱] وان ترک الذابح التسمیۃ عامدًا فالذبیحۃ میتۃٌ لا توکل وان ترکھا ناسیًا اُکل۔ (ہدایہ۔ ج ۴ صفحہ ۴۳۳)

اگر کوئی مجبوری ہو تو لڑکے کی طرف سے ایک جانور بھی کافی ہے، حدیث میں ہے کہ....

ذبح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الحسن بشاۃ۔	آپ نے حضرت حسن کی طرف سے ایک بکری ذبح کی۔

(ترمذی ج صـ ۱۸۳)

(۲) اگر قربانی کے جانور میں ۲ حصے عقیقہ کے نام سے لیا تو بھی جائز ہے۔ (۳) اگر ساتویں دن کسی وجہ سے عقیقہ نہ کر سکیں تو بعد میں جب بھی ممکن ہو کر دینا چاہیئے، بہتر ہے کہ اسی دن کریں جس دن ساتواں دن پڑتا ہو، مثلاً اگر کسی بچّے کی پیدائش جمعرات کو ہوئی ہے تو ساتواں دن بدھ کو ہوگا، اب جب عقیقہ کریں تو بدھ کو کرنا بہتر ہے (۴) جس جانور کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے

عقیقہ کا گوشت

عقیقہ کا گوشت ہر شخص کو کھانا درست ہے بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ نانا، نانی، دادا، دادی اور ماں باپ کو نہ کھانا چاہیئے یہ بالکل غلط اور جاہلانہ بات ہے۔ بہتر ہے کہ قربانی کے گوشت کی طرح اس کو بھی تقسیم کرکے کھائیں۔

عقیقہ کی دعا

جس طرح قربانی کی جاتی ہے اسی طرح عقیقہ کے جانور کو بھی ذبح کرنا چاہیئے ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھنی چاہیئے بعد میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اللّٰھم ھٰذہٖ عقیقۃ فلان بن فلان دمہا بدمہ عظمہا بعظمہ جلدھا بجلدہٖ شعرھا بشعرہٖ فتقبلہ واجعلہا فداءً الا بنی یا لابن فلان یعنی لڑکے یا لڑکی اور اس کے باپ کا نام ہے لینا چاہیئے اگر لڑکی کا عقیقہ ہے تو دمہا بدمہ کے بجائے دمہا بدمہا کہے اور اسی طرح تمام کلمات میں ہا کا لفظ بڑھا دے۔ اگر باپ ذبح کرے تو یہ کہہ دے، یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اور اگر کوئی دوسرا ذبح کرے تو بچے کا اور بچے کے باپ دونوں کا نام لے۔ اس دعا کے بعد قربانی کی دعا، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ پڑھ کر اللّٰھم منک ولک پڑھے پھر بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر کہہ کر ذبح کردے۔

شکار

اسلامی شریعت میں کسی چرند یا پرندے کو شکار کرنا مُباح قرار دیا گیا ہے لیکن محض سیر و تفریح کے لئے شکار کھیلنے کو فقہانے ناپسندیدہ ہی نہیں بلکہ مکروہ و ممنوع قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اذا طلب الصید لھوا ولعبا فلاخیر فیہ واکرھہ۔ — محض سیر و تفریح کے لئے شکار کیا جائے تو یہ بالکل ہی ناپسندیدہ بات ہے اور میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں۔

صاحبِ درمختار لکھتے ہیں:۔

ھُوَ مُبَاحٌ اِلَّا لِلتَّلَھِّی کَمَا ھُوَ ظَاھِرٌ۔ — یہ مباح ہے مگر جیسا کہ شریعت کے عام حکم سے ظاہر ہے سیر و تفریح کے لئے نہیں ہے۔

کَمَا ھُوَ ظَاھِرٌ کی تشریح کرتے ہوئے صاحب ردالمختار لکھتے ہیں۔

لانّ مطلقّ اللھو منھیٌ عَنْہُ — اس لئے کہ محض بے مقصد سیر و تفریح ممنوع ہے

صاحبِ درمختار اور ابن نجیم وغیرہ نے تو شکار کو پیشہ اور معاش کا ذریعہ بنانے کو بھی ناپسند کیا ہے، لیکن عام فقہانے کسی معاشی، معاشرتی یا ہنگامی ضرورت کی بنا پر شکار کھیلنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں:۔

وَاِنْ طَلَبَ مِنْہُ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْہِ مِنْ بَیْعٍ اَوْ اِدَامٍ اَوْ حَاجَۃٍ اُخْرٰی فَلَا بَاْسَ بِہٖ۔ (ردالمختار ج ۵ صفحہ ۴۵۷، صفحہ ۴۵۸) — اگر کسی کو شکار بیچ کر روزی پیدا کرنے کی یا سالن کی یا کوئی اور دوسری مجبوری اور ضرورت ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بندوق، پستول، اور غلیل یا کسی اور ذریعہ سے اگر شکار کیا جائے اور جانور زندہ ہو تو اس کو ذبح کئے بغیر کھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر سدھائے ہوئے کتے اور باز کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دیا جائے اور پھر وہ جانور ان کے پکڑنے سے مر جائے تو ان کا کھانا جائز ہے، مگر

اس کے لئے بہت سی شرائط ہیں، جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

ہدایت

کتا پالنے کی شریعت میں سخت ممانعت آئی ہے۔ مگر دو مقصد سے پالا جاسکتا ہے۔ شکار کے لئے اور جان و مال کی حفاظت کے لئے۔ اگر ان مقاصد کے علاوہ کتا پالا گیا تو سخت گناہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتے نہیں جاتے۔ (مشکوٰۃ)

حرام جانور

جن جانوروں کی غذا صرف گندگی ہے یا وہ شکار کر کے کھاتے ہیں، ان سب کا کھانا حرام ہے۔ مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا، شغال، نیولا، سانپ، بلی، کتا، بندر، باز، شکرا، گدھ، چیل، کوا، یہ ذبح کرنے کے بعد بھی کھائے نہیں جا سکتے۔

حلال جانور

جن جانوروں میں یہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں وہ سب حلال ہیں بشرطیکہ ان کو ذبح کر لیا گیا ہو صرف ٹڈی ایسا پرندہ ہے جس کو بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا جائز ہے۔

مکروہ اور ناجائز جانور

بجو، گوہ، کچھوے، بھڑ، اور دوسرے حشرات الارض کا کھانا مکروہ ہے اور خچر اور گدھے کا کھانا ناجائز ہے۔

(ہدایہ ج ۲ صفحہ ۴۳۹)

پانی کے جانور

پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی جائز ہے، اس کے علاوہ تمام دریائی جانور یا تو حرام ہیں یا مکروہ ہے[1]

بغیر ذبح کئے ہوئے جانور

(۱) وہ تمام جانور جن کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو، خواہ ہاتھ سے گھونٹا گیا ہو، یا مشین سے وہ حرام ہے (۲) وہ جانور جو کسی چیز سے ٹکرا کر یا کسی ضرب سے مر جائیں (۳) وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جائیں (۴) جو جانور کسی دوسرے جانور سے لڑنے یا مارنے کی وجہ سے مر جائیں (۵) وہ جانور جو کسی درندے یا حرام جانور کے کاٹنے سے مر جائیں (۶) جو غیر اللہ کے نام سے ذبح کئے جائیں۔

---

[1] دوسرے ائمہ کے یہاں پانی کے بعض اور جانور بھی حلال ہیں۔

ہدایت ۱ سے ۵ تک جن جانوروں کا ذکر ہے اگر وہ مرنے سے پہلے ذبح کر دیئے جائیں تو حلال ہو جائیں گے لیکن غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کسی حال میں بھی حلال نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں ہے :-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۔

حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور خون اور گوشت سؤر کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے کسی اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی تھان پر اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ گناہ کا کام ہے۔